كشف الباري
عما في صحيح البخاري
كتاب الغسل
شيخ الحديث مولانا سليم الله خان مدظلهم
مهتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ کراچی

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث، جامعہ دار العلوم، کراچی

''کشف الباری عمافی صحیح البخاری'' اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ ''کشف الباری'' عوام وخواص، علما وطلبہ ہر طبقے میں الحمدللہ یکساں مقبول ہو رہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہم نے ''کشف الباری'' سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، ذیل میں ان دونوں علماء کے یہ تاثرات شائع کیے جا رہے ہیں۔

کشف الباری

صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال اللہ بقاء ہ بالعافیة) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمدللہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہو جاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروحِ حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہو جاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کرکے کرسکتا ہے۔

لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کر کے شائع کر [illegible] اور اب بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔

جب پہلی بار ''کشف الباری'' کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کر سکوں گا؛ یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف و متداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہوگئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے، اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے۔ دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نور البشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دار العلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالى لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحب تقریر کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تا دیر بعافیت تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرت والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہو گئے۔ حضرت صاحب تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

☆☆☆☆

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیثِ رسول قرآن کریم کی شرح ہے

﴿لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کر سنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں لکھا ہے۔

"سمعت من أرضی من أھل العلم بالقرآن یقول: الحکمۃ سنۃ رسول اللّٰہ ﷺ" (ص:۳۲)

"میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے"۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب "الموافقات" (ج ۴ ص:۱۰) پر لکھا ہے " فکانت السنۃ بمنزلۃ التفسیر والشرح لمعاني أحکام الکتاب" " یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے"۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورۂ بقرہ کی آیت "ربنا وابعث فیھم رسولا ......" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحکمۃ أن العلم بأحکام اللّٰہ التی لا یدرک علمھا إلا ببیان الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم، والمعرفۃ بھا وما دل علیہ فی نظائرہ، وھو عندی مأخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الباطل والحق"۔

ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم ﷺ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ألا إني أوتیت القرآن ومثلہ معہ" یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم ﷺ کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کرکے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا...... ﴿واذکرن مایتلی في بیوتکن من آیات اللّٰہ والحکمۃ......﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمال دینیہ کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ آپ مراد الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "أنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیھم" (سورۃ النحل) "آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کردیں"۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت ...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان

احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم ﷺ نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ "ومن یطع الرسول فقداطاع اللہ ......"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب "الفصل" میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

"خطبات مدراس" میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علمِ حدیث کے سوفنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقینِ یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگر چہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۃً تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول ﷺ وسننہ وایامہ" ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کر دیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ "اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں اور...... "إن کتاب البخاری أصح الکتابین صحیحا، وأکثرھما فوائد" اور امام نسائی فرماتے ہیں " أجود ھذہ الکتب کتاب البخاری" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب " حجۃ اللہ البالغہ" (ص:۲۹۷) میں ارشاد فرماتے ہیں: "جو شخص اس کتاب کی عظمت کا

قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے" پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا"۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے "لامع الدراری" کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ابھی "ابن بطال" کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابو تمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالى والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعانى والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال اسانيده، ومنهم الباحث فى شرط البخارى فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه؛ إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح (ص:۷ ج۱)"

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کر دیے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابو سلیمان الخطابی التوفی ۳۸۶ھ کی "أعلام الحديث" ہے، اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی التوفی ۴۰۲ھ کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ "مهلب بن احمد بن ابی صفرة" التوفی ۴۳۵ھ کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد "ابو عبد اللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المعری التوفی ۴۸۵ھ نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابو الحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی التوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف "خطابی" کی شرح مطبوع ہے، اور اب "ابن بطال" کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی التوفی ۶۷۶ھ نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ کی شرح "الکواکب الدراری" شیخ جمال الدین الشافعی التوفی ۶۷۲ھ کی "شواهد التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح" حافظ ابن حجر العسقلانی التوفی ۸۵۲ھ کی "فتح الباری" امام بدر الدین عینی التوفی ۸۵۵ھ کی "عمدة القاری" علامہ جلال الدین السیوطی التوفی ۹۱۱ھ کی "التوشیح" امام قسطلانی کی "ارشاد الساری" علامہ نور الحق بن مولانا الشیخ عبد الحق محدث دہلوی التوفی ۱۰۷۳ھ کی "تیسیر القاری" شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ دراز پشاوری کا حاشیہ بھی "تیسیر القاری" کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابو الحسن نور الدین محمد بن عبد الهادی سندھی کا حاشیہ ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ان کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اور ان کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی۔ پھر ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مطبوع اور متداول ہے پھر ان کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جن میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے، جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اور احادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی خدمات تدریس حدیث اور ان کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمت حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر ''لامع الدراری'' اور سنن ترمذی پر ''الکوکب الدری'' جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح ''بذل المجہود'' سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور '' الابواب والتراجم'' موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح ''اوجز المسالک'' موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ''تکملۃ فتح الملھم'' اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخر الدینؒ کی '' ایضاح البخاری'' اور '' الابواب والتراجم'' پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ''التعلیق الصبیح'' اور صحیح بخاری پر '' الابواب والتراجم'' مولانا عبد الجبار اعظمی کی ''امداد الباری'' شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی کا '' حاشیہ مشکوۃ'' حضرت مولانا عبد الحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبد الرحمان کاملپوری کی ''معارف ترمذی'' اور اس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرف نظر نہیں کر سکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

کشف الباری

صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ وفیوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر '' کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' ہے یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گھڑی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آ کر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۲ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب وماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق وبزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا ''مشکوۃ المصابیح'' میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے چینی اور شکوک وشبہات نے گھیر لیا چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق ہی کیا اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کر کے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ ومدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصری طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کر سکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ عرابت اور مطابع طرز تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کر دینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمد للہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ ومتداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی

شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگر چہ علماء کا مشہور مقولہ ہے ...... " لایغنی کتاب عن کتاب" لیکن ...... " مامن عام إلا وقد خص عنه البعض" کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقۃً وواقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کر دیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کر کے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالی نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر، قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، لامع الدراری، کوثر المعانی، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عما فی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲۔ اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵۔ باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ مختلف فیہا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے ردو قدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت اور ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷۔ اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸۔ جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹۔ تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

حضرت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِىْ لَهُ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْآخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ [سبأ:۱]

يُؤتِى الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيْراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُواْ الْأَلْبَاب. [البقرة:۲۶۹]

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ. [الجمعة:۲]

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِى وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ. [الفتح:۲۹]

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ. [محمد:۲]

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِىِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً. [الاحزاب:۵۶]

اللهم صلّ علىٰ محمد وأزواجه وذريته كما صليت علىٰ آل إبراهيم، وبارك علىٰ محمد وأزواجه وذريته كما باركت علىٰ آل إبراهيم، إنك حميد مجيد. [صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، بابٌ، رقم الحديث: ۳۳۶۹]

أمـا بعـد ! بے پناہ حمد وثنا اور بے شمار تعریف وستائش اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات لاریب وبرحق کے لیے، جس نے اپنے بے پایاں لطف واحسان سے مٹی، پھر خون وگوشت کے لوتھڑوں سے اشرف المخلوقات حضرت انسان کی تخلیق فرما کر عقل وفہم کے ساتھ نامعلوم وانجانی اشیاء کے علم ومعرفت سے نوازا اور پہلی وحی میں ہی قلم کو ذریعۂ تعلیم قرار دے کر اس کی عظمت واہمیت سے آگاہ فرمادیا۔

لاکھوں کروڑوں درود وسلام اور رحمت کاملہ نازل ہو میرے خالق ومالک کے محبوب وآخری نبی عربی فـداه أبـي و أمـي حضرت محمد بن عبداللہ صلوات ربی وسلامہ علیہ کی عزیز ورؤوف ذات پر، جس نے جہالت وگمراہی کی اتھاہ گہرائیوں اور مہیب گھاٹیوں میں گری پڑی انسانیت کو بذریعۂ اسلام وایمان کامیابی وکامرانی کی اوج ثریا تک پہنچادیا۔

شُـغِـفْـتُ بـه حُبًّـا فـإنْ ذُكِـرَ اسـمُـهُ تـحـدَّرَ دمعُ الـعيـن يسْتَشْهِـدُ الـخـدَا

بسيـرتِهِ عـطَّـرتُ ظِـلَّ جـوانـحـي لـعـلَّ يَـدَ الـرحـمٰـن تستـنـقِـذُ العَبْـدَا

أرطِّبُ خَـلْـقـي بـالـصـلاة علىٰ اسمِـه فتـنـقـلـبُ الأشـواقُ فـي مُـهْـجَتِي بَـرْدَا

بہت ہی خوش بخت وخوش نصیب ہیں وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے کلام الٰہی اور ارشادات نبوی کو صدور وسطور میں نہ صرف محفوظ رکھا، بلکہ اپنی زندگیوں کو ان فرامین وارشادات کا عملی مظہر بنایا اور فليبلغ الشاهد منكم الـغـائـب کا حقیقی مصداق بن گئے، اللہ جل جلالہ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اسی قافلہ خدامست کے ایک باوفا وباصفا شہسوار، داعی کبیر، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے مرقد پر، جن کے فکر وفیض اور سعی مشکور سے جلا پانے والی تبلیغی نقل وحرکت کی برکت سے بندہ ظلوم وجہول، مرکب عصیاں ونسیاں اور بے اصول عصری فنون کو بلبلہ آب گردان کر علوم الٰہی وفرامین نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تحصیل، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے وابستہ ہوا۔

حدیث مبارک کی عظیم الشان خدمت یقیناً اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اساتذہ کرام، والدین، بھائیوں اور مخلص دوست واحباب، خاص کر میرے شیخ ومربی، استاذ المحدثین، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم کی آہ سحر گاہی، تربیت وشفقت کے طفیل نصیب ہوئی ہے اور یہ طلب علم کے ابتدائی زمانہ ہی سے مانگی جانے والی دعاؤں کی قبولیت کا اثر بھی ہے، اس لیے کہ بندہ جب پہلی دفعہ طلب علم کے لیے عازم سفر ہوا تو میرے مشفق ومحسن، برادر کبیر مولانا خالد محمود صاحب مدظلہ (فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی) نے بطور خاص روزانہ ایک صفحہ مطالعہ کی نصیحت کے ساتھ قطب العالم، ریحانۃ الہند، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی ''آپ بیتی'' عنایت فرمائی تھی، چناں چہ دوران مطالعہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے ابتدائے حدیث کے وقت کی دعا نظر سے گذری کہ ''یا اللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا، اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھیے'' [ص:۸۸] تو اسی وقت سے اس دعا کو حرز جاں بنالیا اور اس سمیع ومجیب الدعوات کی بارگاہ رحمت میں مسلسل عرض کناں رہا کہ اے اللہ! علوم نبوی کی تحصیل کا سلسلہ ایک طویل عرصہ عصری اداروں کی خاک چھاننے کے بعد شروع ہوا ہے، لہٰذا اب تا دم مرگ سلامتی ایمان وعافیت کے ساتھ علوم نبوی کی تعلیم وتعلم اور خدمت سے وابستگی عطا فرما، بس اب ایک ہی تمنا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے فیوض اور حدیث مبارک کی خدمت کا یہ سلسلہ جاری وساری ہی رہے۔

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہونا

عصر حاضر میں بارگاہ ایزدی کی طرف سے تمام شعبہ ہائے دین اور امور دینیہ میں تجدیدی کارہائے نمایاں انجام دینے والی عنداللہ مقبول بندگان الٰہی کی جماعت اور طائفہ منصورہ علمائے اہل سنت دیوبند کے سرخیل اور محدث کبیر شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے علوم ومعارف کے خوشہ چین وامین، میرے شیخ ومربی، استاذ المحدثین، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم، أطال اللہ بقاءہ علینا بصحۃ وعافیۃ کی دینی، اصلاحی اور علمی خدمات جلیلہ سے کون واقف نہیں، گذشتہ نصف صدی سے بھی زائد عرصہ سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا درس پورے آب وتاب کے ساتھ جاری ہے اور تقریباً ڈیڑھ دہائی سے ان دروس وافادات کی ترتیب ومراجعت اور تحقیق وتعلیق کا عظیم الشان سلسلہ

بھی جاری ہے، مجھ بندہ ناتواں پر حضرت الشیخ دامت برکاتہم کے جو علمی، روحانی اور مادی احسانات ہیں وہ نہ صرف زبان وبیان کے محتاج نہیں، بلکہ ہر طرح کے رسمی کلمات تشکر سے بھی بالاتر ہیں، انہی عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ ناچیز کو اپنے دروس وامالی کی ترتیب ومراجعت اور تحقیق وتعلیق کا کام سپرد فرمایا، جو بذات خود ایک نعمت غیر مترقبہ سے کسی بھی طرح کم نہیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت شیخ الحدیث دامت فیوضہم کی ہمہ جہت اور مسلسل سرپرستی، حوصلہ افزائی اور دعاؤں نے ترتیب ومراجعت اور تحقیق وتعلیق کی تمام گھاٹیوں سے سرخ رُوئی کے ساتھ پار ہونے میں مہمیز کا کام دیا، الغرض حضرت شیخ الحدیث دامت فیوضہم کے صحیح بخاری کے شہرہ آفاق دروس وامالی کا یہ مجموعہ موسوم بہ ''کشف الباری'' تقریباً تین سال کی مسلسل اور صبر آزما جدوجہد، اساتذہ، والدین اور بندہ سے دلی تعلق ومحبت رکھنے والے احباب وبھائیوں کی مسلسل دعاؤں اور تعاون سے آج منصۂ شہود پر آرہا ہے۔ استاذ المحدثین حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کی ہمہ جہت شخصیت، آپ کے اعلیٰ اخلاق وصفات حمیدہ، دینی، اصلاحی اور علمی خدمات اور اس بندہ ظلوم وجہول پر شفقت وعنایت، حتی کہ نجی وگھریلو معاملات تک کی خبرگیری محتاج بیان نہیں، ہاں یہ ضرور ہے:

دید لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنون ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

مفوضہ کام کی تفصیلات عرض کرنے سے پہلے اپنے ان محسن اساتذہ کرام ودیگر حضرات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جن کے دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون، سرپرستی وآہ سحرگاہی نے اس عظیم کام کے لیے راہ ہموار کی، ان حضرات میں سب سے پہلے مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ کا ذکر خیر ہے کہ جنھوں نے بحیثیت ناظم اعلیٰ جامعہ فاروقیہ ومسئول شعبہ تصنیف وتالیف اس سلسلہ کے تمام مراحل میں مقدور بھر سہولیات فراہم کرنے میں کسی فروگذاشتی سے کام نہیں لیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایان شان اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

میرے محسن اساتذہ کرام میں سرفہرست حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم ہیں، اول الذکر کے مجھ ناتواں پر تو اتنے احسانات ہیں کہ ان کو شمار

کرنا بھی میرے بس سے باہر ہے، ہمہ جہت تعاون، دعائیں، نصیحتیں اور مسلسل رہنمائی مشعل راہ کا کام دیتی رہیں، جب کہ ثانی الذکر علمی وتحقیقی کام کے دوران انتہائی بشاشت کے ساتھ، مختصر وطویل نشستوں میں مشکل سے مشکل عقدوں کی گرہ کشائی ورہنمائی کے ساتھ ساتھ اپنے انتہائی اہم اور قیمتی مشوروں سے بھی نوازتے رہے، دیگر رفقائے تصنیف خاص طور سے استاذ محترم مولانا حبیب اللہ زکریا صاحب مدظلہ، استاذ محترم مولانا مزمل سلاوٹ صاحب مدظلہ اور استاذ محترم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی خوب تعاون حاصل رہا، جب کہ اول الذکر سے بھرپور استفادہ کا موقعہ ملا۔

گرامی قدر والدین کی مسلسل آہ سحر گاہی، نصیحتیں، برادر کبیر مولانا خالد محمود صاحب وصادق محمود صاحب کا باوجود بعد ومسافت کے ہمہ وقت رابطہ اور حوصلہ افزائی، مختلف اسباب کی فراہمی کے ساتھ معاشی تعاون کا یقیناً بندہ کی علمی اور تصنیفی زندگی میں اہم اور بنیادی کردار ہے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر صدیقِ لبیب مفتی محمد طاہر اٹکی صاحب کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ جنہوں نے بلا مبالغہ گھنٹوں غلاف کعبہ سے چمٹ کر بندہ اور خاص کر زیر نظر کام کی آسانی وتکمیل کے لیے دعائیں مانگی ہیں، اللہ تعالیٰ میرے ان تمام محسنین خاص طور سے مولانا عطاء اللہ شہاب صاحب، مولانا شفیق الرحمٰن صاحب، مولانا صابر محمود صاحب اور رفقائے شعبہ تصنیف مفتی امان اللہ صاحب، مفتی مبارک علی صاحب، مفتی محمد راشد صاحب، مفتی عبد الرحیم صاحب، مفتی سمیع الرحمٰن صاحب، مفتی عبد الغنی صاحب، مفتی ثناء اللہ صاحب ودیگر تعاون وحوصلہ افزائی کرنے والوں کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

بندہ کو حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت فیوضہم کی طرف سے دروس صحیح بخاری کی ترتیب ومراجعت اور تحقیق کے لیے ”کتاب الغسل“ پر کام کا مکلف بنایا گیا، کتاب الغسل کل ۲۹ ابواب پر مشتمل ہے، زیر نظر مجموعہ ان میں سے گیارہ ابواب، دو آیات قرآنیہ، انیس احادیث اور پانچ تعلیقات کی تشریحات پر مشتمل ہے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وفیوضہم اور ان کے حکم سے استاذ محترم حضرت مولانا نور البشر صاحب مدظلہ کی طرف سے بخاری شریف کی اس تقریر کی ترتیب ومراجعت اور تحقیق کے لیے بندہ کو درج ذیل امور کے التزام کا پابند بنایا گیا:

۱-ترجمۃ الباب کے مقصد/مقاصد کی وضاحت اور تراجم ابواب پر سیر حاصل بحث

۲-ربطِ ابواب وذکرِ مناسبت

۳-حدیثِ باب کا ترجمہ

۴-حدیثِ باب کی امہاتِ ستہ سے تخریج

۵-رواۃِ حدیث کا جامع تعارف، خاص طور پر ان کی توثیقات وتعدیلات کا ذکر، اسی طرح ان پر اگر ائمہ کا کلام ہو تو ان کا ذکر، اگر بلا تکلف وتعسف دفاع ہو سکے تو دفاع، ورنہ کم از کم صحیح بخاری میں ایسے متکلم فیہ راوی کے مندرج ہونے کا عذر

۶-سندِ حدیث پر محدثانہ کلام

۷-متنِ حدیث پر محدثانہ کلام

۸-شرح حدیث میں ملحوظ امور:

☆-دیگر طرقِ حدیث میں وارد الفاظ مختلفہ کو لاکر تشریح

☆-نحوی، صرفی، بلاغی، لغوی اور اعرابی حیثیت سے تشریح وتحقیق

☆-فقہی مذاہب کی (اصحابِ مذاہب کی کتب سے) تنقیح اور حوالہ

☆-دلائلِ فقہیہ کا التزام

☆-حنفی مذہب کو مدلل ومبرھن انداز سے پیش کرنا اور وجوہِ ترجیح مذہب حنفیہ کا التزام کرنا

۹-حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

۱۰-متابعت وشواہد بخاری کی تخریجات

واضح رہے کہ حوالہ جات وتعلیقات میں درج ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے:

☆-کتب حدیث کا حوالہ جہاں جلد، صفحات کے ساتھ دیا جائے، وہاں ''کتاب'' اور ''باب'' اسی طرح ''رقم الحدیث'' ضرور ذکر کیے جائیں۔

☆-حدیثِ باب کی تخریج امہات ستہ سے خاص طور پر کی جائے، اگر امام بخاریؒ اس حدیث میں

متفرد ہوں تو کسی معتمد مصنف کا حوالہ ضرور دیا جائے اور اس سلسلے میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کے ساتھ ساتھ تحفۃ الاشراف سے مدد لی جائے۔

☆- متن میں جس کتاب حدیث کا حوالہ آئے اور وہ کتاب اگر دار التصنیف میں موجود ہو یا آسانی سے مل سکتی ہو تو اس کی مراجعت کر کے حوالہ ثبت کیا جائے، ورنہ بدرجہ مجبوری ثانوی مراجع مثلاً: فتح الباری وغیرہ کا حوالہ دیا جائے۔

☆- تعلیقات بخاری کے سلسلہ میں تغلیق التعلیق سے ضرور استفادہ کیا جائے۔

☆- رواۃ کے سلسلہ میں عام شروح کا حوالہ دینے کے بجائے اسماء الرجال کی معتبر کتابوں کا حوالہ دیا جائے۔

☆- لغوی تحقیقات کے لیے لغات حدیث اور عام بڑی لغت کی کتابوں مثلاً: تاج العروس، لسان العرب، المصباح المنیر اور المغرب وغیرہ کو ترجیح دی جائے۔

☆- اعرابی ونحوی وصرفی تحقیقات کے لیے (کتب نحو وصرف اور خاص طور سے) شروح حدیث سے استفادہ کیا جائے۔

☆- فقہی مذاہب ودلائل کے لیے ہر مکتبہ فکر کی اپنی کتابوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

☆- حدیثی مباحث اور محدثانہ کلام کے لیے شروحات کے ساتھ ساتھ علل حدیث پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆- معاصر تقاریر پر سرسری استفادہ کی حد تک تو اعتماد ہو، لیکن حوالہ جاتی اعتماد ہرگز نہ کیا جائے۔

☆- مایستفاد من الحدیث کا شراح حدیث کے کلام کی روشنی میں تذکرہ کیا جائے۔

☆- اسی طرح کسی حدیث پر فقہی وکلامی مباحث کو بھی مکرر نہ لکھا جائے، الا یہ کہ کسی جگہ ناگزیر ہو تو پہلی جگہ کا حوالہ بھی ذکر کریں۔

☆- حدیث شریف سے متعلق کون سے مباحث ذکر کرنے ہیں ان کی تعیین اکابرین کی شروحات وتقاریر کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے۔

احقر نے اس بات کی بھر پور کوشش کی کہ مذکورہ بالا امور کے التزام کے ساتھ تقریر سہل اور عام فہم رہے، حضرت الشیخ دامت برکاتہم کے خصوصی امر پر تمام عربی عبارتوں کے ترجمہ کا بھی التزام کیا ہے، تاکہ کم استعداد والے طلبہ اور حدیثی مباحث کا ذوق رکھنے والے عام مسلمان بھی استفادہ کرسکیں، البتہ حواشی میں صرف اہل علم حضرات کے لیے اگر کسی عربی عبارت کا حوالہ دینا ناگزیر ہوا تو اس کے ترجمہ کا التزام نہیں کیا گیا، دوران تقریر جہاں کہیں کوئی حدیث آئی تو اس کی مکمل تخریج کی گئی اور متعلقہ کتب کا مروجہ طریقہ سے حوالہ دیا گیا، بسا اوقات اگر حدیث کا کوئی ٹکڑا، اثر یا تعلیق تقریر میں مذکور ہوئی تو حسب ضرورت مکمل سند اور بعض دفعہ مکمل متن حدیث بھی حاشیہ میں نقل کردی گئی ہے، احادیث کی صحاح ستہ سے تخریج کے لیے دار السلام کی مطبوعہ "الکتب الستة" سے استفادہ کیا گیا ہے، حوالہ جات کے سلسلہ میں امہات کتب اور مصادر اصلیہ سے استفادہ کی کوشش کی گئی ہے، بعض دفعہ بصورت مجبوری، یا بطور تائید مصادر ثانویہ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، حوالہ دینے میں اس بات بھی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں ممکن ہو تو کم از کم تین معتبر ومعتمد کتابوں کا حوالہ ضرور دیا جائے، جب کہ تراجم رجال کے سلسلہ میں حسب ہدایت تراجم ہی کی دستیاب اکثر معروف کتابوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، تاکہ اہل علم اگر چاہیں تو بسہولت مطلوبہ راوی وبحث تک رسائی حاصل کرسکیں، فرق باطلہ کی بعض کتب کی عدم دستیابی کی وجہ سے بصورت مجبوری "المکتبة الشاملة" سے استفادہ بھی کیا گیا ہے، حسب ترتیت ابتدا میں ابواب کی اجمالی فہرست اور اسماء مترجم لہم کی فہرست اور آخر میں تمام مصادر ومراجع کی تفصیلی فہرست بھی دی ہے، جس میں کتاب ومصنف کا مکمل تعارف، محقق ومحشی اور مکتبہ کا نام اور سن طباعت اگر مذکور ہو تو اس کو بیان کرنے کے ساتھ، مختلف مکتبوں کی مختلف طباعات سے استفادہ کی صورت میں ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، جب کہ تعلیقات وحواشی کتب کا تذکرہ مصادر کے ساتھ مستقل مصدر کے طور پر کردیا گیا ہے۔

اہل علم پر یہ بات بالکل بھی مخفی نہیں کہ کسی بھی علمی مسودہ اور درسی تقریر کی ترتیت وتحقیق کے دوران مقتضائے حال کے مطابق اضافے وترمیم وغیرہ ناگزیر ہوتے ہیں، چناں چہ یہاں بھی ایسی نوبت پیش آنا لازمی بات تھی، لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے میرے شیخ ومربی حضرت شیخ الحدیث دامت فیوضہم کو کہ

آپ نے پیرانہ سالی، متعدد امراض وبکثرت دینی مصروفیات ومشاغل کے باوجود وقتاً فوقتاً نہ صرف بنظر استحسان ملاحظہ فرمایا، بلکہ پسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا۔

دیر وحرم میں روشنی شمس وقمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کا کام ہے اور احقر کو اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ برملا اعتراف بھی ہے، لیکن

سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر سے پس جانے کے بعد

اہل علم وتحقیق کے مزاج شناس اور شناوران فن کو اس حقیقت کا بھی خوب ادراک ہوگا کہ کسی بھی علمی وتحقیقی کام کی ترتیب اور تحقیق وتعلیق کس جانکاہی، عزم واستقامت اور تلاش وجستجو کا متقاضی ہے، بسا اوقات صرف ایک نکتہ اور ایک جزئیہ تک رسائی کے لیے بلا مبالغہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں صفحات، کئی کئی ضخیم جلدوں اور بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے پھر جاکر گوہر مقصود حاصل ہوتا ہے، یقیناً یہ عظیم الشان خدمت مجھ ظلوم وجہول اور بے علم وکم مایہ کے ہرگز بھی بس کا نہیں تھا، اگر توفیقِ الٰہی اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی شامل حال نہ ہوتی، اس پر بس یہی کہا جاسکتا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بندہ نے اس عظیم الشان کام کے سلسلہ میں اپنے سے پیش رو اساتذہ کرام، خاص طور سے حضرت مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم اور مولانا حبیب اللہ زکریا صاحب مدظلہ کے منہج کی پیروی کی مقدور بھر کوشش کی ہے، لیکن بحیثیت انسان اتنے بڑے علمی اور تحقیقی کام میں سہو وغلطی کے امکان کو بالکل بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی بندہ خود کو اس سے مبرا سمجھتا ہے، چناں چہ اہل علم وفضل سے التماس ہے کہ دوران مطالعہ اگر حسن وخوبی نظر آجائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر میرے شیخ ومربی حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت فیوضہم

کی طرف منسوب کیا جائے اور اگر کسی سہو وغلطی پر مطلع ہوں تو اسے بندہ کی طرف سے تقریر کو تحریر کا جامہ پہنانے کی ناقص کوشش اور مرتب کی ذاتی کوتاہی وخامی تصور فرمائیں اور اس سے ضرور آگاہ فرمائیں، تاکہ اس کی اصلاح اور اس طرح کی ممکنہ غلطیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

کتاب کی کمپوزنگ کے بعد پروف کی تصحیح اور نظر ثانی چند دن کی مسلسل دن رات کی جانکاہی اور صبر آزما محنت کے بعد بندہ نے خود ہی مکمل کی، جب کہ کمپوزنگ اور سیٹنگ کے سلسلہ میں بھائی عرفان انور مغل صاحب نے انتہائی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مہینوں کا کام دنوں اور گھنٹوں میں کرکے ہنر مندی کا ثبوت دیا، جب کہ بعض انتظامی امور میں ناظم مکتبہ فاروقیہ مفتی حماد خالد صاحب، بھائی یوسف رانا صاحب اور برادر محمد صدیق صاحب کا خوب تعاون حاصل رہا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات اور دیگر تمام معاونین ومحسنین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں احقر خود بھی دعا گو ہے اور محترم قارئین سے بھی دعا کی التماس ہے کہ میرے شیخ ومربی حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم وأطال اللہ بقاءہ علینا کی مکمل صحت وعافیت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ جل جلالہ حضرت اقدس کا سایہ عاطفت تادیر ہمارے اوپر قائم ودائم رکھے، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے، نیز مرتب کے لیے دعا فرمائیں کہ جلد از جلد باقی مفوضہ کام کو مکمل کرنے کی توفیق سے نوازے اور احقر کی اس ادنیٰ سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر بندہ اور اس کے والدین اور تمام احباب ومحسنین کے صلاح وفلاح کا ذریعہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

"کشف الباری عمانی صحیح البخاری" اردو زبان میں صحیح بخاری شریف کی عظیم الشان اردو شرح ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی نصف صدی کے تدریسی افادات اور مطالعہ کا نچوڑ وثمرہ ہے، یہ شرح ابھی تدوین کے مرحلے میں ہے۔ "کشف الباری" عوام وخواص، علما وطلبہ ہر طبقے میں الحمدللہ یکساں مقبول ہو رہی ہے، ملک کی ممتاز دینی درس گاہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب (شہیدؒ) نے "کشف الباری" سے والہانہ انداز میں اپنے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے متعلق اپنے تأثرات قلمبند فرمائے ہیں، چنانچہ ان دونوں حضرات علماء کے یہ تاثرات افادۂ عام کی غرض سے شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

تأثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم، کراچی

کشف الباری صحیح بخاری کی اردو میں ایک عظیم الشان شرح

احقر کو بفضلہ تعالیٰ اپنے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (أطال الله بقاء ه بالعافية) سے تلمذ کا شرف پچھلے 43 سال سے حاصل ہے، ان میں سے ابتدائی تین سال تو باقاعدہ اور باضابطہ تلمذ کا موقع ملا، جس میں احقر نے درس نظامی کی متعدد اہم ترین کتابیں حضرت سے پڑھیں، جن میں ہدایہ آخرین، میبذی اور دورۂ حدیث کے سال جامع ترمذی شامل ہیں، پھر اس کے بعد بھی الحمدللہ استفادہ کا سلسلہ کسی نہ کسی جہت سے قائم رہا۔ حضرت کا دلنشین اندازِ تدریس ہم سب ساتھیوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول اور محبوب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مباحث حضرت کی سلجھی ہوئی تقریر کے ذریعے پانی ہوجاتے تھے، خاص طور سے جامع ترمذی کے درس میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آئی کہ شروحِ حدیث کے وہ مباحث جو مختلف کتابوں میں غیر مرتب انداز میں پھیلے ہوئے ہوتے، وہ حضرت کے درس میں نہایت انضباط کے ساتھ اس طرح مرتب ہوجاتے کہ ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ہم جیسے طالب علموں کے لیے نہایت آسان ہوتا اور اس طرح حضرت نے ایک کتاب اور اس کے موضوعات ہی نہیں پڑھائے، بلکہ اس بات کی تعلیم بھی دی کہ بکھرے ہوئے مباحث کو کس طرح سمیٹا جائے اور انہیں فہم سے قریب کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کیا جائے، حضرت کے اس اندازِ تدریس کا یہ احسان میرے علاوہ ان تمام طلبہ کے لیے ناقابل فراموش ہے جنہیں حضرت سے پڑھنے کے بعد کسی علمی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت نے اپنے علمی مقام اور اپنے وسیع افادات کو ہمیشہ اپنی اس متواضع، سادہ اور بے تکلف زندگی کے پردے میں چھپائے رکھا جس کا مشاہدہ ہر شخص آج بھی ان سے ملاقات کرکے کرسکتا ہے۔ لیکن پچھلے دنوں حضرت کے بعض تلامذہ نے آپ کی تقریر بخاری کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مرتب کرکے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اب بفضلہ تعالیٰ "کشف الباری" کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

جب پہلی بار "کشف الباری" کا ایک نسخہ میرے سامنے آیا تو حضرت سے پڑھنے کے زمانے کی جو خوشگوار یادیں ذہن پر مرتسم تھیں، انہوں نے طبعی طور پر کتاب کی طرف اشتیاق پیدا کیا۔ لیکن آج کل مجھ ناکارہ کو گوناگوں مصروفیات اور

اسفار کے جس غیر متناہی سلسلے نے جکڑا ہوا ہے اس میں مجھے اپنے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میں ان ضخیم جلدوں سے پورا پورا استفادہ کرسکوں گا، یوں بھی اردو زبان میں اکابر سے لے کر اصاغر تک بہت سے حضرات اساتذہ کی تقاریر بخاری معروف و متداول ہیں اور ان سب کو بیک وقت مطالعے میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن جب میں نے ''کشف الباری'' کی پہلی جلد سرسری مطالعے کی نیت سے اٹھائی تو اس نے مجھے خود مستقل طور پر اپنا قاری بنالیا۔ اپنے درس بخاری کے دوران جب میں ''فتح الباری، عمدۃ القاری، شرح ابن بطال، فیض الباری، لامع الدراری اور فضل الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد ''کشف الباری'' کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہوتا کہ اس کتاب میں مذکورہ تمام کتابوں کے اہم مباحث دلنشین تفہیم کے ساتھ اس طرح یک جا ہوگئے ہیں جیسے ان کتابوں کا لب لباب اس میں سمٹ آیا ہو۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور مباحث اس پر مستزاد ہیں۔ اس طرح مجھے بفضلہ تعالیٰ ''کشف الباری'' کی ابتدائی دو جلدوں کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا اور کتاب المغازی والی جلد کے بیشتر حصے سے استفادہ نصیب ہوا اور اگر میں یہ کہوں تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس وقت صحیح بخاری کی جتنی تقاریر اردو میں دستیاب ہیں ان میں یہ تقریر اپنی نافعیت اور جامعیت کے لحاظ سے سب پر فائق ہے، اور یہ صرف طلبہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ صحیح بخاری کے اساتذہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔ مباحث کے انتخاب، تطویل اور اختصار میں ہر پڑھانے والے کا مذاق جدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اس میں صحیح بخاری کے طالب علم اور استاذ کے لیے تقریباً تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ پہلی دو جلدیں تقریباً 14 سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں صرف کتاب الایمان مکمل ہوئی ہے۔ جب کہ شروع میں علم حدیث اور صحیح بخاری کے بارے میں نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے دوسری دو جلدیں کتاب المغازی اور کتاب التفسیر پر مشتمل ہیں۔ اور ان کی ضخامت بھی قریب قریب اتنی ہی ہے۔

اس تقریر کی ترتیب اور تدوین میں مولانا نور البشر اور مولانا ابن الحسن عباسی صاحبان (فاضلین دار العلوم کراچی) نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں، وفقهما الله تعالیٰ لأمثال أمثاله، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائیں اور تقریر کے باقی ماندہ حصے بھی اسی معیار کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہوں۔ انشاء اللہ یہ کتاب اپنی تکمیل کے بعد اردو میں صحیح بخاری کی جامع ترین شرح ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحب تقریر کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر بعافیت تامہ قائم رکھیں، ہمیں اور پوری امت کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

احقر اس لائق نہیں تھا کہ حضرت والا کی تقریر کے بارے میں کچھ لکھتا، لیکن تعمیل حکم میں یہ چند بے ربط اور بے ساختہ تاثرات قلمبند ہوگئے۔ حضرت صاحب تقریر اور اس عظیم الشان کتاب کا مرتبہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

تأثرات

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی صاحب (شہیدؒ)

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

حدیثِ رسول قرآن کریم کی شرح ہے

﴿لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة﴾.

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرآن کریم کی آیات صرف پڑھ کر سنانا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم، قولی اور عملی طریقے سے دینا بھی آپ کے فرائض میں داخل تھا اور یہ ان مقاصد میں سے تھا جس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا کیونکہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے علاوہ شریعت کے وہ احکام ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی تھی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں لکھا ہے:

"سمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم" [ص:٢٤]

''میں نے قرآن کے ان اہل علم کو جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حکمت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے''۔

امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' (ج۴ص:۱۰) پر لکھا ہے:" فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب" ''یعنی سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے شرح کا درجہ رکھتی ہے''۔

اور امام محمد بن جریر طبری سورہ بقرہ کی آیت" ربنا وابعث فيهم رسولا ......" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فى الحكمة أن العلم بأحكام الله التى لا يدرك علمها إلا ببيان الرسول صلى الله عليه وسلم، والمعرفة بها ومادل عليه فى نظائره، وهو عندي مأخوذ من الحكم الذي بمعنى الفصل بين الباطل والحق".

''ہمارے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے احکام کے علم کا نام ہے جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے......"

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "ألا إنی أوتیت القرآن ومثله معه" یعنی مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے مثل مزید، جس سے مراد قرآن کریم کی شرح یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی احادیث مبارکہ ہی ہیں اور اسی لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو قرآن حکیم میں خطاب کر کے دین کے اس حصے کی حفاظت کا حکم فرمایا تھا......: ﴿واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمة......﴾ کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

علمائے امت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے مجملات ومشکلات کی تفسیر وتشریح اور اعمالِ دینیہ کی عملی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ آپ مرادِ الٰہی کے بیان وتفسیر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [سورة النحل] "آپ پر ہم نے یہ ذکر یعنی یادداشت نازل کی تا کہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں"۔ چنانچہ قرآن کریم میں جتنے احکام نازل فرمائے گئے تھے، مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، نکاح، طلاق، خرید وفروخت، اخلاق ومعاشرت...... یہ سب احکام قرآن کریم میں مجملاً تھے، ان احکام کی تفسیر وتشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

"ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ......"

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن کریم سے الگ عجمی دین نہیں پیش کرتی ہیں اور نہ ہی یہ عجمی سازش ہے، بلکہ یہ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل ہے اور دینِ اسلام کا حصہ ہے۔

حفاظتِ حدیث، امت مسلمہ کی خصوصیت

اسی اہمیت وخصوصیت کی بناء پر اس کی حفاظت وتدوین اور تشریح کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے اپنی کتاب "الفصل" میں لکھا ہے کہ پچھلی امتوں میں کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ملی کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح اور ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمے کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق ملی، مسلمانوں کے اس عظیم کارنامے کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔

"خطباتِ مدراس" میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈاکٹر اسپنگر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لئے اسمائے رجال کا فن ایجاد کیا، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے حالات محفوظ

ہوگئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے جمع ونقل کا تعلق ہے، اس کے علاوہ علمِ حدیث کے سو فنون ہیں جن کی تفصیل مصطلح الحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تدوینِ حدیث کی ابتداء

حدیث کی جمع وترتیب اور تدوین کی تفصیل ان کتب میں دیکھی جائے جو منکرینِ حدیث اور مستشرقینِ یورپ کے جواب میں علمائے امت نے لکھی ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں البتہ مختصراً اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ احادیث مبارکہ کے لکھنے کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو محفوظ وقلمبند کیا، اس کے بعد پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں احادیث کی ترتیب وتدوین کے کام میں مزید ترقی ہوئی اور پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں خلیفۂ راشد وعادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں سرکاری طور پر اس کے لئے اہتمام شروع ہوا اور پھر ان کے انتقال کے بعد اگرچہ اس کام کا سرکاری اہتمام تو باقی نہیں رہا لیکن علمائے امت نے اس کا بیڑا سنبھالا اور الحمدللہ آج احادیث مرتب اور منقح صورت میں جو ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ محدثین، فقہاء اور علمائے امت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ واقعۂ تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحیح بخاری شریف کا مقام

اس سلسلۂ ترتیب وتدوین کی ایک زریں کڑی امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب "الجامع الصحيح المسند من حديث رسول صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" ہے، اس کتاب میں امام بخاریؒ نے وہ آٹھ اقسام جمع کردیے ہیں جو کسی کتاب کے جامع ہونے کے لئے ضروری ہیں امام بخاری نے نہ معلوم کس قدر عظیم اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی تھی جس کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے وہ عظیم مقبولیت عطا فرمائی کہ مخلوق کی کتابوں میں جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، چنانچہ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ "اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سب سے صحیح ترین کتابیں ہیں:"إن كتاب البخاري أصح الكتابين صحيحا، وأكثرهما فوائد" اور امام نسائی فرماتے ہیں:" أجود هذه الكتب كتاب البخاري" اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب " حجة الله البالغة" [ص:۲۹۷] میں ارشاد فرماتے ہیں: "جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو، وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا ہے" پھر قسم اٹھا کر فرماتے ہیں: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو جو شہرت عطا فرمائی، اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا"۔

اس کتاب میں جو خصوصیات اور امتیازات ہیں ان کی تفصیل کو زیرِ نظر کتاب کے مقدمہ میں دیکھا جائے۔

شروح بخاری

ان ہی خصوصیات وامتیازات اور اہمیت ومقبولیت کی بناء پر صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کے بعد ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں، شیخ الحدیث حضرت اقدس حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے ''لامع الدراری'' کے مقدمہ میں ایک سو سے زیادہ شروح وحواشی کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ابھی ''ابن بطال'' کی شرح بخاری چھپی ہے اس کے مقدمہ میں کتاب کے محقق ابوتمیم یاسر بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"فأضحى هذا الكتاب أصح كتاب بعد القرآن، واحتل من بين الكتب الصدارة والاهتمام، فقضى العلماء أمامه الليالي والأيام، فمنهم الشارح لما في ألفاظ متونه من المعاني والأحكام، ومنهم الشارح لمناسبات تراجم أبوابه، ومنهم المترجم لرجال أسانيده، ومنهم الباحث في شرط البخاري فيه، ومنهم المستدرك عليه أشياء لم يخرجها، ومنهم المتتبع أشياء انتقدها عليه، إلى غير ذلك من أنواع العلوم المتعلقة بالجامع الصحيح". [ص:٧ ج١]

یعنی ان کتب حدیث میں جب صحیح بخاری نے صدارت کا مقام حاصل کیا تو علماء امت نے اپنی زندگیاں اور دن رات اس کتاب کی خدمت میں صرف کردیے۔ بعض لوگوں نے اس کتاب کے متون حدیث میں جو معانی واحکام ہیں ان پر کتابیں لکھیں، بعض علماء نے ابواب بخاری کی مناسبت یا اس کی اسانید کے رجال کے حالات پر اور بعض نے بخاری کی شرائط پر اور بعض نے کتاب پر استدراک وانتقاد کے سلسلے میں کتابیں لکھیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے پہلی شرح حافظ ابوسلیمان الخطابی (التوفی ۳۸۶ ہجری) کی ''أعلام الحدیث'' ہے، اس شرح میں صرف غریب الفاظ کی تشریح ہے۔

اس کے بعد پھر حافظ داؤدی (التوفی ۴۰۲ ہجری) کی شرح ہے، ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان کے بعد پھر علامہ ''مہلب بن احمد بن ابی صفرہ'' (التوفی ۴۳۵ ہجری) کی شرح ہے، اسی شرح کی تلخیص شارح کے شاگرد ''ابوعبداللہ محمد بن خلف بن المرابط الاندلسی المصری'' (التوفی ۴۸۵ ہجری) نے کی ہے، ان کے بعد پھر ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی (التوفی ۴۴۹ ہجری) کی شرح ہے، یہ مہلب کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کی شرح سے استفادہ کیا ہے، ابن بطال کی شرح سے پہلے صرف ''خطابی'' کی شرح مطبوع ہے، اور اب ''ابن بطال'' کی شرح چھوٹے سائز کی دس جلدوں میں چھپ چکی ہے، امام نووی (التوفی ۶۷۹ ہجری) نے بھی صرف کتاب الایمان کی شرح لکھی، اسی طرح امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (التوفی ۷۸۶ ہجری) کی شرح ''الکواکب الدراری'' شیخ

جمال الدین الشافعی (التوفی ۶۷۲ ہجری) کی ''شواھد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح'' حافظ ابن حجر العسقلانی (التوفی ۸۵۲ ہجری) کی ''فتح الباری'' امام بدرالدین عینی (التوفی ۸۵۵ ہجری) کی ''عمدۃ القاری'' علامہ جلال الدین السیوطی (التوفی ۹۱۱ ہجری) کی ''التوشیح'' امام قسطلانیؒ کی ''ارشاد الساری'' علامہ نورالحق بن مولانا الشیخ عبدالحق محدث دھلوی (التوفی ۱۰۷۳ ہجری) کی ''تیسیر القاری'' شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری کی شرح جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر ہے، حافظ دراز پشاوری کا حاشیہ بھی ''تیسیر القاری'' کے حاشیہ پر چھپا ہے، علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالھادی سندھی کا حاشیہ...... یہ تمام صحیح بخاری کے مشہور اور مطبوع شروح وحواشی ہیں۔

ہندوستان میں علم حدیث کی خدمات کا مختصر جائزہ

ہندوستان میں جب علم حدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے بعد حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے گھرانے کی گراں قدر خدمات ہیں، حضرت شیخ نے خود مشکوۃ المصابیح پر عربی اور فارسی میں شروح لکھیں اور ان کے صاحبزادے نے صحیح بخاری پر شرح لکھی پھر ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

صحیح بخاری کے ابواب وتراجم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مطبوع اور متداول ہے پھر ان کے بعد حدیث کی تدریس وتشریح کے سلسلے میں علماء دیوبند کا دور آتا ہے جن میں نمایاں خدمت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری ہے، جس کی تکمیل حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی، نیز حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے صحاح کی اکثر کتب پر حواشی لکھے اور احادیث کی کتب اہتمام صحت کے ساتھ چھپوائیں۔

پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی خدمات تدریس حدیث اور ان کے لائق تلامذہ کی وہ تقاریر بھی خدمت حدیث کی سنہری کڑیاں ہیں جن میں صحیح بخاری پر ''لامع الدراری'' اور سنن ترمذی پر ''الکوکب الدری'' جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیمتی حواشی کے ساتھ چھپ چکی ہیں، سنن ابن ماجہ پر حضرت شیخ الہند کے استاذ ملا محمودؒ کا حاشیہ اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی کے حواشی، سنن ترمذی اور سنن النسائی پر حضرت مولانا اشفاق الرحمان کاندھلویؒ کے حواشی اور ابوداؤد پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بے مثال شرح ''بذل المجہود'' سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد پر حضرت شیخ الہند کی تقاریر، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد پر حضرت امام العصر علامہ انورشاہ کاشمیری کی تقاریر، سنن ترمذی پر علامہ انورشاہ کشمیری اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی تقاریر، صحیح مسلم پر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لاجواب شرح، اسی طرح سنن ترمذی پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر نکات، صحیح بخاری پر حضرت عثمانی کی تقریر اور حضرت شیخ الحدیث کی تقریر اور ''الابواب والتراجم'' موطا امام مالکؒ پر ان کی شرح ''اوجز المسالک'' موجودہ زمانے میں حضرت

مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی "تکملۃ فتح الملہم" اور درس ترمذی، حضرت مولانا فخر الدینؒ کی "ایضاح البخاری" اور "الابواب والتراجم" پر ان کی کتاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعلیق الصبیح" اور صحیح بخاری پر "الابواب والتراجم" مولانا عبدالجبار اعظمی کی "امداد الباری" شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی کا "حاشیہ مشکوۃ" حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی تقریر ترمذی، حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی ترمذی پر شرح، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آبادی کی مشکوۃ پر تقریر، حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوری کی "معارف ترمذی" اور اس طرح کی دیگر لاتعداد کتب، علم حدیث کی وہ گرانقدر خدمات ہیں جن سے زمانہ صرف نظر نہیں کرسکتا اور نہ علوم کی تاریخ لکھنے والا ان خدمات کو نظر انداز کرسکتا ہے۔

کشف الباری-صحیح بخاری کی شروح میں ایک گرانقدر اضافہ

موجودہ دور میں علم حدیث اور خصوصاً صحیح بخاری کی خدمت وتشریح کے سلسلے میں ایک گراں قدر، قیمتی اور بے مثال اضافہ سیدی وسندی، مسند العصر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث وصدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہ وفیوضہ وادام اللہ علینا ظلہ کی صحیح بخاری پر تقریر "کشف الباری عمافی صحیح البخاری" ہے، یہ کتاب حضرت کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری پڑھاتے وقت حضرت نے فرمائیں۔

جامعہ فاروقیہ میں احقر کے دورۂ حدیث پڑھنے کا پس منظر

بندہ نے خود بھی حضرت دام ظلہ سے صحیح بخاری پڑھی تھی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بندہ صوبہ سرحد، ضلع سوات، تحصیل مٹہ، گاؤں فاضل بیگ گھڑی، کے دیہات سے رمضان المبارک کے آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلے کے ارادے سے روانہ ہوا، راولپنڈی آکر اگلی منزل پر روانگی کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی میں ٹھہر گیا، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس زمانے میں جامعہ اشرفیہ میں علم کے آفتاب وماہتاب حضرت مولانا رسول خان صاحب اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے، بندہ بھی شیخین سے استفادہ کی خاطر گھر سے نکلا تھا، راولپنڈی میں قیام کے دوران طالب علمی کے دور کے شفیق وبزرگ ساتھی حضرت مولانا محمد اکبر صاحب چکیسری سے ملاقات ہوئی، وہ اس سال جامعہ فاروقیہ میں حضرت دام مجدہ سے دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے، انھوں نے بندہ کے ارادے پر مطلع ہونے کے بعد کچھ اس والہانہ اور محبت کے انداز میں حضرت کی طرز تدریس اور قدرت علی التدریس کا تذکرہ کیا کہ بندہ کے لاہور جانے کے ارادے میں کچھ تزلزل پیدا ہوا اور پھر انھوں نے مجھ پر اصرار کیا کہ میں بھی دورۂ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی میں حضرت سے پڑھ لوں، چنانچہ بندہ نے ان کی معیت میں کراچی کا سفر کیا، انھوں نے حضرت سے سفارش کر کے بندہ کا داخلہ دورہ حدیث میں کرایا "مشکوۃ المصابیح" میں حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا، مجھے اب تک مقام امتحان کی وہ حدیث یاد ہے۔

اس وقت جامعہ فاروقیہ ایک نوزائیدہ مدرسہ تھا اور اکثر عمارات کچی تھیں، اسباق شروع ہونے سے پہلے بندہ کو کچھ بے

چھنی اور شکوک وشبہات نے گھیرا، چنانچہ بندہ نے چپکے سے کراچی کے ایک اور بڑے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں اسباق شروع تھے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے سبق میں ایک دن شریک ہوا لیکن پھر واپس جامعہ فاروقیہ آیا، دوسرے دن وہاں اسباق شروع ہوئے، حضرت دام مجدہ کے پاس صحیح بخاری کا سبق تھا، پہلے دن کا سبق سن کر اور ابتدائی ابحاث پر حضرت کا خوبصورت اور دل موہ لینے والا مرتب اور واضح انداز تدریس کا مشاہدہ کر کے دل کو اطمینان ہوا اور اپنے رفیق حضرت مولانا محمد اکبر مدظلہ کے لئے دل سے دعا نکلی، بندہ نے خود بھی حضرت کی بخاری شریف کی تقریر لکھی تھی جو بعد میں میری غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

میں نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب جیسا استاذ ومدرس نہیں دیکھا

یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ بندہ نے ایک طویل عرصے تک حضرت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور اب تقریباً دس بارہ سال سے جامعہ العلوم الاسلامیہ میں درس دے رہا ہے، اِس وقت حضرت دام ظلہ سے میرا کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، یہ تمہید میں نے اس لئے لکھی، کہ آئندہ جو بات میں لکھنا چاہتا ہوں، شاید کچھ حضرات اس کو مبالغہ اور تملق پر محمول کریں گے وہ بات یہ کہ بندہ نے اپنی مختصری طالب علمی کی زندگی میں اور اس کے بعد تقریباً ستائیس اٹھائیس سالہ تدریسی زندگی میں حضرت جیسا مدرس اور استاذ نہیں دیکھا جس کی تقریر ایسی مرتب جامع اور واضح ہو کہ اعلیٰ، متوسط اور ادنی درجے کا ہر طالب علم اس سے استفادہ کر سکتا ہو، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جو تحقیقی ذوق عطا فرمایا، اس کے ساتھ مرتب اور جامع طرزِ تدریس عموماً بہت کم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام صفات جمع فرمائی ہیں۔

کشف الباری مستغنی کردینے والی شرح

بندہ تقریباً تین سال سے جامعہ علوم اسلامیہ میں صحیح بخاری پڑھاتا ہے اور الحمدللہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہتا ہوں کہ مجھے مطالعہ کرنے کا ذوق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے، صحیح بخاری کی مطبوعہ ومتداول شروح، حواشی اور تقاریر اکابر میں سے شاید کوئی شرح، حاشیہ، یا تقریر ایسی ہوگی، جو بندہ کی نظر سے نہیں گذری لیکن میں نے ''کشف الباری'' جیسی ہر لحاظ سے جامع، مرتب اور تحقیقی شرح نہیں دیکھی، اگر چہ علماء کا مشہور مقولہ ہے: "لا یغنی کتاب عن کتاب" لیکن...... "مامن عام إلا وقد خص عنه البعض" کے قاعدے کے مطابق ''کشف الباری'' اس قاعدے سے مستثنی ہے، بلا مبالغہ حقیقۃً وواقعۃً یہ ایسی شرح ہے کہ انسان کو دوسری شروح سے مستغنی کر دیتی ہے۔

میں ان لوگوں کی بات تو نہیں کرتا جو کسی خاص تقریر کا مطالعہ کر کے سبق پڑھاتے ہیں البتہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے تحقیقی ذوق دیا ہے، اور متقدمین شارحین جیسے خطابی، ابن بطال، کرمانی، عینی، ابن حجر، قسطلانی، سندھی وغیرھم کی شروح کا مطالعہ کرتے ہیں اور متاخرین میں تیسیر القاری، کوثر المعانی، لامع الدراری، اور فیض الباری کو دیکھتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی دیں گے۔

کشف الباری کی خصوصیات

''کشف الباری عمافی صحیح البخاری'' کی خصوصیات اور امتیازات تو بہت ہیں اور ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر دوسری شروح کے ساتھ ایک تقابلی جائزہ آئندہ پیش کرے گا یہاں ارتجالاً چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- مشکل الفاظ کے لغوی معانی کا اور یہ کہ یہ لفظ کس باب سے آتا ہے بیان ہوتا ہے۔

۲- اگر نحوی ترکیب کی ضرورت ہو تو جملے کی نحوی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳- حدیث کے الفاظ کا مختلف جملوں کی صورت میں سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴- ترجمۃ الباب کے مقصد کا تحقیقی طریقے سے مفصل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۵- باب کا ماقبل سے ربط و تعلق کے سلسلے میں بھی پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

۶- مختلف فیھا مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور دوسرے مسالک کی تنقیح و تحقیق کے بعد ہر ایک کے مستدلات کا استقصاء اور پھر دلائل پر تحقیقی طریقے سے رد و قدح اور احناف کے دلائل کی وضاحت اور ترجیح بیان کی گئی ہے۔

۷- اگر حدیث میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہو تو اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔

۸- جن احادیث کو تقریر کے ضمن میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

۹- تعلیقات بخاری کی تخریج کی گئی ہے۔

۱۰- اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقوال کے نقل کرنے میں حضرت صرف ناقل نہیں ہیں بلکہ ہر قول پر محققانہ اور تنقیدی کلام بھی بوقت ضرورت کیا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة.

حضرت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تدریس کا طویل موقعہ عنایت فرمایا، اس کتاب میں آپ کی پوری زندگی کی تدریس کا نچوڑ موجود ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں صحیح بخاری پڑھانے والا کوئی بھی استاذ اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے، اس تقریر کے مرتب کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، دینی طبقہ پر عموماً اور حضرت کے طبقۂ تلامذہ پر خصوصاً جن میں بندہ بھی شامل ہے، یہ ان حضرات کا عظیم احسان ہے۔

فهرس إجمالي لأبواب كتاب الغسل

کتاب الغسل کے ابواب کی اجمالی فہرست

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ
علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے	۱۶۷
نسخوں کا اختلاف	۱۶۷
لفظ "غرف" کی پہلی توجیہ	۱۶۸
دوسری توجیہ	۱۶۸
ثلاث غرف سے شوافع کا تثلیث فی الغسل پر استدلال	۱۶۸
ثم يفيض الماء على جلده كله	۱۷۰
يفيض الماء	۱۷۰
علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی رائے	۱۷۱
جلده	۱۷۲
كلّه	۱۷۲
فائدہ	۱۷۳
حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت	۱۷۳
حدیث سے مستنبط شدہ احکام	۱۷۳
حدیث باب (دوسری حدیث)	۱۷۴
حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفيان عن الأعمش	۱۷۴
تراجم رجال	۱۷۵
محمد بن یوسف	۱۷۵
سفیان	۱۷۶
الأعمش	۱۷۶
سالم بن ابی الجعد	۱۷۶
کُریب	۱۷۶

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ
	۵۱۲

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات

عنوانات	صفحہ

فهرس أسماء الرجال المترجم لهم

علىٰ ترتيب حروف الهجاء

ایک ضروری وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے، اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا صاحب نے تحقیقی کام کیا ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے، اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں، یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٥ - كتاب الغسل

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ» /المائدة : ٦/ .

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ : «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا» /النساء : ٤٣/ . (☆)

بسملہ کے متعلق تفصیلی بحث "بدء الوحي" کے ذیل میں گذر چکی ہے۔(۱)

یہاں عنوان سے پہلے بسملہ ہے، یا نہیں؟

اصیلی کی روایت میں عنوان سے قبل بسملہ نہیں اور انہوں نے "کتاب" کی جگہ "باب" کا عنوان قائم کیا ہے،(۲) یہ زیادہ اوجہ ہے کتاب کی بنسبت، کیوں کہ کتاب مختلف انواع کے مجموعہ کو کہتے ہیں، جب کہ غسل طہارت کی ایک نوع ہے، اگر چہ فی نفسہ اس کے اسباب متعدد ہیں۔(۳) ہمارے ہاں متداول نسخہ(۴) اور

(☆) آیات سے متعلق بحث آگے آرہی ہے۔

(۱) دیکھیے: كشف الباري، بدء الوحي: ۱/۲۰۳-۲۰۷، ۳۶۹-۳۸٤

(۲) فتح الباري: ۲/٤٧٤، إرشاد الساري: ۱/٤٨٥، تحفة الباري: ۱/۲۱۷

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۸۲، إرشاد الساري: ۱/٤٨٥

(٤) صحيح البخاري، كتاب الغسل: ۱/۳۹، قديمى كتب خانه، كراچی

دیگر حضرات کی روایت میں کتاب کے عنوان سے قبل بسملہ مذکور ہے۔(۱)

عنوان مقدم ہے یا بسملہ؟

اس کے بعد یہاں یہ اختلاف ہے کہ عنوان مقدم ہے، یا بسملہ؟۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول بسملہ عنوان سے مقدم ہے، جب کہ اکثر حضرات کے نزدیک اس کا عکس ہے، (۲) یعنی بسملہ مؤخر اور کتاب الغسل کا عنوان مقدم ہے۔

ماقبل سے ربط

امام بخاری رحمہ اللہ نے ماقبل میں "کتاب الوضوء" کے عنوان سے طہارت صغریٰ اور اس کی انواع کو بیان کیا تھا، اب یہاں سے "کتاب الغسل" کے عنوان سے طہارت کبریٰ اور اس کی انواع کو بیان فرمارہے ہیں، حدث اصغر سے طہارت کی زیادہ حاجت پڑتی ہے بخلاف حدث اکبر کے، لہٰذا طہارت صغریٰ کے کثیر الوقوع ہونے کی وجہ سے اس کو طہارت کبریٰ پر مقدم کیا ہے۔(۳)

غسل کی لغوی تحقیق

لغت میں "غسل" باب ضرب سے غسل الشيء غَسْلًا دھونے (اور پانی سے میل دور کرنے) کو کہتے ہیں۔(۴)

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "غسل" سین کے ضمہ اور سکون دونوں طرح سے مستعمل ہے۔(۵)

علامہ جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: غسل: غَسَلْتُ الشيء غَسْلاً بالفتح، والإسم الغُسلُ بالضم".(٦)

---

(١) عمدة القاري: ٢٨٢/٣

(٢) فتح الباري: ٤٧٤/٢، إرشاد الساري: ٤٨٥/١

(٣) دیکھیے: عمدة القاري: ٢٨٢/٣

(٤) القاموس الوحيد، ص: ١١٦٧

(٥) مختار الصحاح، ص: ٢٨١

(٦) معجم الصحاح، ص: ٧٧٤

یعنی غین کے فتحہ کے ساتھ مصدر اور ضمہ کے ساتھ اسم ہے۔

ابن منظور رحمہ اللہ کہتے ہیں :الغَسل بفتح الغين مصدر ہے غَسَلْتُ سے اور بضم الغین اسم ہے اغتسال کا، اور غسل بضم الغین سارے بدن کے دھونے کو کہتے ہیں۔(۱)

ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی غین کے فتحہ کے ساتھ مصدر اور ضمہ کے ساتھ اسم قرار دیا ہے، البتہ وہ کہتے ہیں "الغُسل بالضم الماء الذی يغسل به".(۲) یعنی غسل بضم الغین اس پانی کو کہتے ہیں جس سے غسل کیا جاتا ہے۔

ابن سیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصدر پر ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں، بعض کہتے ہیں کہ الغَسل (بالفتح) نہانے کے عمل کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے نہایا جاتا ہے،(۳) بعض کہتے ہیں: بالفتح مصدر اور بالضم اسم ہے۔(۴)

صاحب مجمع بحار الأنوار، علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الغَسل: بفتح غين أشهر و أفصح من ضمها مصدر غسل"، الغسل مصدر ہے غسل کا یعنی بفتح غین اشہر وافصح ہے بنسبت غین کے ضمہ سے۔(۵) یہی توجیہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "إرشاد الساري" میں(٦) اور شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے "تحفة الباري" میں اختیار کی ہے۔(۷)

علامہ نووی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بفتح الغين و ضمها لغتان، الفتح أفصح و أشهر عند أهل اللغة والضم

---

(۱) لسان العرب: ۱۰/ ۷۰

(۲) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۲/ ۳۰۸، مجمع بحار الأنوار: ٤/ ۳۸

(۳) دیکھیے: فتح الباري: ۲/ ٤٧٤

(٤) عمدة القاري: ۳/ ۲۸۲

(٥) مجمع بحار الأنوار: ٤/ ۳۸

(٦) إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٥

(٧) تحفة الباري: ۱/ ۲۱۷

هو الذي يستعمله الفقهاء، أو أكثرهم".(١)

(غسل) کو غین کے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، اہل لغت کے ہاں فتحہ کے ساتھ افصح واشہر ہے، اور اکثر فقہا ضمہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

علامہ جمال الدین بن مالک جو اپنے زمانہ میں اہل ادب کے امام تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا:

"إذا أريد به الاغتسال، فالمختار ضمه، ويجوز فتحه، كقولنا: غسل الجنابة أي اغتسالها، ومن فتحه أراد غسل يديه غَسلاً".(٢)

یعنی اگر اس سے اغتسال یعنی غسل کرنا مراد لیا جائے، تو پھر ضمہ مختار ہے اور فتحہ بھی جائز ہے، جیسا کہ ہمارا قول غُسل الجنابۃ ہے، یعنی جنابت سے غسل کرنا اور جو اسے مفتوح پڑھتا ہے تو اس سے مراد ہاتھوں کا دھونا ہے۔

غِسل بكسر الغين اس چیز کو کہتے ہیں جو بغرض تنظیف غسل میں استعمال کی جاتی ہے، (٣) جیسے خطمی، سدر اور صابون وغیرہ، علامہ جوہری کہتے ہیں: والغِسل بالكسر: مايغسل به الرأس من خطعي وغيره".(٤)

الغُسل بالضم یہ غَسول (بفتح الغين) کی جمع بھی آتی ہے، کپڑے دھونے والے اشنان (صابون) وغیرہ کو کہتے ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ نے "المهذب" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: "أدنيت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غُسلاً من الجنابة".(٥) یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے لیے پانی رکھا، اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت

---

(١) المجموع شرح المهذب: ١٣٠/٢

(٢) تهذيب الأسماء واللغات، مادة غسل: ٦٠/٣

(٣) لسان العرب: ٧٠/١٠، إرشاد الساري: ٤٨٥/١، تحفة الباري: ٢١٧/١

(٤) معجم الصحاح، ص: ٧٧٥، تحفة الباري: ٢١٧/١، إرشاد الساري: ٤٨٥/١

(٥) سيأتي تخريجه

میں ہے:"أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعنا له غُسلاً".(۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے ان کے (غسل کے) لیے پانی رکھا۔

ان دونوں حدیثوں میں لفظ غُسل مضموم الغین ہے، اور مراد اس سے غسل کا پانی ہے، ان دونوں حدیثوں میں لفظ "غُسلا" کا مضمون الغین ہونا اہل لغت، محدثین اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، باقی رہی بات شیخ عماذالدین بن باطیش رحمہ اللہ کا "المهذب" کے الفاظ کی کتابت میں اسے مکسور الغین قرار دینا تو یہ ایک صریح خطا، قبیح تصحیف اور ایسا منکر ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اس کا ارتکاب نہیں کیا اور ایسا باطل ہے کہ جس میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی، میں نے اس کا تذکرہ لوگوں کو اس پر متنبہ کرنے کے لیے کیا ہے، تاکہ کوئی اس سے دھوکہ نہ کھا جائے۔(۲)

ایک شبہ

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فقہاء کے اقوال: باب غسل الجنابة اور غسل الميت اور وجب عليه وضوء وغسل اور يجب الغسل من خروج المني" وغیرہ کی طرح الفاظ میں لفظ غسل کو غین کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، دونوں طرح پڑھنا فصیح ہے، البتہ فتحہ کے ساتھ پڑھنا اشہر ہے، فقہاء کا اسے مضمون پڑھنا خطا و جہل اور دوسری لغت پر مطلع نہ ہونا ہے۔(۳)

جواب

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ علامہ نووی رحمہ اللہ کی طرف سے فقہاء کی تغلیط و تجہیل کے جواب میں فرماتے ہیں:

"تخصيص الفقهاء الغسل الشرعي بالضم واستعمالهم الفتح في غيره

(۱) الحديث أخرجه الإمام أحمد بن حنبل في مسنده، حديث قيس بن سعد بن عبادة رضي الله عنه: ۲۶۲/۳۹، رقم الحديث: ۲۳۸۴٤

(۲) تهذيب الأسماء واللغات، مادة غسل: ۵۹/۳

(۳) تهذيب الأسماء واللغات: ۵۹/۳

إنما هو للتميز لئلا يشتبه أحدهما بالآخر، فلا وجه لتغليطهم". (۱)

یعنی فقہاء کا غسل شرعی کو ضمہ کے ساتھ خاص کرنا اور (لفظ غسل کو) غین کے فتحہ کے ساتھ دیگر معانی میں استعمال کرنا دونوں میں تمیز پیدا کرنے کے لیے ہے، تاکہ ان دونوں میں اشتباہ نہ پیدا ہو، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس بارے میں فقہاء کی تغلیط کی جائے۔

کتاب کی ابتدا آیات قرآنیہ سے کرنے کی غرض

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الغسل کی ابتدا قرآن مجید کی دو آیتوں سے کی ہے، ایک سورۂ نساء کی اور دوسری سورہ مائدہ کی آیت ہے، علامہ کرمانی رحمہ اللہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما غرض البخاري من هاتين الآيتين فهو بيان أن وجوب الغسل على الجنب مستفاد من القرآن". (۲)

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ان دو آیتوں سے یہ بیان کرنا ہے کہ جنبی پر غسل کا واجب ہونا قرآن سے مستفاد ہے۔ اسی توجیہ کو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۳) اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ (۴)

ایک دقیق نکتہ

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے سورہ مائدہ کی آیت کو سورہ نساء کی آیت پر مقدم کیا ہے، حالاں کہ ترتیب میں سورہ نساء، سورہ مائدہ سے مقدم ہے، اس کی توجیہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسا ایک دقیق نکتہ کی وجہ سے کیا ہے، وہ یہ کہ سورہ مائدہ کے لفظ "فاطهروا" میں اجمال ہے اور سورہ نساء کے لفظ "حتى تغتسلوا" میں اغتسال کی تصریح اور تطہیر مذکور کا بیان ہے۔ (۵)

---

(۱) السعاية: ۱/ ۲۷٤

(۲) صحيح أبي عبد الله البخاري بشرح الكرماني: ۳/ ۱۱۱

(۳) دیکھیے: إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٣

(٤) عمدة القاري: ۳/ ۲۸۲

(٥) فتح الباري: ۲/ ٤٧٤، ٤٧٥

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب کی اس توجیہ کورد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "فاطھروا" میں کوئی اجمال نہیں، نہ لغت کے اعتبار سے اور نہ ہی اصطلاح کے اعتبار سے، کیوں کہ "فاطھروا" لغت واصطلاح ہر دو اعتبار سے غَسل بدن کے معنی میں ہے۔(۱)

بخاری شریف کے متداول نسخہ (۲) اور شرح ابن بطال میں (۳) یہ دونوں آیتیں مختصراً، جب کہ کشف الباری کے متن کے لیے منتخب نسخہ ودیگر شروح بخاری میں مکمل مذکور ہیں۔(۴)

﴿وان كنتم جنباً فاطهروا، وان كنتم مرضىٰ اَوعلى سفر اَو جاء اَحد منكم من الغائط اَولا مستم النساء فلم تجدوا ماءً فتيموا صعيداً طيباً فامسحوا بوجوهكم واَيديكم منه، مايريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون﴾.(۵)

(ترجمہ) اور جب جنابت لاحق ہوجائے تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو، اور اگر بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے آیا ہو، یا پاس گئے ہو عورتوں کے، پھر نہ پاؤ تم پانی، تو قصد کرو مٹی پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے، لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور پورا کرے اپنا احسان تم پر، تاکہ تم احسان مانو۔

سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يا اَيها الذين اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰة واَنتم سكارىٰ حتى تعلموا ما

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۸۳

(۲) صحيح البخاري: ۱/۳۹، قديمى كتب خانه، كراچى

(۳) شرح ابن بطال: ۱/۳۷۵

(٤) دیکھیے: فتح الباري: ۲/٤٧٤، عمدة القاري: ۳/۲۸۲، تحفة الباري: ۱/۲۱۷، إرشاد الساري: ۱/٤٨٥، شرح الكرماني: ۳/۱۱۰، ۱۱۱

(٥) المائدة: ٦

تقولون ولا جنباً الّا عابری سبيل حتى تغتسلوا وإن كنتم مرضىٰ أو على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط أو لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً فامسحوا بوجوهكم وأيديكم إن الله كان عفواً غفوراً﴾. (۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت تک کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو، اور اگر تم مریض ہو، یا آیا ہے کوئی شخص تم میں سے جائے ضرورت سے، یا پاس گئے ہو عورتوں کے، پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو مٹی پاک کا، پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو، بے شک! اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

طہارت کبریٰ کی اصل

سورہ مائدہ اور نساء کی یہ آیات طہارت کبریٰ کے حوالے سے اصل کی حیثیت رکھتی ہیں، (۲) طہارت کے تمام احکام ان آیات سے مستنبط کردہ ہیں، سورہ مائدہ میں مقصود اصلی وضو کے احکام کو بیان کرنا ہے، غسل وتیمم تبعاً مذکور ہوئے ہیں، جب کہ سورہ نساء کی آیت سے مقصود غسل کا بیان ہے۔

غسل کا حکم پہلی آیت میں لفظ "فاطهروا" اور دوسری آیت میں "حتى تغتسلوا" کے ذریعے دیا گیا ہے، یہاں تطہر اور اغتسال دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، کیوں کہ "فاطهروا" باب تفعل کا صیغہ ہے جس سے طہارت میں مبالغہ مطلوب ہے، (وہ غسل کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے) پھر اس پر مزید یہ کہ تطہر خود لغت میں غسل کے معنی میں مستعمل ہے۔ (۳)

حدث اکبر سے غسل امت محمدیہ کی خصوصیت نہیں

حدث اکبر سے غسل کرنا اور طہارت حاصل کرنا امتِ محمدیہ کی خصوصیت نہیں، بلکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل بھی اس کے مکلف تھے، ہاں! البتہ صحیح قول کے مطابق وضو اس امت کی خصوصیت ہے، سابقہ امتوں کو یہ

(۱) النساء: ٤٣

(۲) بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ١/٥٢٧

(۳) لامع الدراري: ٢/٢٠٦

شرف حاصل نہ تھا، انبیاء سابقین کو بھی اس کا حکم تھا، حدثِ اکبر سے طہارت اس امت کی خصوصیت نہیں، اس کی دلیل میں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبد بن حمید نے وہب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "مكتوب في الزبور: من اغتسل من الجنابة فإنه عبدي حقاً ومن لم يغتسل من الجنابة فإنه عدوي حقاً". (۱)

یعنی زبور میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جنابت سے غسل کیا وہ میرا حقیقی بندہ ہے اور جس نے جنابت سے غسل نہیں کیا وہ درحقیقت میرا دشمن ہے۔

انبیاء سابقین کا وظیفہ

علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے "دلائل النبوۃ" میں نقل کیا ہے کہ غسل جنابت انبیاء سابقین علیہم السلام کا وظیفہ تھا، اس امت پر بھی غسل جنابت کو فرض قرار دیا گیا ہے، چناں چہ انہوں نے حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی اُتاری اور فرمایا:

---

(۱) السعاية في كشف مافي شرح الوقاية: ۱۷/۳، ولم أجده تماماً كما ذكر، إلا أن الإمام أبابكر أحمد بن مروان بن محمد الدينوري القاضي المالكي (المتوفى ۳۳۳هـ) أخرجه مختصراً في المجالسة وجواهر العلم (۱٤۸/٦، ۱٤۹، رقم الحديث: ۲٤۷۸) ولفظه: [قال] حدثنا محمد بن عبدالعزيز، نا أبي، نا عبدالرزاق، نا معمر عن زيد بن أسلم، قال: سمعت وهباً الذماري يقول: "قرأت في الزبور: إن الله تبارك وتعالىٰ يقول: "من اغتسل من الجنابة فإنه عبدي حقاً". اهـ، أما لفظه: "فإنه عدوي حقاً" أخرج معناه الإمام أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (المتوفى ٤۵۸هـ) مرسلاً في شعب الإيمان، باب العشرون من شعب الإيمان [وهو باب] في الطهارات، فضل الوضوء، (۱۹/۳، رقم الحديث: ۲۷٤۹): [قال] أخبرنا أبو عبدالله الحافظ، ثنا أبو العباس الأصم، ثنا يحيىٰ بن أبي طالب، ثنا عبد الوهاب بن عطاء، أنا عوف بن أبي جميلة وجعفر بن حبان أبو الأشهب والربيع بن صبيح عن الحسن عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه يروي ذلك عن ربّه تبارك وتعالىٰ أنه قال: "ثلاث من حافظ عليهن فهو عبدي حقاً" وقال عوف وأبي: "حقاً، ومن ضيعهن فهو عدوي حقاً، الصلاة، والصوم والجنابة" يعني غسل الجنابة، وهذا مرسل. اهـ.

"يـاداود! إنّـه سيـأتـي من بعدك نبيٌّ يُسمىٰ: أحمدَ ومحمداً، صادقاً سيّـداً، لا أغـضب عليه أبداً، ولا يغضبني أبداً، وقد غفرت له قبل أن يعصيني ما تقدّم من ذنبه وما تأخّر وأمته مرحومةٌ، أعطيتهم من النوافل مثل ما أعطيت الأنبيـاء، وافتـرضـت عليهم الفرائض التي افترضت علىٰ الأنبياء والرسل، حتىٰ يـأتـونـي يـوم الـقيـامة نـورهـم مثل نور الأنبياء، وذلك أني افترضت عليهـم أن يطهرّوا لي لكل صلاة، كما افترضت على الأنبياء قبلهم، وأمرتهم بالغسل من الـجنـابة كما أمرت الأنبياء قلبهم، وأمرتهم بالحج كما أمرت الأنبياء قبلهم، وأمرتهم بالجهاد كما أمرت الرسل قبلهم".(١)

یعنی اے داوٗد! تمہارے بعد ایک نبی آئے گا، اس کا نام احمد اور محمد ہوگا، وہ سچا اور سردار ہوگا، میں اس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور وہ مجھے کبھی ناراض نہیں کرے گا، میں نے نافرمانی سے قبل ہی اس کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کردیا ہے، اس کی امت بخشی بخشائی ہے، میں نے اس کی امت کو انبیاء کی طرح نوافل سے نوازا ہے اور ان پر وہ فرائض فرض کیے ہیں جو انبیاء اور رسولوں پر فرض کیے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن میرے دربار میں حاضر ہوں گے اس حال میں کہ ان کا نور انبیاء کے نور کی طرح ہوگا، یہ اس لیے کہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ میرے لیے ہر نماز کے لیے پاکی حاصل کریں، جیسا کہ پہلے انبیاء پر فرض کیا تھا اور میں نے انہیں جنابت سے غسل کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ان سے پہلے رسولوں کو اس کا حکم دیا تھا اور انہیں حج کا حکم دیا ہے، جیسا کہ پہلے انبیاء کو دیا تھا اور انہیں جہاد کا حکم دیا ہے جیسا کہ ان سے پہلے رسولوں کو حکم دیا تھا۔

غسل جنابت کب فرض ہوا؟

غسل کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اہلِ سیر سے نقل کیا ہے کہ غسل

(١) جماع أبواب صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في التوراة والإنجيل والزبور وسائر الكتب وصفة أمته: ١/ ٣٨٠

جنابت مکہ مکرمہ میں فرض ہوا۔(۱)

غسل جنابت کی فرضیت مکہ مکرمہ میں کس موقع پر ہوئی، تو اس بارے میں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ غسلِ جنابت کی فرضیت مکہ مکرمہ میں اِسراء (معراج) کی رات ہوئی، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اس پر دلالت کررہی ہے۔(۲)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

"كانت الصلاة خمسين، والغسل من الجنابة سبع مرار، وغسل البول من الثوب سبع مرار، فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يسأل حتىٰ جعلت الصلاة خمساً، والغسل من الجنابة مرّة، وغسل البول من الثوب مرّة".(۳)

یعنی شروع میں نمازیں پچاس اور غسلِ جنابت سات مرتبہ اور پیشاب سے کپڑے کو دھونا سات مرتبہ فرض ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شبِ معراج) اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کرتے رہے، یہاں تک کہ پانچ نمازیں باقی رہیں، اور غسلِ جنابت ایک مرتبہ اور پیشاب سے کپڑے کو دھونا ایک مرتبہ باقی رہا۔

فرضیتِ غسل پر علماء کا اتفاق

پھر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غسل جنابت فرض ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ،(۴) ابن رشد مالکی رحمہ اللہ،(۵) اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے،(۶) لیکن عمر بن ابراہیم العلوی الزیدی الکوفی الحنفی (المتوفی ۵۳۹ھ) جو روافض کے فرقہ جارودیہ سے تعلق

(۱) إنسان العيون في سيرة الأمين المامون المعروف بالسيرة الحلبية: ۱/۳۷۸، أوجز المسالك: ۱/۳۳۹

(۲) السعاية: ۳/۲۷٤

(۳) كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ۲٤۷

(٤) الاستذكار: ۱/۳۰٤، فتح المالك بتبويب التمهيد: ۱/٤۲۰

(٥) بداية المجتهد: ۱/٥۳٤

(٦) الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ۱/۱۱۱

رکھتا تھا وہ غسل جنابت کا قائل نہ تھا۔(۱)

علامہ ابو الغنائم نرسی کا قول

علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے "العبر في خبر من غبر"(۲) اور تاریخ اسلام میں نقل کیا ہے:

"قال الحافظ محمد بن ناصر: سمعت الحافظ أبي الغنام النرسي يقول: عمر بن إبراهيم جارودي المذهب ولا يرىٰ الغسل من الجنابة".(۳)

حافظ محمد بن ناصر نے کہا میں نے حافظ ابو الغنائم النرسی کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن ابراہیم جارودی المذہب تھا اور غسل جنابت کا قائل نہ تھا۔

قرآن وسنت کی مخالفت

ان کا یہ مذہب قرآن وسنت کے خلاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إن كنتم جنباً فاطهروا﴾(۴) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی جنابت لاحق ہوئی تو آپ نے غسل فرمایا ہے، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

غسلِ جنابت کی تعلیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر ارکانِ اسلام کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ غسل جنابت کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، چناں چہ مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن بریدہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے فرمایا:

"كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه رجلٌ جيّد الثياب،

---

(۱) لسان الميزان: ٦/٦٢، ٦٣

(۲) العبر في خبر من غبر: ٢/٤٥٦، ٤٥٧

(۳) تاريخ الإسلام: ١١/٣٢١

(٤) المائدة: ٦، یعنی اگر تمہیں جنابت لاحق ہوجائے تو خوب اہتمام سے پاکی حاصل کرو۔ یہ آیت اگرچہ مدنی ہے، لیکن یہ ان آیات میں سے جن کا حکم مکہ میں آچکا تھا اور نزول مدینہ میں ہوا۔(السعاية: ١/ ٢٧٤)

طيّب الريح، حسن الوجه، فقال: السلام عليك يا رسول الله!، فقال: "وعليك" فقال: يارسول الله أدنو منك؟، فقال: "أُدْنُهْ" فدنا دَنْوةً، فقلنا: ما رأينا كاليومِ رجلاً أحسن ثوباً ولا أطيب ريحاً ولا أحسن وجهاً ولا أشدّ توقيراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم! ثم قال: يا رسول الله! أدنومنك؟ قال: "نعم" فدنادَنْوةً، فقلنا مثل مقالتنا، ثم قال له الثالثة: أدنو منك يارسول الله!؟ قال: "نعم" حتىٰ ألزق ركبتيه بركبة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يا رسول الله! ما الإسلام؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تُقيمُ الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت، وتغتسل من الجنابة، قال: صدقت، فقلنا: ما رأينا كاليوم قطُّ رجلاً، والله لكأنه يُعلّم رسول الله صلى الله عليه وسلم .(۱)

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا شخص آیا جو بہترین کپڑوں والا، عمدہ خوشبو والا اور خوبصورت چہرہ والا تھا، اس نے اللہ کے نبی کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب ارشاد فرمایا، پھر اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں کچھ قریب ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ، تو وہ کچھ قریب ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا کہ ہم نے آج کے دن کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ بہترین کپڑوں والا، پاکیزہ خوشبو والا، خوبصورت چہرہ والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ عزت کرنے والا، پھر اس شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے قریب ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تو وہ کچھ اور قریب ہوا، ہم نے اپنے دل میں پہلی والی بات کی طرح سوچا، پھر اس شخص نے تیسری دفعہ کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے قریب ہو جاؤں؟ آپ

(۱) كتاب الحج، من كان يأمر بتعليم المناسك: ۸/۵۱٦، ۵۱۷، رقم الحديث: ۱٤۹۱۵

علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تو وہ آپ علیہ السلام کے اتنا قریب ہوا کہ اس نے اپنے دونوں گھٹنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنہ کے ساتھ ملالیا، پھر اس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) تم نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور جنابت سے غسل کرو، اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، ہم نے کہا کہ ہم نے آج کی طرح کے شخص کو کبھی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان امور کی) تعلیم دے رہا تھا۔

مشروعیتِ غسل کی حکمت

حیض، نفاس اور جنابت کے بعد مرد وعورت کے جسم میں فتور اور سستی پیدا ہوتی ہے، طبیعت میں ایک طرح کی گراوٹ اور کمی محسوس ہوتی ہے، غسل سے آدمی میں نشاط پیدا ہوتا ہے، حیض، نفاس اور جنابت سے لاحق ہونے والی کمزوری دور ہوجاتی ہے اور طبیعت بحال ہوجاتی ہے، پھر حالت جنابت میں انسان عام طور سے ذکر اللہ سے غافل ہوجاتا ہے اور حائضہ ونفساء کی نماز درست نہیں، اللہ تعالی نے جنابت وغیرہ کے بعد غسل کو واجب قرار دیا ہے تاکہ انسان کی قوت بحال ہو اور وہ نشاط محسوس کرے اور اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو اور شرعاً نماز کا ادا کرنا درست ہوجائے۔(۱)

حکیم الامت رحمہ اللہ کی توجیہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ مشروعیت غسل کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "جنابت اور حیض دونوں ایسی حالتیں ہیں جن کو قرب الہیٰ کے ساتھ منافات اور جن میں نجاست سے اختلاط ہے اور نماز وقرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہمکلام ہونے کا مرتبہ ہے اور خدا کی ہمکلامی کے شرف سے انسان جب ہی مشرف ہوسکتا ہے کہ ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ومطہر ہو، کیوں کہ خدا پاک ہے اس کو ناپاکی سے نفرت ہے"۔

---

(۱) تعلیقات بدایة المجتهد: ۱/ ۵۲۷

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے مزید لکھا ہے کہ جماع میں تلذذ ہوتا ہے اور اس سے ذکرالٰہی میں غفلت ضرور ہوجاتی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے غسل کیا جاتا ہے۔ منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں کبھی ان سے پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آکر ٹھہر جاتے ہیں، اگر ان کو دھویا نہ جاوے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔(۱)

بقراط کا قول

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فصول بقراط میں ہے:

جماع کے فوراً بعد غسل کرنے سے بیماری کا خطرہ ہے، اس لیے زیادہ عجلت نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح غسل جنابت بالکل نہ کرنے سے برص کی بیماری اور گندہ بغلی پیدا ہوتی ہے اور حالت حیض میں جماع کرنے سے جذام کی بیماری ہوجاتی ہے۔(۲)

ایک اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ منی نجس ہونے میں یقینی طور سے بول و براز سے کم تر ہے تو پھر صرف خروج منی سے پورے بدن کے دھونے کو واجب کیوں قرار دیا گیا ہے نہ کہ بول و براز سے؟

جواب

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے "المیزان الکبریٰ" میں اپنے بھائی شیخ افضل الدین سے اس کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ خروج منی یا جماع کی وجہ سے پورے بدن کے دھونے کو واجب قرار دینا صرف نجاست کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس میں موجود اس لذت کی وجہ سے ہے جو پورے بدن میں سرایت کرجاتی ہے اور اسے ٹھنڈا کردیتی ہے اور اسے اپنے رب کی یاد سے غافل کردیتی ہے، اسی وجہ سے شارع نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جہاں تک اس کی لذت سرایت کرتی ہے وہاں تک پورے سطح بدن پر پانی بہایا جائے (تاکہ اس کے اثرات کو ختم کیا

(۱) احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص: ۳۷

(۲) فيضُ الباري: ۱/۴۵۳، انوار الباري: ۹/۹

جا سکے۔)(۱)

ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خروج منی سے غسل کا واجب اور لازم ہونا اور بول و براز سے واجب نہ ہونا شریعت اسلامی کی بڑی خوبیوں رحمت، حکمت، اور مصلحت میں سے ہے؛ کیوں کہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے، اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا نام "سلالہ" (۲) رکھا ہے، اس لیے کہ منی سارے بدن سے ہوکر بل آخر پشت کے راستہ سے نیچے آتی ہے، (اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے،) جب کہ بول و براز صرف کھانے پینے کے فضلے ہوتے ہیں جو معدہ ومثانہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں، اس لیے خروج بول و بزار کے بہ نسبت منی کے نکلنے سے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے۔(۳)

جنابت باعث غفلت اور غسل باعث نشاط ہے

خروج منی سے غسل کرنا نہ صرف بدن، قلب اور روح کے لیے مفید ہے، بلکہ ان تمام ارواح کے لیے مفید ہے جن کا بدن سے تعلق ہے؛ کیوں کہ وہ غسل سے قوی ہوجاتی ہیں، غسل خروج منی سے لاحق ہوجانے والی کمزوری کو دور کرتا ہے، جنابت سے جسم میں گرانی، کاہلی اور غفلت پیدا ہوجاتی ہے اور غسل سے نشاط اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔(۴)

جنابت کا بوجھ

جنابت کے بعد جب تک غسل کر کے طہارت حاصل نہ کی جائے اس کی نجاست سے انسان کو اپنے اوپر پہاڑ جیسا بوجھ محسوس ہوتا ہے، چناں چہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) السعاية: ۱۸/۱

(۲) وهو في قوله تعالىٰ: ﴿لقد خلقنا الانسان في سلالة من طين﴾. المؤمنون: ۱۲

(۳) أعلام الموقعين عن رب العالمين، فصل: كل ما في الشريعة يوافق العقل، الغسل من المني دون البول: ۱۰۱/۲

(٤) أعلام الموقعين عن رب العالمين: ۷۷/۲، ۷۸

" واغتسلت فكأني ألقيت عني جبلاً ".(۱)

یعنی میں نے غسل (جنابت) کیا (اور غسل کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ) گویا میں نے اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا۔

غسل جنابت سے بے پرواہی کی نحوست

جو شخص غسل جنابت میں بے پرواہی کرتا ہو اور اس نے جنبی رہنے کی عادت ڈالی ہو، یہاں تک کہ نماز کا وقت بھی گزر جائے، تو ایسے شخص کی جنابت کی نحوست کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے، چناں چہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تدخل الملائكة بيتاً فيه صورة، ولا جنب ولا كلب".(۲)

یعنی ملائکہ رحمت ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر، جنبی اور کتا ہو۔

غسل جنابت کو ناپسند کرنے کا انجام

اسلامی احکام کو ناپسندیدہ ٹھہرانا اور اس کے مقابلے میں کفار کے مذہب کی کسی بات کو پسند کرنا بہت ہی خطرناک بات ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی مغرب زدہ اور جدید تعلیم کا شیدائی نام نہاد عالم یا مستشرقین کا پروردہ اسے معمولی عمل سمجھتا ہو، لیکن یاد رہے کہ یہ ایک مؤمن کے ایمان کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں، بسا اوقات اس طرح کی بات ایمان سے محرومی و تہی دامنی کا باعث بنتی ہے، چناں چہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک عالم انگلینڈ میں رہتے تھے، وہاں ایک انگریز عورت مسلمان ہوگی، ان عالم کے ہاتھ پہ کلمہ پڑھا اور ان سے دین کی بہت سی باتوں کی تعلیم کے حصول کے ساتھ عمل میں پختگی بھی پیدا کرلی، کچھ عرصہ بعد اس خاتون کا انتقال ہوگیا اور اسے وہاں جنازہ پڑھ

---

(۱) الحديث أخرجه الإمام أبو داؤد في سننه، في كتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم، رقم الحديث: ۳۳۲، انظر جامع الأصول، رقم: ۵۲۹۲

(۲) الحديث أخرجه أبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، رقم الحديث: ۲۲۷، وأخرجه النسائي في سننه، كتاب الطهارة، باب في الجنب إذا لم يتوضأ، رقم الحديث: ۲٦۲، انظر جامع الأصول، رقم: ۲۹۷٤، راجع تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، رقم: ۱۰۲۹۱

کے دفن کردیا گیا، یہ مولوی صاحب انگلینڈ سے حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئے، وہاں ایک اور عالم کا انتقال ہو گیا تھا۔

مکہ میں دستور یہ ہے کہ ایک ہی قبر میں کچھ وقت کے بعد دوسری میت رکھ دیتے ہیں، اس طرح ایک ہی قبر میں مناسب وقفہ سے کئی کئی میتوں کو یکے بعد دیگرے دفن کرتے رہتے ہیں، پہلی میت کی ہڈیاں وغیرہ ایک طرف کر کے اسی قبر میں دوسری میت رکھ دی جاتی ہے، چناں چہ حسب دستور ان فوت شدہ عالم کے لیے بھی ایک قبر کھودی گئی تو اس میں انگلینڈ کی اس نومسلم خاتون کی نعش پہلے سے رکھی ہوئی تھی، انگلینڈ والے مولوی صاحب بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے اس خاتون کو پہچان لیا، ان فوت شدہ عالم کو ایک دوسری قبر میں دفنا دیا گیا۔

مولوی صاحب جب انگلینڈ واپس گئے تو انہیں خیال ہوا کہ انگلینڈ میں دفن کی گئی اس نومسلم خاتون کی نعش تو مکہ مکرمہ پہنچا دی گئی ہے، یہاں ان کی قبر میں کون ہے؟، یہ سوچ کر جب اس کی قبر میں دیکھا تو وہاں مکہ کے اس عالم کی میت رکھی ہوئی تھی، انہیں بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے، پھر انہوں نے سوچا کہ مکہ کے اس عالم کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیسے شخص تھے؟، لوگوں سے پوچھا تو ہر ایک نے یہی کہا کہ بہت اچھے عالم تھے، بڑے نیک تھے، اس پر انہوں نے سوچا کہ ان کی بیوی سے معلوم کیا جائے؛ کیوں کہ بیوی کا تعلق زیادہ قریبی ہوتا ہے، ان سے پوچھا گیا تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ بہت اچھے تھے، لیکن ایک بات کہا کرتے تھے کہ اگر جنابت میں غسل فرض نہ ہوتا تو بہت آسانی ہوتی، عیسائی مذہب میں یہ بہت اچھی بات ہے کہ غسلِ جنابت فرض نہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاتون جو کفرستان میں فوت ہوئی تھی، اس کا کوئی عمل اللہ کو اتنا پسند آیا کہ ان کی میت کو وہاں سے مکہ مکرمہ پہنچا دیا اور ایک عالم جو بظاہر بہت نیک تھا، لیکن اس نے اسلام میں نقص نکالا، ایک اسلامی حکم یعنی جنابت کے بعد غسل کو ناپسند کیا اور اس کے مقابلے میں عیسائیت کے طریقہ کو اچھا سمجھا، جس کا وبال یہ پڑا کہ مکہ میں مرنے اور وہاں دفن ہونے کے باوجود اللہ نے اس کی میت کو کفرستان پہنچا دیا۔(۱) أعاذنا اللہ منہ.

یہ واقعہ ان مسلمانوں کے لیے باعث عبرت ہے جو ہر بات میں مغرب اور کفار کے لیے پسندیدگی کا

(۱) جواھر الرشید: ۹/ ۱۴، ۱۵

اظہار کرتے ہیں، خاص کر اہل علم کہلانے والے وہ لوگ، جو اپنے بڑوں کی نسبتوں کے امین بننے کے بجائے سرکاری عہدوں، این جی اوز کے دیے گئے زر کی وجہ سے مستشرقین اوران کے پروردگان کی گود میں جا بیٹھے ہیں، یا اپنی نسبت تو بزرگوں کی طرف تو کرتے ہیں، لیکن وہ حقیقت میں اس سے دنیاوی مفادات کا حصول چاہتے ہیں تحریر وتقریر، افکار اور نظریات میں وہ مسلمانوں کی ترجمانی کرنے کے بجائے ہمہ وقت غیر مسلموں کے گن گاتے نظر آتے ہیں، گویا یہ لوگ اسلام پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو بھی اپنے انجام بد سے ڈرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے ایمان، عقائد ونظریات کی حفاظت فرمائے۔

دین اکبری میں غسل جنابت کی منسوخیت

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے ''تذکرہ مجدد الف ثانی'' میں لکھا ہے کہ (اکبر بادشاہ کے) دینِ جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ غسلِ جنابت واجب نہیں، کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے۔(۱) یہ بات بدیہی البطلان ہے۔

بدن وقلب کی ضرورت

بہرحال یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے ہر سلیم الطبع اور صحیح الفطرت شخص جانتا ہے، غسل جنابت انسانی بدن اور قلب کی ضروریات میں سے ہے، کیوں کہ جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بُعد ودُوری پیدا ہوجاتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو یہ بُعد ودُوری ختم ہوجاتی ہے، مزید برآں جنابت کی وجہ سے روح انسانی کو اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے سے ممانعت کردی جاتی ہے، چناں چہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" إذا نام الإنسان عرج بروحه، حتى يؤتىٰ بها إلى العرش، فإن كان طاهراً أذن لها بالسجود، وإن كان جنباً لم يؤذن لها بالسجود ".(۲)

یعنی جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح کو عرش کی طرف لایا جاتا ہے، اگر انسان پاک ہو تو اس کی روح کو (اپنے رب کی بارگاہ میں) سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے

---

(۱) ص: ۷۲، بحواله فتاوى حقانيه: ۵۶۸/۱

(۲) الأثر أخرجه عبدالله بن المبارك المروزي في كتاب الزهد، الجزء العاشر، ص: ۳۵۴، رقم: ۱۲۴۵

اور اگر وہ جنبی ہو تو اس کی روح کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔

سونے سے قبل وضو کی حکمت

شاید یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی جب سونے لگے تو اسے چاہیے کہ وضو کر لے، چناں چہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: هل ينام أحدٌ و هو جنبٌ؟ یعنی کیا ہم میں سے کوئی سو سکتا ہے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نعم ليتوضأ، ثم لينم حتى يغتسل إذا شاء". (۱)

ہاں! اسے چاہیے کہ وہ وضو کر لے پھر سوئے، یہاں تک کہ وہ جب چاہے غسل کرے (فجر سے پہلے)۔

حاذق اطباء کی رائے

حاذق طبیبوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں کو لوٹا دیتا ہے اور کمزوریوں کو ختم کر دیتا ہے اور بدن وروح کے لیے نہایت نافع ومفید ہے، جب کہ جنابت کی حالت میں رہنا بدن اور روح کے لیے سخت مضر ہے، اس امر کی خوبی پر عقل وفطرت سلیمہ کی گواہی کافی ہے۔ (۲)

فضیلتِ غسلِ جنابت کے بارے میں ایک بے سند روایت

غسل جنابت کی فضیلت کے بارے میں بعض بے سند اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں، عام طور سے خطیب حضرات اپنے بیانات میں ایسی بے سند روایتیں بیان کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے آگے آنے والی بے سند روایت کی تحقیق کیے بغیر تشریح کے نام ایک مفصل کتاب بھی تصنیف کر ڈالی ہے۔ (۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ شمس الدین ابن القماح رحمہ اللہ کے ایک

---

(۱) الحديث أخرجه الإمام مسلم في صحيحه وانفرد به، كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له و غسل الفرج إذا أراد أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يجامع، رقم الحديث: ۷۰۳، انظر: تحفة الأشراف، رقم: ۷۷۸۱

(۲) أعلام الموقعين عن رب العالمين: ۲/۷۸

(۳) مذکورہ کتاب کا نام "زندگی کے پچیس مسائل اور ان کا کامیاب حل" ہے، جو ادارۃ الرشید کراچی سے طبع ہوئی ہے۔

''مجموعہ'' میں یہ روایت ملی، جس میں ابوالعباس مستغفری سے مروی تھا کہ میں نے ایک دفعہ علم کی تلاش میں ابوحامد مصری کے پاس مصر جانے کا ارادہ کیا، وہاں پہنچ کر میں نے ان سے حدیث خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سنانے کی درخواست کی، انہوں نے مجھے ایک سال روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر میں نے ان سے اس بارے میں دوبارہ گزارش کی، تو انہوں نے اپنے مشائخ کی سند سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک کی سند سے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہے پوچھو، اس پر اس شخص نے مختلف چیزوں کے متعلق پوچھنا شروع کیا، ان سوالات میں ایک سوال یہ پوچھا: "أحبّ أن ألقیٰ اللّٰه نقیاً من الذنوب" کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ گناہوں سے پاک صاف ہوکر اللہ سے ملاقات کروں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: "اغتسل من الجنابة متطهراً، تلقیٰ اللّٰه یوم القیامة وماعلیك ذنبٌ". یعنی غسل جنابت خوب اہتمام صفائی سے کیا کر، تو روز قیامت اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔(۱)

(۱) وتمامه: قال العلامة السيوطي:

وجدت بخط الشيخ شمس الدين بن القمّاح في مجموع له عن أبي العباس المستغفري قال: قصدت مصر أريد طلب العلم من الإمام أبي حامد المصري والتمست منه حديث خالد بن الوليد فأمرني بصوم سنة، ثم عاودته في ذلك، فأخبرني بإسناده عن مشايخه إلى خالد بن الوليد قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني سائلك عمّا في الدنيا والآخرة! فقال له: "سَلْ عما بدا لك". قال: يا نبي الله! أُحبُ أن أكون أعلم الناس. قال: اتق الله تكن أعلم الناس. فقال: أحب أن أكون أغنى الناس. قال: كُن قنعاً تكن أغنى الناس. قال: أُحب أن أكون خير الناس. فقال: خير الناس من ينفع الناس، فكن نافعاً لهم. فقال: أُحب أن أكون أعدل الناس. قال: أَحِبَّ للناس ما تحب لنفسك تكن أعدل الناس. قال: أحبُّ أن أكون أخصَّ الناس إلى الله. قال: أكثر من ذكرك لله تكن أخص العباد إلى الله. قال: أُحب أن أكون من المحسنين. قال: اعبد الله كأنك تراه فإنْ لم تكن تراه فإنه يراك. قال: أُحب أن يكمل إيماني. قال: حَسِّن خُلُقكَ يكمل إيمانك. فقال: أُحب أن أكون من المطيعين. قال: أدِّ فرائض الله تكن مطيعاً. فقال: أُحب أن ألقى الله نقياً من الذنوب. قال: اغتسل من الجنابة متطهراً تلقى الله يوم القيامة وما عليك ذنب. قال: أُحب=

....

= أن يرحمني ربي. قال: ارحم نفسك وارحم خلق الله يرحمك الله. قال: أحب أن تقل ذنوبي قال: استغفر الله تقل ذنوبك. قال: أحب أن أكون أكرم الناس. قال: لا تشكون الله إلى الخلق تكن أكرم الناس. فقال: أحب أن يوسع عليّ في رزقي. قال: دُمْ على الطهارة يوسع عليك في الرزق. قال: أحب أن أكون من أحباء الله ورسوله. قال: أحب ما أحب الله ورسوله وأبغض ما أبغض الله ورسوله، قال: أحب أن أكون آمنا من سخط الله. قال: لا تغضب على أحدٍ تأمن غضب الله وسخطه. قال: أحب (أن) تستجاب دعوتي. قال: اجتنب الحرام تستجب دعوتك. قال: أحب أنْ لا يفضحني الله على رؤوس الأشهاد. قال: احفظ فرجك كي لا تفتضح على رؤوس الأشهاد. قال: أحب أن يستر الله على عيوبي. قال: استر عيوب إخوانك يستر الله عليك عيوبك. قال: ما الذي يمحوا عني الخطايا؟ قال: الدموع والخضوع والأمراض. قال: أي حسنة أفضل عند الله؟ قال: حسن الخلق والتواضع والصبر على البلية والرضى بالقضاء. قال: أي سيئة أعظم عند الله؟ قال: سوء الخلق والشح المطاع. قال: ما الذي يُسكن غضب الرحمٰن؟ قال: إخفاء الصدقة وصلة الرحم قال: ما الذي يطفيء نار جهنم: قال: الصوم. اه (جمع الجوامع، الجامع الكبير في الحديث والجامع الصغير وزوائد، المسانيد والمراسيل، مسند خالد بن الوليد رضي الله عنه، حرف الخاء: ١٤/ ٣٥٢، ٣٥٣، رقم الحديث: ١٠٩٥٣، ونقل عنه العلامة علي المتقي الهندي رحمه الله في كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب المواعظ والرقائق والخطب والحكم من قسم الأفعال، فصل في جامع المواعظ والخطب، خطب النبي صلى الله عليه وسلم ومواعظه: ١٦/ ٥٣، ٥٤، رقم الحديث: ٤٤١٤٧)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں دنیا و آخرت کے متعلق آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو چاہے پوچھو''، اس پر وہ شخص کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا خوف اختیار کرلو، سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے''۔ وہ شخص کہنے لگا: میں لوگوں میں سب سے زیادہ غنی بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قناعت اختیار کرو، لوگوں میں سب سے غنی بن جاؤ گے''۔ وہ شخص کہنے لگا: میں لوگوں میں سب سے بہتر بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہو، چناں چہ تو بھی لوگوں کو نفع پہنچانے والا بن جا''۔ وہ کہنے لگا: میں لوگوں میں سب سے بڑا عادل بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہی لوگوں کے لیے پسند کر، تو لوگوں میں سب سے بڑا عادل بن جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں اللہ کی بارگاہ میں =

....

= سب سے خاص بندہ بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کا ذکر کثرت سے کر، تو اللہ کے بندوں میں سب سے خصوصی بن جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں ان لوگوں میں ہونا پسند کرتا ہوں، جو احسان والے (صفتِ احسان کے ساتھ متصف) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی عبادت ایسے کر، گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، پھر اگر تو اسے نہیں بھی دیکھ رہا ہے، وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان کامل ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے اخلاق اچھے بنالے، تیرا ایمان کامل ہو جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں اللہ کے فرمانبردار بندوں میں ہونا پسند کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے فرائض کو بجالاؤ، اللہ کے مطیع بن جاؤ گے''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر اللہ سے ملوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو غسل جنابت خوب صفائی سے کیا کر، ایسا کرنے پر تو روزِ قیامت اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں روزِ قیامت مجھے نور میں اٹھایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی پر ظلم مت کر، روزِ قیامت تجھے نور میں اٹھایا جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ میرا رب مجھ پر رحم فرمادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے آپ پر رحم کھا اور اللہ کی مخلوق پر رحم کر، اللہ تجھ پر رحم کرے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے بخشش مانگو، تمہارے گناہ کم ہو جائیں گے''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں سب سے معزز بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے سامنے اللہ کی شکایت ہرگز مت کر، تو معزز ترین شخص بن جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہو، تو بھی اسے پسند کر اور اللہ اور اس کے رسول جس چیز سے بغض رکھیں، تو بھی اس سے بغض رکھ''۔ وہ کہنے لگا: میں اللہ کی ناراضگی سے مامون رہنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی پر غصہ مت ہو، تو اللہ کے غصے اور ناراضگی سے محفوظ رہے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں مستجاب الدعوات بننا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرام سے پرہیز کر، مستجاب الدعوات بن جائے گا''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ گواہوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی شرم گاہ کی حفاظت کر، تاکہ تو گواہوں کے سامنے رسوا نہ ہو''۔ وہ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے عیبوں پر پردہ ڈال دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بھائیوں کے عیبوں پر پردہ ڈال، اللہ تیرے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا''۔ وہ کہنے لگا: کون سی چیز میرے گناہوں کو مٹانے والی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آنسو، عاجزی اور بیماریاں''۔ وہ کہنے لگا: اللہ کے نزدیک کون سی نیکی سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھے اخلاق، تواضع، مصیبت پر صبر اور اللہ کے فیصلے پر رضامندی''۔ وہ کہنے =

مذکورہ روایت بے سند ہے

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی نقل کردہ یہ روایت بے سند ہے، پوری سند میں صرف تین راویوں کے نام مذکور ہیں، باقی کا کچھ معلوم نہیں، ان تین میں سے بھی ابوالحامد مصری کا کتب رجال وغیرہ میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، باقی قاضی شمس الدین ابن القماح رحمہ اللہ (۱) اور ابوالعباس جعفر بن مستغفری رحمہ اللہ (۲) کے حالات علمائے رجال نے بیان فرمائے ہیں جب کہ ابوالعباس مستغفری کا سنہ وفات ۴۳۲ ہجری ہے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۲۱ ہجری میں دارفانی سے کوچ کر گئے تھے، درمیان کی پوری سند غیر مذکور ہے، لہٰذا جب تک کسی "معتبر سند" سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس وقت تک اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا جائز نہیں۔ (۳) واللہ أعلم بالصواب۔

ایک اور موضوع روایت

بعض لوگ غسل جنابت کی فضیلت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اغتسل من الجنابة حلالاً أعطاه الله عزّوجلّ مائة قصر من درة بيضاء، وكتب له بكل قطرة ثواب ألف شهيد". (٤)

= لگا: اللہ کے نزدیک کون سی برائی سب سے بڑی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بداخلاقی اور وہ بخل جس کی اطاعت کی گئی ہو"۔ وہ کہنے لگا، رحمٰن کے غصے کو ٹھنڈا کرنے والی چیز کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چھپ کر صدقہ کرنا اور صلہ رحمی"۔ وہ کہنے لگا: دوزخ کی آگ کو بجھانے والی چیز کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ"۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، طبقات الشافعية الكبرى، الطبقة السادسة: ٥/ ٢١٢، ٢١٣، الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، حرف الميم: ٢/ ١٨٥

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: الأنساب للسمعاني، باب الميم والسين: ٥/ ٢٨٦

(۳) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی نقل کردہ اس روایت پر اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی پاک وہند میں زبان زد عام ومشہور روایات پر ہمارے فاضل دوست مولانا طارق امیر خان صاحب، متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی نے اصول حدیث وائمہ جرح وتعدیل کی روشنی میں "غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ" کے عنوان سے ایک نہایت محققانہ کام کیا ہے۔

(٤) كتاب الموضوعات، كتاب الطهارة، باب ثواب الغسل: ٢/ ١١، اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، كتاب الطهارة: ٢/ ٨، تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، كتاب =

یعنی جس شخص نے حلال طریقے سے ہم بستری کرنے کے بعد غسل جنابت کیا، اللہ عزوجل اسے سفید موتی کے بنے ہوئے سو محل عطا کرے گا اور (غسل کے پانی کے) ہر قطرہ کے بدلہ میں (اس کے اعمال نامہ میں) ایک ہزار شہیدوں کا ثواب لکھا جائے گا۔

واضح رہے کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷ھ) نے "کتاب الموضوعات" میں (۱) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے "اللآلي المصنوعة" میں (۲) اور علامہ ابن عراق کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) نے "تنزيه الشريعة" میں (۳) صراحت کے ساتھ اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ "وضعه دينار"، یعنی یہ حدیث دینار کی وضع کردہ ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے "دینار" کے بارے میں فرمایا: "يروي عن أنس أشياء موضوعة لا يحل ذكره إلا بالقدح فيه". (٤)

یعنی دینار حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے بہت ساری موضوع اور من گھڑت چیزوں کو نقل کرتا ہے، ان کا ذکر کرنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی ان کو موضوع ہونے کی وضاحت کے لیے بیان کرے۔

غرض اس طرح کی بے سند اور موضوع روایات کے ذریعے غسل جنابت کی فضیلت کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، قرآن وحدیث میں وارد دیگر نصوص صحیحہ پر اکتفا کیا جائے، بے سند اور موضوع روایات سے مکمل اجتناب برتنے کی ضرورت ہے۔

غسل کی حقیقت اور اصطلاحی تعریف

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غسل کی حقیقت اعضائے بدن پر پانی بہانا ہے۔ (۵)

= الطهارة، الفصل الأول: ٦٨/٢

(١) كتاب الطهارة، باب ثواب الغسل: ١١/٢

(٢) كتاب الطهارة: ٨/٢

(٣) كتاب الطهارة، الفصل الأول: ١١/٢

(٤) كتاب الموضوعات، كتاب الطهارة، باب ثواب الغسل: ١١/٢

(٥) فتح الباري: ٤٧٤/١

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے غسل کی اصطلاحی تعریف "غَسل البدن" بدن کے دھونے سے کی ہے،(۱) علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے غسل کی شرعی تفسیر "غسل تمام الجسد" یعنی پورے بدن کے دھونے سے کی ہے۔(۲)

علامہ زَبیدی کی رائے

علامہ زَبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واصطلاحاً غسل البدن بالماء الطهور من جنابة أو حيض أو نفاس".(۳)

یعنی اصطلاح میں جنابت، حیض اور نفاس سے پاکی حاصل کرنے کے لیے بدن کو پاک پانی سے دھونے کو غسل کہتے ہیں۔

جب کہ شوافع بدن پر پانی بہانے کے ساتھ "نیت" کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں (۴) اور مالکیہ کے نزدیک "نیت" کے ساتھ "دلك" یعنی ملنا بھی ضروری ہے۔(۵)

نیت اور دلک فی الغسل کا وہی حکم ہے جو وضو میں نیت اور دلک کا ہے، ان کی تفصیل "کتاب الوضوء" میں ملاحظہ فرمالیں۔

ارکانِ غسل

ارکانِ غسل کے بارے میں فقہائے حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، صاحب وقایہ کے نزدیک ارکان غسل تین ہیں:

۱-مضمضہ، ۲-استنشاق، ۳-پورے بدن کو ایک مرتبہ دھونا۔(۶)

---

(۱) دیکھیے: ردالمحتار: ۱۲۲/۱، بدائع الصنائع: ۲٦٧/۱، البحر الرائق: ۸٦/۱

(۲) السعاية: ۲٧٤/۱

(۳) إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، كيفية الغسل: ۵۹۸/۲

(٤) دیکھیے: مغني المحتاج: ٦٧/۱

(٥) حاشية الصاوي على الشرح الصغير: ۱٦/۱

(٦) الوقاية مع السعاية: ۲٧٤/۱-۲۸۰

علامہ علاء الدین سمرقندی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”للغسل ركن واحد، فهو تسييل الماء على جميع ما يمكن غسله من بدنه مرة واحدة، حتى لو ترك شيئاً يسيراً لم يصبه الماء، لم يخرج من الجنابة.(۱)

یعنی غسل کا ایک ہی رکن ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پورے بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانا، یہاں تک کہ اگر معمولی سی جگہ بھی چھوڑ دی اور وہاں پانی نہیں پہنچا تو جنابت سے نہیں نکلے گا۔

لیکن علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے صاحب تحفۃ الملوک سے پانچ چیزیں نقل کی ہیں، تین سابقہ، چوتھی ناف کے اندر تک پانی پہنچانا اور پانچویں بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا۔(۲)

یہ بات علامہ سمرقندی رحمہ اللہ کے صنیع سے بھی مستفاد ہے، اس لیے کہ انہوں نے رکن غسل کی تفصیل میں ان پانچوں کو ذکر کیا ہے۔(۳)

صاحب تنویر الابصار علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ کے نزدیک آٹھ چیزیں ہیں:

۱-مضمضہ، ۲-استنشاق، ۳-پورے بدن پر پانی بہانا، ۴-ناف، ۵-مونچھیں، ۶-ابرو، ۷-داڑھی کی جڑوں تک پانی پہنچانا، ۸-اور فرج خارج کو دھونا۔(۴)

صاحب مراقی الفلاح علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے گیارہ چیزیں ذکر کی ہیں: منہ، ناک، پورا بدن، قلفہ (عضو تناسل کی بڑھی ہوئی کھال جو ختنہ کے وقت کاٹی جاتی ہے) کا داخلی حصہ جس کا الگ کرنا مشکل نہ ہو، اس کا دھونا، داخلِ ناف تک پانی پہنچانا، ہر وہ سوراخ جو ملا ہوا نہ ہو، اس تک پانی پہنچانا، مرد وعورت کے گوندھے ہوئے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا، داڑھی گھنی نہ ہو تو داڑھی کے نیچے چہرے کی جلد تک پانی پہنچانا، اسی طرح مونچھوں اور ابروں کی کھال تک پانی پہنچانا اور فرج خارج کو دھونا۔

---

(۱) تحفة الفقهاء، كتاب الطهارة، الجنابة والغسل، ص: ۱۸، ۱۹

(۲) السعاية: ۱/۲۷٤، تحفة الملوك، ص: ۳۹

(۳) تحفة الفقهاء، ص: ۱۹

(٤) تنوير الأبصار مع الدر المختار، ص: ۲٦

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سب کا مرجع اور حاصل ایک ہی چیز ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک بغیر حرج کے ممکن ہو تو پورے بدن پر پانی بہانا، البتہ ان سب کو الگ الگ شمار کرنا تعلیم کی غرض سے ہے۔(۱) یہی بات علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے۔(۲)

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والمفروض من غسل الجنابة إيصال الماء بالغسل إلى كل موضع يلحقه حكم التطهير من بدنه، لعموم قوله: ﴿فاطّهروا﴾".(۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاطهروا کے عموم کے پیش نظر بدن کے ہر اس حصہ تک غسل جنابت میں پانی پہنچانا فرض ہے، جس کا پاک کرنا ضروری ہو۔

الحاصل پورے بدن پر ایک دفعہ پانی بہانا کہ جہاں تک بغیر کسی حرج کے پانی بہانا ممکن ہو رکن غسل ہے، حتیٰ کہ اگر جسم کا ذرا سا حصہ بھی خشک رہا تو غسل صحیح نہ ہوگا۔(۴)

کیا غسل میں واجبات ہیں؟

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے بھی اس کی صراحت نہیں کی ہے کہ غسل میں واجبات ہیں یا نہیں، البتہ فقہاء کا صرف غسل کے فرائض اور سنن کے ذکر پر اکتفا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ غسل میں کوئی واجب نہیں، یہ ایک استقرائی امر ہے۔(۵)

لیکن یہ یاد رہے کہ بعض فقہاء فرائض کو بھی واجبات سے تعبیر کرتے ہیں لجواز اطلاق بعضهما على البعض.

مراتبِ طہارت

امام غزالی رحمہ اللہ نے طہارت کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں:

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل (لبيان فرائض الغسل)، ص: ۱۰۲، ۱۰۳

(۲) السعاية: ۱/ ۲۷۵

(۳) أحكام القرآن، سورة المائدة، باب الغسل من الجنابة: ۲/ ٤٥٨

(٤) دیکھیے: ردالمحتار: ۱/ ۱۱۲، بدائع الصنائع: ۱/ ۲٦۷، البحر الرائق: ۱/ ۸٦

(٥) السعاية: ۱/ ۲۷۵

المرتبة الأولى: تطهير الظاهر عن الأحداث وعن الأخباث والفضلات.

المرتبة الثانية: تطهير الجوارح عن الجرائم والآثام.

المرتبة الثالثة: تطهير القلب عن الأخلاق المذمومة والرذائل الممقوتة.

المرتبة الرابعة: تطهير السر عما سوى الله تعالىٰ، وهي طهارة الأنبياء صلوات عليهم والصديقين.(۱)

۱- ظاہر بدن کو احداث (حدث اصغر و اکبر)، میل کچیل اور فضلات سے پاک کرنا۔

۲- جوارح کو جرائم و گناہوں سے پاک کرنا یعنی بچانا۔

۳- دل کو اخلاق ذمیمہ اور قابلِ نفرت رزائل سے پاک کرنا۔

۴- سِر یعنی باطن قلب کو اللہ کے سوا ہر چیز سے پاک کرنا کہ اللہ کے علاوہ دل میں کسی اور کا خیال نہ رہے، یہ انبیاء کرام اور صدیقین کی شان طہارت ہے۔

طہارت کی اہمیت

علماء نے لکھا ہے کہ طہارت تمام مراتبِ طہارت میں نصفِ عمل کا مقام رکھتی ہے، کیوں کہ اعمال باطن سے مقصود اللہ کی عظمت وجلال کا منشکف ہونا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک باطن سے ماسوی اللہ نکل نہ جائے، طہارت قلب یعنی اخلاق حمیدہ کا حصول اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دل کو اخلاق ذمیمہ اور قابلِ نفرت رذائل سے پاک نہ کرے، اسی طرح جوارح کو اس وقت تک طاعات سے مزین نہیں کیا جاسکتا جب تک گناہوں سے نہ بچا جائے، یہی حال ظاہر کا بھی ہے کہ ظاہری طہارت بھی اس وقت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ احداث سے پاکی حاصل نہ کی جائے، یہ یاد رہے کہ تمام مراتب طہارت میں اصل باطن کی طہارت ہے،

---

(۱) إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، ص: ۱٦٠

لیکن اس کا حصول بھی ظاہری طہارت پر موقوف ہے۔(۱)

اسلام نے طہارت و پاکیزگی کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر نہ صرف اس کا حکم دیا، بلکہ اس کے اصول واحکام بھی مقرر فرمائے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے اس کی حدود بھی متعین کردی ہیں، انسان کے ظاہری بدن، کپڑے، مکان اور اردگرد کے ماحول کو بھی صاف رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ان تعلیمات کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ طہارت و پاکیزگی کا خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تعریف میں ارشاد فرمایا:﴿فیه رجال یحبون أن یتطهروا والله یحب المطّهرین﴾(۲) ترجمہ:اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

طہارت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف

طلحہ بن نافع کہتے ہیں کہ مجھے ابوایوب انصاری، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے بتلایا کہ جب یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یا معشر الأنصار! أن الله قد أثنیٰ علیکم في الطهور خیراً، فما طهورکم هذا؟، قالوا: یا رسول الله! نتوضأ للصلاة ونغتسل من الجنابة ونستنجي بالماء، قال: هو ذاك، فعلیکم به".(۳)

یعنی اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف بیان کی ہے، تو تمہاری یہ طہارت و پاکی کیا ہے؟ انصار نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! نماز

(۱) إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الطهاره، ص: ۱۶۰، ۱۶۱، مفتاح السعادة ومصباح السیادة في موضوعات العلوم: ۲۵/۳، ۲۶، التعلیق الصبیح: ۱۷۱/۱

(۲) التوبة: ۱۰۸

(۳) شعب الإیمان، باب العشرون من شعب الإیمان [وهو باب] في الطهارات، فصل الوضوء: ۱۸/۳، ۱۹، رقم الحدیث: ۲۷۴۷

کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ طہارت و پاکی ہے جس کی اللہ نے تعریف کی ہے، پس تم اس کو لازم پکڑو۔

طلحہ بن نافع ہی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الصلوات الخمس والجمعة وأداء الأمانة (كفارة) لما بينهن"، قلت: وما أداء الأمانة، قال: "الغسل من الجنابة".(۱)

یعنی پانچ نمازیں، جمعہ اور امانت کا ادا کرنا ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ادائے امانت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد جنابت سے غسل کرنا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ادائے امانت کی تفسیر کے بعد ہے: "فإن الله لم يأمن بن آدم على شيء من دينه غيرها".(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو غسل جنابت سے بڑھ کر دین کی کسی چیز کا ذمہ دار اور امین نہیں بنایا۔

١ - باب: اَلْوُضُوءِ قَبْلَ الْغُسْلِ.

غسل سے پہلے وضو کا بیان

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کی غرض بیان کرنے میں شراحِ حدیث میں اختلاف ہوا ہے اور ان سے متعدد اقوال وتوجیہات مروی ہیں۔

---

(۱) شعب الإيمان، باب العشرون من شعب الإيمان [وهو باب] في الطهارات، فضل الوضوء: ۱۹/۳، رقم الحديث: ۲۷٤۸

(۲) المصدر السابق: ۱۹/۳، ۲۰، رقم الحديث: ۲۷۵۰

پہلی توجیہ

ترجمۃ الباب کا ایک مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ کیف الوضوء قبل الغسل یعنی غسل سے پہلے وضو کا کیا طریقہ ہے؟ آیا وہی طریقہ ہے جو نماز والے وضو کا ہے، یا غسل سے قبل وضو کا کوئی اور طریقہ ہے؟ تو اس ترجمے سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض غسل سے پہلے وضو کے طریقہ کو بیان کرنا ہے۔(۱)

دوسری توجیہ

بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد غسل سے پہلے وضو کی صورت کو بیان کرنا ہے کہ آیا پاؤں کو بھی دیگر اعضائے وضو کے ساتھ ہی ابتدا میں دھویا جائے گا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے، یا ابتدا میں نہ دھویا جائے، بلکہ غسل سے فارغ ہو کر پھر دھویا جائے، جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وارد ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں نقل کر کے گویا دونوں صورتوں کو ذکر کر دیا ہے۔(۲)

تیسری توجیہ

یا امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس ترجمے سے یہ بتلانا ہے کہ غسل کا وضو غسل شروع کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے، نہ کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد، کیوں کہ ایک دفعہ غسل کر لینے سے طہارت حاصل ہوگئی تو اب وضو کی حاجت نہیں رہی۔(۳)

چوتھی توجیہ

ترجمۃ الباب کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل سے پہلے کبھی وضو فرمایا اور کبھی نہیں فرمایا۔

علامہ قسطلانی اور حافظ ابن حجر کی توجیہ

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس

---

(۱) فضل الباري: ۲/ ٤٢٥

(۲) دیکھیے: الكنز المتواري في معادن لامع الدراري: ۳/ ۱۸۹، وتقرير بخاري: ۲/ ۷۹

(۳) فضل الباري: ۲/ ٤٢٥

باب سے غسل سے پہلے وضو کے سنت یا مستحب ہونے کو بیان کرنا ہے۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے وضو قبل الغسل کے حکم کو بیان کرنا مقصود ہے، آیا وہ واجب ہے؟ یا سنت ہے؟ یا مستحب؟۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی توجیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ اوجہ یہ ہے کہ اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض غسل سے پہلے محض استحباب وضو کو بیان کرنا ہے۔(۳)

حدیث باب (پہلی حدیث)

٢٤٥ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : أَخْبَرَنَا مالِكٌ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ[٤] زَوْجِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ : كَانَ إِذَا ٱغْتَسَلَ مِنَ ٱلْجَنَابَةِ ، بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي ٱلْمَاءِ ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُولَ شَعَرِهِ ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ، ثُمَّ يُفِيضُ ٱلْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ . [٢٥٩ ، ٢٦٩]

---

(۱) دیکھیے: إرشاد الساري: ١/٤٨٧، فتح الباري: ١/٤٧٥

(۲) عمدة القاري: ٣/٢٨٣

(۳) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠

(٤) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الاناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يده قذرٌ غير الجنابة؟ رقم: ٢٦٢، وفي باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه، رقم: ٢٧٢، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة الغسل من الجنابة، رقم: ٣١٦، وأبوداود في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٢، والترمذي في جامعه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، رقم: ١٠٤، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، ذكر وضوء الجنب قبل الغسل، رقم: ٢٤٨، وانظر كذلك في تحفة الأشراف، مسند عائشة، رقم: ١٧١٦٤، وجامع الأصول في كيفية الغسل، رقم: ٥٣١٩

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو امام مالک نے خبر دی، انہوں نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حرم محترم تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرنا چاہتے تو (برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے) شروع میں اپنے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان کے ساتھ بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے تین چلو لے کر اپنے سر پر ڈالتے، پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے۔

تراجم رجال

حدثنا عبدالله بن يوسف

یہ مشہور امام ومحدث ابو محمد عبداللہ بن یوسف دمشقی رحمہ اللہ ہیں، جو تنیسی اور کلاعی سے بھی مشہور ہیں۔(۱)

ان کے تفصیلی حالات کتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث (۲) اور کتاب العلم، باب: ليبلغ العلم الشاهد الغائب کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: أخبرنا مالك(٤)

یہ امام دار الہجرۃ، عالم المدینہ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الاصبحی المدنی رحمہ اللہ ہیں۔(۵)

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱٦/۳۳۳

(۲) دیکھیے: كشف الباري: ۱/۲۸۹

(۳) كشف الباري: ٤/۱۱۳

(۴) امام مالک کے حالات کشف الباری: ۱/۲۹۰، كتاب بدء الوحي کی دوسری حدیث کے ذیل میں اور کشف الباری: ۲/۸۰، كتاب الإيمان، باب: من الدين الفرار من الفتن کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

(۵) تقريب التهذيب، ص: ٥١٦، رقم: ٦٤٢٥

شیوخ واساتذہ

امام مالک رحمہ اللہ کے اساتذہ میں اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ، جعفر بن محمد الصادق، ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن، زید بن اسلم، سعد بن اسحٰق، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن دینار، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، نافع مولیٰ ابن عمر، یحیٰ بن سعید الانصاری اور ابوزبیر مکی وغیرہ رحمہم اللہ مشہور ہیں۔(۱)

تلامذہ

آپ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والوں میں ابن مہدی، ابن القاسم، معن، ابومصعب، (۲) ابراہیم بن طہمان، حبیب بن ابی حبیب، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یوسف تینسی، ابو نعیم الفضل ابن دکین، مکی بن ابراہیم، وکیع بن الجراح، یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، ابوعلی الحنفی اور ابوالولید طیالسی رحمہم اللہ وغیرہ معروف ہیں۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ سے جب "أصح الأسانيد" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "مالك عن نافع عن ابن عمر". (۴) یعنی اصح الاسانید وہ روایتیں ہیں جو امام مالک نے نافع عن ابن عمر کے طریق سے نقل فرمائی ہیں۔

مثنی بن سعید کہتے ہیں میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کوئی رات ایسی نہیں گذاری کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نہ ہوئی ہو۔

حدیثِ رسول کا احترام

امام مالک رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، جب حدیث شریف پڑھانے کا ارادہ کرتے تو پہلے وضو کرتے، پھر بہترین لباس زیب تن فرماتے، ٹوپی پہنتے،

(۱) تهذيب الكمال: ۲۷/۹۳-۱۰۶

(۲) الكاشف: ۲/۲۳٤

(۳) تهذيب الكمال: ۲۷/۱۰۷-۱۱۰

(٤) تقريب التهذيب، ص: ٥١٦، رقم: ٦٤٢٥، تهذيب الكمال: ۲۷/۱۱۰

داڑھی کو کنگھی کرتے اور اپنے مسند پر بڑے وقار اور ہیبت سے تشریف فرما ہوتے، پھر حدیث بیان کرنا شروع کرتے تھے، آپ سے اس (سارے اہتمام کے) بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ سب حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کرتا ہوں۔(۱)

امام مالک رحمہ اللہ کی تصانیف میں موطأ اور تفسیر غریب القرآن مشہور ہیں، ان کے علاوہ آپ نے "مسائل" اور "نجوم" پر ایک کتاب اور "الوعظ"، "الرد علی القدریة" کے نام سے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں۔(۲)

آپ رحمہ اللہ کی توثیق وجلالت شان پر ائمہ کا اتفاق ہے۔(۳)

هشام

یہ ابوالمنذر، یا ابوعبداللہ ہشام بن عروہ، اسدی، مدنی رحمہ اللہ ہیں، جلیل القدر تابعی عروہ بن الزبیر بن العوام کے صاحبزادے ہیں۔(۴)

عن أبيه

یہ ابوہشام عروہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵) حضرت عروہ رحمہ اللہ کے حالات کشف الباري، بدء الوحي کی دوسری حدیث کے ذیل میں اختصار کے ساتھ،(٦) جب کہ کشف الباری، کتاب الإیمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کئے جا چکے ہیں۔(۷)

(۱) حلیلة الأولياء: ٣١٨/٦، تهذيب الكمال: ١١٠/٢٧

(۲) الأعلام للزركلي: ٢٥٧/٥

(۳) امام مالک رحمہ اللہ کی ثقاہت اور جلالت شان کے بارے میں تفصیلات کے لئے دیکھیے، تهذيب الكمال: ١١١/٢٧-١١٩، حلية الأولياء: ٣١٨/٥-٣٢٢

(۴) ان کے حالات کشف الباري: ۲۹۱/۱، بدء الوحي کے ذیل میں مختصراً اور کشف الباري: ۴۲۲/۲-۴۳۶، کتاب الإیمان کے ذیل میں تفصیلاً ذکر کر دیے گئے ہیں۔

(٥) عمدة القاري: ٢٨٤/٣

(٦) دیکھیے: كشف الباري: ٢٩١/١

(٧) كشف الباري: ٤٣٦/٢

عن عائشة رضي الله عنها

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا اغتسل من الجنابة بدأفغسل يديه.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت (کا ارادہ) فرماتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔

جنابت کی لغوی تحقیق

جنابت لغت میں قُرب کی ضد ہے، الجنابة، أجنب، يجنب اجناباً سے اسم ہے، اصل میں دوری اور بُعد کو کہتے ہیں۔(۲)

جَنَبَ (نصر سے) اور جنب الشئي تجنيباً دور کرنے کے معنی میں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے، وہ اسی معنی میں ہے: ﴿واجنبني وبني أن نعبد الاصنام﴾ (۳) (اے اللہ!) اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ۔(۴)

ابن منظور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الجنابة منی کو کہتے ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿إن كنتم جنباً فاطهروا﴾. (۵)

جنب کسے کہتے ہیں؟

جماع، یا منی کے خروج سے جس پر غسل واجب ہو اس کو جب یا جنبی کہتے ہیں، چاہے مرد ہو یا عورت،

---

(۱) دیکھیے: کشف الباري: ۱/۲۹۱-۲۹۵

(۲) لسان العرب: ۲/۳۷٤

(۳) دیکھیے: معجم الصحاح، ص: ۱۹۱، مختار الصحاح، ص: ۷۸، ۷۹

(٤) لغات القرآن: ۱/۳۱

(٥) لسان العرب: ۲/۳۷٤

ایک ہو یا دو، یا اس سے زیادہ، سب پر اس کا اطلاق درست ہے، علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الجنُب اسمٌ يطلق على الواحد وعلى الجماعة، وذلك لأنه مصدر".(۱)

یعنی لفظ "جُنُب" چوں کہ مصدر ہے اس لیے اس کا اطلاق ایک فرد اور جماعت (دونوں) پر کیا جاتا ہے۔(۲)

کبھی جنب کی تثنیہ جنبان، جمع جنبون اور اجناب جب کہ مؤنث جنابات بھی آتی ہے۔(۳)

جنبی کی وجہ تسمیہ

انسان کو جنبی کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ عام طور سے ناپاکی کی حالت میں خود کو لوگوں سے دور رکھتا ہے، جب تک کہ پاکی حاصل نہ کرلے۔(۴)

علامہ ازہری رحمہ اللہ نے کہا کہ انسان کو جنبی اس لیے کہتے ہیں کہ جب تک وہ پاکی حاصل نہ کرے اسے مواضع الصلاۃ کی قربت سے منع کیا گیا ہے،(۵) یعنی شرعاً وہ حالت جنابت میں نماز سے دور رہنے پر مامور ہے۔(٦)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سمي الجنب جنباً لأنه يجتنب الصلاة والمسجد والقراءة ويتباعد عنها".(٧) انسان کو جنبی اس لیے کہا گیا کہ وہ حالت جنابت میں نماز، مسجد اور قرآن کی تلاوت سے دور رہتا ہے اور اجتناب کرتا ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) أحكام القرآن، سورة المائدة، باب الغسل من الجنابة: ٢/٤٥٧

(۲) دیکھیے: لسان العرب: ٢/٣٧٤، النهاية: ١/٢٩٥، معجم الصحاح، ص: ١٩١، مجمع بحار الأنوار: ١/٣٩٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٢

(٣) لسان العرب: ٢/٣٧٤، الصحاح، ص: ١٩١

(٤) النهاية: ١/٢٩٥، لسان العرب: ٢/٣٧٤

(٥) لسان العرب: ٢/٣٧٤، النهاية: ١/٢٩٥، عمدة القاري: ٣/٢٨٢

(٦) معجم مفردات القرآن، ص: ١١٣

(٧) المجموع: ٢/١٥٥

"الجنابة اسم شرعيٌّ يفيد لزوم اجتناب الصلاة وقراءة القرآن ومسّ المصحف ودخول المسجد إلا بعد الاغتسال، فمن كان مأموراً باجتناب ما ذكرنا من الأمور موقوف الحكم على الاغتسال فهو جنبٌ".(۱)

یعنی جنابت ایسا اسم شرعی ہے جس سے نماز، قرآن کریم کی تلاوت، قرآن کریم کو چھونا اور دخول مسجد سے اجتناب کرنا لازم آتا ہے، البتہ غسل کے بعد یہ سب کام کر سکتے ہیں، پس جو شخص بھی مذکورہ چیزوں سے اجتناب کرنے پر مامور ہو اور ان امور کا حکم اغتسال پر موقوف ہو تو ایسے شخص کو 'جُنُب' کہا جاتا ہے۔

جنابت اور حیض ونفاس میں فرق

جنابت اور حیض ونفاس اگرچہ ماقبل میں بیان کردہ احکام اجتناب عن الصلاة، والمسجد ومس المصحف وقراءة القرآن میں برابر ہیں، لیکن دونوں میں فرق اس اعتبار سے ہے کہ حیض اور نفاس مانع ہیں وطی سے، جب تک عورت حائضہ اور نفاس والی ہوگی تو غسل کے باوجود بھی اس سے وطی جائز نہ ہوگی، جب کہ "غسل" جنابت کو ختم کر کے انسان کو پاک کر دیتا ہے اور جنابت جواز وطی سے بھی مانع نہیں۔(۲)

جنابت کی اصطلاحی تعریف

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن المرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لغت میں جنابت منی کے شہوت کے ساتھ نکلنے کو کہتے ہیں، أجنب الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب مرد کسی عورت سے اپنی شہوت پوری کرے۔(۳)

---

(۱) أحكام القرآن، سورة المائدة، باب الغسل من الجنابة: ۲/ ۴۵۷

(۲) أحكام القرآن، سورة المائدة، باب الغسل من الجنابة: ۲/ ۴۵۷

(۳) دیکھیے: الهداية: ۱/ ۴۶، الجنابة في اللغة، خروج المني على وجه الشهوة، يقال أجنب الرجل إذا قضىٰ شهوته من المرأة.

علامہ سعدی چلپی محشی ہدایہ وعنایہ اور صاحب کفایہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلتے وقت کی حالت کو کہتے ہیں۔ دیکھیے: حاشية سعدى چلپي على الهداية: ۱/ ۶۴، الكفاية: ۱/ ۲۰

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ تعریف کو محل نظر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے ثبوت =

علامہ زَبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الجنابة حالةٌ تحصل عند التقاء الختانين أو خروج المني على وجه الشهوة، فيصير من قامت به جنباً". (١)

یعنی جنابت التقائے ختانین یا شہوت کے ساتھ خروج منی کے وقت حاصل ہونے والی حالت کو کہتے ہیں اور جس کو یہ حالت لاحق ہوجائے وہ جنبی بن جاتا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تطلق في الشرع على من أنزل المني وعلى من جامع". یعنی شریعت کی اصطلاح میں جنابت کا اطلاق انزال منی اور جماع کرنے والے پر ہوتا ہے۔(۲)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الجنابة هي الماء الذي يكون من نوعه الولد". یعنی جنابت اس پانی کو کہتے ہیں جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔(۳)

جنابت حدیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابت ایک ایسی شی کا نام ہے جو ہمبستری، احتلام اور خروج منی کے بعد انسانی بدن کے اندر سے خارج ہوتی ہے، اور انسانی بدن یا اس پر موجود ہر بال کے نیچے آٹھہرتی ہے، جیسا کہ امام ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت "تحت كل شعرة جنابة"(٤) اور امام احمد رحمہ اللہ کی روایت "على كل شعرة جنابة"(٥) سے معلوم ہوتا ہے۔(٦)

= کے لئے لغت کی کتب معتبرہ کا حوالہ ضروری ہے، حالاں کہ لغت کی کتب معتبرہ میں جنابت کا معنی بُعد اور دوری سے کیا گیا ہے۔ دیکھیے: السعاية: ١/٣١٠

(١) إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الطهارة، كيفية الغسل: ٢/٥٩٨

(٢) المجموع شرح المهذب: ٢/١٥٥

(٣) المحلىٰ بالآثار: ١/٢٥٠

(٤) سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الغسل من الجنابة، حديث رقم: ٢٤٨، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب تحت كل شعرة جنابة، رقم الحديث: ١٠٦

(٥) مسند أحمد، مسند عائشة رضي الله عنها، رقم الحديث: ٢٤٨٥١، ٢٦٢٢٠

(٦) الإعجاز العلمي في لفظ الجنابة وحكمها الشرعي، ص: ٢

ابن فارس کی رائے

ابن فارس نے نقل کیا کہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے والا جب بھی اسی سے مشتق ہے، کیوں کہ وہ بھی ان چیزوں سے دور ہوتا ہے جن سے دوسرے قریب ہوتے ہیں، جیسے نماز و مسجد وغیرہ۔(۱) شرع میں جنابت مرد و عورت کے اختلاط (جنسی) کا نام ہے۔(۲)

سیّد سابق کی رائے

فقہ السنہ میں سید سابق نے لکھا ہے کہ جنابت مرد یا عورت کا نیند یا بیداری میں شہوت کے ساتھ منی کے خروج کو کہتے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الماء من الماء"(۳) کے پیش نظر موجب غسل ہے۔(۴)

موجبات غسل

موجبات غسل کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے ہاں چار چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے:

---

(۱) مجمل اللغة لابن فارس: ۱/۱۹۹

(۲) معجم مقاييس اللغة: ۱/٤٨٣

(۳) الحديث أخرجه مسلم واللفظ له في كتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لايوجب الغسل إلا أن ينزل المني وبيان نسخه وأن الغسل يجب بالجماع، رقم: ٧٧٦، وأبوداؤد في كتاب الطهارة، باب في الإكسال، رقم: ٢١٧، وابن ماجه في سننه، في كتاب الطهارة، باب الماء من الماء، رقم: ٦٠٦، وأحمد في مسنده، مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ١١٢٦٣، والطحاوي شرح معاني الآثار، في كتاب الطهارة، باب الذي يجامع ولا ينزل: ١/٤٥، انظر كذلك جامع الأصول، الفصل الأول في غسل الجنابة، النوع الثاني: الإنزال، رقم: ٥٣٠٥

(٤) فقه السنة للسيد سابق: ١/٤٩

۱-خروج منی، ۲-غیوبت حشفہ، ۳-حیض، ۴-نفاس۔(۱)

شوافع کا مذہب

شوافع کے نزدیک پانچ چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے: ۱-موت، ۲-حیض، ۳-نفاس، بچے کی ولادت سے اگرچہ کوئی تری نہ پائی جائے، ۴-جماع سے، جب حشفہ یا اس کے بقدر فرج میں داخل ہو، اور ۵-خروج منی سے، چاہے معتاد طریقے سے ہو یا غیر معتاد طریقے سے۔(۲)

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے ہاں چھ چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے:

۱-خروج منی اگر شہوت کے ساتھ ہو، ۲-التقائے ختانین سے، اگرچہ انزال نہ پایا جائے، ۳-حیض، ۴-نفاس، ۵-موت، ۶-اور کافر کے قبول اسلام سے۔(۳)

احناف کا مذہب

فقہائے حنفیہ کے ہاں تین چیزوں سے غسل واجب ہوجاتا ہے:

۱-جنابت، ۲-حیض، ۳-نفاس۔(۴) البتہ ثبوت جنابت کے دو سبب ہیں: ۱-منی کا شہوت کے ساتھ کود کر نکلنا، ۲-عورت کے پیشاب کے مقام میں، یا مرد یا عورت کے پاخانے کے مقام میں دخول سے، خواہ انزال ہو، یا نہ ہو۔(۵) اس میں فاعل اور مفعول دونوں برابر ہیں، یعنی دونوں کا حکم ایک ہے۔(۶)

موجبات غسل میں سے ہر ایک کی وضاحت اپنے مقام پر آئے گی، یہاں چوں کہ غسل جنابت کا بیان

---

(۱) الشرح الصغير على أقرب المسالك إلى مذهب الإمام مالك: ۱/۱٦۰، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۱/۲۰۸

(۲) المجموع شرح المهذب: ۲/۱۳۰، فتح العزيز: ۲/۱۰۹، الحاوي الكبير: ۱/۲۵۵

(۳) المغني: ۱/۱۲۸، الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۵۱٤، ۵۲۱

(٤) الهداية: ۱/٤۵ وما بعدها، بدائع الصنائع: ۱/۲۷۳، البحر الرائق: ۱/۹۳-۹۹

(۵) فتح القدير: ۱/٦۵، بدائع الصنائع: ۱/۲۷٤، ۲۷۵، البحر الرائق: ۱/۹۹، المبسوط: ۱/۱۸۳، ۱۸۷

(٦) أحكام القرآن، سورة المائدة، باب الغسل من الجنابة: ۲/٤۵۷

چل رہا ہے، اس لیے جنابت اور اس کے اسباب سے متعلق ضروری امور کی وضاحت کی جائے گی۔

خروج منی سے وجوب غسل

اس بات پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ خروج منی سے غسل واجب ہوتا ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہوگا، یا شہوت کا پایا جانا بھی ضروری ہے؟

مذاہب ائمہ

اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور راجح قول کے مطابق مالکیہ کے نزدیک خروج منی اگر شہوت کے ساتھ ہو تو پھر موجب غسل ہے ورنہ نہیں، (۱) جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض مالکیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہوگا، چاہے منی شہوت کے ساتھ نکلی ہو یا بغیر شہوت کے، (۲) لہٰذا اگر وزن اٹھانے کی وجہ سے منی نکل گئی، یا کسی بلند جگہ سے گرنے کی وجہ سے نکل گئی ہو، یا پشت پر ڈنڈا وغیرہ مارنے سے نکلی ہو، یا کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے نکلی ہو، غرض کسی بھی غیر معتاد طریقے سے منی کے خروج سے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا، (۳) جب کہ شوافع کے ہاں اس طرح کی تمام صورتوں میں بھی غسل واجب ہوگا۔ (۴)

شوافع کی دلیل

شوافع کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے امام مسلم، امام ابوداؤد، امام احمد

---

(۱) دیکھیے: ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۱۱۸، الهداية: ۱/۴۵، المبسوط: ۱/۱۸۵، بدائع الصنائع: ۱/۲۷۳، المغني لابن قدامة: ۱/۱۲۸، الإنصاف: ۱/۲۲۷، الشرح الصغير: ۱/۱۶۰، ۱۶۱، حاشية الدسوقي: ۱/۲۱۰، بداية المجتهد: ۱/۵۳۸

(۲) دیکھیے: كتاب الأم: ۱/۱۴۸، الحاوى الكبير: ۱/۲۵۵، المجموع: ۲/۱۳۸، فتح العزيز: ۱/۱۱۴، ۱۲۲

(۳) دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/۲۷۷، المبسوط: ۱/۱۸۵، السعاية: ۱/۳۱۰، ردالمحتار: ۱/۱۱۸، المغني: ۱/۱۲۸، الانصاف: ۱/۲۲۸

(۴) المجموع: ۲/۱۳۹، الحاوي الكبير: ۱/۲۶۰، بدائع الصنائع: ۱/۲۷۷، المبسوط: ۱/۱۸۵، بداية المجتهد: ۱/۵۳۸

اور امام طحاوی رحمہم اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إنما الماء من الماء". (۱) کہ "پانی" پانی سے واجب ہوگا، یعنی انزال منی پانی سے غسل کو واجب کرتا ہے۔ (۲)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "معناه يجب الغسل بالماء من إنزال الماء الدافق، وهو المني". (۳) ماء دافق یعنی منی کے انزال سے پانی سے غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔

شوافع عموم حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں شہوت کی کوئی قید نہیں، مطلقاً خروج منی کو موجب غسل قرار دیا گیا ہے۔ (۴)

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ کی ایک دلیل تو قرآن کریم کی آیت ہے، سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وإن كنتم جنباً فاطهروا﴾. (۵)

یعنی اگر تمہیں جنابت لاحق ہوجائے تو پاکی حاصل کرلو۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنابت سے غسل واجب ہونے کا دارومدار منی کا کود کر شہوت سے نکلنے پر ہے، جیسے کہ لفظ "جنباً" اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وإن كنتم جنباً فاطهروا﴾ میں اس کی طرف مشیر

---

(۱) الحديث أخرجه مسلم واللفظ له في كتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لايوجب الغسل إلا أن ينزل المني وبيان نسخه وأن الغسل يجب بالجماع، رقم: ۷۷٦، وأبوداؤد في كتاب الطهارة، باب في الإكسال، رقم: ۲۱۷، وابن ماجه في سننه، في كتاب الطهارة، باب الماء من الماء، رقم: ٦۰٦، وأحمد في مسنده، مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۱۱۲٦۳، والطحاوي في شرح معاني الآثار، في كتاب الطهارة، باب الذي يجامع ولا ينزل: ۱/٤٥، انظر كذلك جامع الأصول، الفصل الأول في غسل الجنابة، النوع الثاني: الإنزال، رقم: ٥۳۰٥

(۲) الحاوي الكبير: ۱/۲٦۰، فتح الملهم: ۳/۲۰۰، الهداية: ۱/٤٦

(۳) المجموع شرح المهذب: ۲/۱۳۸

(٤) الحاوى الكبير: ۱/۲٦۰، المجموع شرح المهذب: ۲/۱۳۹، الهداية: ۱/٤٦، السعاية: ۱/۳۱۱

(٥) المائدة: ٦

ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔(۱)

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے ذکر کردہ حدیث "الماء من الماء" کے جمہور کی طرف سے متعدد جوابات دیے گئے ہیں، جن کی تفصیل "إن شاء اللّٰہ" جنابت کے سبب ثانی کے ذیل میں عنقریب بیان کی جائے گی، البتہ یہاں صرف ایک جواب پر اکتفاء کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ کی توجیہ

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن المرغینانی رحمہ اللہ "الماء من الماء" کے بارے میں فرماتے ہیں: والحديث محمول على خروج المني عن شهوة".(۲) یعنی حدیث مذکور منی کے شہوت کے ساتھ نکلنے پر محمول ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی وضاحت

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث "الماء من الماء" کو خروج المني على وجه الشهوة پر اس لیے محمول کیا جاتا ہے تاکہ ادلہ میں تطبیق دی جاسکے،(۳) اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری روایات میں خروج منی علی وجہ الشہوۃ پر تو غسل کو لازمی قرار دیا گیا ہے، نہ کہ مطلقاً خروج ماء پر، چناں چہ امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام احمد رحمہم اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

"عن علي قال: كنت رجلاً مذاءً، فجعلت أغتسل حتى تشقق ظهري، فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم ، أوذكر له، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لاتفعل إذا رأيت المذي فاغسل ذكرك وتوضأ وضوءك للصلاة، فإذا فضحت الماء فاغتسل". (۴)

---

(۱) فتح الملهم: ۳/۷ـ۲۰۰، الهداية: ۱/۴۶، فتح القدير: ۱/۶۵

(۲) الهداية: ۱/۴۶

(۳) البناية: ۱/۳۲۸

(٤) الحديث أخرجه أبو داؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم: ۲۰۶، والنسائي في سننه =

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے مذی کثرت سے نکلتی تھی (اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے) میں اس سے غسل کیا کرتا تھا (اور بکثرت اس کی نوبت آتی تھی،) یہاں تک کہ (موسم سرما میں سردی کی شدت اور بار بار غسل کرنے سے) میری کمر میں پھٹن ہوگئی تھی، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، یا کسی اور نے آپ سے تذکرہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو یعنی مذی سے غسل مت کرو، اور جب تم مذی کو دیکھو تو اپنی شرمگاہ کو دھولو اور نماز والا وضو کرو اور جب تو کدائے پانی کو تب غسل کرو یعنی غسل ماء دافق (منی) سے واجب ہوتا ہے نہ کہ مذی سے۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قصہ مختصراً منقول ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: إذا خذفت الماء فاغتسل من الجنابة وإن لم تكن خاذفاً فلا تغتسل". (۱)

یعنی جب تم پانی کو کداؤ تو جنابت سے غسل کرو اور اگر پانی (منی) دفق وشہوت سے نہ ہو تو مت غسل کرو۔

پہلی روایت میں "فضحت" اور دوسری روایت میں "خذفت" کے الفاظ آئے ہیں "فضح" اور "خذف" منی کے دفق اور شہوت کے ساتھ نکلنے کو کہتے ہیں، تو گویا دونوں روایتوں کا مطلب یہ نکلا کہ جب انزال دفق وشہوت کے ساتھ ہو تو غسل کرو، ورنہ نہیں۔ (۲)

چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی دونوں روایتیں "مقید" ہیں اور حدیث "الماء من الماء" "مطلق" ہے، اور یہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں، لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو مختلف واقعات سے تعلق رکھنے والی "مطلق" روایات کو "مقید" پر محمول کرنا درست ہے تو یہاں بطریق اولیٰ ایسا

= في كتاب الطهارة، باب الغسل من المني، رقم: ۱۹۳، وأحمد في مسنده، مسند علي بن أبي طالب: ۱/۱۲۱، رقم: ۸۶۸، انظر كذلك جامع الأصول، باب الغسل، النوع الثاني، المذي: ۷/۱۹۹، رقم: ۵۲۱۹

(۱) الحديث، أخرجه الإمام أحمد في مسنده، في مسند علي بن أبي طالب: ۱/۳۱۶، رقم: ۸۴۷

(۲) البناية: ۱/۳۲۷، السعاية: ۱/۳۱۱، بذل المجهود في حل سنن أبي داود: ۲/۱۴۸، ۱۴۹

کرنا درست ہوگا۔(۱)

دوسری توجیہ

حدیث "الماء من الماء" کوخروج منی بالشہوۃ پر محمول کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "الماء من الماء" اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے اگر چہ منی، مذی اور ودی تینوں کو شامل ہے، لیکن یہ اپنے عموم پر باقی نہیں، کیوں کہ مذی اور ودی سے غسل واجب نہ ہونے پر اجماع ہے،(۲) لہٰذا "الماء" سے یہاں خاص پانی مراد لیا جائے گا اور اسے خروج منی بالشہوۃ پر محمول کیا جائے گا۔

اس کی دلیل حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتے، کیا عورت پر غسل ہے جب اسے احتلام ہو جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر وہ پانی دیکھ لے،(۳) روایت کے الفاظ ہیں: "نعم! إذا رأت الماء". تو یہاں الماء سے خاص پانی مراد ہے، وگرنہ مذی اور ودی سے بھی غسل کرنا لازم آئے گا جب کہ بالاجماع ان سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔(۴)

خروج منی من الذکر کے وقت شہوت کا حکم

علمائے احناف رحمہم اللہ اس بات پر تو متفق ہیں کہ وجوب غسل کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب منی اپنی

---

(۱) دیکھیے: البناية: ۱/۳۲۷، السعاية: ۱/۳۱۱

(۲) المنهاج: ۳/۲۰٤، البناية: ۱/۳۲۷، الأوسط: ۱/۱۳۳–۱۳٦، بدائع الصنائع: ۱/۲۷۸

(۳) الحديث أخرجه البخاري في كتاب العلم، باب الحياء في العلم، رقم: ۱۳۰، وفي كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، رقم: ۲۸۲، وفي كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، رقم: ۳۳۲۸، وفي كتاب الأدب، باب التبسم والضحك، رقم: ٦۰۹۱، وفيه أيضاً، باب مالا يستحيا من الحق للتفقه في الدين، رقم: ٦۱۲۱، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم: ۳۱۳، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم: ۱۹۷، وابن ماجه في أبواب التيمم، باب في المرأة ترى في منامها مايرى الرجل، رقم: ٦۰۰، انظر كذلك جامع الأصول، رقم: ۵۳۱۰

(٤) البناية شرح الهداية: ۱/۳۲۷

جگہ یعنی صُلب سے جدا ہو تو شہوت پائی جائے، مگر جب عضو تناسل سے باہر نکلے گی تو اس وقت شہوت کا پایا جانا شرط ہے یا نہیں؟۔

طرفین کی رائے

تو اس بارے میں طرفین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف ہے، چناں چہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وجوب غسل کے لیے منی کا اپنی جگہ یعنی صُلب سے شہوت کے ساتھ نکلنا ضروری ہے، چاہے عضو تناسل سے نکلتے وقت شہوت پائی جائے، یا نہیں۔

امام ابو یوسف کی رائے

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عضو تناسل سے ظاہر ہوتے وقت بھی شہوت کا پایا جانا ضروری ہے، وہ عضو تناسل سے نکلتے وقت کو منی کے صلب سے جدا ہونے پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح وجوب غسل کے لیے منی کا اپنے مقر سے شہوت کے ساتھ نکلنا ضروری ہے، ایسے ہی عضو تناسل سے نکلتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اگر منی اپنے مقر سے جدا ہوئی اور عضو تناسل سے خروج نہ پایا جائے تو بالاجماع غسل واجب نہیں ہوتا، غسل کے واجب ہونے کے لیے مقر سے جدا ہونے کے ساتھ عضو تناسل سے خروج بھی ضروری ہے، اور مقر سے جدا ہوتے وقت بالاتفاق شہوت کا پایا جانا ضروری ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ خروج کے وقت بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔(۱)

طرفین کا استدلال

طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انفصال منی کے وقت چوں کہ شہوت پائی گئی تو اس کا تقاضہ ہے کہ غسل واجب ہو، کیوں کہ وجوب غسل کے لیے مطلق شہوت شرط ہے نہ کہ کمال شہوت، لہٰذا جب شہوت پائی جائے تو غسل واجب ہونا چاہیے اور جب شہوت مفقود ہو تو وجوب غسل کا حکم بھی نہیں لگنا چاہیے، جب کہ خروج کے وقت شہوت نہیں پائی گئی تو اس کا تقاضہ ہے کہ غسل واجب نہ ہو، پس جب غسل واجب ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے اور من وجہ غسل واجب ہے تو ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے غسل واجب ہونے کا کہا، کیوں کہ

(۱) الهداية مع فتح القدير: ۱/۶۶، البناية: ۱/۳۳۰، السعاية: ۱/۳۱۲، البحر الرائق: ۱/۱۰۲

عبادات میں جانب احتیاط پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔(۱)

ثمرہ اختلاف

مذکورہ بالا اختلاف کا ثمرہ ان تمام صورتوں میں نکلے گا جن میں منی کے انفصالِ مقر کے وقت تو شہوت پائی جائے اور عضوتناسل سے خروج کے وقت نہ پائی جائے، جیسے اگر کسی شخص نے استمناء بالید کیا اور منی اپنے مقر سے شہوت کے ساتھ نکلی تو اس آدمی نے اپنے عضوتناسل کو پکڑے رکھا، یہاں تک کہ شہوت ختم ہوگئی اور منی بلا شہوت کے نکلی تو طرفین کے نزدیک اس صورت میں غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔(۲)

علامہ قاضی خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گذشتہ نمازوں کے بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کا اعتبار کیا جائے اور نہ لوٹائی جائیں اور آئندہ نمازوں کے سلسلے میں طرفین کے قول پر عمل کرتے ہوئے بغیر کسی غسل کے نہ پڑھی جائیں۔(۳)

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کسی ایسی جگہ مہمان ہو جہاں تہمت کا اندیشہ ہو تو امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا جائے گا اور عام حالات میں طرفین کا قول مفتیٰ بہ ہے۔(۴)

جنابت کا سبب ثانی

حنفیہ کے ہاں جنابت کا سبب ثانی عورت کے پیشاب کے مقام میں، یا مرد، یا عورت کے پاخانے کے مقام میں دخول ہے، چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔(۵)

---

(۱) السعاية: ۱/۳۱۲، البناية: ۱/۳۳۰، البحر الرائق: ۱/۱۰۳

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۱۸، فتح القدير: ۱/۶۶، البحر الرائق: ۱/۱۰۳، فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۶

(۳) فتاوی قاضي خان: ۱/۴۶، البحر الرائق: ۱/۱۰۳، فتح القدير: ۱/۶۶

(۴) السعاية: ۱/۳۱۲، البناية: ۱/۳۳۱، الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۱۸

(۵) الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الطهارات، فصل في الغسل: ۱/۴۶، ۴۷، فتح القدير، كتاب الطهارات، فصل في الغسل: ۱/۶۵، ۶۷، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الطهارة، فصل في أحكام=

التقائے ختانین سے وجوبِ غسل

مذکورہ بالا صورت میں اگر التقائے ختانین ہو اور بقدر حشفہ دخول ہوجائے تو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ اربعہ اور جمہور علمائے کرام کے نزدیک غسل واجب ہوجاتا ہے، انزال ضروری نہیں، سوائے داؤد ظاہری کے، ان کے نزدیک التقائے ختانین کے ساتھ انزال بھی ضروری ہے۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے "كتاب الغسل" کے آخر میں "التقاء الختانين" کے عنوان سے باب قائم کیا ہے، زیر بحث مسئلہ میں ان کی رائے اور دیگر حدیثی مباحث اسی باب کے تحت آئیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ اکسال کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بارے میں اختلاف تھا کہ وجوب غسل کے لیے انزال ضروری ہے یا نہیں؟ یا صرف التقائے ختانین یعنی اکسال سے غسل واجب ہوجاتا ہے، چناں چہ صدر اول میں صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت ابو سعید خدری، اُبی بن کعب، سعد بن ابی وقاص، ابو ایوب انصاری، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، رافع بن خدیج، ابن عباس، زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں، اس بات کی قائل تھی کہ محض اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا، جب تک اس کے ساتھ انزال نہ ہو،(۲) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے رجوع کے بعد تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع منعقد ہوگیا کہ صرف التقائے ختانین

= الغسل: ۱/۲۷۳-۲۷٦، وما بعدها، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة: ۱/۹۹-۱۰۹، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة: ۱/٦٥-٦٩، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة: ۱/٦٤-٦٦، المبسوط، باب الوضوء والغسل: ۱/۱۸۷، ۱۸۸

(۱) بداية المجتهد: ۱/٥٣٦، الاستذكار: ۱/۳۲۰، الكنز المتواري: ۳/۲۳٦، ۲۳۷، فتح المالك: ۱/٤٣٤، الحاوي الكبير: ۱/۲٥٥، الأوسط: ۲/۸۱، وقال ابن المنذر: "لستُ أعلم اليوم بين أهل العلم فيه اختلافاً". اهـ.

(۲) الحاوي الكبير: ۱/۲٥٥، بذل المجهود: ۲/۱۷٦، الاستذكار: ۱/۳۲۱، الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ۲/۷۷، الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ۱/۱۸٥

ہی موجب غسل ہے، چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔(۱)

قائلین عدم وجوبِ غسل کا استدلال

قائلین عدم وجوبِ غسل کا اختلاف کے وقت استدلال ایک تو صحیح مسلم میں مروی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے تھا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين إلى قباء، حتى إذا كنا في بني سالم، وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم على باب عتبان، فصرخ به، فخرج يجر إزاره، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعجلنا الرجل، فقال عتبان: يارسول الله! أرايت الرجل يعجل عن امرأته ولم يمن، ماذا عليه؟، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما الماء من الماء".(۲)

یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیر کے دن قبا کی طرف نکلا، جب ہم بنوسالم میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبان کے دروازے پر رکے اور ان کو آواز دی تو وہ اپنا ازار گھسیٹتے ہوئے نکلے، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس حالت میں دیکھا) تو فرمایا: ہم نے آدمی کو عجلت میں مبتلا کر دیا، حضرت عتبان نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب آدمی کو اس کی بیوی سے عجلت میں مبتلا کر دیا جائے اور اسے انزال نہ ہو تو اس پر کیا ہے؟ (یعنی کیا اس پر غسل ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پانی سے واجب ہوتا ہے، یعنی غسل تو انزال سے واجب ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرسل إلى رجل من الأنصار،

---

(۱) أوجز المسالك: ۱/۵۱۶، معارف السنن: ۱/۳۷۰، بداية المجتهد: ۱/۵۳۸

(۲) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب الماء من الماء، رقم: ۷۷۳، وانفرد به، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۴۱۲۲

فجاء ورأسه يقطُر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : لعلنا أعجلناك، فقال: نعم!، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا أعجلت أو قحطت فعليك الوضوء". (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر انصار کے ایک آدمی کو بلایا، وہ آئے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعلنا أعجلناك؟ شاید ہم نے آپ کو عجلت میں ڈال دیا؟ اس نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا أعجلتَ أو قحطتَ، فلا غسل عليك، وعليك الوضوء". یعنی جب کوئی جلدی (کا کام) آپڑے، یا تمہیں انزال نہ ہو، تو تم پر غسل نہیں، اور تم پر وضو ہے۔

اسی طرح صحیحین میں عطاء بن یسار سے مروی ہے:

"أن زيد بن خالد أخبره أنه سأل عثمان بن عفّان قلت: أرأيت إذا جامع فلم يُمْنِ؟ قال عثمان: يتوضأ كما يتوضأ للصلاة، ويغسل ذكره، قال عثمان: سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم". (۲)

یعنی زید بن خالد الجہنی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص صحبت کرلے اور انزال منی نہ ہو (تو کیا حکم ہے؟) حضرت عثمان نے فرمایا: "يتوضأ كما يتوضأ للصلاة ويغسل ذكره". یعنی وضو کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے اور اپنے عضو کو دھولے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

بخاری شریف میں اسی حدیث کے آخر میں راوی کہتے ہیں: فسألت عن ذلك علياً والزبير

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر ...... رقم: ۱۸۰، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب الماء من الماء، رقم: ۷۷٦، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۳۹۹۹، الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ۱/ ۱۸۵

(۲) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر، رقم: ۱۷۹، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب الماء من الماء، رقم: ۷۷۹، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۹۸۰۱

وطلحة وأبي بن كعب رضي الله عنهم، فأمروه بذلك". (۱) یعنی میں نے اس بارے میں حضرت علی، زبیر، طلحہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا، سب نے اس شخص کے بارے میں یہی حکم دیا۔ (یعنی وہ صرف وضو کرے، غسل کی حاجت نہیں)۔ یہی بات امام طحاوی رحمہ اللہ نے "شرح معاني الآثار" میں نقل فرمائی ہے۔ (۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان حضرات یعنی حضرت علی، زبیر، طلحہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم کی طرف سے صرف فتوی دیا گیا تھا، جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتویٰ دینے کے ساتھ اس بات کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کر رہے ہیں۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات نے بھی زید بن خالد جہنی کو اسی بات کا حکم دیا جس بات کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امر فرمایا تھا، لیکن محدث اسماعیلی کی روایت میں ہے: "فقالوا مثل ذلك" یعنی انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح کہا، اس روایت کا ظاہر ان حضرات کی روایت کے مرفوع ہونے کی طرف مشیر ہے، کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتوی دینے کے ساتھ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل بھی کیا ہے، لہٰذا محدث اسماعیلی کی روایت میں "مثل" کا لفظ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ انہوں نے بھی فتوی دینے کے ساتھ ساتھ اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، محدث اسماعیلی نے ایک دوسری روایت میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔ (۴)

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ان حضرات کے قول کے مرفوع ہونے کی "الحسین بن عیسی البسطامی" کے طریق سے تصریح کی ہے، اور حسین سے خود امام بخاری

---

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر، رقم: ۱۸۰، الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ۱/ ۱۸۲

(۲) شرح معاني الآثار، باب الذي يجامع ولا ينزل: ۱/ ٤٤

(۳) شرح الكرماني: ۳/ ۱۵۵، فتح الباري: ۱/ ۵۲۲

(٤) فتح الباري: ۱/ ۵۲۲، أماني الأحبار: ۱/ ۲۷۵

رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے۔(۱)

اکسال سے وجوب غسل پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع

بہرحال صدر اول میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اکسال کے مسئلے میں اختلاف ہوا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پھر اس بات پر اجماع ہوا کہ فقط التقائے ختانین سے غسل واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ انزال نہ ہو، امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مسئلے پر باہمی اتفاق کو بروایت حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ تفصیل سے نقل کیا ہے، حضرت رفاعہ فرماتے ہیں:

"قال: إني لجالس عند عمر بن الخطاب رضي الله عنه، إذ جاء رجل فقال: يا أمير المؤمنين، هذا زيد بن ثابت يفتي الناس في الغسل من الجنابة برأيه.

فقال عمر رضي الله عنه: أعجل عليّ به، فجاء زيد.

فقال عمر رضي الله عنه: قد بلغني من أمرك أن تفتي الناس بالغسل من الجنابة برأيك في مسجد النبيّ صلى الله عليه وسلم.

فقال له زيد: أمَ والله يا أمير المؤمنين، فما أفتيت برأيي، ولكني سمعت من أعمامي شيئاً فقلت به.

فقال: من أي أعمامك؟ فقال: من أُبيّ بن كعب، وأبي أيوب، ورفاعة بن رافع. فالتفت إليّ عمر فقال: ما يقول هذا الفتى؟

قال: قلت: إنا كنا لنفعله على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم لا نغتسل.

قال: أفسألتم النبيّ صلى الله عليه وسلم عن ذلك؟ فقلت: لا.

قال: عليّ بالناس، فاتفق الناس أن الماء لا يكون إلا من الماء، إلا ما

(۱) أماني الأحبار في شرح معاني الآثار: ۲۷۵/۹

كان من علي ومعاذ بن جبل فقالا: إذا جاوز الختان الختان، فقد وجب الغسل.

فقال: يا أمير المؤمنين لا أجد أحداً أعلم بهذا من أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم، من أزواجه.

فأرسل إلى حفصة رضي الله عنها فقالت: لا علم لي.

فأرسل إلى عائشة رضي الله عنها فقالت: "إذا جاوز الختان الختان، فقد وجب الغسل".

فتحطم عمر، وقال: لئن أخبرت بأحد يفعله ثم لايغتسل لأنهكته عقوبة (أي لما لنت في عقوبته).

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا: اے امیر المؤمنین! زید بن ثابت لوگوں کو غسل جنابت کے بارے میں اپنی رائے سے فتوی دیتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کو جلدی سے میرے پاس لاؤ، حضرت زید رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تم مسجد نبوی (علیٰ صاحبها الصلاۃ والسلام) میں لوگوں کو غسل جنابت کے بارے میں اپنی رائے سے فتوی دیتے ہو؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! اے امیر المؤمنین میں نے اپنی رائے سے فتوی نہیں دیا، بلکہ میں نے اعمام (چچاؤں) سے جو سنا تھا وہی بیان کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہارے کون سے چچا؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا اُبي بن کعب، ابو ایوب اور رفاعہ بن رافع سے سنا ہے، حضرت رفاعہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت رفاعہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا (یعنی اکسال) کرتے تھے اور پھر غسل نہیں کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا؟ تو میں

نے کہا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا جائے، (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے) اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے (محض التقائے ختانین موجب غسل نہیں،) سوائے حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے، ان دونوں نے کہا کہ جب شرمگاہ شرمگاہ میں داخل ہوجائے (کنایہ ہے جماع سے) تو غسل واجب ہوجاتا ہے، حضرت رفاعہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے سلسلہ میں ازواج مطہرات سے بڑھ کر میں کسی کو عالم نہیں سمجھتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ جب شرمگاہ شرمگاہ سے متجاوز ہوجائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصے کا اظہار کیا اور کہا: آج کے بعد اگر مجھے پتہ چلا کہ کسی نے اکسال کیا اور غسل نہیں کیا تو میں اسے انتہائی سخت سزا دوں گا۔(۱)

جمہور کا استدلال

جمہور ائمہ کرام کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا جلس بین شُعبَها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل". (۲) یعنی جب مرد عورت کے چہار زانو میں بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ کوشش کی (بعض روایات میں ہے "ومسّ الختان الختان". جب شرمگاہ شرمگاہ میں داخل ہوجائے) تو غسل واجب ہوگیا۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۴۸/۱، فتح الملهم: ۱۰۴/۳

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانین، رقم الحدیث: ۳۵۰

"إن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يجامع أهله ثم يكسل، هل عليهما الغسل؟ وعائشة جالسة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إني لأفعل ذلك، أنا وهذه ثم نغتسل".(۱)

یعنی ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی اہلیہ سے ہمبستری کرتا ہے پھر اکسال کرتا ہے، کیا ان دونوں پر غسل ہے؟، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں تشریف فرما تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور یہ ایسا کرتے ہیں پھر ہم غسل کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا (یعنی اکسال کیا) اور ہم نے غسل کیا۔(۲)

حدیث "الماء من الماء" کی توجیہات

جمہور ائمہ کی طرف سے حدیث "الماء من الماء" کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں، ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ حدیث "خروج المني على وجه الشهوة" پر محمول ہے۔(۳)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حدیث "الماء من الماء" کا منسوخ ہونا نقل کیا ہے، چناں چہ انہوں نے اپنی سنن میں سہل بن سعد الساعدی سے روایت نقل کی ہے کہ انہیں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ

(۱) حديث أبي هريرة -رضي الله عنه- أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان، رقم: ۲۹۱، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانين، رقم: ۳٤۸، وأخرجه النسائي في صحيحه في كتاب الطهارة، باب وجوب الغسل إذا التقى الختانان، رقم: ۱۹۱، وانظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ۱٤٦٥۹، وجامع الأصول، رقم: ۵۳۰۰، وحديث عائشة -رضي الله عنها- أخرجه الترمذي في صحيحه في كتاب الطهارة، باب ماجاء إذاالتقى الختانان وجب الغسل، رقم: ۱۰۸، ۱۰۹، وابن ماجه في صحيحه في كتاب الطهارة، باب في وجوب الغسل إذا التقى الختانان، رقم: ٦۰۸، الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ۱/۱۸٦، ۱۸۷

(۲) فتح المالك: ۱/٤۳٤

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے، كشف الباري، كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، ص: ۱۳۰-۱۳۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے (الماء من الماء) کو کپڑوں کی قلت کی وجہ سے ابتدا اسلام میں لوگوں کے لیے رخصت قرار دیا تھا، پھر غسل کا حکم دیا اور اس (یعنی اکسال) سے منع کیا۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسے ابتدائے اسلام کا واقعہ قرار دیا ہے، چناں چہ انہوں نے صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ سے عنوان قائم کیا ہے:

"باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لايوجب الغسل إلا أن ينزل المني وبيان نسخه وأن الغسل تجب بالجماع". (۲)

پھر اس کے بعد انہوں نے باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانين کا عنوان قائم کیا ہے۔(۳)

اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ جو وجوب غسل کے لیے انزال کو ضروری قرار دیتے تھے، وہ بھی ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی رخصت پر محمول ہے۔(۴)

ابن رسلان فرماتے ہیں کہ حدیث "الماء من الماء" مباشرت فی غیر الفرج پر محمول ہے، اور اس صورت میں غسل تمام ائمہ کے نزدیک انزال ہی پر موقوف ہے۔(۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "إنما الماء من الماء في الاحتلام" یعنی یہ حدیث احتلام پر محمول ہے۔(٦)

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا

---

(۱) كتاب الحيض، ص: ٧٣٤

(۲) حواله سابق

(۳) الحديث أخرجه أبوداود في صحيحه في كتاب الطهارة، باب في الإكسال، رقم: ٢١٤

(٤) الحديث أخرجه أبوداود في صحيحه في كتاب الطهارة، باب في الإكسال، رقم: ٢١٥

(٥) بذل المجهود: ٢/ ١٧٩

(٦) قول ابن عباس رضي الله عنهما أخرجه الترمذي في صحيحه في كتاب الطهارة، باب ماجاء أن الماء من الماء، رقم: ١١٢، انظر الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ١/ ١٩٧

مطلب یہ ہے کہ حدیث "الماء من الماء" جماع الیقظہ کے لیے منسوخ ہوچکی ہے، (البتہ جماع فی المنام جس کو احتلام کہتے ہیں) کے لیے اب بھی محکم اور واجب العمل ہے، اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ ایک حدیثِ منسوخ بعض جزئیات کے لیے واجب العمل باقی رہے۔(۱)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ الماء من الماء کو عام رکھا جائے، چاہے حقیقی ہو یا حکمی، پس ایلاج (ادخال الذكر في الفرج) ماء حکمی ہے، یعنی انزال کے حکم میں ہے۔(۲)

اجماع کے مقابلے میں داؤد ظاہری کے قول کی حیثیت

باقی رہی بات داؤد ظاہری کے اختلاف کی، آیا اس کا کوئی اعتبار ہے یا نہیں؟ تو حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے علامہ سبکی رحمہ اللہ کی "شرح التقريب" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ لا عبرة بخلافه عند المحققين، یعنی محققین کے نزدیک اجماع کے مقابلے میں داؤد ظاہری کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔(۳)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فالمسألة اليوم مجمع عليها ومخالفة داؤد لا تقدح في الإجماع عندالجمهور". یعنی داؤد ظاہری کے اختلاف سے جمہور کے نزدیک اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(۴)

عقلی دلائل

امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار میں صرف التقائے ختانین سے وجوب غسل پر ''نظر'' کے نام سے تین دلیلیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی نظر

جماع مع الانزال "أغلظ الأحداث" میں سے ہے، یعنی اس کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے اور ''جماع بغیر الانزال'' میں اختلاف ہے، جب کہ ''جماع مع الانزال'' اور ''جماع بغیر الانزال'' آٹھ احکام میں

---

(۱) فیض الباري: ۱/ ۴۸، معارف السنن: ۱/ ۳۷۳

(۲) بذل المجهود: ۲/ ۱۷۹

(۳) معارف السنن: ۱/ ۳۷۰، المجموع شرح المهذب: ۲/ ۱۳۷

(٤) المجموع شرح المهذب: ۲/ ۱۳۷

شریک اور متساوی ہیں:

۱- جماع کی دونوں صورتوں میں، یعنی چاہے انزال ہو یا نہ ہو، روزہ ٹوٹنے کے بعد قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۲- دونوں صورتوں میں حج فاسد ہونے کے بعد قضا اور دَم واجب ہوتا ہے۔

۳- حج اور روزہ کی حالت میں دونوں صورتیں "فی مادون الفرج" حرام ہیں۔

۴- عورت کے ساتھ زنا کرنے سے دونوں صورتوں میں حد واجب ہوتی ہے۔

۵- عورت کے ساتھ زنا بالشبہ کرنے سے دونوں صورتوں میں حد نہیں، صرف مہر واجب ہوتا ہے۔

۶- "وطی فیما دون الفرج...... بدون شبہۃ" کی وجہ سے دونوں صورتوں میں حد اور مہر نہیں، صرف تعزیر واجب ہوتی ہے۔

۷- بیوی کے ساتھ صرف "جماع فی الفرج" کرنے کے بعد طلاق دینے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں مہر اور عدت واجب ہوتی ہے اور زوجِ اول کے لیے یہی عورت حلال ہو جاتی ہے۔

۸- بیوی کے ساتھ صرف "جماع في مادون الفرج" کے بعد طلاق دینے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں نصفِ مہر یا متعہ واجب ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "جماع مع الإنزال" اور "جمع بغير الإنزال" آٹھ احکام میں شریک اور متساوی ہیں، ان احکام پر نظر اور قیاس کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ غسل کے واجب ہونے اور نہ ہونے میں بھی دونوں شریک اور متساوی ہونے چاہئیں اور انزال کی صورت میں چوں کہ بالاتفاق غسل واجب ہوتا ہے، اس لیے "جماع بغير الإنزال" کی صورت میں بھی غسل واجب ہونا چاہیے تاکہ دونوں کا حکم ایک ہو جائے۔(۱)

دوسری نظر

اس نظر کو علامہ طحاوی نے "حجۃ اُخریٰ" کے عنوان سے بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد اور عورت کا التقائے ختانین ہو جائے تو مذکورہ بالا آٹھ احکام واجب ہو جاتے ہیں اور اگر التقائے ختانین کے بعد بھی انزال ہو جائے تو اس سے کوئی نیا حکم واجب نہیں ہوتا، مثلاً: اگر کسی مرد نے زنا کرتے ہوئے کسی عورت کے

(۱) باب: الذي يجامع ولا ينزل، ص: ۴۹

ساتھ التقائے ختانین کیا تو حد واجب ہوجاتی ہے، اب اگر التقائے ختانین کے بعد انزال بھی ہوجائے تو اس سے دوسری حد واجب نہیں ہوتی، یا اگر کسی نے شبہ کی وجہ سے جماع کرتے ہوئے التقائے ختانین کیا تو مہر واجب ہوجاتا ہے، اب اگر اس کے بعد انزال بھی ہوجائے تو اس سے نیا مہر واجب نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ جب التقائے ختانین کے بعد انزال مؤخر ہوجائے تو حد، مہر اور دوسری چیزوں کے واجب ہونے کا تعلق صرف التقائے ختانین کے ساتھ ہوتا ہے، انزال پر موقوف نہیں ہوتا۔

اس پر نظر اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ غسل کا تعلق بھی صرف التقائے ختانین کے ساتھ ہونا چاہیے، انزال پر موقوف نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا التقائے ختانین کی وجہ سے چاہے انزال ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں غسل واجب ہونا چاہیے۔(۱)

تیسری نظر

اس نظر کو بھی علامہ طحاوی نے ''حجة أخری'' کے عنوان سے بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جماع مع الانزال'' کی صورت میں مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک جیسا ہوتا ہے، یعنی دونوں پر غسل واجب ہوتا ہے۔

اس پر نظر اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جماع بغیر الانزال کی صورت میں بھی مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک جیسا ہونا چاہیے اور چوں کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں عورت پر بالاتفاق غسل واجب ہوتا ہے، اس لیے اسی صورت میں مرد پر بھی غسل واجب ہونا چاہیے، تاکہ اس صورت میں بھی دونوں کا حکم ایک جیسا ہو۔(۲)

بدأ فغسل يديه

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے) تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔

وضو سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ

وضو سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ممکن ہے کہ دھونا ہاتھوں پر لگی کسی

(۱) باب: الذي يجامع ولا ينزل، ص: ۴۹، ۵۰

(۲) باب الذي يجامع ولا ينزل، ص: ۴۹، ۵۰

گندگی وغیرہ سے پاکی حاصل کرنے کے لیے ہو، جیسے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، یا یہ دھونا نیند سے جاگنے پر جو ہاتھ دھونے کا حکم ہے اس کی وجہ سے ہو، اس کی تائید ابن عیینہ کے الفاظ "قبل أن یدخلهما في الإناء" سے ہوتی ہے جو انہوں نے اس حدیث میں ہشام سے نقل کیے ہیں، یعنی آدمی جب نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھولے۔(۱)

اگر ہاتھوں پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو ان کا دھونا واجب ہے، وگرنہ مستحب ہے۔(۲)

بہترین اضافہ

ابن عیینہ ہی کی روایت میں ان الفاظ کی بھی زیادتی ہے "ثم یغسل فرجه" کہ پھر اپنی شرمگاہ کو بھی دھولے۔ یہی بات ہشام سے امام مسلم رحمہ اللہ نے ابومعاویہ کے طریق سے نقل کی ہے،(۳) اور امام ابوداؤد نے حماد بن زید کے واسطے سے یہی روایت نقل کی ہے۔(۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (ثم یغسل فرجه) ایک بہترین اضافہ ہے، کیوں کہ شرمگاہ کو پہلے دھونے سے دوران غسل اسے (دوبارہ) ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں رہتی۔(وهذا علی مذهب الشوافع).(۵)

ثم یتوضأ کما یتوضأ للصلوة

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو کرتے جیسے نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔

"کما یتوضأ للصلوة" نماز والے وضو کی قید اس لیے لگائی تاکہ وضو لغوی یعنی صرف ہاتھوں کے دھونے سے احتراز ہو جائے، کیوں کہ وضو کا اطلاق صرف ہاتھوں کے دھونے پر بھی ہوتا ہے، توضأ کما یتوضأ

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۱/ ٤٧٥، عمدة القاري: ۳/ ۲۸٤

(۲) أوجز المسالك: ۱/ ٤٩٧، ۳۲

(۳) فتح الباري: ۱/ ٤٧٥، أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۷۱۸، وانفرد به مسلم، انظر تحفة الأشراف، رقم: ١٦٩٠١

(٤) فتح الباري: ١/ ٤٧٥

(٥) فتح الباري: ١/ ٤٧٥

للصلوۃ کہہ کر بتادیا کہ یہاں مراد وضو لغوی نہیں، بلکہ نماز والا وضو مراد ہے۔(۱)

علامہ کورانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد لفظ "کان" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے غسل جنابت سے پہلے وضو فرمایا کرتے تھے۔(۲)

غسل جنابت سے قبل وضو کا حکم

غسل سے پہلے وضو کے استحباب پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے،(۳) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اور ابن بطال رحمہ اللہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۴)

لیکن بعد کے علماء نے وضوء قبل الغسل میں داؤد ظاہری اور ابوثور کا اختلاف نقل کیا ہے، حتی کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دو حضرات کے اختلاف کی وجہ سے اجماع کے قول کو مردود کہا ہے۔(۵)

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی یہ بات اس لیے درست نہیں کہ اجماع کے مقابلے میں محققین کے نزدیک داؤد ظاہری کے قول کی کوئی حیثیت نہیں، جیسا کہ علامہ سبکی اور علامہ نووی رحمہما اللہ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔(۶)

بہر حال بعد کے علماء نے اختلاف نقل کیا ہے، چناں چہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اور ابن رسلان نے داؤد ظاہری اور ابوثور کا مطلقاً اس کے وجوب کا قائل ہونا نقل کیا ہے،(۷) جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان حضرات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی محدث ہو تو اس کے لیے وضو

(۱) الكوثر الجاري: ۱/ ٤٠٦، عمدة القاري: ٣/ ٢٨٤، فتح الباري: ١/ ٤٧٥، أوجز المسالك: ١/ ٤٩٧

(٢) الكوثر الجاري: ١/ ٤٠٦

(٣) مرقاة المفاتيح: ٢/ ٣٣، أوجز المسالك: ١/ ٤٩٨

(٤) فتح المالك بتبويب التمهيد لابن عبد البر على مؤطأ الإمام مالك: ١/ ٤٢٠، شرح ابن بطال على صحيح البخاري: ١/ ٣٧٩، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/ ١٤٢

(٥) فتح الباري: ١/ ٤٧٦

(٦) معارف السنن: ١/ ٣٧٠، المجموع: ٢/ ١٣٧

(٧) أوجز المسالك: ١/ ٤٩٨، بذل المجهود: ٢/ ٢٥٥

واجب ہے، صرف غسل وضو کی طرف سے کفایت نہیں کرے گا۔(۱)

ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہی مذہب منقول ہے، جب کہ صحیح قول کے مطابق یہ دونوں حضرات بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔(۲) چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ غسل جنابت سے پہلے وضو کے استحباب کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے مطلقاً غسل کو فرض فرمایا ہے، کسی خاص عمل سے غسل کی ابتدا کا حکم نہیں دیا کہ اس سے غسل کی ابتدا کی جائے، لہٰذا غسل کرنے والا پورے بدن کو دھوئے تو جیسے بھی غسل کرے گا، درست ہوگا''۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

وضو قبل الغسل چوں کہ حنفیہ کے یہاں سنت ہے، اس لیے علامہ عینی رحمہ اللہ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور قائلین وجوب کے رد میں فرماتے ہیں کہ نص قرآنی اگرچہ مطلق ہے اور اس میں کسی ایسی چیز کا تذکرہ نہیں کہ جس سے غسل کی ابتدا کی جائے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ واضح ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے پہلے نماز والے وضو کی طرح وضو کیا کرتے تھے، لہٰذا آپ علیہ السلام کے عمل سے سنت کا ثبوت ہوگیا اور واجب اس لیے نہیں کہ وضو کا تحقق غسل کے ضمن میں ہو جاتا ہے، جیسے حائضہ عورت اگر جنبی ہو جائے تو اس کے لیے ایک غسل کافی ہو جاتا ہے۔(۴)

پھر یہ وضو جو ابتدائے غسل میں ہوتا ہے، اس میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ غسل سے پہلے مستقل سنت ہو، یا غسل کا جزو ہو؟ اگر اسے مستقل سنت تسلیم کر لیا جائے تو غسل میں اعضائے جسم کے ساتھ اعضائے وضو کا دھونا بھی ضروری ہوگا اور اگر اسے غسل کا جزو مان لیا جائے تو اعضائے وضو کا وضو میں دھونا کافی ہو جائے گا، دوبارہ غسل میں باقی جسم کے ساتھ ان کا دھونا ضروری نہیں ہوگا۔(۵)

---

(۱) فتح الباري: ۱/۴۷۶

(۲) أوجز المسالك: ۱/۴۹۸، بداية المجتهد: ۱/۵۳۱

(۳) فتح الباري: ۱/۴۷۵، كتاب الأم: ۱/۱۵۹

(٤) عمدة القاري: ۳/۲۸۳

(٥) فتح الباري: ۱/٤٧٥، الكنز المتواري: ۳/۱۸۸

تقدیم وضو کی وجہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ تقدیم وضو کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إنما قدم غسل أعضاء الوضوء تشريفاً لها ولتحصيل لها صورة الطهارتين الصغرىٰ والكبرىٰ". (۱)

اعضائے وضو کی شرافت وفضیلت کی وجہ سے وضو کو غسل پر مقدم کیا گیا ہے، یا اس لیے مقدم کیا جاتا ہے کہ طہارت صغری اور کبریٰ دونوں حاصل ہو جائیں۔

اگر تشریف وفضیلت کی وجہ سے اعضائے وضو کو مقدم کیا ہے تو جن حضرات کے ہاں وضو میں نیت شرط ہے تو ان کے ہاں ابتدا میں نیت کرنی پڑے گی اور اگر غسل کا جز نہیں، بلکہ مستقل سنت ہے تو پھر وضو میں ازالہ جنابت کی نیت بھی کرنی ہوگی، علامہ داوُدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غسل میں اعضائے وضو کو وضو کی ترتیب پر دھونے میں مقدم کرے، لیکن ابتدا میں غسل جنابت کی نیت بھی کرے۔ (۲)

شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ راجح یہ ہے کہ اگر جنابت سے قبل اسے حدث لاحق نہ ہوا ہو تو غسل جنابت سے پہلے وضو میں غسل کے سنت کی نیت کرے اور اگر جنابت اور حدث دونوں جمع ہو جائیں تو غسل سے قبل وضو سے حدث اصغر کے رفع کی نیت کرے۔ (۳)

وضو بعد الغسل کا حکم

بعض حضرات نے غسل کے بعد وضو کو واجب قرار دیا ہے (۴) علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غسل کے بعد دوبارہ وضو نہیں کیا جائے گا۔ (۵)

---

(۱) تحفة الباري: ۱/۲۱۸، فتح الباري: ۱/۴۷۵، شرح ابن بطال: ۱/۳۸۹

(۲) فتح الباري: ۱/۴۷۵

(۳) دیکھیے: تحفة الباري: ۱/۲۱۸

(۴) عمدة القاري: ۳/۲۸۳، البناية: ۱/۳۱۹

(۵) الاستذكار: ۱/۳۰۴

اعتراض

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوالبختری سے مروی ہے: "أن علیاً کان یتوضأ بعد الغسل".(۱) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل کے بعد وضو کیا کرتے تھے۔

جواب

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل ہے، اس لیے کہ یحیی بن معین نے فرمایا: ابوالبختری الطائی کا نام سعید بن عبید ہے اور یہ ثقہ راوی ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت نہیں، اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ عمل ثابت بھی ہو جائے، تو ان کا یہ عمل یا تو انتقاض وضو کی وجہ سے ہوگا، یا وضو کے ہونے اور نہ ہونے میں شک کی وجہ سے ہوگا۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وضو بعد الغسل کا انکار منقول ہے۔(۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے غسل کے بعد وضو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: أي وضوء أعم من الغسل؟.(۴) یعنی کیا کوئی وضو غسل سے بھی زیادہ اعم ہے۔

یہی بات حضرت علقمہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: "أيّ وضوء أعم من الغسل".(۵)

حضرت سعید بن جبیر سے وضو بعد الغسل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا۔(۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صراحتاً اس کا انکار مروی ہے، چناں چہ اسود بن یزید نے حضرت عائشہ

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، في الوضوء بعد الغسل من الجنابة، رقم: ۷۵۹

(۲) شرح ابن بطال: ۱/ ۳۸۹

(۳) عمدة القاري: ۳/ ۲۸۳، البناية: ۱/ ۳۱۹، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/ ۱۴۱، ۱۴۲

(٤) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، في الوضوء بعد الغسل من الجنابة، رقم: ۷٤۸

(٥) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، في الوضوء بعد الغسل من الجنابة، رقم: ۷۵۲

(٦) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، في الوضوء بعد الغسل من الجنابة، رقم: ۷٥٤

رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يتوضأ بعد الغسل". (۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کے بعد وضو نہیں فرمایا کرتے تھے۔

بلکہ ایک روایت میں وضو بعد الغسل کا ناپسندیدہ ہونا مذکور ہے، چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من توضأ بعد الغسل فليس منا". یعنی جس نے غسل کے بعد وضو کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (۲)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ علامہ طبرانی رحمہ اللہ نے معجم "کبیر"، "صغیر" اور "اوسط" میں اس روایت کو ذکر کیا ہے، معجم اوسط کی سند میں سلیمان بن احمد نامی راوی ہے، ابن معین نے اس کی تکذیب کی ہے اور عبدان نے توثیق کی ہے۔ (۳)

حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولم ينبه على إسناد "الكبير" و"الصغير"، فعسىٰ أن يكون إسنادهما لا مغمز فيه". (٤)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے معجم کبیر اور صغیر کی اسناد پر کوئی کلام نہیں فرمایا، شاید اس وجہ سے کہ ان دونوں کی اسناد میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

وضوء قبل الغسل میں مسح رأس کا حکم

وضو قبل الغسل میں مسح رأس کیا جائے گا یا نہیں؟، اس میں اختلاف ہے، اسحاق بن راہویہ، ایک غیر

(١) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، في الوضوء بعد الغسل من الجنابة: ١/٤٧٤، ٤٧٥، رقم الحديث: ٧٤٩

(٢) والحديث أخرجه الترمذي في سننه في كتاب الطهارة، باب ماجاء في الوضوء بعد الغسل، رقم: ١٠٧، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء بعد الغسل، رقم: ٢٥٣، وابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، رقم: ٥٧٩، انظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ١٦٠١٩، وجامع الأصول، رقم: ٥٣٣٣

(٣) دیکھیے: معجم الطبراني الكبير: ١١/٢١٣، رقم: ١١٦٩١، ومجمع الزوائد، كتاب الطهارة، باب فيمن توضأ بعد الغسل: ١/٢٧٣، معارف السنن: ١/٣٦٨

(٤) دیکھیے: معارف السنن: ١/٣٦٨

مشہور روایت میں امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وضو قبل الغسل میں مسح رأس نہیں کیا جائے گا، بلکہ دوران غسل سر پر پانی بہانا یہ مسح کی طرف سے کفایت کرے گا۔(۱)

یہی بات ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صراحتاً مروی ہے، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔(۲)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو قبلِ الغسل میں مسح کی جگہ سر کے دھونے پر اکتفا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وضو میں سر کا دھونا کافی ہے، مسح کی ضرورت نہیں، لیکن یہ عام وضو میں ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ وہ وضو جو غسل کے ساتھ ملا ہوا ہو تو اس میں ایسا کرنا درست ہے۔(۳)

ایک روایت میں حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہی نقل کیا ہے کہ وضو قبل الغسل میں مسح راس نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ جنابت کی وجہ سے اس پر غسل رأس ضروری ہے، جب سر کا دھونا فرض ہے تو فرضیت مسح ظاہر نہیں ہوگی۔(۴)

سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، مشہور قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ اور حنابلہ میں سے خلال اور ان کے شاگرد ابوبکر کے نزدیک وضو قبل الغسل میں مسح رأس کیا جائے گا۔(۵)

حنفیہ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے کہ اس وضو میں مسح رأس کیا جائے گا۔(۶)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حسن بن زیاد رحمہ اللہ کے قول کو ذکر کرنے کے بعد ظاہر روایت کو ترجیح دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وضو قبل الغسل میں مسح رأس کرنے میں غسل کی اتمیّت ہے۔(۷)

جو حضرات وضو قبل الغسل میں مسح رأس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۸

(۲) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۸

(۳) دیکھیے: فتح الباري بشرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

(٤) المبسوط للسرخسي: ۱/١٤٨، عمدة القاري: ۳/٢٨٤، البناية: ۱/۳۱۹

(۵) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

(٦) المبسوط: ۱/١٤٨، البناية: ۱/۳۱۹، عمدة القاري: ۳/٢٨٤

(۷) عمدة القاري: ۳/۲۸۳

جنابت سے پہلے وضو کرنا تو منقول ہے، لیکن اس وضو میں کہیں کسی روایت میں مسح رأس کی تصریح وارد نہیں ہوئی ہے۔(۱)

قائلین مسح کی دلیل

مسح رأس کے قائلین حضرات امام بخاری رحمہ اللہ کی تخریج کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ باب کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز والے وضو کی طرح وضو کرنا منقول ہے، اور نماز والے وضو میں مسح رأس کیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں بھی مسح رأس کیا جائے گا۔(۲)

شراحِ حدیث نے "توضأ كما يتوضأ للصلوة" سے وضو کامل مراد لیا ہے، سوائے غسل رِجلین کی تاخیر کے، کیوں کہ بعض روایات میں تاخیر غسل رجلین کا ذکر موجود ہے۔(۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس وضو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "توضأ وضوءك للصلوة إلا رجليك". (۴) یعنی اپنے نماز والے وضو کی طرح وضو کرو سوائے پاؤں دھونے کے (کہ وہ غسل سے فراغت پر دھوئے جائیں گے)۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وضو قبل الغسل میں مسح رأس کیا جائے گا (کیوں کہ نماز والے وضو میں کیا جاتا ہے)۔(۵)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس مسئلہ میں توسع ہے یعنی مسح رأس کرے تب بھی درست ہے اور مسح رأس نہ کرے تب بھی درست ہے، کیوں کہ حضرت

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

(۲) فتح الباري بشرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

(۳) أوجز المسالك إلى مؤطأ مالك: ۱/۴۹۷، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۶

(۴) فتح الباري بشرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

(۵) فتح الباري بشرح صحيح البخاري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے مسح رأس کا کرنا معلوم ہوتا ہے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں غسل رأس کا ذکر تو ہے، لیکن مسح رأس کی کہیں بھی تصریح نہیں ہے۔(۱)

غَسل رجلین غُسل جنابت سے پہلے یا بعد میں؟

پاؤں غسل جنابت سے قبل وضو میں دھو لیے جائیں، یا غسل جنابت سے فارغ ہونے کے بعد؟ یعنی غسل جنابت سے قبل وضو کی تکمیل کی جائے گی یا نہیں؟ اس سلسلے میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں، اس لیے ائمہ کرام کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہوا ہے، چناں چہ ائمہ اربعہ سے اس سلسلے میں چار قول منقول ہیں، چوں کہ مسئلہ مذکورہ کی چار صورتیں بنتی ہیں، اس لیے ائمہ کی آراء کو ان چار صورتوں میں ذکر کیا جائے گا۔

پہلی صورت

غسل جنابت سے پہلے وضو ہی میں پاؤں دھو لیے جائیں، یعنی ابتدائے غسل سے پہلے ہی وضو کی تکمیل کی جائے، پاؤں دھونے کو غسل کے بعد تک مؤخر نہ کیا جائے، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کی اشہر، اصح اور مختار رائے ہے۔(۲)

علی بن زیاد کی روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۳) شرح العمدہ میں علامہ فاکہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وهو المشهور" یعنی یہی امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے۔(۴)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک روایت میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(۵) ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور ہے اور خلال اور ان کے ساتھی ابوبکر کی بھی یہی رائے ہے۔(۶)

---

(۱) أوجز المسالك: ۱/۵۰۵، ۵۰۶

(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي: ۳/۲۲۰، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹، فتح الباري: ۱/۴۷۷

(۳) المنتقىٰ شرح موطأ مالك لأبي الوليد الباجي: ۱/۳۹۲

(٤) إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري للقسطلاني: ۱/٤۸۷

(٥) المغني لابن قدامة الحنبلي: ۱/۱۳۸، الإنصاف لأبي الحسن المرداوي الحنبلي: ۱/۲۵۲

(٦) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹، الإنصاف: ۱/۲۵۲

حنفیہ کی ایک روایت یہی ہے کہ پاؤں پہلے دھو لیے جائیں، صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے اس کو مستحب لکھا ہے،(۱) اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے صنیع سے بھی اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔(۲)

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ ابتدائے غسل میں وضو کی تکمیل نہ کی جائے، بلکہ پاؤں دھونے کو مؤخر کیا جائے اور غسل جنابت کے بعد پاؤں دھو لیے جائیں، یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ثانی ہے۔(۳) امام نووی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(۴) ایک قول اس طرح کا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔(۵)

ابن وہب نے ''مبسوط'' میں امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی پاؤں دھونے کو غسل سے فارغ ہونے تک مؤخر کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔(۶)

اکثر مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ مطلقاً غسل رجلین کی تاخیر کے قائل ہیں۔(۷) امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۸)

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ غسل رجلین کی غسل جنابت سے تقدیم وتاخیر دونوں برابر ہیں، چاہے تو پہلے دھو لے اور وضو کی تکمیل کرے اور چاہے تو رجلین کے دھونے کو مؤخر کرے اور غسل کے بعد دھوئے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت میں اسی طرح منقول ہے۔(۹)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۹٤، الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۱۱٦، ۱۱۷، أوجز المسالك: ۱/٤۹۸

(۲) ردالمحتار مع الدرالمختار: ۱/۱۱٦، بذل المجهود: ۲/۲۵۸

(۳) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي: ۳/۲۲۰، المجموع: ۲/۱۸۲، تلخيص الحبير: ۲/۱۸۰

(٤) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي: ۳/۲۲۰

(۵) المغني لابن قدامة الحنبلي: ۱/۱۳۸، الإنصاف للمرداوي الحنبلي: ۱/۲۵۲

(٦) المنتقىٰ لأبي الوليد الباجي: ۱/۳۹۲، أوجز المسالك: ۱/٤۹۸، الشرح الصغير: ۱/۱۷۲

(۷) ردالمحتار: ۱/۱۱٦، البحر الرائق: ۱/۹٤، البناية: ۱/۳۱۹، عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(۸) ردالمحتار: ۱/۱۱٦

(۹) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۳۹، المغني لابن قدامة الحنبلي: ۱/۱۳۸، الإنصاف: ۱/۲۵۲

چوتھی صورت

اگر غسل کی جگہ پاک ہو، کیچڑ وغیرہ نہ ہو اور پانی بھی نہ ٹھہرتا ہو، جیسے کسی پتھر یا لکڑی کے تختے پر غسل کیا جارہا ہو، یا وہ جگہ پختہ ہو، تو پاؤں غسل سے پہلے دھولے اور وضو کی تکمیل کرے، اور اگر وہاں کیچڑ ہو یا پانی جمع ہوتا ہو تو پاؤں کے دھونے کو مؤخر کرے اور غسل سے فراغت کے بعد کسی پاک جگہ پر آکر پاؤں دھولے۔ حنفیہ اور مالکیہ سے ایک قول اس طرح کا بھی منقول ہے۔(۱)

غسل جنابت سے پہلے اکمال وضو کی دلیل

اکمال وضو قبل الغسل یعنی غسل سے پہلے وضو میں پاؤں دھونے کے استحباب کے قائلین کی دلیل بخاری شریف کی حدیث الباب ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اکثر روایات میں "یتوضأ کما یتوضأ للصلاۃ" کے الفاظ آئے ہیں، ظاہر حدیث سے تقدیم غسل رجلین معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے وضو کامل مراد ہے، جس میں پاؤں کا دھونا بھی داخل ہے۔(۲)

ایک اعتراض

اس استدلال پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اکثر روایات میں تو وضو صلاۃ کی طرح وضو کرنے کا ذکر ہے، جس سے تقدیم معلوم ہوتی ہے، غَسل رجلین کی تاخیر کا کوئی ذکر نہیں، لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے "ابومعاویہ عن ہشام" کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: "ثم أفاض علیٰ سائر جسده، ثم غسل رجلیه". (۳) ان

---

(۱) عمدة القاري: ۲۸۷/۳، إرشاد الساري: ۴۸۷/۱، ردالمحتار: ۱۱۶/۱، البحر الرائق: ۹۴/۱، شرح الزرقاني علی موطأ مالك: ۹۰/۱، فتح الباري للعسقلاني: ۴۷۷/۱

(۲) فتح الباري للعسقلاني: ۴۷۷/۱، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱۳۹/۱، عمدة القاري: ۲۸۵/۳، المنتقیٰ للباجي المالكي: ۳۹۲/۱، المنهاج للنووي: ۲۲۰/۳، أوجز المسالك: ۴۹۸/۱، معارف السنن: ۳۵۹/۱

(۳) فتح الباري: ۴۷۵/۱، أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۷۱۸، وانفرد به مسلم، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۱۶۹۰۱

الفاظ کونقل کرنے میں ہشام کے شاگردوں میں اگرچہ ابومعاویہ متفرد ہیں، لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان کے تفرد کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

اسی طرح اس زیادتی کا ''شاہد'' بھی موجود ہے، ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے ابوسلمہ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے، اس کے آخر میں ہے: "فإذا فرغ غسل قدميه". (۲) یعنی جب غسل جنابت سے فارغ ہوجائے تو اپنے دونوں پاؤں دھولے۔(۳)

اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں تاخیر غسل الرجلین کی صراحت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يغتسل من جنابة يغسل يديه ثلاثاً، ثم يأخذ بيمينه ليصب بيمينه علىٰ شماله فيغسل فرجه حتىٰ ينقيه، ثم يغسل يده غسلاً حسناً، ثم يمضمض ثلاثاً، وينشق ثلاثاً، ويغسل وجهه ثلاثاً، وذراعيه ثلاثاً، ثم يصب على رأسه الماء ثلاثاً، فإذا خرج غسل قدميه". (٤)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو تین دفعہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے پانی لیتے تاکہ اس سے بائیں ہاتھ پر ڈالیں، پھر جب اپنی شرمگاہ کو دھوتے یہاں تک کہ اسے خوب پاک کرتے، پھر آپ اپنے ہاتھ کو اچھی طرح دھوتے، پھر تین دفعہ کلی کرتے اور تین دفعہ ناک میں پانی ڈالتے اور تین دفعہ اپنے چہرہ کو دھوتے اور تین دفعہ بازووں کو، پھر آپ تین دفعہ اپنے سر پر پانی بہاتے، پھر

---

(١) فتح الباري: ١/٤٧٧، معارف السنن: ١/٣٦٠، فتح الملهم: ٣/١٤٥، نيل الأوطار للشوكاني: ١/٢٦٤

(٢) الحديث أخرجه أبوداؤد الطيالسي في مسنده من طريق أبي سلمة بن عبدالرحمن: ٢/٢٠٢، رقم: ١٥٧٧

(٣) فتح الباري: ١/٤٧٧، فتح الملهم: ١/١٤٥

(٤) انظر مسند أحمد، في مسند عائشة –رضي الله عنها–: ٨/١٥٧، رقم: ٢٥١٥٥

جب (وہاں) سے نکلتے تو اپنے دونوں پاؤں دھو لیتے تھے۔

جواب

مسند احمد کی روایت کا جواب یہ ہے کہ جیسے اس میں تاخیر کی صراحت آئی ہے، ایسے ہی اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقدیم کی صراحت بھی منقول ہے، چناں چہ شعبی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اغتسل من الجنابة، بدأ فتوضأ وضوءه للصلاة، وغسل فرجه وقدميه، ومسح يده بالحائط، ثم أفاض عليه الماء، فكأني أرى أثر يده في الحائط". (۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو نماز والے وضو کی وضو فرماتے اور اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور دونوں پاؤں کو، اور دیوار سے اپنے ہاتھ کو رگڑتے، پھر آپ اپنے اوپر پانی بہاتے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ گویا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوار پر ہاتھ کے رگڑنے کے اثر کو دیکھ رہی ہوں۔

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت الباب اور دیگر اس معنی کی تمام روایتیں اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور مراد تقدیم غسل الرجلین ہی ہے، باقی رہی بات ابو معاویہ عن ہشام والی روایت، (اور ابو داؤد طیالسی اور مسند احمد میں تاخیر غسل رجلین والی روایتیں) تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے تفریق وضو کے جواز کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی وضو میں کچھ اعضا کو پہلے اور کچھ کو غسل کے بعد دھونا جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابو معاویہ عن ہشام، یا اس کے ہم معنی روایات میں جو "ثم غسل رجليه" جیسے الفاظ آئے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے: "أعاد غسلهما لا ستيعاب الغسل بعد أن كان غسلهما في الوضو" یعنی وضو میں پاؤں دھونے کے بعد استیعاب کی وجہ سے دوبارہ ان کو دھویا۔ اس توجیہ سے یہ "ثم يفيض على جلده كله" کہ پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہایا، کے موافق ہو جائے گا، کہ اس سے بھی استیعاب غسل ہی مقصود ہے۔ (۲)

---

(۱) انظر مسند أحمد، في مسند عائشة –رضي الله عنها–: ۸/۴۶۳، رقم: ۲۶۵۲۳

(۲) دیکھیے: فتح الباري للعسقلاني: ۱/۴۷۷، فتح الملهم: ۱/۱۴۵

پھر یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ضبطِ حدیث اور طولِ صحبت کی وجہ سے، ان کی روایت کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔(۱)

قائلین تاخیر کی دلیل

غسل جنابت سے قبل وضو میں پاؤں نہ دھونے اور انہیں غسل کے بعد تک مؤخر کرنے کے قائل حضرات کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اکثر روایات میں تاخیر غسل رجلین کی صراحت موجود ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے وضوء ہ للصلاۃ کے ساتھ غیر رجلین کی زیادتی کو بھی نقل کیا ہے اور روایت میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل سے فراغت کے بعد ایک طرف ہوکر پاؤں مبارک دھوئے۔(۲)

امام مسلم رحمہ اللہ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابومعاویہ عن ہشام کے طریق سے تاخیر غسل رجلین کو نقل کیا ہے۔(۳)

اس روایت پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے، کہ یہ ابومعاویہ کا تفرد ہے، لیکن علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے(۴) اور محدثین، شراح حدیث نے ابوداؤد طیالسی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کو اس کا شاہد قرار دیا ہے۔(کما تقدم)(۵)

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے تاخیر منقول ہے، جس سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔(۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی صراحتاً تاخیر غسل رجلین منقول ہے۔(۷)

---

(١) فتح الملهم: ١/١٤٥، معارف السنن: ١/٣٦٠، البناية: ١/٣٢٠

(٢) فتح الباري: ١/٤٧٥، أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ٧١٨، وانفرد به مسلم، انظر تحفة الأشراف، رقم: ١٦٩٠١

(٣) قد مرّ تخريجه آنفاً، انظر ص: ١٥٧، رقم الحاشية: ٣

(٤) الحديث، أخرجه أبوداود الطيالسي في مسنده من طريق أبي سلمة بن عبد الرحمن: ٢/٢٠٢، رقم: ١٥٧٧

(٥) فتح الباري: ١/٤٧٧، نيل الأوطار: ١/٢٦٤، فتح الملهم: ٣/١٤٥، معارف السنن: ١/٢٦٠

(٦) مسند أحمد، مسند عائشة -رضي الله عنها-: ٨/١٥٧، رقم: ٢٥١٥٥

(٧) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/١٣٩

تقدیم والی روایات کی توجیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایات جن میں "یتوضأ کما یتوضأ للصلاۃ" کی طرح کے الفاظ مروی ہیں، جن سے قائلین تقدیم اکمال وضوقبل الغسل پر استدلال کرتے ہیں، قائلین تاخیر اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ چوں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اکثر روایات میں تاخیر کی صراحت وارد ہوئی ہے اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تاخیر بھی مروی ہے، لہذا "یتوضأ کما یتوضأ للصلاۃ" سے "أکثرہ سوی الرجلین" یعنی سوائے پاؤں دھونے کے اکثر وضو مراد لیا جائے گا۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین کے ہاں ثقہ کی زیادتی مقبول ہے، لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت "یتوضأ کما یتوضأ للصلاۃ" مطلق ہے کہ اس میں پاؤں دھونے اور نہ دھونے کی کوئی قید نہیں، جب کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "غیر رجلیہ" کی قید موجود ہے اور تاخیر کی صراحت بھی ہے، لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور اس سے اکثر وضو مراد لیا جائے گا سوائے پاؤں دھونے کے۔(۲)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کو رد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مطلق اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو مقید قرار دینا درست نہیں، اس لیے کہ اطلاق وتقیید کا تعلق صفات سے ہے، کسی عضو کے دھونے اور نہ دھونے سے نہیں ہے۔(۳)

پھر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ زیادتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ انہوں نے غسل سے پہلے وضو میں پاؤں دھونے کو نقل کیا ہے، لہذا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو تقدیم حاصل ہوگی۔(۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ محدثین کے ہاں ثقہ کی زیادتی سے مراد الفاظ میں

---

(۱) فتح الباري: ۱/۴۷۷، شرح الكرماني: ۳/۱۱۲

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۱۲، عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(۳) إرشاد الساري بشرح صحيح البخاري: ۱/۴۸۹

(٤) إرشاد الساري للقسطلاني: ۱/۴۸۹، شرح الكرماني: ۳/۱۱۲

زیادتی ہوتی ہے، اور الفاظ کی زیادتی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں نہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مجاز پر محمول کر کے اس سے اکثر وضو مراد لیا جاسکتا ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات درست نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مجاز پر محمول کیا جائے، اس لیے کہ بغیر ضرورت کے مجاز کی طرف نہیں جایا جاتا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مجاز کی طرف جانے کا کوئی داعیہ اور سبب بھی موجود نہیں۔(۳)

غسل رجلین کی تاخیر کی حکمت

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الحكمة في تأخير غسل الرجلين ليحصل الافتتاح والاختتام بأعضاء الوضوء". (٤)

غسل جنابت سے پہلے وضو میں تاخیر غسل رجلین کی حکمت یہ ہے کہ غسل جنابت کا افتتاح اور اختتام اعضائے وضو سے ہو۔

تیسری صورت کی توجیہ

غسل رجلین کی تقدیم وتاخیر دونوں برابر ہیں، چاہے تو پہلے دھولے اور چاہے تو بعد میں دھوئے، ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے۔(۵)

صاحب "مغنی" علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ اس قول کی توجیہ میں فرماتے ہیں کہ غسل رجلین کی تقدیم

---

(١) شرح الكرماني على صحيح البخاري: ١١٢/٣

(٢) فتح الباري للعسقلاني: ٤٧٧/١، عمدة القاري: ٢٨٧/٣

(٣) عمدة القاري للعيني: ٢٨٧/٣

(٤) فتح الباري: ٤٧٨/١، المنتقىٰ: ٣٩٢/١، إرشاد الساري: ٤٨٨/١

(٥) المغني لابن قدامة الحنبلي: ١٣٨/١، الإنصاف للمرداوي: ٢٥٢/١

وتاخیر میں احادیث کا اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (یہاں) ''موضع غسل'' مقصود نہیں، بلکہ مقصود تو اصل غسل (رجلین) ہے، (چاہے وہ پہلے حاصل ہو یا بعد میں)۔(۱)

چوتھی صورت کی توجیہ

حنفیہ اور مالکیہ کی ایک روایت کے مطابق اگر غاسل ایسی جگہ پر غسل کر رہا ہو، جہاں پانی جمع نہ ہوتا ہو اور کیچڑ وغیرہ بھی نہ ہو تو غسل رجلین کو مقدم کرے، ورنہ مؤخر کرے۔

یہ قول جمع بین الروایات پر مبنی ہے، اس کے قائلین فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں تقدیم اور بعض میں تاخیر کا ذکر ہے، لہٰذا اگر ایسی جگہ غسل کیا جائے جہاں پانی جمع نہ ہوتا ہو، یا کیچڑ وغیرہ نہ ہو تو غسل رجلین کو مقدم کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں آیا ہے، اور اگر پانی جمع ہوتا ہو، یا کیچڑ وغیرہ ہو تو غسل رجلین کو مؤخر کیا جائے گا، لہٰذا تاخیر والی تمام روایات اسی صورت پر محمول ہیں۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''مجمع الماء'' ہونے کی وجہ سے تاخیر غسل رجلین کا قول ماء مستعمل کے نجس ہونے پر مبنی ہے۔(۳)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کے صنیع سے تقدیم غسل رجلین کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، چناں چہ مذکورہ بالا تمام تفصیلات ذکر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق چوں کہ ماء مستعمل طاہر ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ پانی اس وقت تک مستعمل نہیں کہلاتا جب تک کہ تمام بدن سے جدا نہ ہو جائے، لہٰذا جب غسل کرنے والا اپنی جگہ تبدیل کرے گا تو پھر پانی کے مستعمل ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔(۴)

باقی رہی بات روایات کے اختلاف کی، تو علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایات میں تقدیم وتاخیر کا اختلاف اولویت اور غیر اولویت کا ہے، نہ کہ جواز اور عدم جواز کا۔(۵)

---

(۱) المغني لابن قدامة الحنبلي: ۱/۱۳۸

(۲) عمدة القاري: ۳/۲۸۵، ۲۸۷، إرشاد الساري: ۱/۴۸۹

(۳) البناية شرح الهداية للعيني: ۱/۳۲۲

(٤) ردالمحتار مع الدر المختار: ۱/۱۱٦، ۱۱۷

(٥) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۹٤، فتح الملهم: ۳/۱٤٥

حاصل یہ کہ غسل جنابت سے پہلے وضو میں غسل رجلین افضل ہے، البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بطور تنظیف، یا بیان جواز کے لیے ان کے غسل کو مؤخر کیا کرتے تھے۔(۱)

ثم يدخل أصابعه في الماء فيخلل بها أصول الشعر

پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی انگلیاں پانی میں ڈبوتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔

فیخلل بها، یعنی اپنی انگلیوں سے بالوں کا خلال کرتے جنہیں پانی میں ڈبویا تھا۔(۲)

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: "ثم يأخذ الماء، فيدخل أصابعه في أصول الشعر". (۳)

یعنی پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) پانی لیتے اور اپنی انگلیاں بالوں کی جڑوں میں داخل فرماتے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ابن عیینہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے: "ثم يشرب شعره الماء". (۴)

یعنی پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بالوں کو پانی سے تر فرماتے تھے۔

مقصد تمام روایات کا یہ بتلانا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کی جڑوں کو پانی سے تر فرماتے تھے۔

أصول الشعر

مستملی اور حموی کی روایت میں أصول الشعر، یعنی "الشعر" لام تعریف کے ساتھ آیا ہے۔(۵)

جب کہ کشمیہنی کی روایت میں "أصول الشعر" کی جگہ "أصول شعره" کے الفاظ آئے ہیں، یعنی

---

(۱) الكوثر الجاري: ۱/۴۰۸، بذل المجهود: ۲/۲۵۸

(۲) فتح الباري: ۱/۴۷۶، عمدة القاري: ۱/۲۸۴

(۳) أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۷۱۸

(۴) الحديث أخرجه الترمذي في جامعه، في أبواب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، رقم: ۱۰۴، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب تخليل الجنب رأسه، ولفظه: "كان يشرب رأسه"، رقم: ۲۵۰

(۵) إرشاد الساري بشرح صحيح البخاري: ۱/۴۸۷، تحفة الباري: ۱/۲۱۹

اپنے سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے تھے۔(۱)

اس کی تائید امام بیہقی رحمہ اللہ کی ہشام عن حماد بن سلمہ کی روایت سے ہوتی ہے، اس میں ہے:

"فيخلل بها شق رأسه الأيمن، فيتبع بها أصول الشعر، ثم يفعل بشق رأسه الأيسر". (۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تر انگلیوں سے سر کے دائیں حصے کا خلال فرماتے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے، پھر سر کے بائیں حصے کا خلال فرماتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ سارے بدن کے بالوں کا خلال کیا جائے گا، وہ یا تو "أصول الشعر" کے عموم سے استدلال کرتے ہیں، یا بدن کے باقی حصوں کے بالوں کو سر کے بالوں پر قیاس کرتے ہیں۔(۳)

علامہ کورانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "أصول شعره" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے۔(۴)

ایک دوسری روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "إن تحت كل شعرة جنابة". (۵)

یعنی ہر بال کے نیچے جنابت (نجاست) ہوتی ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۸۵/۳، فتح الباري: ٤٧٦/١

(۲) أخرجه البيهقي في السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب تخليل أصول الشعر بالماء وإيصاله إلى البشرة، رقم: ٨٢٥

(۳) شرح الزرقاني: ٩١/١، فتح الباري: ٤٧٦/١

(٤) الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ٤٠٧/١

(٥) الحديث أخرجه أبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٨، وابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب تحت كل شعرة جنابة، رقم: ٥٩٧، والترمذي في جامعه في أبواب الطهارة، باب ماجاء أن تحت كل شعرة جنابة، رقم: ١٠٦، وانظر جامع الأصول، النوع الأول في كيفية الغسل، رقم: ٥٣١٦، وتحفة الأشراف، رقم: ١٤٥٠٢

تخلیل شعر کی حکمت وفائدہ

ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ تخلیل شعر کی حکمت وفائدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فائدة التخليل إيصال الماء إلى الشعر والبشرة، ومباشرة الشعر باليد ليحصل تعميمه بالماء، وتأنيس البشرة؛ لئلا يصيبها بالصب ماتتأذى به".(۱)

تخلیل کا فائدہ بالوں کی جڑوں اور جلد تک پانی پہنچانا ہے، تاکہ عمومی طور سے بدن میں ہر جگہ پانی پہنچے اور جلد نرم ہوجائے، اور بغیر خلال پانی بہانے سے ہونے والی ممکنہ تکلیف سے بچاؤ ہوسکے۔

امام نووی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ "فيدخل أصابعه في أصول الشعر" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"والحكمة في هذا تليين الشعر وترطيبه ليسهل مرور الماء عليه ويكون أبعد من الإسراف في الماء". (۲)

خلال کی حکمت یہ ہے کہ بال نرم اور تر وخوشگوار ہوجائیں، تاکہ ان پر پانی بہانا سہل وآسان ہو اور پانی کے استعمال میں اسراف سے بچا جاسکے۔

سر کے بالوں کے خلال کا حکم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ غسل میں بالاتفاق سر کے بالوں کا خلال غیر واجب ہے، اِلّا یہ کہ سر کے بال کسی چیز کے ساتھ ملبّد ہوں یعنی بال گھتے ہوئے ہوں اور کسی چیز کے ساتھ چپکے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے بغیر تخلیل کے پانی بالوں کے جڑوں تک نہ پہنچ سکے، (تو پھر خلال کرنا ضروری ہوگا تاکہ بالوں کے جڑوں تک پانی پہنچایا جاسکے)۔(۳)

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۱/۴۷٦، شرح الزرقاني على موطأ للإمام مالك: ۱/۹۱

(۲) دیکھیے: المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي: ۳/۲۲۰، إرشاد الساري بشرح صحيح البخاري: ۱/٤۸۸

(۳) فتح الباري: ۱/٤۷٦، شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك: ۱/۹۱، فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم: ۳/۱٤٤

تخلیل لحیہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس کی وضاحت کتاب الوضوء میں آچکی ہے۔

ثم يصب على رأسه ثلاث غرف بيديه

پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھوں سے تین چلو (پانی) اپنے سر پر ڈالتے۔

ثلاث غرف

"غُرَف" غین کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ غرفۃ کی جمع ہے، "الغُرفة" (غین کے ضمہ کے ساتھ) چلو بھر لیے گئے پانی کو کہتے ہیں، اور "الـغَـرفة" (غین کے فتحہ کے ساتھ) مصدر مرۃ ہے، ایک دفعہ چلو بھرنے کو کہتے ہیں۔(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الـغَـرفة" بفتح الغین برتن سے چلو بھرنے کو کہتے ہیں اور "الغُرفة" بضم الغین، نہر سے چلو بھرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إلا من اغترف غرفة بيده﴾. (۲) ترجمہ: مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے۔(۳)

"الغُرفة" کی جمع غُـرُفـات، غُرَفـات اور غُـرْفـات، راء کے ضمہ، فتحہ اور سکون کے ساتھ بھی آتی ہے۔(۴)

نسخوں کا اختلاف

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کشمیہنی کی روایت میں "ثـلاث غرف" آیا ہے، (۵) جب کہ حافظ ابن

---

(۱) دیکھیے: الصحاح للجوهري، ص: ٧٢٢، لسان العرب: ١٠/٥٤، مجمع بحار الأنوار: ٤/٢٩، فتح الباري: ١/٤٧٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٥، إرشاد الساري: ١/٤٨٨

(۲) البقرة: ٢٤٩

(۳) دیکھیے: فيض الباري: ١/٤٥٣

(٤) دیکھیے: الصحاح للجوهري، ص: ٧٢٢، لسان العرب: ١٠/٥٤، مجمع بحار الأنوار: ٤/٢٩

(٥) دیکھیے: عمدة القاري: ٣/٢٨٥

حجر رحمہ اللہ نے ''غرفات'' کو کشمیہنی کی روایت قرار دیا ہے۔(۱)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''غرفات'' اصیلی کی روایت ہے۔(۲)

بہرحال نسخوں کا اختلاف اپنی جگہ، یہاں لفظ ''غرفات'' ہی راجح ہے، کیوں کہ ''غرفات'' جمع قلت ہے اور عام طور سے ثلاث عدد کی تمیز جمع قلت آتی ہے۔(۳)

لفظ ''غرف'' کی پہلی توجیہ

البتہ جن نسخوں میں لفظ ''غرف'' آیا ہے، اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ لفظ ''غرف'' اگرچہ جمع کثرت کا وزن ہے، لیکن یہاں یہ جمع قلت کے قائم مقام ہے، کیوں کہ کبھی جمع کثرت جمع قلت کی جگہ اور جمع قلت جمع کثرت کی جگہ لائی جاتی ہے۔(۴)

دوسری توجیہ

دوسری توجیہ اس کی یہ ہے کہ غُرَف بروزن فُعَل کوفیین کے نزدیک جمع قلت کے اوزان میں سے ہے، وہ کہتے ہیں فعل فاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ جمع قلت کا وزن ہے، جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ﴿فأتوا بعشر سور﴾ (۵) اور ﴿ثماني حجج﴾ (۶) میں لفظ ''سُوَر'' بروزن فُعَل اور لفظ ''حِجَج'' بروزن فِعَل جمع قلت کے اوزان میں سے ہیں۔(۷)

ثلاث غرف سے شوافع کا تثلیث فی الغسل پر استدلال

''ثلاث غرف'' کے الفاظ سے شوافع نے ''تثليث في الغسل'' کے استحباب پر استدلال کیا

(۱) فتح الباري: ۱/ ٤٧٦

(۲) إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٨

(۳) دیکھیے: فتح الباري: ٤٧٦، عمدة القاري: ۳/ ۲۸۵، إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٨

(٤) دیکھیے: فتح الباري: ٤٧٦، عمدة القاري: ۳/ ۲۸۵، إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٨

(۵) هود: ۱۳

(٦) القصص: ۲۷

(۷) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/ ۲۸۵، إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٨

ہے۔(۱) چناں چہ امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم شریف میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت "فإني أفيض علی رأسي ثلاث أكف" (۲) (یعنی میں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتا ہوں) کے ذیل میں لکھا ہے:

"اس حدیث سے سر پر تین دفعہ پانی ڈالنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اس پر اتفاق ہے، ہمارے اصحاب (فقہائے شافعیہ) نے سر اور باقی اعضائے وضو پر قیاس کر کے سارے بدن کو اس کے ساتھ ملحق کیا ہے، اس لیے کہ وضو میں تخفیف ہے اور بار بار اس کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا جب وضو میں تثلیث مستحب ہے تو غسل میں بطریق اولیٰ مستحب ہوگی، اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں، سوائے قاضی القضاۃ ماوردی رحمہ اللہ کے، وہ کہتے ہیں کہ غسل میں تکرار مستحب نہیں، ان کا یہ قول شاذ اور متروک ہے"۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (عدم استحباب صرف ماوردی رحمہ اللہ کا نہیں،) بلکہ یہی بات ابوعلی السنجی رحمہ اللہ نے "شرح الفروع" میں ذکر کی ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۴)

مذکورہ روایت میں تثلیث کو "باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل" میں حضرت قاسم رحمہ اللہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت پر محمول کیا گیا ہے، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر چلو سر کے مختلف جہات سے ڈالا گیا ہو، (۵) چناں چہ امام ماوردی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غسل کی ابتدا

---

(۱) فتح الباري: ۱/۴۷۶، إرشاد الساري: ۱/۴۸۸

(۲) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً، رقم: ۲۵۴، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۷۴۰، وأبوداود في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲۳۹، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ذكر ما يكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ۲۵۰، وأخرجه أيضاً فيه في كتاب الغسل والتيمم، باب ما يكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ۴۲۳، وابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة وسننها، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۵۷۵، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۳۱۸۶

(۳) المنهاج: ۳/۲۳۴، ۲۳۵

(۴) فتح الباري: ۱/۴۷۶

(۵) فتح الباري: ۱/۴۷۶

دائیں طرف پانی بہانے سے کرے، قاسم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی وجہ سے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہتھیلیوں میں پانی لیتے اور اپنے سر کے دائیں طرف سے ابتدا کرتے، پھر بائیں جانب پانی ڈالتے۔(۱)

بخاری شریف کی روایت میں ''حلاب'' منگوانے کا بھی ذکر ہے، اس کی تفصیلی بحث مذکورہ باب کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ۔

حنفیہ کے نزدیک بھی غسل میں تین دفعہ پانی بہانا سنت ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ تین چلو پانی ڈالنا مسنون نہیں، بلکہ سنت تین دفعہ استیعاب کے ساتھ غسل کرنا ہے، چناں چہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "السنة تكرار الغسلات المستوعبات لا الغرفات". (۲) یعنی تکرار کے ساتھ اس طرح غسل کرنا ہے کہ پورا جسم دھل جائے سنت ہے، نہ کہ (تین دفعہ) چلو بھر کے ڈالنا۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تثلیث رأس کے ساتھ خاص ہے، یہی حدیث (کے الفاظ "ثم يصب على رأسه") کا مدلول ہے۔(۳)

ثم يفيض الماء على جلده كله

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام بدن پر پانی بہا لیتے''۔

يفيض الماء

أفاض، يفيض، إفاضة، باب افعال سے مضارع معروف کا صیغہ ہے، "أفاض الماء على

(۱) الحاوي الكبير: ۱/۲۶۸، والحديث أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الغسل، باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل، رقم: ۲۵۸، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۷۲۵، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲۴۰، والنسائي في سننه في كتاب الغسل والتيمم، باب استبراء البشرة في الغسل من الجنابة، رقم: ۴۲۲، انظر تحفة الأشراف، رقم: ۱۷۴۴۷

(۲) البحر الرائق: ۱/۴۷

(۳) شرح الزرقاني: ۱/۹۱

نفسه "بدن پر پانی بہانے کو کہتے ہیں۔(۱)

علامہ مطرزی رحمہ اللہ کہتے ہیں، أفاض الماء: صبه بكثرة، بکثرت پانی بہانے کو کہا جاتا ہے۔(۲)

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "الإفاضة: الصب من الأعلى بكثرة، من فاض الماء إذا سال عن جوانب الحوض". (۳) افاضہ اوپر کی جانب سے بکثرت پانی کے بہانے کو کہتے ہیں، اور یہ فاض الماء سے ماخوذ ہے، "فاض الماء" اس وقت کہا جاتا ہے، جب حوض میں پانی بھرنے کے بعد اس کے اطراف سے بہنا شروع کردے۔

فاض الماء فيضاً "سمع" سے پانی کی روآنا، بھر کر بہنا اور بکثرت بہنے کو کہتے ہیں۔(۴)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے "دُرر" کے حوالے سے لکھا ہے کہ الإفاضة: الصب، یعنی اوپر سے پانی گرانے کو کہتے ہیں، لہٰذا ماء غیر جاری میں اگر صب نہ پایا جائے تو غسل مسنون نہیں کہلائے گا، اگرچہ حدث زائل ہوجائے گا (اور طہارت حاصل ہوجائے گی)، البتہ بہتے ہوئے پانی میں اگر کوئی ڈبکی لگائے اور بقدر وضو اور غسل اس میں ٹھہرے، تو اس نے سنت کی تکمیل کی۔(۵)

جو حضرات دلک کو شرط نہیں قرار دیتے ہیں وہ "یفیض الماء" سے استدلال کرتے ہیں (کہ "یفیض" صرف پانی بہانے کو کہتے ہیں نہ کہ ملنے کو،) تو اس سے معلوم ہوا کہ دلک ضروری نہیں، حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک دلك في الغسل مستحب ہے، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام مزنی رحمہ اللہ اسے وضو پر قیاس کرکے واجب قرار دیتے ہیں۔(۶)

---

(۱) دیکھیے: لسان العرب: ۱۰/۳٦٦، الصحاح للجوهري، ص: ۸۳۰، النهاية لابن الأثير: ۲/٤۰٤

(۲) المغرب في ترتيب المعرب للمطرزي: ۲/۱٥٤، الكوثر الجاري للكوراني: ۱/٤۰۷

(۳) الكوثر الجاري: ۱/٤۰۷

(٤) لسان العرب: ۱۰/۳٦٦، الصحاح، ص: ۸۳۰، النهاية: ۲/٤۰٤

(٥) السعاية في كشف ما في شرح الوقاية للإمام عبدالحي اللكهنوي: ۱/۲۹٦

(٦) دیکھیے: فتح الباري للعسقلاني: ۱/٤۷٦، عمدة القاري: ۳/۲۸٥، إرشاد الساري: ۱/٤۸۸، شرح الزرقاني: ۱/۹۱

علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جمہور کا "الإفاضة" کو "الإسالة" کے معنی میں لے کر عدم دلک پر استدلال درست نہیں، کیوں کہ "فاض" "غَسَلَ" کے معنی میں بھی آتا ہے، لہٰذا غسل میں اختلاف باقی رہے گا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولا یخفیٰ مافیه". (۲) یعنی علامہ مازری رحمہ اللہ کے اس قول میں جو ضعف ہے وہ کسی پر بھی مخفی نہیں۔

علامہ مازری رحمہ اللہ کے اس قول کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا "ولا یخفیٰ مافیه" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لغت کی کسی بھی معتبر کتاب سے "فاض" بمعنی غَسَلَ کا ثبوت نہیں۔(۳)

جلده

"جلد" سے مراد یہاں بدن ہے، علامہ رافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "وقد یکنیٰ بالجلد عن البدن". (٤) یعنی کبھی جلد کہہ کر بدن مراد لیا جاتا ہے۔

كلّه

"کله" کو بطور تاکید کے لایا گیا ہے، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ اس سے اکثر بدن مراد ہے، بلکہ "کلّه" کی تاکید اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میں تمام بدن مبارک کو دھویا۔(۵)

"کلّه" کی تاکید سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ غسل سے پہلے وضو کرنا مستقل سنت ہے، اور اس سے اکمال الوضوء قبل الغسل کے استحباب پر بھی استدلال کیا گیا کہ غسل سے پہلے وضو میں پاؤں دھو لیے

(۱) دیکھیے: فتح الباري للعسقلاني: ١/٤٧٦، شرح الزرقاني علىٰ موطأ الإمام مالك: ١/٩١

(٢) فتح الباري: ١/٤٧٦

(٣) دیکھیے: لسان العرب: ١٠/٣٦٦، المغرب: ٢/١٥٤، الصحاح، ص: ٨٣٠، النهاية: ٢/٤٠٤

(٤) شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك: ١/٩١

(٥) دیکھیے: فتح الباري: ١/٤٧٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٥، إرشاد الساري: ١/٤٨٨، شرح الزرقاني: ١/٩١، الكوثر الجاري: ١/٤٠٧

جائیں، مؤخر نہ کیے جائیں، جیسا کہ "کما یتوضأ للصلوة کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔(۱)

فائدہ

حدیث باب میں "كان إذا اغتسل" سے ارادۂ غسل مراد ہے، اور "من الجنابة" میں "من" سببیت کے لیے ہے، یعنی "لأجل الجنابة" جنابت کی وجہ سے۔(۲)

حدیث مبارک میں "بدأ"، "فغسل" اور "ثم توضأ" کو ماضی کے صیغے کے ساتھ لانے اور "یدخل"، "فیخلل"، "یصب" اور "یفیض" کو مضارع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اگر "إذا" کو شرطیہ مانا جائے تو ماضی مستقبل کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا سب مستقبل کے معنی میں ہوں گے، باقی رہی بات الفاظ کے اختلاف کی تو وہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لائے گئے کہ ان میں سے کون سے افعال غسل میں داخل ہیں اور کون سے خارج ہیں، لہذا ''ماضی'' والے تینوں افعال غسل سے خارج اور ''مضارع'' والے افعال غسل میں سے ہیں۔(۳)

اگر "إذا" کو ظرفیہ مانا جائے تو ''ماضی'' تو اپنی اصل پر ہوگا اور مضارع والے صیغوں میں اصل سے مستقبل کی طرف عدول اس لیے کیا گیا ہے، تا کہ سامعین کو غسل کی صورت کا استحضار رہے۔(۴)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ حدیث میں بھی غسل جنابت سے پہلے وضو کرنے کی صراحت موجود ہے۔

حدیث سے مستنبط شدہ احکام

۱۔ وضو شروع کرنے سے قبل ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے۔ (اگر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو تو، ورنہ

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ١/٤٧٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٥، إرشاد الساري: ١/٤٨٨، شرح الزرقاني: ١/٩١، الكوثر الجاري: ١/٤٠٧

(۲) عمدة القاري: ٣/٢٨٤، فتح الباري: ١/٤٧٥، إرشاد الساري: ١/٤٨٧

(۳) دیکھیے: شرح الكرماني على صحيح البخاري: ١/١١١، ١١٢، عمدة القاري: ٣/٢٨٤، تحفة الباري: ١/٢١٨، ٢١٩

(٤) دیکھیے: فتح الباري: ١/٤٧٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٤، شرح الكرماني: ١/١١٢

ہاتھوں کا دھونا واجب ہوگا)۔(۱)

۲-غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے۔(۲)

۳-غسل سے پہلے وضو کا اکمال کرے، پاؤں دھونے کو مؤخر نہ کرے۔(۳)

۴-تخلیل شعر رأس اور تخلیل لحیہ غسل میں واجب ہے اور وضو میں سنت ہے۔(۴)

۵-اپنے ہاتھوں سے تین چلو پانی اپنے سر پر ڈالنا مستحب ہے۔(۵)

۶-غسل جنابت کے دوران انگلیوں کو پانی میں داخل کرنا جائز ہے۔(۶)

حدیث باب (دوسری حدیث)

٢٤٦ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيَانُ ، عَنِ ٱلْأَعْمَشِ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي ٱلْجَعْدِ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ(۷) زَوْجِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ : تَوَضَّأَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ، غَيْرَ رِجْلَيْهِ ، وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ ٱلْأَذى . ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ ٱلْمَاءَ ، ثُمَّ نَحَّى رِجْلَيْهِ ، فَغَسَلَهُمَا ، هٰذِهِ غُسْلُهُ مِنَ ٱلْجَنَابَةِ .

[٢٥٤ ، ٢٥٦ ، ٢٥٧ ، ٢٦٢ ، ٢٦٣ ، ٢٧٠ ، ٢٧٢ ، ٢٧٧]

---

(١) عمدة القاري: ٣/٢٨٥، شرح الكرماني علىٰ صحيح البخاري: ١/١١٢، تحفة الباري: ١/٢١٩

(٢) عمدة القاري: ٣/٢٨٥، فتح الباري علىٰ صحيح البخاري: ١/٤٧٥، شرح ابن بطال: ١/٣٧٩٩، إرشاد الساري: ١/٤٨٨

(٣) فتح الباري: ١/٤٧٦، عمدة القاري: ٣/٢٨٥

(٤) عمدة القاري: ٣/٢٨٥، إرشاد الساري: ١/٤٨٨

(٥) شرح الكرماني: ١/١١٢، تحفة الباري: ١/٢١٩

(٦) عمدة القاري: ٣/٢٨٦، شرح الكرماني: ١/١١٢

(٧) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه أيضاً في كتاب الغسل، باب الغسل مرة، رقم: ٢٥٧، وأخرجه أيضاً في الكتاب نفسه، في باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة، رقم: ٢٥٩، بنحوه، وفيه أيضاً، باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ، رقم: ٢٦٠، وفيه أيضاً، باب تفريق الوضوء والغسل، رقم: ٢٦٥، بنحوه مختصراً، وفيه أيضاً، باب من أفرغ بيمينه على شماله في الغسل، رقم: ٢٦٦، بنحوه، وفيه أيضاً، باب من =

ترجمہ: ہم سے محمد بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان (ثوری) نے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے سالم بن ابی بن الجعد سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جو حرم محترم تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، انہوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غسل جنابت سے پہلے) نماز کے وضو کی طرح وضو کیا، فقط پاؤں نہیں دھوئے اور اپنی شرمگاہ کو دھویا اور جو آلائش لگ گئی تھی (اس کو دھویا) پھر اپنے اوپر پانی بہایا، پھر دونوں پاؤں سرکا کران کو دھویا، (سالم نے کہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنابت کا غسل یہی تھا''۔

تراجم رجال

محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف فریابی رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات ''كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى

= توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء منه مرةً أخرى، رقم: ٢٧٤، بنحوه، وفيه أيضاً، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم: ٢٧٦، وفيه أيضاً في باب التستر في الغسل عند الناس، رقم: ٢٨١، مختصراً نحوه وفيه أيضاً، باب الغسل بالصاع ونحوه، رقم: ٢٥٣، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، رقم: ٧٦٤، مختصراً، وفيه أيضاً باب صفة غسل الجنابة، رقم: ٧٢٢، وأخرجه أبوداؤد في سننه مطولاً في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٥، وأخرجه الترمذي في جامعه في كتاب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، بنحوه مختصراً، وقال هذا حديث حسن صحيح، رقم: ١٠٣، وأخرجه النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم: ٢٥٣، وأيضاً في كتاب الغسل والتيمم، باب إزالة الجنب الأذى عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه، مختصراً، رقم: ٤١٨، أيضاً في الكتاب نفسه، باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج: ٤١٩، وفيه أيضاً باب الاستتار عند الغسل، مختصراً، رقم: ٤٠٦، وفيه أيضاً، باب الغسل مرة واحدة، رقم: ٤٢٨، وأخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة وسننها، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل، مختصراً، رقم: ٤٦٧، انظر جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، وتحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

اللہ علیه وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لا ینفروا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

سفیان

یہ مشہور امام ومحدث سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ ہیں، ان حالات ''کتاب الإیمان، باب علامة المنافق'' کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں۔(۲)

الأعمش

یہ مشہور محدث سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات ''کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

سالم بن أبي الجعد

یہ سالم بن ابی الجعد کوفی ہیں، ان کے حالات ''کتاب الوضوء، باب التسمیة علی کل حال، وعند الوقاع'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

کُریب

یہ کریب بن ابی مسلم قرشی ہیں، ان کے حالات ''کتاب الوضوء، باب التخفیف في الوضوء'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

ابن عباس رضي اللہ عنهما

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے تفصیلی حالات ''بدء الوحي'' باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''الحدیث الرابع'' کے تحت گذر چکے ہیں۔(٦)

(۱) دیکھیے: کشف الباري: ۳/ ۲۵۲–۲۵٤

(۲) دیکھیے: کشف الباري: ۲/ ۲۷۸

(۳) دیکھیے: کشف الباري: ۲/ ۲۵۱

(٤) صحیح البخاري، کتاب الوضوء، باب التسمیة علی کل حال، وعند الوقاع

(٥) صحیح البخاري، کتاب الوضوء، باب التخفیف في الوضوء

(٦) دیکھیے: کشف الباري: ۱/ ٤۳٥–٤۳۷

ميمونة رضي الله عنها

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ، اُم المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم، باب السمر في العلم" کی دوسری حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

توضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وضوءه للصلاة غير رجليه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غسل جنابت سے پہلے) نماز والے وضو کی طرح وضو کیا ہے، فقط پاؤں نہیں دھوئے۔

غير رجليه

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ میں غسل جنابت کے وضو میں پاؤں دھونے کو مؤخر کرنے کی صراحت ہے اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی گذشتہ روایت کے مخالف بھی ہے۔(۲)

دونوں روایتوں کی مختلف توجیہات "حدیث باب" کے تحت ذکر کی جا چکی ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس ترجمہ کے ذیل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو روایتیں نقل فرمائی ہیں، (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں پیروں کے دھونے کا الگ سے ذکر نہیں ہے اور (حضرت) میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں پیروں کے دھونے کا الگ سے تذکرہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل سے فارغ ہونے کے بعد پیروں کو وہاں سے ہٹایا اور انہیں دھویا، حضرات فقہاء ان دونوں روایتوں کی صحت کی وجہ سے ان کو الگ

---

(۱) دیکھیے: كشف الباري: ٤٠٢/٤–٤٢٢

(۲) فتح الباري: ٤٧٧/١، عمدة القاري: ٢٨٧/٣

الگ صورتوں پر محمول کرتے ہیں، کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ جہاں غسل کیا جارہا ہے وہاں استعمال شدہ پانی کے خروج کا راستہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں پیر وضو کے ساتھ ہی دھوئے جائیں گے اور کبھی مقام غسل میں استعمال شدہ پانی کے نکلنے کا راستہ نہیں ہوتا اور پانی وہیں جمع ہوتا رہتا ہے، ایسی صورت میں پیر غسل کے بعد بھی دھوئے جائیں گے، دو الگ صورتوں کی روایت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پانی کے خروج کا راستہ ہوگا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر دھونے کو مؤخر نہیں کیا، اور (حضرت) میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مقام غسل سے پانی نکلنے کا راستہ نہ ہوگا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروں کو وہاں سے ہٹایا اور انھیں دھویا"۔(۱)

وغسل فرجه وما أصابه من الأذى

اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شرمگاہ کو دھویا اور جو آلائش لگ گئی تھی (اس کو دھویا)۔

وغسل فرجه

"وغسل فرجه" میں "واو" ترتیب کے لیے ہے یا نہیں، یا کسی اور معنی کے لیے مستعمل ہے، اس بارے میں شراح حدیث نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

اعتراض

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شرمگاہ کا دھونا تو وضو سے پہلے ہوتا ہے، تو پھر حدیث میں وضو کو کیوں مقدم کیا گیا ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہات

اس اعتراض کے علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے تین جوابات دیئے ہیں:

۱- وضو کا شرمگاہ کے دھونے پر مقدم کرنا واجب نہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔

۲- یا یہاں "واؤ" ترتیب کے لیے نہیں، (لہٰذا اس سے شرمگاہ کے دھونے کی تاخیر لازم نہیں آتی)۔

---

(۱) فضل الباري: ۲/ ٤٢٦

۳- یا ''واؤ'' حالیہ ہے۔ (یعنی نماز والے وضو کی طرح وضو کیا اس حال میں کہ شرمگاہ کو دھویا)۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی تینوں توجیہات پر نقد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیسے کہا کہ شرمگاہ کے دھونے کو مقدم کرنا واجب نہیں، (حالاں کہ واجب ہے) ان کے اس قول کی کوئی حیثیت نہیں۔(۲)

اور ان کا یہ کہنا کہ یہاں واؤ ترتیب کے لیے نہیں، یہ تعسف (بے جابات) ہے، یہ خود ان کے خلاف ایک دلیل ہے اس لیے کہ ان کے ہاں تو ''واؤ'' اصل میں ترتیب کے لیے آتا ہے، حالاں کہ کوئی بھی محقق اس کا قائل نہیں۔(۳)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا ''واؤ'' کو حالیہ قرار دینا بھی درست نہیں، اس کی کوئی صحیح توجیہ بھی نہیں کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرمگاہ دھوتے ہوئے کیسے وضو کیا ہوگا؟۔(۴)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ''واؤ'' کے بارے میں یہ توجیہ بیان کی ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ ''واؤ'' اصل وضع کے اعتبار سے مطلق جمع کے لیے آتا ہے، تو حدیث کا معنی یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو اور شرمگاہ دھونے کے عمل کو جمع کیا،(۵) پھر واؤ کا مطلق جمع کے لیے ہونا یہ اگرچہ علی التعیین کسی ایک عمل کا دوسرے پر تقدیم کا مقتضی نہیں، لیکن دوسری روایت میں اس کی صراحت آئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شرمگاہ کو دھویا پھر وضو کیا، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود "باب التستر في الغسل عند الناس" میں عبداللہ ابن

---

(۱) دیکھیے: شرح الكرماني على صحيح البخاري: ۱/۱۱۲، عمدة القاري: ۳/۲۸۷، إرشاد الساري للقسطلاني: ۱/۴۸۹

(۲) عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(۴) عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(۵) عمدة القاري: ۳/۲۸۷

المبارک عن الثوری کے طریق سے نقل کیا ہے، اس میں پہلے ہاتھ دھونے، پھر شرمگاہ کو دھونے، پھر دیوار پر ہاتھ رگڑ کر صاف کرنے اور پھر وضو کرنے، سوائے پاؤں دھونے کے مروی ہے۔(۱)

چناں چہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

"سترتُ النبي صلى الله عليه وسلم وهو يغتسل من الجنابة، فغسل يديه، ثمّ صبّ بيمينه علىٰ شماله، فغسل فرجه وما أصابه، ثم مسح بيده على الحائط، أو الأرض، ثم توضأ وضوء ه للصلاة غير رجليه، ثمّ أفاض الماء علىٰ جسده، ثم تنحّى، فغسل قدميه".(۲)

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کررہے تھے تو میں نے آپ کا پردہ کیا تھا، تو آپ نے اپنے ہاتھ دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی بہایا اور شرمگاہ دھوئی، اور جو کچھ اس پر لگ گیا تھا اسے دھویا، پھر اپنے ہاتھ کو دیوار یا زمین پر رگڑ کر دھویا، پھر نماز والے وضو کی طرح وضو کیا، پاؤں کے علاوہ، پھر پانی اپنے بدن پر بہایا، پھر وہاں سے ہٹے اور اپنے پاؤں دھوئے۔

اس روایت میں تمام افعال کو "ثم" کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جو ترتیب پر دلالت کرتا ہے، پھر چوں کہ بعض احادیث دوسرے بعض کی وضاحت کرتی ہیں، (لہٰذا اس روایت کی وجہ سے "ثم غسل فرجه" کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہاں مطلقاً وضو اور شرمگاہ کے دھونے کو جمع کیا گیا ہے، حالاں کہ ترتیب کے مطابق شرمگاہ کا دھونا مقدم ہے۔)(۳)

فرجه

یہاں فرج سے مراد عضو مخصوص (ذکر) ہے، علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) عمدة القاري: ۳/ ۲۸۷، فتح الباري للعسقلاني: ۱/ ۴۷۸، إرشاد الساري للقسطلاني: ۱/ ۴۸۹

(۲) رقم الحديث: ۲۸۱، وقد مر تخريجه بالتفصيل، انظر ص: ۱۷۴، حاشية رقم: ۷

(۳) عمدة القاري: ۳/ ۲۸۷، إرشاد الساري: ۱/ ۴۸۹، فتح الباري: ۱/ ۴۷۸

"هذا دليل صحيح علىٰ صحة إطلاق الفرج على الذكر".(۱)
یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "فرج" کا اطلاق "ذکر" پر کرنا درست ہے۔

الأذی

"الأذی" سے "المستقذر الطاهر" پاک میل کچیل مراد ہے۔(۲)
علامہ عینی رحمہ اللہ نے بعض لوگوں کے اس کو قول کہ "وما أصابه من الأذی" سے نجاست مراد نہیں ہے، کو مکابرہ قرار دیا ہے۔(۳)

ثم أفاض عليه الماء ثم نحّیٰ رجليه فغسلهما

پھر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اوپر پانی بہایا، پھر دونوں پاؤں وہاں سے ہٹا کر ان کو دھویا۔
گذشتہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اس افاضہ ماء سے مراد استیعاب غسل ہے اور پاؤں مؤخر کر کے پھر وہاں سے ہٹ کر دھونے کی توجیہات بھی بیان کی جا چکی ہیں۔

هذه غسله من الجنابة

یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل جنابت تھا۔

هذه غسله

"هذه" اسم اشارہ برائے تانیث لائے ہیں، مشار إلیہ "الأفعال المذکورة" ہے، یعنی افعال مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کی صورت ہے۔(۴)
یا "هذه صفة غسله" کی تقدیر ہے، یعنی مضاف محذوف ہے، مطلب یہ ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کی صفت اور طریقہ ہے، یہ ابن عساکر کی توجیہ ہے۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱/۱۱۲، عمدة القاري: ۳/۲۸۷، تحفة الباري: ۱/۲۱۹

(۲) عمدة القاري: ۳/۲۸۷، شرح الكرماني: ۱/۱۱۳

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۸۷

(٤) شرح الكرماني: ۱/۱۱۳، فتح الباري: ۱/٤۷۸، عمدة القاري: ۳/۲۸۸

(٥) إرشاد الساري: ۱/٤۸۹، فتح الباري: ۱/٤۷۸

کشمیہنی کی روایت میں "هـذا غسلـه" ہے، اسم اشارہ برائے مذکر لایا گیا، خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل جنابت ہے۔(۱)

"هذه غسله" کس کا قول ہے؟

"هـذه غسلـه مـن الجنابة" یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ نہیں، بلکہ سالم بن ابی الجعد کی طرف سے "ادراج" ہے، جیسا کہ محدث اسماعیلی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، جب کہ زائدہ بن قدامہ نے اعمش سے اپنی روایت میں اس کو بیان کیا ہے کہ یہ سالم بن ابی الجعد کا قول ہے۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ حدیث میں صراحتاً وضو قبل الغسل کا تذکرہ موجود ہے۔

حدیث سے مستنبط شدہ احکام

۱-غسل جنابت سے پہلے شرمگاہ کو دھونا۔

۲-شرمگاہ پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو اسے زائل کرنا۔

۳-غسل جنابت سے پہلے وضو میں غسل رجلین کو مؤخر کرنا۔

۴-غسل کے بعد پاؤں دھونا۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو کتاب الغسل میں آٹھ جگہ روایت کیا ہے اور اس سے مختلف مسائل الگ الگ ثابت کیے ہیں، یہاں ان کی روایت سے "وضـو قبـل الـغسـل" ثابت کیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

---

(۱) فتح الباري: ۱/۴۷۸، عمدة القاري: ۳/۲۸۷، شرح الكرماني: ۱/۱۱۳، إرشاد الساري: ۱/۴۸۹، تحفة الباري: ۱/۲۱۹

(۲) فتح الباري للعسقلاني: ۱/۴۷۸، عمدة القاري للعيني: ۳/۲۸۸، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤۱

(۳) فتح الباري: ۱/۴۷۸، عمدة القاري: ۳/۲۸۸

٢ - باب : غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ .

مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ (ایک برتن سے) غسل کرنا

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کے اس ترجمہ کی غرض ومقصد میں کئی احتمال ہیں:

علامہ عینی رحمہ اللہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے مرد وعورت کا ایک برتن سے غسل کرنے کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔(١)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أي أنه جائز وفيه خلاف البعض". (٢) یعنی علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ تو امام بخاری رحمہ اللہ عدم جواز کے قائلین پر رد فرما رہے ہیں، ان کا مقصد اس ترجمہ سے اس کے جواز کو بیان کرنا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ ترجمہ الباب کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا ایک برتن سے مل کر غسل کرنا جائز ہے۔(٣)

ایک اشکال

مرد اور عورت کا ایک ساتھ ایک برتن سے طہارت حاصل کرنے والی توجیہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ تو "باب وضوء الرجل مع امرأته" میں بیان کر دیا ہے، پھر اس کو دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

---

(١) عمدة القاري: ٣/٢٩٠، إرشاد الساري: ١/٤٨٩، تحفة الباري: ١/٢١٩

(٢) رسالة شرح تراجم أبواب صحيح البخاري للإمام الشاه ولي الله الدهلوي، ص: ١٨، الأبواب والتراجم لصحيح البخاري لشيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ٣/١٩٠

(٣) الأبواب والتراجم للشيخ محمد إدريس الكاندهلوي، ص: ٢٥٧

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الوضوء'' میں ایک برتن میں وضو کرنا ثابت کیا تھا، اب یہاں مرد وعورت کا ایک برتن میں غسل کرنا ثابت کر رہے ہیں، (تو گویا وہاں طہارت صغریٰ میں اشتراک کو بیان کیا تھا اور یہاں طہارت کبریٰ میں اشتراک کو بیان کرنا مقصود ہے۔)(۱)

مرد وعورت کے مل کر غسل کرنے کو بیان کرنے کی وجہ

اس کو بیان کرنے کی ضرورت غالباً اس لیے پیش آئی کہ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "أنه نهى أن تغتسل المرأة والرجل من إنا واحد". (۲) یعنی انہوں نے مرد اور عورت کا ایک برتن سے نہانے سے منع کیا ہے۔

اس حدیث کی سند اگرچہ صحیح ہے، لیکن امام ''بزار'' رحمہ اللہ نے ''سند حسن'' کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے، چناں چہ "کشف الأستار" میں ہے: "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان هو وأهله، أو بعض أهله يغتسلون من إناء واحد". (۳)

''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے یا بعض گھر والے (ازواج مطہرات) ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔''

روایت ہذا کے رواۃ کی توثیق

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

"رواه البزار ورجاله ثقات". (۴) یعنی بزار نے اس حدیث کی روایت کی اور اس کے جملہ راوی

---

(۱) دیکھیے: فضل الباري: ۲/۴۲٦

(۲) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، كتاب الطهارة، باب من كره ذلك: ۱/۳٦۱، رقم الحديث: ۳۸٦

(۳) كشف الأستار، كتاب الطهارة، باب اغتسال الرجال والنساء من إناء واحد: ۱/۱٦٤، رقم الحديث: ۳۲٤، المصنف لابن أبي شيبة مع تحقيق الشيخ محمد عوامه حفظه الله: ۱/۳٦۱، ۳٦۲

(٤) مجمع الزوائد: ۱/۳۷۳، كشف الأستار: ۱/۱٦٤

''ثقہ'' ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول جواز والی روایت کی تائید اور بھی بہت سارے احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔(كما قاله الشيخ محمد عوامه حفظ الله في تعليقاته على المصنف).(۱)

علامہ طحاوی، علامہ قرطبی اور امام نووی رحمہ اللہ نے مرد و عورت کا ایک برتن سے غسل کے جواز پر اتفاق نقل کیا ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے نو[۹] صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے، جن میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت ابوھریرہ، حضرت عائشہ، حضرت اُم سلمہ، حضرت اُم ہانی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔(۳)

مذکورہ بحث کی تفصیل کے لیے، کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة'' ملاحظہ فرمائیں۔

بعض حضرات کی توجیہ

بعض حضرات نے ترجمۃ الباب کا مقصد یہ بتلایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوضوء میں وضوء من فضل المرأة کو ثابت کیا تھا، یہاں غسل من فضل المرأة کا اثبات فرمارہے ہیں کیوں کہ جب وہ ایک ساتھ غسل کریں گے تو جس وقت ایک پانی لے گا تو وہ پانی دوسرے کے لیے ''فضل'' بن جائے گا۔(۴)

بعض حضرات کی توجیہ پر ایک نظر

یہ ایک بعید توجیہ ہے، اس لیے کہ یہاں فضل مرأة کی کوئی تصریح نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی زبردستی یہ ثابت کرے کہ جب مرد و عورت ایک ساتھ غسل کریں گے تو بہرحال دونوں ایک ساتھ پانی مین ہاتھ نہیں ڈالیں گے، کبھی کسی کا ہاتھ پہلے پڑے گا اور کبھی کسی کا، اب اگر عورت کا ہاتھ پہلے پڑ گیا تو پانی فضل مرأة بن جائے گا، اس

(۱) المصنف لابن أبي شيبة مع تحقيق الشيخ محمد عوامه حفظه الله: ۱/ ۳٦٢

(٢) فتح الباري: ١/ ٣٩٧، عمدة القاري: ٣/ ١٢٦، المنهاج للنووي: ٣/ ٢٢٧

(٣) عمدة القاري: ٣/ ١٢٦

(٤) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ٣/ ١٩٠

طرح کے تکلفات کی ضرورت اس وقت ہوگی جب کوئی اور صحیح توجیہ ممکن نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والأوجه أن المصنف أشار بذلك إلى جواز نظر المرأة إلى عورة زوجها وعكسه".(۱)

اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد ترجمۃ الباب سے مرد وعورت کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنے کے جواز کو بیان کرنا ہے۔

زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا

زوجین کا ایک ساتھ غسل کرنے میں یہ بعید ہے کہ کسی کی نگاہ دوسرے کی شرمگاہ پر نہ پڑے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں نقل کیا ہے کہ داودی نے حدیث باب سے زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔(۲)

اس کی تائید ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، چناں چہ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدثنا محمد بن شعيب، قال حدثني عتبة بن أبي حكيم أنه سأل سليمان بن موسىٰ عن الرجل ينظر إلى فرج امرأته، فقال: سألت عنها عائشة، فقالت: كنت أغتسل أنا وحبيبي صلى الله عليه وسلم من الإناء الواحد تختلف فيه أكفُّنا، وأشارت إلى إناء في البيت، قدر ستة أقساط".(۳)

یعنی محمد بن شعیب کہتے ہیں کہ مجھ ابو حکیم نے کہا کہ میں نے سلیمان بن موسیٰ سے مرد کا عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے سے متعلق پوچھا تو انہوں کہا کہ میں نے عطاء سے پوچھا تو

---

(۱) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ٣/ ١٩٠

(۲) دیکھیے: فتح الباري: ١/ ٤٨٠

(۳) صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان مع تحقيق الشيخ شعيب الأرنؤط، كتاب الحظر والإباحة، رقم: ٥٥٧٧، وقال الشيخ شعيب الأرنؤط: إسناده حسن.

انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جس میں سے ہم باری باری پانی لیتے تھے، اور گھر میں موجود چھ قسط کے بقدر ایک برتن کی طرف اشارہ فرمایا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مذکورہ مسئلہ میں ''نص'' کی حیثیت رکھتی ہے۔(۱) ابن حبان کی اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ مرد وعورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ سکتے ہیں۔

مذکورہ استدلال پر ایک اشکال

اس استدلال پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ ابن ماجہ اور شمائل ترمذی کی روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے خلاف مروی ہے، چناں چہ وہ فرماتی ہیں: "ما نظرت، أو قالت: ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم". (۲)

یعنی کبھی میری نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ پر نہیں پڑی۔

ایک دوسری روایت میں ہے: "ما رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا رأى مني". (۳) یعنی نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ دیکھی، نہ انہوں نے میری''۔

---

(۱) فتح الباري: ۱/ ۴۸۰

(۲) الحديث أخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الغسل، باب: النهي أن يرى عورة أخيه، رقم: ٦٦٢، والترمذي في الشمائل، باب ماجاء في حياء رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ١٦٣، رقم: ٣٦٠، إنظر تحفة الأشراف، رقم: ٧٨١٦

(۳) دیکھیے: جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في حياء رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ٢١٧، ٢١٨، اداره تاليفات اشرفيه ملتان، أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل للهيتمي، باب ماجاء في حياء رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ٥٢١، رقم: ٣٤٤، الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠، الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف للحافظ ابن حجر رحمه الله، وهو في ذيل الكشاف، سورة الأعراف، (تحت آية رقم: ٢١) ٢/ ٩٤، ط: نشر البلاغة، قم، سوق القدس

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا جواب

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"يمكن الجمع بينهما بأن النفي للرؤية قصداً، وأما رواية الإثبات محمولة على وقوع النظر من غير قصد، كما يكون في صورة الاغتسال معاً. (۱)

یعنی دونوں روایتوں میں جمع ممکن ہے بایں طور کہ ایک ساتھ غسل کرنے میں نظر پڑ جانا اگرچہ مستبعد نہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قصداً اس سے احتراز کرتے تھے۔

مدعیٰ کیسے ثابت ہوا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دیکھنے سے احتراز ہوتا تھا تو پھر مدعیٰ یعنی زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا کیسے ثابت ہوا؟

جواب

اس کا جواب وہی اوپر والی توجیہ ہے کہ مدعیٰ اقرب حالت پر نظر کرتے ہوئے ثابت ہوتا ہے، یعنی جب مرد و عورت ایک ساتھ بیٹھ کر غسل کریں گے تو بہت ہی مستبعد ہے کہ نظر نہ پڑے، نظر پڑ ہی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے اس سے اجتناب فرماتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الغسل کے ابواب کی آپس میں مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ کتاب الغسل کے ابواب کی باہمی مناسبت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وجه المناسبة بين أبواب هذا الكتاب، أعني: كتاب الغسل، ظاهر؛ لأن كلها فيما يتعلق بالغسل وما يتعلق بالجنب". (۲)

یعنی کتاب الغسل کے ابواب کی آپس میں مناسبت بالکل واضح ہے، اس لیے کہ

(۱) دیکھیے: الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠

(۲) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/ ۲۹۰

ان میں سے ہر ایک کا تعلق غسل اور جنابت اوران سے متعلق امور سے ہے۔

حدیث باب

٢٤٧ : حدَّثنا آدَمُ ٱبْنُ أَبي إِيَاسٍ قَالَ : حَدَّثنا ٱبْنُ أَبي ذِئْبٍ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ (1) قَالَتْ : كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَٱلنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ ، مِنْ قَدَحٍ يُقَالُ لَهُ ٱلْفَرَقُ .
[٦٩٠٨ ، وانظر : ٢٥٨]

ترجمہ: ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن ابی ذئب نے بیان کیا، انہوں نے (ابن شہاب) زہری سے انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا: ”میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں مل کر) کونڈے (۲) جیسے ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے، جس کوفرق کہا جاتا ہے۔

---

(١) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الإناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة، رقم: ٢٦١، ٢٦٢، وفي باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروىٰ بشرته أفاض عليه، رقم: ٢٧٣، وفي كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض، رقم: ٢٩٩، وفي كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، رقم: ٥٩٥٦، وفي كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ماذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم وما اجتمع عليه الحرمان: مكة والمدينة وماكان بهما من مشاهد النبي صلى الله عليه وسلم والمهاجرين والأنصار، ومصلىٰ النبي صلى الله عليه وسلم والمنبر والمقبر، رقم: ٧٣٣٩، وأخرجه مسلم في سننه في كتاب الحيض، في باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ٣١٩، وأبوداؤد في الطهارة في باب مقدار الماء الذي يجزئ به الغسل، رقم: ٢٣٨، والترمذي في سننه في كتاب اللباس ماجاء في الجمة واتخاذ الشعر، رقم: ١٧٥٥، والنسائي في الطهارة في باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل، رقم: ٢٢٩، وأيضاً فيه، باب ذكر الدلالة علىٰ أنه لاوقت في ذلك، رقم: ٢٣٢، وأخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، رقم: ٣٧٦، وانظر جامع الأصول في أحاديث الرسول، رقم: ٥٣٣٣.

(۲) کونڈے: آٹا گوندھنے کا مٹی کا ظرف، پرات، فیروز اللغات، اردو جامع، ص: ۱۰۴۶.

تراجم رجال

آدم بن أبي إياس

یہ آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن بن محمد العقلانی ہیں۔(۱)

ابوالحسن ان کی کنیت ہے۔(۲)

ان کے والد ابوایاس کے نام میں اختلاف ہے، امام بخاری اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے عبدالرحمٰن بن محمد نقل کیا ہے۔(۳)

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابوایاس کا نام "ناہیہ" ہے۔(۴)

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال أبو اسحاق الحبال: "اسم أبي إياس عبدالرحمن، يعرف بناهية". (۵)

ابواسحاق الحبال نے کہا: ابوایاس کا نام عبدالرحمٰن ہے اور وہ ناہیہ کے نام سے معروف ہیں۔

آپ اصلاً خراسان کے رہنے والے تھے۔(۶) ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مولده بمروالروز" (۷) یعنی آپ کی جائے پیدائش مروالروز (خراسان) ہے۔

---

(۱) ان کے مختصر حالات، كشف الباري، كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۶۷۸/۱، کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۲) دیکھیے: تاريخ بغداد: ۲۹/۷، رقم الترجمة: ۳٤۹۲، كتاب الثقات لابن حبان التميمي: ۸۳/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰، تهذيب التهذيب: ۱۹٦/۱، رقم الترجمة: ۳٦۸

(۳) دیکھیے: التاريخ الكبير، جزء: ۱، قسم: ۲، رقم الترجمة: ۳۹، الجرح والتعديل: ۱۹۵/۲، رقم: ۹۷۰

(٤) دیکھیے: تاريخ بغداد: ۲۹/۷، رقم الترجمة: ۳٤۹۲، كتاب الثقات لابن حبان: ۸٤/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰

(۵) إكمال تهذيب الكمال: ۲۹/۲، رقم الترجمة: ۳۵۱

(٦) كتاب الثقات: ۸۳/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰، تاريخ بغداد: ۲۹/۷، رقم الترجمة: ۳٤۹۲

(۷) كتاب الثقات: ۸٤/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰، وفي الجرح والتعديل: ۱۹۵/۲، وأصله من مروزى مولىٰ بني تميم.

بغداد میں پلے بڑھے، وہیں علم حدیث حاصل کیا، پھر اسی مقصد کے لیے کوفہ، بصرہ، حجاز، مصر اور شام کا سفر کیا، عسقلان کو اپنا وطن بنایا اور عسقلانی کہلانے لگے۔(۱)

آپ کے شیوخ حدیث

آپ کے اساتذہ اور شیوخ میں ابن ابی ذئب، امام شعبہ، شیبان النحوی، حماد بن سلمہ، امام لیث، اسرائیل، مسعودی، ورقاء، ابان بن تغلب، اسماعیل بن رجاء، حبیب بن ابی ثابت، سلیمان الاعمش، سماک بن حرب، طلحہ بن مصرف، عاصم بن بہدلہ، عبدالرحمٰن بن الاسود بن یزید، عدی بن ثابت، محارب بن دثار، نہال بن عمرو اور ان کے والد یزید بن عبدالرحمٰن الاودی وغیرہ ہیں، جن سے آپ حدیث کی روایت کرتے ہیں۔(۲)

تلامذہ

آپ سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام دارمی اور ان کے بیٹے عبید بن آدم، ابو حاتم، ابو زرعہ الدمشقی، یعقوب الفسوی، یزید بن محمد بن عبدالصمد، اسماعیل سمویہ، ایوب بن سوید الرملی، ابو اسامہ، حماد بن اسامہ، سفیان ثوری، عمرو بن ابی سلمہ تینسی، عیسیٰ بن ابراہیم العبدی، مخلد بن شداد، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن زکریا بن ابی الحواجب، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، یعلیٰ بن عبید طنافسی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں، اسحاق بن اسماعیل رملی ان کے آخری شاگرد اور روایت کرنے والے ہیں۔(۳)

---

(۱) تاریخ بغداد: ۲۹/۷، رقم الترجمة: ۳٤۹۲، تهذيب الكمال: ۳۰۱/۲، رقم الترجمة: ۲۹٤

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، تاريخ بغداد: ۲۹/۷، ۳۰، رقم الترجمة: ۳٤۹۲، كتاب الثقات: ۸۳/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰، تهذيب الكمال: ۳۰۲/۲، ۳۰۳، رقم الترجمة: ۲۹٤، تهذيب التهذيب: ۱۹٦/۱، رقم الترجمة: ۳٦۸، إكمال التهذيب: ۳۰/۲، رقم الترجمة: ۳۵۱، الجرح والتعديل: ۱۹۵/۲، رقم الترجمة: ۹۷۰

(۳) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، تاريخ بغداد: ۲۹/۷، ۳۰، رقم الترجمة: ۳٤۹۲، كتاب الثقات: ۸۳/۵، رقم الترجمة: ۵۸۰، تهذيب الكمال: ۳۰۲/۲، ۳۰۳، رقم الترجمة: ۲۹٤، تهذيب التهذيب: ۱۹٦/۱، رقم الترجمة: ۳٦۸، إكمال التهذيب: ۳۰/۲، رقم الترجمة: ۳۵۱، الجرح والتعديل: ۱۹۵/۲، رقم الترجمة: ۹۷۰

جلالت شان اور توثیق میں ائمہ کے اقوال

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان أحد عباد الله الصالحين".(۱)

آدم بن ابی ایاس اللہ کی بکثرت عبادت کرنے والے نیک بندوں میں سے تھے۔

امام ابوداود، ابن معین، ابوحاتم، خطیب بغدادی، امام عجلی، ابونعیم، ابن عبدالبر اور سمعانی رحمہم اللہ نے ان کی "توثیق" کی ہے۔(۲)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم بن ابی ایاس امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ کی مجلس میں حدیث لکھنے والوں میں سے تھے، امام شعبہ حدیث کا املا کرواتے اور آپ کھڑے ہو کر لکھتے تھے۔(۴) آدم بن ابی ایاس خود فرماتے ہیں میں امام شعبہ کے پاس حدیث لکھا کرتا تھا، میں تیز لکھنے والوں میں تھا، لوگ میرے لکھے ہوئے سے نقل کرتے تھے۔

امام نسائی فرماتے ہیں: "لا بأس به".(۵)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان آدم مشهوراً بالسنة، شديد التمسك بها والحض على اعتقادها".(٦)

یعنی آدم بن ابی ایاس سنت پر سختی سے عمل کرنے اور اس کے اعتقاد پر ابھارنے میں مشہور تھے۔

ابواحمد بن عدی کی کتاب "مشايخ بخاري" میں ہے: "كان من الزهاد".(۷)

---

(۱) تاريخ بغداد: ۷/۳۰، رقم الترجمة: ۳٤٩۲

(۲) دیکھیے: تاريخ بغداد: ۷/۳۰، ۳۱، الجرح والتعديل: ۲/۱۹٥، تهذيب الكمال: ۲/۳۰٤، إكمال التهذيب: ۲/۲۸-۳۱، تهذيب التهذيب: ۱/۱۹٦

(۳) كتاب الثقات لابن حبان: ٥/۸۳

(٤) تاريخ بغداد: ۷/۳۰، تهذيب الكمال: ۲/۳۰٤، الجرح والتعديل: ۲/۱۹٥

(٥) تهذيب التهذيب: ۱/۱۹٦

(٦) تاريخ بغداد: ۷/۳۰، إكمال التهذيب: ۲/۳۰

(۷) إكمال تهذيب الكمال: ۲/۲۹

خطیب بغدادی کی ایک روایت

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

''ابوبکر الاعین کہتے ہیں کہ میں آدم عسقلانی کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ امام لیث کے کاتب عبداللہ صالح آپ کو سلام کہہ رہے ہیں، تو انہوں نے کہا انہیں میرا سلام مت کہنا، میں نے کہا کیوں؟ تو انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ وہ قرآن کو مخلوق کہتا ہے، میں نے بتایا کہ انہوں نے اس سے توبہ اور رجوع کیا ہے اور لوگوں کو اپنے رجوع کی اطلاع دی ہے، تو آدم بن ابی ایاس نے کہا، اگر ایسا ہے تو پھر ان کو میرا سلام کہنا، راوی کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا کہ میں بغداد جانا چاہ رہا ہوں، آپ کا کوئی کام ہو تو بتادیں، انہوں نے کہا ہاں (ایک کام ہے) جب تم بغداد پہنچو تو امام احمد بن حنبل کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور کہو تم اللہ سے ڈرو، جس چیز میں تم مبتلا ہو اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرو، کوئی تمہیں خوف اور پریشانی میں مبتلا نہ کرنے پائے، ان شاء اللہ! آپ عنقریب جنت جانے والے ہیں اور ان سے کہنا: حدثنا الليث بن سعد عن محمد بن عجلان، عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من أراد كم على معصية الله فلا تطيعوه". یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی تمہیں اللہ کی نافرمانی کا کہے تو اس کی اطاعت مت کرو، راوی کہتے ہیں: میں امام احمد بن حنبل کے پاس جیل میں آیا اور سلام کیا اور انہیں آدم بن ابی ایاس کا سلام پہنچایا اور ان کا پیغام اور حدیث سنائی، امام احمد نے اپنا سر جھکایا، پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: رحمه الله حياً وميتاً، فلقد أحسن النصيحة". اللہ ان پر دنیا و آخرت میں رحم کرے انہوں نے نصیحت کا حق ادا کر دیا یعنی بہترین نصیحت کی۔(۱)

وفات

ابوعلی الحسین بن القاسم الکوکبی کہتے ہیں ابوعلی المقدسی نے بتایا کہ جب آدم بن ابی ایاس کے انتقال کا

---

(۱) تاريخ بغداد: ۳۱/۷، رقم الترجمة: ۳۴۹۲، تهذيب الكمال: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، رقم الترجمة: ۲۹۴

وقت قریب ہوا تو ایک قرآن پورا پڑھ کر ختم کیا اس حال میں کہ آپ پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے، پھر فرمایا: اے اللہ! آپ کو میری محبت کا واسطہ آپ اس خطرناک موڑ پر میرے لیے رفیق بننا، میں آپ سے اسی دن کی امید وتمنا رکھتا تھا، اس کے بعد "لا إله إلا الله" کہا اوران کی روح پرواز کرگئی۔(۱) رحمه الله رحمةً واسعةً.

ابن أبي ذئب

یہ امام محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب، قرشی، عامری، مدنی رحمہ اللہ ہیں۔(۲)

ان کے تفصیلی حالات "کشف الباری" کتاب العلم، باب حفظ العلم کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

زهري(٤)

یہ مشہور محدث امام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن کعب بن لؤی الزہری المدنی ہیں۔(۵)

اساتذہ حدیث

امام زہری رحمہ اللہ کے اساتذہ اور شیوخ میں ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص، ثابت بن قیس الزرقی، ثعلبہ بن ابی مالک القرظی، جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری، حبیب مولیٰ عروۃ بن الزبیر، حرملہ مولیٰ اسامہ بن زید، الحسن بن محمد بن الحنفیہ، حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب، خارجہ بن زید بن ثابت، خالد بن المھاجر بن خالد بن الولید، سالم بن عبداللہ بن عمر، السائب بن

---

(١) تاريخ بغداد: ٧/٣١، ٣٢، تهذيب الكمال: ٢/٣٠٥، إكمال تهذيب الكمال: ٢/٣١

(٢) دیکھیے: تهذيب الكمال: ٢٥/٦٣٠

(٣) كشف الباري: ٤/٤٤٢-٤٤٩

(۴) ان کے مختصر حالات "کشف الباری: ١/٣٢٦" بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذرے ہیں۔

(٥) دیکھیے: تهذيب الكمال: ٢٦/٤١٩، ٤٢٠، رقم الترجمة: ٥٦٠٦، سير أعلام النبلاء: ٥/٣٢٦، رقم الترجمة: ١٦٠، تهذيب التهذيب: ٩/٤٤٥، رقم الترجمة: ٧٣٢

یزید، سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان بن عفان، سلیمان بن یسار، طاؤس بن کیسان، عامر بن سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عروہ بن الزبیر، عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن وقاص اللیثی، علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، عمر بن عبدالعزیز، القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، نافع مولی ابن عمر، یزید بن الاصم، ابو ادریس الخولانی وغیرہ ہیں۔(۱)

تلامذہ

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کرنے والوں میں ابان بن صالح، ابراہیم بن ابی علبہ، اسامہ بن زید اللیثی، ایوب السختیانی، بکر بن وائل، زمعہ بن صالح، زیاد بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن مسلم ابن شہاب الزہری، عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر، عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، عطاء بن ابی رباح، عقیل بن خالد الایلی، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، عمرو ابن شعیب، قتادہ بن دعامہ، لیث بن سعد، مالک بن انس، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، محمد بن المنکدر، معاویہ بن سلام، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، یوسف بن یعقوب بن ماجشون، ابوسلمۃ العاملی، ابوعلی بن یزید الایلی، وغیرہ ہیں۔(۲)

مقام اور جلالت شان

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم بن منذر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: "أنه أخذ القرآن في ثمانين ليلةً" یعنی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے اسی [۸۰] راتوں میں قرآن کریم کو یاد کیا۔(۳)

ابراہیم بن سعد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: "ما سبقنا ابن شهاب بشيء من العلم إلا أنه كان يشد ثوبه عند صدره، ويسأل عن ما يريد، وكنا نمنعنا الحداثة".(٤)

---

(۱) دیکھیے: تهذيب الكمال: ٢٦/ ٤٢٠-٤٢٦، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٤٦، ٤٤٧

(۲) تهذيب الكمال: ٢٦/ ٤٢٧-٤٣١، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٤٧

(۳) التاريخ الكبير: ١/ ٢٢٠

(٤) دیکھیے: تهذيب الكمال: ٢٦/ ٤٣٣

یعنی ابن شہاب ہم سے کسی چیز کے ذریعے علم میں نہیں بڑھے سوائے اس کے کہ وہ اپنا کپڑا اپنے سینے کے پاس باندھ لیتے اور جو کچھ وہ چاہتے اس کے بارے میں پوچھ لیتے تھے اور ہماری کم عمری مانع ہوتی تھی۔

امام زہری کے حالات خود اُن کی زبانی

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے زہری کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں پروان چڑھا اس حال میں کہ میں لڑکا تھا اور میرے پاس کوئی مال نہ تھا اور نہ ہی دیوان میں خلیفہ کی طرف سے میرا حصہ مقرر تھا اور میں عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعیر سے اپنی قوم کا نسب سیکھا کرتا تھا وہ اس کے عالم تھے اور وہ میری والدہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، ایک آدمی ان کے پاس آیا اور طلاق کا کوئی مسئلہ معلوم کیا تو وہ اس کا جواب نہ دے سکے اور سائل کو سعید بن المسیب سے معلوم کرنے کا کہا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایسے عمر رسیدہ آدمی کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا ہے اور وہ طلاق کا ایک مسئلہ بھی نہیں جانتا، میں نے ثعلبہ کو چھوڑا اور سائل کے ساتھ سعید بن المسیب کے پاس آیا، (اس کے بعد) میں عروہ، عبیداللہ، اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی صحبت میں بیٹھا یہاں تک کہ میں نے مسائل شریعت کو سیکھ لیا۔

پھر میں شام چلا آیا، سحری کے وقت دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو مقصورہ (چھوٹے کمرے) کے سامنے ایک بہت بڑا حلقہ قائم تھا، میں اس میں بیٹھا، لوگوں نے میرے نسب کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا قریشی ہوں، تو انہوں پوچھا کیا تمھیں ام ولد کے حکم بارے میں کوئی علم ہے؟ تو میں نے انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول سنایا، انہوں نے کہا یہ قبیصہ بن ذؤیب کی مجلس ہے، وہ اس بارے میں آپ کی حمایت کریں گے، قبیصہ تشریف لائے تو انہیں اس بارے میں بتایا گیا، انہوں نے میرا نسب پوچھا اور سعیذ بن المسیب اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں معلوم کیا، میں نے ان کو بتایا تو انہوں نے کہا میں تمہیں امیر المؤمنین کے پاس لے کر جاؤں گا، صبح کی نماز پڑھ کر قبیصہ واپس لوٹے تو

میں ان کے ساتھ ہوا، قبیصہ امیر المؤمنین عبدالملک کے پاس چلے گئے، میں دروازے کے پاس کچھ دیر ٹھہرا، یہاں تک سورج چڑھ آیا، پھر خادم (اجازت دینے والا) باہر آیا اور کہا کہ کہاں ہے مدنی اور قرشی؟ میں نے کہا کہ میں یہاں ہوں، اس خادم کے ساتھ میں امیر المؤمنین کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے قرآن پاک رکھا ہوا ہے جسے امیر المؤمنین نے بند کیا ہوا ہے، امیر المؤمنین کے حکم پر مصحف کو وہاں سے اٹھا لیا گیا، ان کے پاس قبیصہ کے علاوہ کوئی اور بیٹھا ہوا نہیں تھا، میں نے انہیں سلام کیا، امیر المؤمنین نے میرے بارے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں محمد بن مسلم ہوں، اس کے بعد ام ولد کے بارے میں پوچھا تو میں نے ام ولد کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی، تو قبیصہ کی طرف متوجہ ہو کر امیر المؤمنین نے فرمایا: اسے تمام آفاق کی طرف لکھا جائے۔(۱)

محمد بن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری کا تذکرہ اہل مدینہ کے طبقہ رابعہ میں کیا ہے۔(۲)

سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے زہری سے بڑھ کر صحیح حدیث بیان کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔(۳)

عمرو بن دینار رحمہ اللہ ہی سے منقول ہے کہ میں نے زہری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ درہم و دینار ان کے نزدیک بے قیمت ہوں، دنانیر و دراہم ان کے نزدیک گوبر سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔(۴)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہری لوگوں میں اچھی حدیث اور بہترین سند والے ہیں۔(۵)

تدوین حدیث

تابعین کے عصر میں تدوین حدیث کا عظیم الشان کارنامہ انجام دینے والے محدثین میں امام زہری

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٣٣٠

(۲) الطبقات الكبرى: ٤/ ١٢٦

(۳) الجرح والتعديل: ٨/ ٨٦٨، رقم الترجمة: ٣١٨

(٤) تهذيب الكمال: ٢٦/ ٤٣٥

(٥) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٣٣٥

رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ میں اپنے عامل ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ اور دیگر عاملوں کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جمع کریں، چناں چہ ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے اس عظیم کام کو بحسن وخوبی انجام دیا، خاص کر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے جمع وتدوین حدیث کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ کسی بھی صاحبِ علم پر مخفی نہیں۔

ابن عساکر ودیگر مؤرخین اور علماء نے امام مالک رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"أول من دوّن العلم ابن شهاب". (۱) یعنی سب سے پہلے علم (حدیث) کی تدوین کرنے والے ابن شہاب ہیں۔

عبدالعزیز بن محمد دراوردی رحمہ اللہ نے فرمایا: "أول من دون العلم و كتبه ابن شهاب". (۲) یعنی سب سے پہلے علم (حدیث) کی تدون کرنے والے اور لکھنے والے ابن شہاب ہیں۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حدیث کو جمع کرنے اور مدون کرنے کا شرف ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو حاصل ہے، اس کے بعد پھر علمائے سلف نے جمع وترتیب کا سلسلہ جاری رکھا۔

امام زہری پر مستشرقین کے اعتراضات وشبہات

امام زہری رحمہ اللہ کی ثقاہت دیانت اور امانت پر ائمہ اسلام کا اتفاق ہے، مستشرقین میں سے جرمنی کے ایک متعصب یہودی "اگنس گولڈزیہر" نے مسلمانوں کے ذخیرہ حدیث کو مشکوک ٹھہرانے کی غرض فاسد سے امام زہری رحمہ اللہ پر وضع حدیث کی تہمت لگائی۔

اس خبیث الباطن یہودی کا زعم باطل ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کا بنوامیہ کے حکمرانوں کے ساتھ تعلقات تھے، اس وجہ سے امام زہری نے ان کے اغراض واہوا کے موافق بہت سی احادیث وضع کیں، اور اپنے نام سے بہت سی احادیث کو منسوب کرنے کی اجازت دی، وغیرہ، اس سے گولڈزیہر نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب اس قدر ثقہ راوی بھی حدیثیں وضع کرتا تھا تو دوسروں کا معاملہ بہرحال اہون ہے، لہٰذا اس کے پیش نظر احادیث کا موجودہ ذخیرہ جعلی ہے۔

---

(۱) تاريخ دمشق: ۵۵/۳۳٤، حلية الأولياء: ۳/۳٦۳، البداية والنهاية: ۹/۳۵۸.

(۲) تاريخ دمشق: ۵۵/۳٤۳، سير أعلام النبلاء: ۵/۳۳٤، إكمال تهذيب الكمال: ۱۰/۳۵۳.

گولڈزیہر کے شبہات پر رَد

گولڈزیہر یہودی مستشرق کے یہ شبہات بنیادی طور سے بالکل غلط ہیں، یہ یہود و مستشرقین کی اسلام دشمنی اور ذخیرہ احادیث کو مشکوک بنانے کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کا تسلسل ہے، علمائے اسلام نے ہر زمانے میں ان بے جا اعتراضات پر بھرپور رَد کیا اور ان کے محققانہ کافی وشافی جوابات دیے ہیں، چناں چہ ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی صاحب نے اپنی کتاب "السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي" میں گولڈزیہر کے تمام اعتراضات پر محققانہ کلام کیا ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ نہ معلوم امام زہری رحمہ اللہ جیسے ثقہ، ثبت، حجت، اور صادق امام کے بنواُمیہ کے حکمرانوں سے تعلقات کو بنواُمیہ کے حکمرانوں نے وضع حدیث کے لیے کیسے غنیمت سمجھا، حالاں کہ زمانہ قدیم سے علماء کا یہ دستور رہا ہے کہ عامۃ المسلمین کے مصالح کی خاطر، یا حکمرانوں کو نصیحت کرنے، یا ان کو کسی دینی بات کی تعلیم دینے، یا ان کے اولاد کی تربیت کرنے کی غرض سے ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے، اپنی کسی ذاتی غرض کا حصول مقصود نہ ہوتا تھا۔

"العقد الفريد" میں مذکور ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ ولید بن عبدالملک کے پاس تشریف لائے تو اس نے کہا کہ اہل شام ہم سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں، امام زہری نے فرمایا کہ کون سی حدیث؟ تو ولید نے کہا کہ وہ کہتے ہیں: "أن الله إذا استرعیٰ عبداً رعیته، کتب له الحسنات، ولم یکتب له السیئات" یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو حاکم بناتے ہیں تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، برائیاں نہیں لکھی جاتیں۔ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے، کیا ایک نبی جو خلیفہ بھی ہو وہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل اکرام واحترام ہے، یا غیر نبی جو صرف خلیفہ ہو؟، تو ولید نے کہا کہ ایسا نہیں، بلکہ جو نبی خلیفہ ہو وہ زیادہ قابل اکرام واحترام ہے، تو امام زہری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داوٗد علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿یا داود إنا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلك عن سبیل الله إن الذین یضلون عن سبیل الله لهم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب﴾ (١) پس جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی

---

(١) سورہ ص: ٢٦، ترجمہ: اے داوٗد! تجھ کو کیا نائب ملک میں، سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف کے ساتھ اور نہ چل جی کی خواہش پر، پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے، مقرر جو لوگ بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس بات پر کہ بھلا دیا انہوں نے دن حساب کا۔

کو جو خلیفہ بھی ہیں یہ تنبیہ فرمارہے ہیں، تو آپ کا کیا گمان ہے اس شخص کے بارے میں جو محض خلیفہ ہو نبی نہ ہو؟ ولید نے کہا کہ یہ لوگ اہل شام ہمیں ہمارے دین کے بارے میں گمراہ کررہے ہیں۔(۱)

غور فرمائیں کہ امام زہری رحمہ اللہ اور خلیفہ ولید کے درمیان تعلق سے امت کو جو فکری فائدہ حاصل ہورہا ہے وہ کس قدر ہے، مزید برآں کیا امام زہری رحمہ اللہ حکمرانوں کے سامنے جھک رہے ہیں، کیا ان لوگوں کی خواہش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احادیث گھڑ رہے ہیں یا مکمل خیر خواہی کے ساتھ کذاب لوگوں سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کررہے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر امام زہری خلیفہ مسلمین کو کذاب راویوں کے زیر اثر رہ کر استمرار فی الظلم والباطل سے روک رہے ہیں۔

امام زہری کا ایک واقعہ ہے جسے ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے سلیمان یسار سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿والذی تولیٰ کبرہ منهم لهم عذاب عظیم﴾(۲) کی تفسیر کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا کہ "تولی کبرہ" سے کون مراد ہے؟، سلیمان نے جواب میں کہا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول، ہشام نے حق کے بارے میں ان کی سختی اور غیرت کو آزمانے کے لیے کہا: نہیں تم نے غلط بیانی کی، بلکہ اس سے مراد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، سلیمان نے کہا کہ امیر المؤمنین اپنی بات کے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہیں، اتنے میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تشریف لائے تو ہشام نے یہی سوال ان سے پوچھا، انہوں نے بھی جواب میں فرمایا کہ اس سے مراد عبداللہ بن اُبی بن سلول ہے۔

ہشام نے حسب سابق امام زہری رحمہ اللہ سے بھی کہا کہ تم نے غلط بیانی سے کام لیا، اس سے تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مراد ہیں، امام زہری رحمہ اللہ نے سخت غصے سے کہا کہ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، تیرا ناس ہو، اللہ کی قسم! اگر کوئی آسمان سے یہ ندا کرے کہ اللہ نے جھوٹ بولنے کو جائز قرار دیا ہے تو میں پھر بھی جھوٹ نہ بولتا، پھر فرمایا کہ مجھے فلاں فلاں نے حدیث بیان کی کہ اس سے مراد عبداللہ بن اُبی بن سلول ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درباری برابر امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں ہشام کو بہکاتے رہے، یہاں تک کہ ہشام نے امام زہری سے کہا کہ جاؤ چلے جاؤ، ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم آپ جیسے کسی شخص کی بات برداشت

---

(۱) الجزء الأول، ص: ٦٠، الطبعة الجديدة

(۲) النور: ١١

کریں، امام زہری نے فرمایا کہ یہ کیوں؟ کیا آپ نے مجھے اس پر مجبور کیا یا میں نے آپ کو اس پر مجبور کیا؟ کہ اب آپ مجھے جانے دیں؟!! ہشام نے کہا کہ ایسی بات نہیں، بلکہ آپ نے مجھ سے دو لاکھ قرضہ لیا ہے، امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم اور تم سے پہلے تمہارے والد دونوں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ میں نے تم سے اور نہ ہی تمہارے باپ سے یہ مال قرض لیا، پھر غصہ سے وہاں سے نکل آئے۔ اس پر ہشام نے کہا کہ ہم نے شیخ کو غصہ دلایا، پھر ہشام نے امام زہری رحمہ اللہ کے قرضوں میں سے ایک لاکھ ادا کرنے کا حکم دیا، امام زہری کو بتلایا گیا تو فرمایا کہ الحمد للہ! یہ اللہ کی طرف سے ہے۔(۱)

یہ وہ واقعہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں آٹھ صدی قبل امام شافعی جیسے صدق وحق کے امام سے نقل کیا ہے، جب کہ امام زہری رحمہ اللہ پر اموی حکمرانوں کی خاطر وضع حدیث کی تہمت لگانے والا متعصب یہودی اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ واقعہ بتلا رہا ہے کہ امام زہری کا تعلق خلفاء سے کسی دنیاوی یا نفسانی غرض پر مبنی نہ تھا، بلکہ خالص دینی اور نصح پر مبنی تعلق تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کی نسبت اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے اموی حکمرانوں کی ہم نوائی کی ہے، تو اس سے اس عالی قدر امام کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ کیا وہ اس سے مال کے طلب گار تھے؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ اس مستشرق یہودی نے خود عمرو بن دینار سے امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ درہم و دینار سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے نزدیک اہون نہ تھی، گویا درہم و دینار ان کے نزدیک گوبر کی طرح تھے۔ کیا امام زہری اس سے جاہ کے طالب تھے؟ حالاں کہ خود معترض کو یہ تسلیم ہے کہ پوری امت اسلامیہ میں امام زہری رحمہ اللہ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی، اس قدر جاہ و منزلت کے بعد امام زہری رحمہ اللہ کیا پھر کسی جاہ منزلت کے طلب گار تھے، جب امام زہری رحمہ اللہ نہ جاہ کے طالب تھے اور نہ ہی مال کے، اور ان کی دینی غیرت و جرأت بھی مسلّم ہے تو پھر جب انہیں نہ جاہ و مال کی طلب اور نہ ہی کسی منصب کی خواہش، تو کیا وہ امویین سے اپنے دین کا سودا کر کے حماقت و بے وقوفی کا ارتکاب کرتے اور مسلمانوں میں اپنی نیک نامی و شہرت کو کھو بیٹھتے؟!!۔

مستشرق گولڈ زیہر بنو اُمیہ کے عہد حکومت کی منظر کشی ظلم و جور کے ساتھ کرتے ہوئے انہیں ظالم قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مدینہ کے متقی اور پرہیزگار علماء بنو اُمیہ سے محاربہ کرتے اور ان سے کنارہ کشی اختیار کیا

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۱

کرتے تھے، جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے مدینہ میں نشو ونما پائی، اور مدینہ کے شیوخ وعلماء سے کسب فیض کیا، سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی موت تک ان کی مجلس میں بیٹھتے رہے، امام مالک رحمہ اللہ جب بھی مدینہ تشریف لاتے ان سے استفادہ فرماتے، پینتیس ۳۵ سال تک مدینہ اور شام آتے جاتے رہے۔

اگر گولڈ زیہر کی بات حقیقت کے مطابق ہے تو مدینہ وشام کے علماء نے انہیں ناپسندیدہ کیوں نہیں ٹھہرایا، اگر انہوں نے امویین کے لیے جھوٹ گھڑا تھا تو پھر مدینہ وشام کے علماء نے ان کے اس عمل کی تکذیب کیوں نہیں فرمائی، امام زہری رحمہ اللہ کے شیخ جو عبد الملک کے اقتدار، طاقت وعظمت کو کسی خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے انہوں نے زہری سے براءت کا اظہار کیوں نہیں فرمایا؟، کون سا داعیہ تھا جس نے ان حق گو علماء کو سکوت پر مجبور کیا؟!! کیا انہیں کوئی خوف لاحق تھا؟ جب کہ یہ علماء نقدِ رجال کے سلسلہ میں خلیفہ سے لے کر معاشرہ کے کسی عام فرد تک کسی سے بھی خوف نہیں کھاتے تھے، تو کیا وہ امام زہری رحمہ اللہ سے خوف کھانے لگے؟!۔

چلیں! بنواُمیہ کے عہد کے علماء کو چھوڑیے، بنوعباس کی حکومت میں علماء نے امام زہری رحمہ اللہ پر نقد کیوں نہیں کیا، علماء کو رہنے دیجئے، بنوعباس کے انصار واعوان نے جس طرح بنواُمیہ کے خلفاء، امراء اور ان کے معاونین کی خبر لی ہے، تو انہوں نے امام زہری پر کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا؟ انہیں بھی رہنے دیجئے، علماء وجرح وتعدیل میں سے امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ وغیرہ جو لا يخافون في الله لومة لائم کی عملی وحقیقی تصویر تھے انہوں نے کیوں سکوت فرمایا، پھر جب کہ یہ نقد بھی حکومت بنواُمیہ کی ایک بہت بڑی اور مشہور شخصیت سے متعلق ہو!!۔

علماء وشیوخ مدینہ خاص کر امام زہری کے شیخ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا سکوت، پھر ان علماء اور دیگر بہت سارے علماء کا امام زہری سے روایت کرنا، امام زہری کا امویین سے گہرے تعلق کے باوجود عباسیوں کے عہد میں علماء جرح وتعدیل کا ان کی توثیق کرنا وغیرہ، کیا اس بات پر بہت بڑی دلیل نہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ مستشرق گولڈ زیہر کے شبہات سے بَری اور اس کی ہر طرح کی بدگوئی سے ارفع، کذب ووضع حدیث اور اہل ظلم وباطل سے ممالات وغیرہ تمام الزامات سے بہت بلند وبالا ہیں۔(۱)

---

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۰-۲۰۳

حدیث لاتشد الرحال کی وضع کا الزام

گولڈزیہر کا زعم باطل ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے "قبة الصخرة" اس لیے بنوایا تاکہ اس کے ذریعہ اہل شام وعراق اور حج وکعبہ کے درمیان ایک حائل اور حاجز بنے کہ لوگ بجائے حج اور بیت اللہ کی زیارت کے لیے جانے کے بیت المقدس کے اس گنبد کی زیارت کے لیے آیا کریں۔

اس مقصد کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی غرض سے ایسی حدیثیں وضع کروائیں جن سے بیت المقدس کی عظمت وشان نمایاں ہو، تاکہ لوگوں کو وہاں حج پر آمادہ کیا جاسکے، چناں چہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے عبدالملک نے امام زہری کا انتخاب کیا، ان کے کہنے پر امام زہری رحمہ اللہ نے وہ احادیث وضع کیں، چناں چہ "لا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلیٰ ثلٰثة مَسَاجِدَ" والی حدیث انہیں کی سند سے مروی ہے۔(۱)

وہ کہتا ہے کہ جب اس حدیث کو اس زمانہ کے تاریخی حالات کے پس منظر میں دیکھا جاتا ہے تو یہ موضوع معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس وقت دمشق پر عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی اور مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم تھی، فریقین کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے عبدالملک بن مروان نے ایک سال حج کو بھی موقوف کروادیا تھا، اس کے بعد اس کی خواہش یہ تھی کہ حج کے مناسک کو مکہ مکرمہ سے منتقل کر کے شام اور بیت المقدس کی طرف لے آیا جائے، چناں چہ رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے بیت المقدس کی فضیلت سے متعلق احادیث وضع کرائیں، تاکہ رفتہ رفتہ لوگوں کو وہاں کے حج پر آمادہ کیا جاسکے، اس مقصد کے لیے انہوں نے امام زہری رحمہ اللہ کا انتخاب کیا جو عبدالملک کے قاضی تھے اور اس وقت عام علماء کے برخلاف حکومت کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے، غرض امام زہری رحمہ اللہ نے عبدالملک کے کہنے پر احادیث وضع کیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ بیت المقدس کی فضیلت سے متعلق تمام احادیث زہری رحمہ اللہ سے مروی ہیں اور انہوں نے ان احادیث کو ممانعت حج کے فتنہ کے بعد ہی بیان کیا تھا۔

اس پر گولڈزیہر نے دلیل یہ پیش کی کہ بیت المقدس کے فضائل پر جتنی احادیث مروی ہیں وہ تمام امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے ہیں اور زہری رحمہ اللہ نے ان کو ممانعت حج کے فتنہ کے بعد بیان کیا ہے۔

---

(۱) سيأتي تخريجه

گولڈزیہر کے شبہات کا جواب

گولڈزیہر کے اس اعتراض کو علما نے رد کردیا ہے اور اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

پہلا جواب

ثقہ مؤرخین ابن عساکر، طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابن کثیر وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ "قبة الصخرہ" ولید بن عبدالملک نے تعمیر کروایا تھا، نہ عبدالملک نے، ثقہ مؤرخین کی کسی ایک روایت میں گولڈزیہر کے زعم باطل کی طرح ایک بھی روایت ایسی نہیں کہ عبدالملک بن مروان نے "قبة الصخرہ" کی تعمیر کروائی ہوتا کہ لوگ حج کے لیے بیت اللہ جانے کی بجائے یہاں کا رُخ کریں، اگر ایسا ہوا ہوتا تو یقیناً یہ تاریخ اسلامی کا ایک بہت بڑا اور اہم حادثہ ہوتا، اور مؤرخین جنہوں نے اسلام تاریخ کے معمولی واقعات کو بھی قلم بند کرنے سے دریغ نہیں کیا وہ ضرور اس کا تذکرہ کرتے، یہ ایک غیر معقول امر ہے کہ ایک ایسا بڑا اور اہم واقعہ مؤرخین کے سامنے آیا ہو اور انہوں نے اس سے چشم پوشی کرلی ہو، ایسا نہیں ہوسکتا ہے، البتہ علامہ دمیری کی "کتاب الحیوان" کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ اسے عبدالملک نے تعمیر کروایا تھا اور لوگ عرفہ کے دن اس کے پاس کھڑے ہوجایا کرتے تھے، اگر اس بات کو ضعف اور ثقہ مؤرخین کی مخالفت کے باوجود تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس میں اس طرح کا کوئی اشارہ تک نہیں کہ عبدالملک نے لوگوں کو حج سے روکنے کے لیے اسے تعمیر کروایا تھا، البتہ لوگوں کا عرفہ کے دن اس گنبد کے پاس کھڑا ہونا ان کا ذاتی فعل تھا، فقہائے اہل اسلام نے اس مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے، غور فرمائیں کہ ایک چیز کا بیت اللہ کے متبادل کے طور پر تعمیر کروانے اور لوگوں کا عرفہ کے دن اس کے پاس حجاج کی مشابہت میں، بغیر کسی کے کہنے خود سے کھڑا ہونا تاکہ حاجیوں سے مشابہت کی وجہ سے وہ بھی ان کے اجر میں شریک ہوسکیں، ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے، پھر وقوف کا یہ عمل بہت سے بلاد اسلامیہ میں رائج تھا، "قبة الصخرة" کے پاس وقوف پر منحصر نہ تھا، بلکہ لوگ عرفہ کے دن تمام بلاد میں لوگ حجاج سے مشابہت کی غرض سے وقوف کیا کرتے تھے۔(۱)

دوسرا جواب

اس واقعہ کو جس طرح گولڈزیہر نے بیان کیا ہے، وہ صریح البطلان ہے، اس لیے کہ کسی چیز کی تعمیر اس

---

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۳، ۲۰۴

نیت سے کروانا کہ لوگ بیت اللہ کو چھوڑ کر وہاں حج کریں صریح کفر ہے، عبدالملک نے اس صریح کفر کا کیسے ارتکاب کرلیا، حالاں کہ عبدالملک کو کثرت عبادت کی وجہ سے "حمامة المسجد" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، مزید برآں عبدالملک بن مروان کے مخالفین نے ان پر بہت سارے دیگر اعتراضات تو کیے ہیں مگر کسی نے بھی ان کی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی "قبة الصخرہ" کی تعمیر کی وجہ سے ان کو برا بھلا کہا، اگر معترض کی بات میں کسی طرح کی کوئی صداقت ہوتی تو مخالفین سب سے پہلے عبدالملک پر یہ اعتراض کر کے مشہور کر دیتے۔(۱)

تیسرا جواب

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام زہری کی پیدائش ۵۱، یا ۵۲ ہجری میں ہوئی، جب کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ۷۳ ہجری میں پیش آیا، تو گویا امام زہری رحمہ اللہ کی عمر اس وقت علی اختلاف القولین ۲۲، یا ۲۳ سال تھی، تو کیا یہ معقول بات ہے کہ اس وقت امام زہری رحمہ اللہ کو امت میں اتنی شہرت ومقبولیت حاصل ہوگئی تھی کہ مسلمانوں نے ان کی وضع کی ہوئی ایک ایسی حدیث کو قبول کرلیا جس میں وہ کعبہ کی جگہ "قبة الصخرة" بیت المقدس میں حج کی ادائیگی کی دعوت دے رہے ہوں؟!۔(۲)

چوتھا جواب

گولڈ زیہر کے زعم باطل کا چوتھا جواب یہ ہے کہ نصوص تاریخ یقینی طور سے بتلا رہی ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں امام زہری رحمہ اللہ کی نہ تو عبدالملک بن مروان سے شناسائی تھی اور نہ انہیں اس کے بعد دیکھا ہے، علامہ ذہبی اور ابن عساکر کے مطابق امام زہری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے کچھ سال بعد ۸۰، یا ۸۲ ہجری میں پہلی مرتبہ عبدالملک بن مروان سے ملے، اس وقت امام زہری جوان تھے، عبدالملک نے ان کا امتحان لیا، پھر ان کو نصیحت کی کہ وہ انصار کے گھروں میں جا کر علم حاصل کرے، اس تاریخی شہادت کے بعد یہودی مستشرق کا یہ زعم کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اپنے دوست عبدالملک کی خوشنودی کے لیے حدیث بیت المقدس وضع کی تا کہ لوگ عبداللہ بن بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ

---

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۳، ۲۰۴

(۲) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۴

میں وہاں حج کے لیے آئیں؟!۔(۱)

پانچواں جواب

اس متعصب یہودی مستشرق کے زعم باطل کا پانچواں جواب یہ ہے کہ حدیث "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد" صرف امام زہری رحمہ اللہ کا تفرد نہیں، بلکہ کبار محدثین نے ان کے علاوہ دیگر مختلف طرق سے بھی اس کی تخریج فرمائی ہے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کے طریق کے علاوہ اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے، جب کہ امام مسلم نے تین طرق سے اس روایت کو نقل کیا ہے، ایک امام زہری رحمہ اللہ سے دو، ان کے علاوہ جریر عن ابن عمیر عن قزعۃ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ اور ابن وہب عن عبدالحمید بن جعفر عن عمران بن ابی انس عن سلمان الاغر عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل فرمایا ہے۔(۲)

چھٹا جواب

متعصب یہودی کے اعتراض کا چھٹا جواب یہ ہے کہ "لا تشد الرحال إلا ثلاثة مساجد" والی حدیث امام زہری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، اگر امام زہری رحمہ اللہ نے امویین کی خوشنودی کے لیے سعید بن مسیب کی طرف نسبت کر کے یہ حدیث وضع کی ہوتی تو وہ کبھی سکوت اختیار نہ کرتے، حالاں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو امویین نے ضرب وایذا پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جب کہ سعید بن مسیب کا انتقال بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے ۲۰ سال بعد ۹۳ ہجری میں ہوا تھا، تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اتنی طویل مدت اس پر خاموش رہے اور یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ حق بات کو بیان کرنے میں بلند وبالا پہاڑوں سے بھی زیادہ قوت رکھتے تھے اور حق بیان کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے۔

ساتواں جواب

اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عبدالملک بن مروان کی خوشنودی

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰٤

(۲) سيأتي تخريج هذه الطرق

کی خاطر وضع کیا تھا تو پھر بھی معترض کا مقصود حاصل نہ ہوگا، کیوں کہ معترض کے زعم باطل کے مطابق عبدالملک چاہتا تھا کہ لوگ یہاں حج کے لیے آیا کریں، جب کہ اس حدیث میں "قبة الصخرة" کی کسی فضیلت کو صراحت سے بیان نہیں کیا گیا، یہ حدیث اور اس کے علاوہ بیت المقدس سے متعلق دیگر تمام صحیح احادیث کا حاصل یہ ہے کہ بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ہے اور اس کی زیارت کسی معین وقت کی تعیین کے بغیر باعث فضیلت ہے، فی الجملہ اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے بھی ہوتا ہے، اس میں اور معترض کے زعم باطل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔(۱)

آٹھواں جواب

علماء کرام نے حدیث "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد" کی تصحیح کی ہے، اس کا بیت المقدس اور قبۃ الصخرہ کے فضائل میں بیان کی جانے والی جھوٹی روایات سے کوئی تعلق نہیں، اور ان مکذوب روایات میں سے ایک بھی امام زہری رحمہ اللہ سے مروی نہیں، ان روایات پر علماء نے نقد کیا ہے اور فرمایا کہ "کل حدیث في الصخره فهو كذب" یعنی قبۃ الصخرہ کی فضیلت کے بارے میں بیان کی جانے والی تمام روایات جھوٹی ہیں، مزید فرمایا کہ بیت المقدس کی فضیلت کے بارے میں صرف تین حدیثیں صحیح ہیں:

۱- ایک حدیث "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد".(۲)

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۵

(۲) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، عن الزهري في كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة و المدينة، رقم الحدث: ۱۱۸۹، ومسلم في صحيحه عن الزهري وغيره، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، رقم الحديث: ۱۳۹۷، وأبو داؤد في سننه، كتاب المناسك، باب ما جاء في إتيان المدينة، رقم الحديث: ۲۰۳۳، والترمذي في جامعه، أبواب الصلاة، باب ما جاء في أي المساجد أفضل، وقال: هذا حديث حسن صحيح، رقم الحديث: ۳۲۵، ۳۲۶، وابن ماجه في سننه عن الزهري و غيره، كتاب إقامة الصلوات، باب ما جاء في الصلاة في مسجد بيت المقدس، رقم الحديث: ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، والنسائي في سننه عن الزهري، كتاب المساجد [باب] ما تشد الرحال إليه من المساجد، رقم الحديث: ۷۰۱، انظر جامع الأصول: رقم الحديث: ۶۹۹۴، ۹۸۹۵، ۹۸۹۴، راجع تحفة الأشراف، رقم: ۱۳۱۳۰، ۱۳۲۸۳

۲-دوسری حدیث"سئل عن أول بيت وضع في الأرض،قال:" المسجد الحرام"، قيل :ثم ماذا؟، فقال: "المسجد الأقصیٰ".(۱)

۳-تیسری حدیث"إن الصلاة فيه تعدل سبعمائة صلاة في غيره".(۲)

احادیث کی اپنی طرف نسبت کی اجازت دینے کا شبہ

گولڈزیہر یہودی مستشرق نے امام زہری رحمہ اللہ پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ وہ اپنی طرف نسبت کر کے ہر طرح کی احادیث بیان کرنے کی اجازت دیا کرتے تھے، چناں چہ ابراہیم بن ولید اموی ایک صحیفہ احادیث لے کر امام زہری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ان کو سماع کی بنیاد پر انہیں نشر کرنے کی اجازت دیں، تو امام زہری رحمہ اللہ نے بغیر کسی تردد کے اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "من يستطيع أن يجيزك بها"؟ یعنی میرے علاوہ کون تمہیں اس کی اجازت دینے کی ہمت کر سکتا، گویا اس طرح ابراہیم اموی صحیفہ میں لکھی ہوئی ان احادیث کو مرویات زہری رحمہ اللہ قرار دے کر روایت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پہلا جواب

اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے ابراہیم کے سماع کی صراحت کی ہے، تو گویا اس صحیفہ کو پیش کرنا ابراہیم کا اپنے شیخ امام زہری رحمہ اللہ سے سنی ہوئی احادیث ہی کو پیش کر کے اجازت طلب کرنے کے قبیل سے ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اسے "مناولة" کہتے ہیں، ابن صلاح

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب أحاديث الأنبياء،باب،رقم الحديث:٣٣٦٦،وباب قول اللّٰه تعالىٰ:﴿ووهبنا لداوٗد سليمٰن نعم العبد انه اوّاب﴾(ص:٣٠)،رقم الحديث:٤٣٢٥،ومسلم في صحيحه،كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث:٥٢٠، والنسائي في سننه،كتاب المساجد، ذكر أي مسجد وضع أولاً،رقم الحديث:٦٩١،انظر جامع الأصول،رقم الحديث:٦٨٨١

(٢) باب فضل بيت المقدس، والصخرة، وعسقلان، وقزوين: ١٥٣/١، جنة المرتاب بنقد المغني عن الحفظ والكتاب للشيخ أبي حفص عمر بن بدر الموصلي، تصنيف أبو اسحٰق الحويني، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤١٤ھ، ١٩٩٤م.

نے اپنے مقدمہ میں "أنواع تحمل الحديث" کے تحت لکھا ہے کہ شاگرد اپنے شیخ کی خدمت میں کوئی ایسی کتاب پیش کرے جو اس نے شیخ سے سن رکھی ہے، تو اس صحیفہ کا جائزہ لینے اور تأمل کے بعد اگر فرمائے کہ اسے تم میری طرف منسوب کر کے بیان کر سکتے ہو، اس کو "عرض المناولة" کہا جاتا ہے، امام حاکم نے فرمایا کہ بہت سارے متقدمین کے نزدیک "مناولہ" بھی سماع ہے، امام زہری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مالک، امام ربیعہ، یحیٰ بن سعید، مجاہد اور سفیان رحمہم اللہ وغیرہ سے یہی حکایت کی گئی ہے۔(۱)

مناولہ کی مثال

ایوب کہتے ہیں کہ ہم امام زہری رحمہ اللہ کی خدمت علم پیش کیا کرتے تھے، عبید اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام زہری رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک کتاب لے آیا، انہوں نے اس کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں اس روایت کی اجازت دیتا ہوں، امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد بکثرت اس طرح کتاب پیش کر کے اجازت لیا کرتے تھے اور امام زہری رحمہ اللہ پیش کی گئی کتاب کا جائزہ لینے کے بعد اس کی اجازت دیا کرتے تھے، لہٰذا ابراہیم بن ولید اموی کا واقعہ بھی یقیناً اسی قبیل سے ہوگا، جیسا کہ ابن عساکر کی روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، باقی رہی یہ بات کہ ابراہیم نے اپنی طرف سے کچھ احادیث گھڑ کر صحیفہ مدون کیا، پھر امام زہری رحمہ اللہ سے ان کی روایت کی اجازت طلب کی اور امام زہری نے اس کی اجازت دی ہو، تو یہ امام زہری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر امام سے مستحیل ہے، جن کی امانت، صدق اور ضبط پوری امت مسلمہ میں معروف ہے۔(۲)

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ معترض نے یہاں تحریف سے کام لیا ہے، امام زہری رحمہ اللہ کا اصل قول جسے ابن عساکر نے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "من يجيزك بها غيري؟" اور اس میں کسی اشکال کی بات نہیں، کیوں کہ امام زہری رحمہ اللہ کے علاوہ اپنے شاگرد ابراہیم کو ان احادیث کی جو انہوں نے صرف زہری سے سنی ہوئی تھیں اور کون اجازت دے سکتا تھا، یہ بات بھی کئی محدثین سے مروی ہے کہ اگر امام زہری رحمہ اللہ نہ ہوتے تو بہت ساری احادیث نقل ہونے سے رہ جاتیں، خود امام مسلم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں

(۱) مقدمة ابن الصلاح، ص: ۷۹، اختصار علوم الحديث، ص: ۱۴۱

(۲) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۶

نے [۹۰] نوے احادیث ایسی روایت کی ہیں جو صرف امام زہری سے مروی ہیں، تو اس بنیاد پر امام زہری رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے علاوہ اور کس کو ان احادیث کا علم ہے کہ وہ تمہیں ان کی اجازت دیں؟! اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے علاوہ کوئی تمہیں وضع حدیث کی اجازت دینے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

تیسرا جواب

معترض نے جس ابراہیم بن ولید اموی کے واقعہ کو بنیاد بنا کر اعتراض کیا ہے، اس سے محدثین نے کوئی روایت بھی نقل نہیں کی ہے، اور نہ ہی جرح وتعدیل کی کتابوں میں ان کا کوئی تذکرہ ہے، نہ ثقات میں اور نہ ہی ضعفاء میں، تو پھر وہ احادیث کہاں ہیں جن کے بیان کرنے کی امام زہری رحمہ اللہ نے اجازت دی تھی، حدیث کی کون سی کتاب میں ہیں؟ اور کس نے انہیں نقل کیا ہے؟ وہ صحیفہ کہاں گم ہوگیا کہ تاریخ کی کسی کتاب میں بھی اب وہ موجود نہیں؟!۔(۱)

کتابت حدیث پر مجبور کرنے کا شبہ

گولڈزیہر نے امام زہری رحمہ اللہ کے قول: "إن هؤلاء الأمراء أكرهونا على كتابة أحاديث" (یعنی ان امراء نے ہمیں احادیث کی کتابت پر مجبور کیا) سے یہ اعتراض کشید کیا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اس میں یہ خطرناک اعتراف کیا ہے کہ وہ امراء کے مجبور کرنے سے احادیث لکھا کرتے تھے، گویا انہوں نے امت میں اپنی مسلمہ شہرت کی بناء پر بنواُمیہ کے حکمرانوں کی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔

جواب

امام زہری رحمہ اللہ کی سچائی اور جرأت کے دو واقعات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ وہ حکام کی خواہشات کو پورا کرنے سے کتنا دور تھے، اور ان تاریخی واقعات سے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں جو بنواُمیہ کے حکمرانوں کی امنگوں کو پورا کرنے پر آمادہ تھے، باقی رہی بات امام زہری رحمہ اللہ کے قول کی تو معترض نے اس کا ایک ٹکڑا پیش کرکے قصداً اس سے بالکل برعکس مفہوم اخذ کیا ہے، صحیح اور پورا واقعہ جسے ابن عساکر رحمہ اللہ اور ابن سعد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، وہ یوں ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ لوگوں کو

---

(۱) المرجع السابق، ص: ۲۰۷

احادیث کا املاء نہیں لکھوایا کرتے تھے، بلکہ زبانی بیان کیا کرتے تھے، تا کہ لوگ انہیں یادرکھنے میں اپنی قوت حافظہ کو بروئے کار لائیں، صرف کتابت حدیث پر اکتفا نہ کریں، ہشام بن عبدالملک نے اصرار کیا کہ امام زہری رحمہ اللہ ان کے بیٹے کو کچھ احادیث املا کروائیں تا کہ ان کے حافظ کا امتحان لے سکیں، چناں چہ اس اصرار پر امام زہری رحمہ اللہ نے ان کے بیٹے کو چار سو حدیثیں املا کروادیں، پھر ہشام کے پاس سے واپس آئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے بلند آواز سے فرمایا: "يا أيها الناس إنا كنا منعناكم أمراً، قد بذلنا الآن لهؤلاء، وإن هؤلاء الأمراء أكرهونا على كتابة الأحاديث" فتعالوا أحدثكم بها، فحدثهم بالأربعمائة الحديث" یعنی اے لوگو! ہم نے تمہیں حدیث کے املاء سے منع کیا تھا، اب ہم نے خود املاء کروادیا ہے، اور ان امراء نے ہمیں املاء کروانے کے چند احادیث کی کتابت پر مجبور کیا ہے، لہٰذا آجاؤ کہ تمہیں بھی وہ چند حدیثیں سناؤں، چناں چہ پھر ان چار سو حدیثوں کو بیان کیا۔

یہ ہے امام زہری کے قول کی صحیح تاریخی روایت کہ جس سے اس مستشرق نے اپنی مرضی کا اعتراض اور شبہ پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے، غور فرمائیں کہ اصل واقعہ اور معترض کے بیان کردہ اعتراض میں کتنا فرق ہے کہ مؤرخین تو "الاحادیث" کہہ کر صرف چار سو حدیثوں کا ایک مخصوص واقعہ جس میں املا کا تذکرہ ہے بیان کر رہے ہیں، جب کہ معترض نے اس کو "أحادیث" کہہ کر مطلقاً تمام احادیث کی وضع پر محمول کرلیا ہے کیا یہ کوئی امانت علمی ہے کہ الأحادیث سے الف لام کو حذف کر کے "أحادیث" بنایا جائے اور پھر قول کو اس کے پس منظر سے علیحدہ کر کے اپنی مرضی کا اعتراض کشید کیا جائے اور امام زہری رحمہ اللہ کی فضیلت و منقبت پر مشتمل واقعہ سے ان پر امراء کی خاطر وضع حدیث کا الزام لگایا جائے، حالاں کہ اصل روایت ہمیں بتلا رہی ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ اس بات پر بھی راضی نہ رہے کہ ایک عمل جس سے عامۃ المسلمین کو منع کیا تھا اب امراء کے اصرار پر اس کو انجام دیا ہے تو پھر کیوں عامۃ المسلمین کو اس سے محروم رکھا جائے، چناں چہ پھر لوگوں کو باقاعدہ وہ چار سو حدیثیں املاء کروائیں، یہ ہے امام زہری کا اخلاص، دیانت وثقاہت، جس کو اس مستشرق کی "علمی امانت" نے امراء کے لیے وضع حدیث کے الزام میں تبدیل کر دیا۔(۱) فشتان بينهما.

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۷، ۲۰۸

اموی حکمرانوں کے پاس آمدورفت کا شبہ

مستشرق گولڈزیہر نے امام زہری رحمہ اللہ پر ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ وہ حکومت وقت کے ساتھ کام کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور اموی حکمرانوں کے پاس ان کے محلات میں آمدورفت سے اجتناب نہیں کرتے، بلکہ بکثرت سلطان کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

جواب

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ علمائے سلف کا خلفاء وامراء کی مجالس میں کسی دینی ضرورت کی وجہ سے آمدورفت سے ان کی امانت ودیانت پر کوئی طعن نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلفاء کی خواہشات کے سامنے بے دست وپا تھے، امام زہری رحمہ اللہ اور بنواُمیہ کے خلفاء کے درمیان تعلق دنیا اور اس کی معمولی چیزوں کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ ان کا تعلق ان علماء کی طرح تھا جن کو اپنے علم اور دین کی وجہ سے عزت ومرتبہ حاصل تھا، امام زہری رحمہ اللہ کبھی بھی کسی حق بات کے کہنے میں سلطان کے روبرو خوف نہیں کھایا کرتے تھے۔

قدیم زمانہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اموی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اور تابعین دیگر اموی خلفاء کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ خلیفہ منصور کے پاس آیا کرتے تھے، جب کہ امام ابویوسف کا تو ہارون الرشید سے گہرا تعلق تھا، اس کے باوجود کسی نے بھی ان حضرات کو محض خلفاء سے تعلق اور آمدورفت کی وجہ سے مطعون نہیں کیا اور نہ ہی سلاطین سے میل ملاپ اور مجالست کی وجہ سے ان کو مرتبہ عدالت سے گرایا۔(۱)

حجاج کی معیت میں حج کا الزام

گولڈزیہر نے امام زہری رحمہ اللہ سے متنفر کرنے اور ان کے قلت تدین کو ثابت کرنے کے لیے ان پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے حج کے لیے حجاج کی معیت اختیار کی تھی۔

جواب

یہ بھی الزام محض کے سوا کچھ نہیں، امام زہری رحمہ اللہ نے حج کے لیے ہرگز بھی حجاج کی معیت کو اختیار

(۱) المرجع السابق، ص: ۲۰۸

نہیں کیا، بلکہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے، جب حج کے موقع پر ان کی حجاج سے ملاقات ہوئی تھی، چناں چہ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو حکم دیا تھا کہ وہ مناسک حج میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرے، چناں چہ حجاج نے عرفہ کے دن ان سے گزارش کی تھی کہ جب ان کے جانے کا ارادہ ہو تو اطلاع فرمادیں، امام زہری کہتے ہیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سالم روانہ ہوئے تو میں ان دونوں حضرات کے ساتھ تھا، میں اس وقت روزہ سے تھا اس لیے گرمی کی شدت بہت محسوس ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں امام زہری رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت تھے، نہ کہ انہوں نے حجاج کی معیت میں حج کیا۔(۱)

اولاد ہشام کی تربیت کا الزام

گولڈزیہر نے امام زہری رحمہ اللہ پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا ہے کہ ہشام نے ان کو اپنے ولی عہد کا مربی مقرر کیا تھا۔

جواب

یہ اعتراض بھی گولڈزیہر کی تاریخ سے جہالت کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ ہشام کا اپنا بیٹا اس کا ولی عہد نہیں تھا، بلکہ اس کے بھائی ولید کا بیٹا اس کا ولی عہد تھا، جیسا کہ اس کے بھائی یزید بن عبدالملک نے اس کی وصیت کی تھی، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہشام نے جب حج کیا تو اس وقت امام زہری رحمہ اللہ کو اپنے بچوں کا مربی مقرر کیا تھا، اس کے علاوہ کی کوئی بات امام زہری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا تاریخی غلطی ہے۔

مزید برآں! انہیں معلوم کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اگر ہشام کے بچوں کی تربیت کی تو اس سے ان پر کیا الزام عائد ہوتا ہے؟! کیا یہ بہتر نہیں کہ ان کے تربیت کی ذمہ داری کسی بدچلن، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان کی جگہ امام زہری رحمہ اللہ نے انجام دی، اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہشام کے بچوں نے اسلام کی نشر و اشاعت میں بڑا کردار ادا کیا اور بلاد روم میں بہت سارے غزوات لڑے، کیا اس سب کا سہرا ان کے شیخ امام زہری کے سر نہیں سجتا؟ خاص کر جب مؤرخین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ خود بھی ایک

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۸

جلیل القدر مجاہد تھے، ایک مرتبہ شام غزوہ کی غرض سے تشریف لائے تو مجاہدین والا لباس پہنا ہوا تھا۔(۱)

عہدہ قضاء قبول کرنے پر اعتراض

اپنے ترکش کے تمام تیر آزمانے کے بعد اخیر میں گولڈزیہر نے امام زہری رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے یزید ثانی کے عہد میں قضاء کا عہدہ قبول کیا تھا، اگر وہ پرہیزگار اور متقی عالم تھے تو انہیں امام شعبی اور دیگر صلحاء کی طرح اس سے دور بھاگنا چاہیے تھا۔

جواب

کیا کوئی بھی عقل سلیم والا شخص اس اعتراض کو صحیح تسلیم کرے گا؟! کیوں کہ آج تک کسی نے بھی منصب قضا کو باعث جرح اور عدالت میں تہمت کا سبب نہیں سمجھا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہ وغیرہ کو قاضی بنایا اور بہت سارے تابعین عظام بنواُمیہ وغیرہ کے قاضی بنے، امام شریح، ابوادریس خولانی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود وغیرہ رحمہم اللہ اور دیگر بہت سارے اکابر بنواُمیہ کے زمانہ حکومت میں قاضی رہے ہیں، جب کہ ان میں بعض حجاج کے زمانہ میں قاضی مقرر ہوئے، لیکن کسی نے بھی ان کو اس پر متہم نہیں کیا، باقی رہی بات امام شعبی کی کہ انہوں نے قضاء سے راہ فرار اختیار کی تھی، تو اس میں بھی مغالطہ سے کام لیا گیا ہے، اس لیے کہ حقیقت یہ ہے کہ ابن اشعث کے فتنہ کے ٹھنڈا پڑ جانے کے بعد حجاج کے زمانہ میں امام شعبی یزید بن عبدالملک کے قاضی مقرر ہوئے تھے، معترض امام شعبی کے اس بعد والے عمل سے کیوں تجاہل برت رہا ہے، حالانکہ یہ زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

باقی رہی بات اس کے اس زعم باطل کی کہ اتقیا وصلحا عہدہ قضاء کی قبولیت سے احتراز کرتے اور اسے سقوط عدالت کا باعث سمجھتے تھے، اس پر دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں: "من ولي القضاء أو جُعل قاضياً، فقد ذبح بغير سكين"(۲) یعنی جو قاضی بنا، یا اسے قاضی بنایا گیا تو البتہ وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

---

(۱) المرجع السابق، ص: ۲۰۹

(۲) والحديث أخرجه أبوداود في سننه، كتاب القضاء، باب في طلب القضاء، رقم الحديث: ۳۵۷۱، ۳۵۷۲، والترمذي في جامعه، وقال: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، أبواب الأحكام، باب ماجاء =

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلاف سے منقول یہ بات خلاف واقع ہے، اس لیے کہ اسلاف نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ظالم وجابر حکمرانوں کی طرف سے عہدہ قضا کو قبول کرنا بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اور حدیث کا مطلب یہ کہ اس میں قاضی کو اس بات پر اُبھارا گیا ہے کہ خود عہدہ قضاء کا طالب نہ بنے، ہاں اگر قاضی بنا دیا جائے تو پھر عدل سے کام لے۔

حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ نے سلطان جائر کی طرف سے قاضی بنائے جانے کے جواز کو صراحت سے بیان کیا ہے۔(۱)

ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ ولایت قضا فرض کفایہ ہے، اگر حاکم وقت نے تمام لوگوں کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی اور کسی ایک نے قبول نہ کیا تو سب گناہ گار ہوں گے۔(۲)

ابن فرحون نے "تبصرة الحكام" میں لکھا کہ وہ تمام احادیث جن میں قضاء کے بارے میں تخویف اور وعید وارد ہوئی ہے تو وہ ظالم قاضیوں کے بارے میں اور ان جاہلوں کے بارے میں ہے جو بغیر علم کے اس منصب کو قبول کرتے ہیں، تو ان دو قسموں کے بارے میں وعید آئی ہے (نہ کہ مطلقاً)۔(۳)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ ویسا نہیں جس طرح گولڈ زیہر نے اس کی منظر کشی کی ہے کہ قبولیت قضا عدالت کو ساقط کرتی ہے، بلکہ یہ ایک عظیم شرف ہے، اللہ کے نازل کردہ احکام کے ذریعہ لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نیابت کا معاملہ ہی اس کی شرافت وفضیلت کے لیے کافی ہے، البتہ بعض اسلاف نے قبولیت قضا سے فرار بھی اختیار کیا اور اس بارے میں مختلف النوع تکالیف کو بھی برداشت کیا، لیکن یہ سب اس وجہ سے نہیں کیا کہ اس سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے یا یہ جرح کا باعث ہے، بلکہ یہ صرف اور صرف ورع اور زہد کی وجہ سے تھا، تاکہ جب وہ اللہ سے ملاقات کریں تو ان پر لوگوں کے معاملات کی کوئی ذمہ داری نہ ہو۔

= عن رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ في القاضي، رقم الحديث: ١٣٢٥

(١) الهداية مع فتح القدير: ٦/٣٦٤

(٢) شرح ابن العربي على سنن الترمذي: ٦/٦٦

(٣) تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام: ١/١٠٠٩

ابن العربی رحمہ اللہ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہدہ قضاء قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آدمی جو نیک اعمال انجام دیتا ہے اس کے بارے میں اسے خوف رہنا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ اس عمل کو انجام دینے میں کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہو، اور عمل کو ان چیزوں سے بچانا چاہیے جن سے وہ عدم قبولیت کا شکار ہوجاتا ہے، یہ تو ان طاعات کے بارے میں جو صرف بندہ کی اپنی ذات کے ساتھ خاص ہیں، تو پھر کیا خیال ہے ان اعمال کے بارے میں جو حقوق الناس سے متعلق ہوں اور بندہ ان میں مبتلا ہو، لہٰذا تقصیر کا خوف اور عمل کو عدم قبولیت کے اسباب سے بچانا اس میں پہلے والے سے زیادہ ہونا چاہیے۔

الحاصل اس ساری تفصیل سے گولڈ زیہر یہودی مستشرق کے امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں اٹھائے گئے تمام اعتراضات وشبہات کے بارے میں سیر حاصل بحث آگئی ہے کہ جس میں گولڈ زیہر نے یہ کوشش کی تھی ان اتہامات واباطیل کے ذریعہ امام زہری رحمہ اللہ کی ثقاہت کو ختم کرے، تاکہ تمام کتبِ حدیث پر سے اعتماد اُٹھ جائے، اگر بالفرض اس کے ان دعاوی کو تسلیم کرلیا جاتا تو یقیناً ذخیرہ حدیث سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ جاتا، لیکن الحمدللہ! گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی تفصیل سے ان تمام شبہات واباطیل کی حقیقت واضح ہوگئی کہ ان کی حیثیت تارِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔ (۱)

حدیث میں ادراج کی بحث (۲)

امام زہری رحمہ اللہ کی توثیق پر ائمہ کا اتفاق ہے، آپ بڑے پایہ کے محدث وفاضل تھے، لیکن ادراج

---

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، ص: ۲۰۹، ۲۱۰

(۲) ادراج ایک چیز کو دوسری میں داخل کرنے اور ضم کرنے کو کہتے ہیں، علمائے حدیث کی اصطلاح میں "مُدرَج" اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سیاق سند کو بدل دیا گیا ہو، یا بغیر فصل کے غیر حدیث کو حدیث کے متن میں داخل کردیا گیا ہو، مُدرج کی دو قسمیں ہیں:

۱- مُدرَجُ الإسناد، ۲- مُدرَج المتن. مُدرج الإسناد کی علماء نے متعدد صورتیں بیان فرمائیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- راوی ایک حدیث کو محدثین کی ایک ایسی جماعت سے سنے جن کی سندیں مختلف ہوں، پھر وہ ان کے اختلاف سند کو بیان کیے بغیر اس حدیث کو ان سب سے ایک ہی سند کے ساتھ روایت کرے۔

۲- راوی ایک حدیث کا متن کسی سند سے نقل کرے سوائے اس کے کسی جز کے، کہ وہ دوسری سند سے نقل کرے، پھر =

فی الحدیث میں بھی شہرت رکھتے تھے، حدیث بیان کرتے کرتے درمیان میں اپنی رائے داخل کیا کرتے اور بسا اوقات اس کی وضاحت نہیں کرتے، جس سے ان کے ادراج کردہ الفاظ کو بھی حدیث کا حصہ سمجھا جاتا ہے،

= ایک اور راوی ان سے وہ دونوں حصے جو الگ الگ سندوں کے ساتھ تھے، ان کو ملا کر ایک ہی سند سے روایت کرے، یا دو حدیثیں جو الگ الگ سند سے مروی ہوں، ان کو ایک ہی سند میں جمع کر کے روایت کرے۔

۳- محدث حدیث بیان کرنے کے لیے کسی حدیث کی سند بیان کرے، پھر کسی عارض کے لاحق ہونے سے اپنی طرف سے کوئی بات کہے، سامعین میں سے بعض محدث کے اس ذاتی کلام کو اس بیان کردہ سند کا متن سمجھ کر نقل کر دیں۔

اس کو ابن صلاح رحمہ اللہ نے شبہ وضع میں شمار کیا ہے، جب کہ بعض علماء اسے بھی موضوع ہی شمار کرتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو مدرج میں شمار کیا ہے، اور یہ اولیٰ ہے، کیوں کہ اس میں ادراج کا معنی اظہر ہے۔

مُدرج المتن کی تین قسمیں ہیں:

۱- اول حدیث میں ادراج ہو، یہ عام طور سے قلیل ہے، لیکن وسطِ حدیث میں ادراج کی بنسبت زیادہ ہے۔

۲- وسطِ حدیث میں ادراج کیا گیا ہو، یہ اول سے اقل ہے۔

۳- آخر حدیث میں ادراج کیا گیا ہو، اور یہ غالب ہے۔

دواعی ادراج

دواعی ادراج متعدد ہیں، چند مشہور یہ ہیں:

۱- کسی چیز کا حکم شرعی بیان کرنا مقصود ہو۔

۲- اتمامِ حدیث سے پہلے ہی حدیث سے کسی حکم شرعی کا استنباط مقصود ہو۔

۳- حدیث میں وارد کسی لفظِ غریب کی شرح مقصود ہو۔

ادراکِ ادراج کا طریقہ

ادراج کا ادراک درج ذیل امور سے کیا جا سکتا ہے:

۱- وہ روایت "کلام مُدرج" سے منفصل ہو کر دوسرے طریق سے دوسری جگہ مروی ہو۔

۲- ادراج سے واقفیت رکھنے والے ائمہ ومحدثین نے اس کی صراحت فرمائی ہو۔

۳- راوی خود یہ اقرار کرے کہ اس نے فلاں کلام کا ادراج کیا ہے۔

۴- کوئی ایسی بات ہو جس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا محال ہو۔ (تعليقات أستاذنا المكرم العلامة البحاثة الشيخ نور البشر -حفظه الله ورعاه على خير الأصول في حديث الرسول للعلامة المحدث الفقيه الشيخ خير محمد الجالندهري رحمه الله، ص: ٤٥-٤٧)

چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زہری کی اس عادت کے بارے میں "النکت علی ابن الصلاح" میں لکھا ہے:

"كان الزهري يفسر الأحاديث وربما أسقط أداة التفسير فكان بعض أقرانه دائماً يقول له: افصل كلامك من كلام النبي صلى الله عليه وسلم".(۱)

یعنی زہری احادیث کی تفسیر کرتے اور بسا اوقات اس مفسرانہ کلام کے (حروف) تفسیر کو ساقط کردیتے تھے، ان کے بعض معاصر (امام ربیعۃ الرای) ہمیشہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے تفسیری کلمات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے جدا کرکے بیان کیا کرو۔

خود امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاریخ الکبیر" میں ابوعثمان ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن کے حالات میں عبدالعزیز کے واسطہ سے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"كان ربيعة يقول لابن شهاب: إن حالتي ليس تشبه حالك، أنا أقول برأي، من شاء أخذ، وأنت تحدث عن النبي صلى الله غليه وسلم، فتحفّظ".(۲)

یعنی امام ربیعہ ابن شہاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میری حالت تمہاری حالت کے مشابہ نہیں، میں تو اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں، جس نے چاہا اس پر عمل کیا، جب کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہو، تو خوب احتیاط برتو۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی امام مالک رحمہ اللہ سے امام ربیعہ کا مذکورہ قول نقل کیا ہے کہ امام ربیعہ رحمہ اللہ زہری سے کہا کرتے تھے کہ میری اور تمہاری حالت ایک جیسی نہیں، امام مالک کہتے ہیں: انہوں نے کہا: وہ کیسے؟ تو امام ربیعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں، جس نے چاہا عمل کیا اور جس نے چاہا اسے

---

(۱) تحت النوع العشرون: المدرج، ص: ۳۵۳

(۲) التاريخ الكبير: ۲۸٦/۳، ۲۸۷، رقم الترجمة: ۹۷٦

ترک کردیا، جب کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کو نقل کرتے ہو، اسے محفوظ کیا جاتا ہے۔(۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ امام لیث رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"قال ربيعة لابن شهاب: يا أبابكر! إذا حدّثت الناس برأيك فأخبرهم بأنه رأيك، وإذا حدّثت الناس بشيء من السُّنّة فأخبرهم أنّه سُنّةٌ لايظنون أنّه رأيك".(۲)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے بھی "فتح المغيث شرح ألفية الحديث" میں امام زہری رحمہ اللہ کے "ادراج" اور امام ربیعہ کا ان کی اس سے باز رہنے کی فہمائش کو نقل فرمایا ہے۔(۳)

ابن شہاب، زہری رحمہ اللہ کے ادراج فی الروایۃ کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، اکابر علمائے سلف میں امام دارقطنی رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، امام ابوبکر حازمی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ وغیرہ نے امام زہری کے ادراج فی الحدیث کو صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔(۴)

روایات فدک میں ادراج

مطالبہ فدک و خُمسِ خیبر وغیرہ کی روایات میں جہاں کہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درمیان کشیدگی و رنجیدگی کے الفاظ، مثلاً غضب ناک ہونا، ہجران، عدمِ تکلم، عدمِ اطلاع وفات فاطمہ وغیرہ مروی ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں کل چھتیس [۳۶] طرق سے روایات وارد ہوئی ہیں، ان میں سے پچیس [۲۵] طرق کا دارومدار "زہری" پر ہے اور گیارہ [۱۱] طرق زہری کے علاوہ دیگر راویوں سے مروی ہیں، ابن شہاب زہری کے علاوہ جو دیگر گیارہ طرق ہیں، ان میں مذکورہ بالا ناراضگی والے الفاظ اور حضرت ابوبکر

(۱) تاريخ الإسلام: ۶۷۴/۳، تحت ترجمة ربيعة الرائي، رقم الترجمة: ۲۳۶۳

(۲) كتاب الفقيه والمتفقه، باب ذكر أخلاق الفقيه وآدابه ومايلزمه استعماله مع تلامذته وأصحابه، ص: ۱۴۸

(۳) ۲۰۷/۱، تحت بحث المدرج

(۴) رحماء بينهم: ۱۵۱/۱

صدیق رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کا ذکر نہیں، یہ صرف زہری کے سولہ [۱٦] طرق میں مذکور ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ زہری کی طرف سے ادراج ہے، (۱) ورنہ ان کے علاوہ جن گیارہ [۱۱] طرق سے یہ قصہ منقول ہے، ان میں سے کسی ایک میں بھی تو اس کا ذکر ہوتا!!۔ (۲)

شرح حدیث

كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله عليه وسلم من إناء واحد من قدح يقال له الفرق

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں مل کر) ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے، جسے فرق کہا جاتا ہے۔

والنبي

حدیث شریف میں موجود لفظ "النبي" کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا اور ضمیر مرفوع پر عطف کی وجہ سے مرفوع پڑھا جائے گا۔ (۳)

اغتسل کے بعد "أنا" ضمیر منفصل لائے تا کہ اسم ظاہر کا عطف اس پر کیا جا سکے۔ (۴)

---

(۱) واضح رہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کی جلالت شان کے باوجود ان کے یہ "ادراجات" شرعاً غیر معتبر ہیں، کیوں کہ ادراج اگر کسی حکم شرعی کے بیان، یا استنباط کے لیے ہو، یا کسی لفظِ غریب کی شرح و وضاحت کے لیے ہو تو جائز ہے، اس کے علاوہ ادراج چاہے کسی غرض سے بھی ہو وہ فقہاء و محدثین کے نزدیک بالاجماع حرام ہے۔

حكم الإدراج: "الإدراج حرام بإجماع العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم، ويستثنىٰ من ذلك ما كان لتفسير غريب، فإنه غير ممنوع ولذلك فعله الزهري وغيره من الأئمة". (تعليقات أستاذنا المكرم العلامة البحاثة الشيخ نور البشر حفظه الله ورعاه علىٰ خير الأصول في حديث الرسول للعلامة المحدث الفقيه الشيخ خير محمد الجالندهري رحمه الله، ص: ٤٧)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، رحماء بينهم: ١/ ١٣٦-١٥١، كشف الباري، كتاب المغازي، ص: ٤٥٨، ٤٥٩

(۳) دیکھیے: شرح الكرماني: ٣/ ١١٣، فتح الباري: ٢/ ٤٧٩، تحفة الباري: ١/ ٢١٩

(٤) عمدة القاري: ٣/ ٢٩٠، شرح الطيبي: ٢/ ٨٥

اشکال

باقی رہی یہ بات کہ لفظ "النبي" کو اگر معطوف قرار دیا جائے ضمیر مرفوع پر تو تقدیری عبارت یوں ہوگی: أغتسل أنا والنبي (صیغہ متکلم کے ساتھ) جب کہ یہ ترکیب درست نہیں، اس لیے کہ اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے تو اس کے لیے متکلم کا صیغہ (أغتسل) لانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔(۱)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تغلیب المتکلم علی الغائب کے قبیل سے ہے اور یہاں یغتسل عامل مقدر ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی: أغتسل ویغتسل النبي". لہٰذا "النبي" کا عطف ما قبل پر درست ہے۔(۲)

اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: ﴿أسكن أنت وزوجك الجنة﴾. (۳)

---

(۱) شرح الكرماني على صحيح البخاري: ۱۱۳/۳، عمدة القاري: ۲۹۰/۳، تحفة الباري: ۲۱۹/۱، شرح الطيبي على مشكاة المصابيح: ۸۵/۲

(۲) دیکھیے: شرح الكرماني: ۱۱۳/۳، عمدة القاري: ۲۹۰/۲، فتح الباري: ۴۷۹/۱، تحفة الباري: ۲۱۹/۱

(۳) البقرة: ۳۵، والأعراف: ۱۹، قال العلامة أبو الفضل شهاب الدين السيد محمود الألوسي رحمه الله في تفسير هذه الآية:

"(أنت) توكيد للمستكن في (اسكن) والمقصد منه بالذات صحة العطف، إذ لولاه لزم العطف على الضمير المتصل بلا فصل، وهو ممتنع في الفصيح على الصحيح، وإفادة تقرير المتبوع مقصودة تبعاً، وصحّ العطف مع أن المعطوف لا يباشره فعل الأمر، لأنه وقع تابعاً، ويغتفر فيه مالا يغتفر في المتبوع، وقيل هناك تغليبان: تغليب المخاطب على الغائب والمذكر على المؤنث ...... وللتخلص عن ذلك قيل: إنه معطوف بتقدير فليسكن، وفيه أنه حينئذ يكون من عطف الجملة على الجملة فلا وجه للتأكيد". (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: ۲۳۴/۱)

آیت مبارکہ میں "زوجك" (اسم ظاہر جو غائب کے حکم میں ہے) کا عطف أنت مخاطب پر کیا گیا ہے اور یہ تغلیب المخاطب علی الغائب کے قبیل سے ہے، اس کی تقدیری عبارت "أسكن أنت ويسكن زوجك الجنة" ہے۔(۱)

دوسرا اشکال

اگر کوئی یہ کہے کہ آیت مبارکہ میں تغلیب المخاطب علی الغائب سے تو یہ بتانا مقصود ہے کہ سکنیٰ جنت میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اصل اور حضرت حوا علیہا الصلاۃ والسلام ان کے تابع ہیں، تو زیر بحث حدیث میں تغلیب المتکلم علی الغائب کا کیا فائدہ ہے؟۔(۲)

جواب

اس بات کا جواب شراح حدیث نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں تغلیب المتکلم علی الغائب سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ عورتیں ہی محل شہوت ہیں اور وہیں غسل کا سبب اور باعث بنتی ہیں، تو گویا وہ (عورتیں) غسل کے باب میں اصل اور مردان کے تابع ہیں۔(۳)

علامہ کورانی کی توجیہ

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے تغلیب کی توجیہ کو خبط قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، اس میں تغلیب کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مزید یہ کہ جب ہم فعل مذکور (أغتسل) کی مناسبت سے والنبي کے لیے دوسرا فعل (يغتسل) مقدر مان رہے ہیں تو پھر تغلیب کا اعتبار غیر معقول امر ہے۔(۴)

---

(١) دیکھیے: شرح الكرماني: ۱۱۳/۳، عمدة القاري: ۲۹۰/۳، تحفة الباري: ۲۱۹/۱، شرح الطيبي: ۸۵/۲

(٢) شرح الكرماني: ۱۱۳/۳، عمدة القاري: ۲۹۰/۳، شرح الطيبي: ۸۵/۲

(٣) تحفة الباري: ۲۱۹/۱، شرح الكرماني: ۱۱۳/۳، عمدة القاري: ۲۹۱/۳، شرح الطيبي على مشكاة المصابيح: ۸۵/۲

(٤) الكوثر الجاري: ٤٠٨/١، ٤٠٩

تیسرا اشکال

علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ نے یہاں ایک اور اعتراض بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث کی یوں بھی تقدیر بیان کی جاسکتی ہے: أغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء مشترك بيني وبينه فيبادرني ويغتسل ببعضه ويترك لي مابقي، فأغتسل أنا منه".

(یعنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشترکہ برتن سے غسل کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہل فرماتے اور کچھ پانی سے غسل فرماتے اور باقی ماندہ میرے لیے چھوڑ دیتے تو میں اس سے غسل کیا کرتی تھی،) لیکن اس تقدیر کو اختیار نہیں کیا گیا، اس کی کیا وجہ ہے؟۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی تعبیر اختیار کرنا ظاہرِ حدیث کے خلاف ہے، خاص کر جب أغتسل أنا والنبي میں "والنبي" کو مفعول معہ مانا جائے، کیوں کہ مفعول معہ ماننے کی صورت میں معیت في الغسل کا معنی متعین ہو جائے گا، اور معترض والی تقدیر ماننے کی صورت میں الگ الگ غسل کرنا لازم آئے گا جو ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تقدیر اس لیے درست نہیں کہ ایک دوسری حدیث سے اس کی مخالفت ہوتی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو مرد کے بچائے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع کیا ہے۔(۳) علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بھی اس توجیہ کو اختیار کیا ہے۔(۴)

من إناء من قدح

پیالے کی طرح کے ایک برتن سے۔

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱٤، عمدة القاري: ۳/۲۹۱

(۲) دیکھیے: شرح الكرماني: ۳/۱۱٤

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۹۱

(٤) شرح الطيبي على مشكاة المصابيح: ۲/۸۵

"من إناء من قدح" میں حرف "مِنْ" دو دفعہ آیا ہے، ان میں پہلا مَن "ابتدائیہ" ہے۔(۱)

دوسرا مَن "بیانیہ" ہے۔(۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اولیٰ یہ ہے کہ لفظ "قدح" کو لفظ اناء سے حرف جر کے تکرار کے ساتھ بدل قرار دیا جائے۔(۳)

علامہ سیوطی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۴)

البتہ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ "من إناء من قدح" میں مِن کو دونوں جگہ "ابتدائیہ" قرار دیتے ہیں۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لفظ قدح کو اناء سے بدل ہونے کو فقط ایک احتمال قرار دیا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں: "ويحتمل أن يكون قدح بدلاً من إناء بتكرار حرف الجر". (۶) یعنی لفظ قدح میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ حرف جر کے تکرار کے ساتھ لفظ اناء سے بدل بنے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ صاحب پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب رحمہ اللہ پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے قدح کے بدل ہونے کے بارے میں "يحتمل" کی تعبیر اختیار کی ہے، حالاں کہ اس طرح کے مقامات پر محتمل نہیں کہا جاتا ہے، کیوں کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ دونوں وجہیں یقینی طور سے درست اور جائز ہیں، ہاں! زیادہ سے زیادہ کسی ایک

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱٤، فتح الباري: ۲/٤۸۰، عمدة القاري: ۳/۲۹۱

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۱٤، فتح الباري: ۲/٤۸۰، عمدة القاري: ۳/۲۹۱

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۱٤، عمدة القاري: ۳/۲۹۱

(٤) التوشيح على الجامع الصحيح: ۱/۲٤۲، تحفة الباري: ۱/۲۱۹

(٥) دیکھیے: تحفة الباري: ۱/۲۱۹

(٦) دیکھیے: فتح الباري لابن حجر: ۲/٤۸۰

توجیہ کو دوسری پر فوقیت دی جاسکتی ہے،(۱) جیسا کہ خود علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے بدل ہونے کو اولیٰ قرار دیا ہے۔(۲)

لفظ "قدح" کی وضاحت

"قَدَح" قاف اور دال دونوں کے فتحہ کے ساتھ، أقداح کا واحد ہے۔(۳)

ابن منظور رحمہ اللہ اور علامہ جوہری رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ قدح پینے کے ایک برتن کو کہا جاتا ہے۔(۴)

ابن اثیر رحمہ اللہ اور علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ وغیرہ اسے کھانے کا ایک برتن قرار دیتے ہیں۔(۵)

دونوں باتین درست ہیں بایں طور سے کہ قدح ایک برتن ہے جو کھانے اور پینے دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،اسی طرح یہ برتن بطور "پیمانہ" کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔(٦)

قدح عام طور سے اوپر سے چوڑا اور اس کا نچلا سرا تنگ اور ڈنڈی دار ہوتا ہے۔(۷)

یہ لکڑی، شیشہ اور پیتل سے بنایا جاتا ہے۔(۸)

حدیث میں قدح سے مراد پیتل والا برتن ہے، ابن التین رحمہ اللہ کہتے ہیں: كان هذا الإناء من شَبَهٍ، وهو بفتح المعجمة والموحدة. (۹) یعنی یہ برتن شَبَہ (شین اور با کے فتحہ کے ساتھ) (پیتل) کا بنا ہوا تھا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: وهو (أي الشبه) نوع من نحاس، يدل عليه مارواه

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹۱/۳

(۲) شرح الكرماني: ۱۱٤/۳، عمدة القاري: ۲۹۱/۳

(۳) لسان العرب: ۵۰/۱۱، الصحاح، ص: ۸٤۰، مجمع بحار الأنوار: ۲۱٦/٤

(٤) لسان العرب: ۵۰/۱۱، الصحاح، ص: ۸٤۰، إرشاد الساري: ٤۹۰/۱

(۵) النهاية: ٤۲۰/۲، مجمع بحار الأنوار: ۲۱٦/٤، إرشاد الساري: ٤۲۰/۱

(٦) القاموس الوحيد، ص: ۱۲۸۰

(۷) مجمع بحار الأنوار: ۲۱۷/٤، فتح الباري: ۳۹۸/۱، إرشاد الساري: ٤۲۰/۱، فقه اللغة، ص: ۱۸۰

(۸) مجمع بحار الأنوار: ۲۱۷/٤، فتح الباري: ۳۹۸/۱، إرشاد الساري: ٤۲۰/۱

(۹) فتح الباري: ٤۸۰/۱، إرشاد الساري: ٤۹۰/۱

الحاكم من طريق حماد بن سلمة عن هشام بن عروة عن أبيه: ولفظه: تور من شَبَهٍ، ويقال كوز شَبَهٍ، شبه بمعنى. (۱)

شبہ پیتل کی ایک قسم ہے، حدیث میں قدح سے پیتل والا برتن مراد ہے اس کی تائید امام حاکم کی حماد بن سلمہ والی روایت سے ہوتی ہے، جوانہوں نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے نقل کی ہے، اس میں ہے تور من شبه یعنی پیتل کا پانی پینے والا برتن، اور اسے پیتل کا ڈنڈی دار پیالہ بھی کہا جاتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ قدح ایک ایسے برتن کو کہا جاتا ہے جو لکڑی شیشہ اور پیتل سے بنایا جاتا ہے، یہ کھانے پینے، بطور پیمانہ اور غسل کے برتن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کا اوپر والا حصہ چوڑا اور نچلا سرا تنگ اور ڈنڈی دار ہوتا ہے۔ حدیث میں قدح سے پیتل والا برتن مراد ہے۔

قدح فقہاء کی اصطلاح میں صاع کے اجزا میں سے ہے، علامہ شربینی کہتے ہیں کہ صاع سات مُد کم دو قدح کے برابر ہوتا ہے اور ہر "پندرہ" [۱۵] مد سے سات قدح بنتے ہیں۔ (۳)

يقال له الفرق

اسے "فرق" کہا جاتا ہے۔

"الفرق" راء اور فا دونوں کے فتحہ اور راء کے سکون دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، ابوزید انصاری رحمہ اللہ یحییٰ اور ابن درید رحمہما اللہ نے را کے سکون کو نقل کیا ہے، (۴) ابن التین رحمہ اللہ اور جوہری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (۵) لیکن مشہور بفتح الراء ہے، (۶) علامہ کرمانی اور قتیبی رحمہما اللہ نے بھی راء کے فتحہ کے

(۱) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹۱، فتح الباري: ۱/۴۸۰، والحديث رواه الحاكم في المستدرك على الصحيحين، في كتاب الطهارة: ۱/۲۷۴، ۲۷۵، رقم الحديث: ۶۰۱/۱۵۶

(۲) دیکھیے: القاموس الوحيد، ص: ۱۲۸۰، ۲۰۶، ۱۴۳۴

(۳) الموسوعة الفقهية: ۳۸/۲۹۸

(۴) دیکھیے: شرح الكرماني: ۳/۱۱۳، فتح الباري: ۲/۴۸۰، عمدة القاري: ۳/۲۹۰، المنتقى لأبي الوليد الباجي: ۱/۳۸۶

(۵) فتح الباري: ۲/۴۸۰، عمدة القاري: ۳/۲۹۰، الصحاح، ص: ۸۰۸

(۶) دیکھیے: تحفة الباري: ۱/۲۱۹، طرح التثريب للعراقي: ۱/۲۵۵

ساتھ نقل کیا ہے۔(۱)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الفرق راء کے فتحہ کے ساتھ افصح اور اشہر ہے۔(۲)

علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابوالید باجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فرق'' کا راء کے فتحہ کے ساتھ ہونا صحیح ہے۔(۳)

علامہ نووی رحمہ اللہ کا علامہ باجی رحمہ اللہ پر رد

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ابوالولید باجی رحمہ اللہ کی اس رائے کو رد کیا ہے کہ فرق راء کا فتحہ کے ساتھ صحیح ہے، وہ فرماتے ہیں: "وزعم الباجي أنه الصواب، وليس كما قال، بل هما لغتان". (۴)

یعنی علامہ باجی نے یہ گمان کیا ہے کہ یہی (راء کے فتحہ کے ساتھ) صحیح ہے، ان کی یہ رائے درست نہیں، بلکہ (فرق) میں راء کا فتحہ اور سکون دو لغتیں ہیں۔

علامہ باجی کی رائے کا ماخذ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید ابوالولید باجی رحمہ اللہ کی رائے کا مستند و ماخذ ثعلب کا وہ قول ہے جو ازہری نے ان سے نقل کیا ہے کہ فرق راء کے فتحہ کے ساتھ ہے، محدثین راء کو ساکن نقل کرتے ہیں اور کلام عرب میں راء کے فتح کے ساتھ ہی منقول ہے۔(۵)

لیکن صحیح بات وہی ہے جو علامہ نووی رحمہ اللہ کے حوالے سے اوپر نقل کی گئی ہے کہ فرق میں دونوں لغتیں جائز ہیں، اہل لغت اور شراح حدیث کے حوالے سے تفصیل ماقبل میں آگئی ہے۔

حدیث میں ''الفرق'' راء کے فتح کے ساتھ ہے۔(۶)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۱۳/۳، فتح الباري: ۴۸۰/۲، عمدة القاري: ۲۹۰/۳

(۲) شرح النووي المعروف بالمنهاج: ۲۲۸/۴، فتح الباري: ۴۸۰/۲

(۳) المنتقى: ۳۹۶/۱، فتح الباري: ۴۸۰/۱، عمدة القاري: ۲۹۰/۳، المنهاج للنووي: ۲۲۸/۴

(۴) المنهاج: ۲۲۸/۴، فتح الباري: ۴۸۰/۱، عمدة القاري: ۲۹۰/۳

(۵) فتح الباري: ۴۸۰/۱

(۶) دیکھیے: فتح الباري: ۴۸۰/۱

فرق کی مقدار(۱)

علامہ جوہری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "الفرق مكيال معروف بالمدينة، وهو ستة عشر رطلاً". (۲)

یعنی فرق مدینہ کا ایک معروف پیمانہ ہے جو سولہ[۱٦] رطل کا ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی رائے

ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

الفرق بالتحريك: مكيال يسع ستة عشر رطلاً، وهي اثنا عشر مداً، أوثلاثة آصع عند أهل الحجاز، وقيل: الفرق: خمسة أقساط، والقسط: نصف صاع، فأمّا الفرق بالسكون فمائة وعشرون رطلاً.(۳)

یعنی فرق بفتح الراء ایک پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل سماتے ہیں، اور وہ بارہ مد، یا اهل حجاز کے نزدیک تین صاع کے برابر ہوتے ہیں فرق کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ پانچ اقساط کا ہوتا ہے اور ایک قسط نصف صاع کے برابر ہوتا ہے، جب کہ فرق سکونِ راء کے ساتھ ایک سو بیس[۱۲۰] رطل کا ہوتا ہے۔

---

(۱) "الفرق" کی موجودہ پیمانوں کے اعتبار سے تحقیق

الفرق راء کے فتحہ کے ساتھ، اس میں قدیم پیمانوں کے حساب سے سولہ[۱٦] رطل آتے ہیں اور ایک رطل میں ایک سوتیس[۱۳۰] درہم ہوتے ہیں اور فی درہم ۳،۰٦۱۸ گرام کا ہوتا ہے، اب رطل کے وزن (۱۳۰درہم) کو جب ۳،۰٦۱۸ گرام سے ضرب دیا تو ۳۹۸،۰۳۴ گرام جواب آیا، پھر ۱٦ رطل کا وزن معلوم کرنے کے لیے ۱٦ کو ۳۹۸،۰۳۴ سے ضرب دیا تو جواب ٦۳٦۸،۵۴۴ گرام آیا، جو موجودہ حساب سے چھ ٦ کلوگرام، ۳٦۸ گرام اور ۵۴۴ ملی گرام بنتے ہیں۔

الفَرْق راء کے سکون کے ساتھ، اس میں قدیم پیمانوں کے اعتبار سے ۱۲۰ رطل آتے ہیں، مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق ۱۲۰ کو ۳۹۸،۰۳۴ سے ضرب دیا تو جواب میں ۴۷٦۴،۰۸ گرام آیا، موجودہ حساب سے ان کا ایک من ۷ کلوگرام، ٦۴۷ گرام اور ۰۸،۰ ملی گرام بنتے ہیں۔

(۲) الصحاح، ص: ۸۰۸، عمدة القاري: ۲۹۰/۳، شرح الكرماني: ۱۱۳/۳

(۳) النهاية: ۳٦۳/۲، فتح الباري: ٤۸۰/۱

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ "الفرق ثلاثة آصع". (۱) یعنی ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اسے جمہور کی رائے قرار دیا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں: أما کونه ثلاثة آصع، فکذا قاله الجماهیر. (۲) یعنی ایک فرق کا تین صاع کے برابر ہونا یہی جمہور کا قول ہے۔

ایک قول دو صاع کا بھی ہے، لیکن ابوعبید نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ (۳) یہی جمہور کا قول ہے، جیسا کہ علامہ نووی کے حوالے سے ابھی گذرا ہے۔

حدیث میں فرق سے کیا مراد ہے؟

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرق سے یہاں جنس کو بیان مراد کرنا ہے، یعنی وہ برتن جس سے (غسل کے لیے) پانی لیا جاتا ہے، یہ مراد نہیں کہ آپ علیہ السلام فرق کے بقدر پانی سے غسل کیا کرتے تھے، علامہ نووی رحمہ اللہ نے حدیث باب کو بطور دلیل کے نقل کیا ہے۔ (۴)

علامہ باجی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرق سے غسل کرتے تھے، اس میں دو احتمال ہیں:

پہلا احتمال

پہلا احتمال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس برتن سے غسل فرماتے تھے، اگرچہ اس میں تھوڑا سا پانی استعمال کر کے اکثر کو بچا لیتے تھے، یا اس میں موجود سارا پانی اور مزید بھی استعمال فرماتے تھے تو یہ اس برتن (فرق) سے طہارت حاصل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سوائے سونے اور

---

(۱) كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ۷۲۷

(۲) دیکھیے: المنهاج: ۲۲۸/۴، فتح الباري: ۴۸۰/۱، عمدة القاري: ۲۹۰/۳

(۳) فتح الباري: ۴۸۰/۱

(۴) المنهاج: ۲۲۸/۴، مجمع بحار الأنوار: ۱۲۸/۴

چاندی کے ہر پاک برتن سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔(۱)

دوسرا احتمال

دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام غسل میں فرق نامی برتن کو بھر کر یعنی اس کے بقدر پانی استعمال کرتے تھے، تو گویا یہ بتانا مقصود ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے غسل میں اتنی مقدار پانی کی استعمال کیا کرتے تھے، اگر چہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کہ کم سے کم کتنی مقدار سے غسل کیا جاسکتا ہے۔(۲)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو منقول ہے کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن جسے فرق کہا جاتا ہے اس سے غسل کیا کرتے تھے اور فرق کے بارے میں یہ بات گذری ہے کہ وہ ایسا برتن ہے جس میں تین صاع کے بقدر پانی سماتا ہے، اس کے بارے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فإن كان ملأن يصير لكل منهما صاع ونصف، والمعروف في عادته في الغسل صاع، وقد مرّأنه لا تحديد فيه، والأمر تقريبي، وإن كان خالياً فالأ مرتحقيقي، ويصير لكل منهما صاعاً صاعاً، فإنه لايلزم بكون الفرق هذا القدر أن يكون الماء فيه أيضاً كذلك، فيمكن أن يكون الماء على قدر عادته".(۳)

(یعنی فرق میں تو تین صاع سماتے ہیں، لیکن حدیث الباب سے یہ بات نہیں نکلتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کرتے وقت وہ بھرا ہوا تھا یا اوچھا تھا؟) اگر بھرا ہوا تھا تو گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کے حصے میں ڈیڑھ ڈیڑھ صاع آیا اور ہوسکتا ہے کہ اتنی مقدار سے بھی آپ نے غسل فرمایا ہو، اگر چہ مشہور آپ

---

(۱) المنتقیٰ شرح موطأ مالك: ۳۹۵/۱

(۲) المنتقیٰ شرح موطأ مالك: ۳۹۵/۱

(۳) دیکھیے: فيض الباري: ۴۵۳/۱

کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے اور فرق مذکور خالی اور اوچھا ہونے کی صورت میں تو یہاں سے بھی اس مشہور بات کے خلاف نہیں ہوا کہ ممکن ہے اس وقت اس بڑے پیمانہ میں بھی صرف دو ہی رطل موجود ہو، پہلی صورت میں غسل کے پانی کی مقدار کو تقریبی ماننا پڑے گا کہ تحدید کچھ نہیں، تقریباً ایک ڈیڑھ رطل سے غسل فرمایا کرتے تھے، دوسری صورت میں اس کو تحقیقی کہا جائے گا کہ ہمیشہ ایک ہی رطل سے غسل فرماتے تھے، کبھی وہ مقدار چھوٹے برتن میں ہوتی تھی اور کبھی بڑے برتن میں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کی تحقیق

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ وہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "فرق" سے غسل کیا کرتے تھے اور ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے، تو گویا آپ دونوں ڈیڑھ ڈیڑھ صاع سے غسل فرماتے تھے، (احناف کے نزدیک) ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور (جمہور کے نزدیک) ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر ہوتا ہے۔ (جب کہ جمہور کے نزدیک ایک فرق تین صاع کے برابر ہوتا ہے اور احناف کے نزدیک ایک فرق ۲ صاع کے برابر ہوتا ہے)۔

پھر امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا" میں صرف "فرق" کا ذکر ہے، پانی کی مقدار کا کوئی تذکرہ نہیں کہ وہ بھرا ہوا تھا یا کم تھا، لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ بھرا ہوا ہوتا تو تین صاع پانی ہوتا ہو، اور جب کم ہوتا ہو تو دو [۲] صاع پانی ہوتا ہو، اور اس دوسری صورت میں ایک صاع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صاع سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل کیا کرتی تھیں، لہٰذا یہ مفہوم اس حدیث کے مفہوم کے موافق ہے جس میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے۔(۱)

فائدہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرب میں پانی کی قلت کے پیش نظر عام حالات میں اس فرق سے غسل فرمایا کرتے تھے جو ۳ صاع یعنی ۱۶ رطل کے برابر ہوتا ہے، البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فرق جو ۱۲۰ رطل کے برابر ہوتا ہے، جس کی مقدار ایک بڑے ٹب کے برابر ہوتی ہے، اس سے بھی کبھی پانی وافر

(۱) شرح معاني الآثار، كتاب الزكاة، باب وزن الصاع كم هو: ۱/۳۵۱، ۳۵۲

مقدار میں موجود ہونے کی صورت میں غسل فرماتے ہوں، تو کوئی بعید نہیں، کیوں کہ غسل میں ایک صاع پانی کی مقدار کی تحدید نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے جتنے پانی سے بھی غسل کیا جائے جائز ہے۔

حدیث الباب میں معیت فی الغسل کی صراحت نہیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں مرد وعورت کا ایک ساتھ غسل کرنا بیان کیا ہے، جب کہ حدیث الباب میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، تو گویا حدیث الباب میں معیت فی الغسل کی صراحت نہیں؟۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ ابوالحسن نورالدین سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ (كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله عليه وسلم) معیت پر مکمل طور سے دلالت نہیں کرتے، البتہ یہ صرف غسل کے برتن کی وحدت پر دلالت کرتے ہیں، کیوں کہ واؤ عاطفہ، قِران یعنی ایک ساتھ غسل پر دلالت نہیں کرتا اور ظرف و برتن کی وحدت سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ زمانہ غسل بھی ایک ہی تھا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ كنت أغتسل أنا والنبي میں واؤ کو عطف کی بجائے معیت کے لیے لیا جائے، لیکن یہ بعید ہے(۱) اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ کی دوسری تمام روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں واقعی ایک ساتھ غسل کرتے تھے، اس لیے یہاں بھی معیت زمانی مراد لی جائے گی، فالاستدلال بالنظر إليه، لا بالنظر إلى هذا اللفظ، یعنی استدلال دوسری روایات کی روشنی میں ہوسکتا ہے، ان الفاظ سے نہیں ہوسکتا۔(۲)

مرد وعورت کا ایک برتن سے طہارت حاصل کرنا

حدیث باب اور اس طرح کی دیگر روایات کے پیش نظر مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد وعورت ایک برتن سے طہارت حاصل کرسکتے ہیں، اس بات پر بھی اجماع ہے کہ عورت مرد کے بچائے ہوئے

---

(۱) حضرت سندھی رحمہ اللہ کی یہ بات محل نظر ہے، اس لئے کہ نحویین اور شراح حدیث کے نزدیک یہاں واؤ کو معیت کے لئے لیا جاسکتا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے، كشف الباري، كتاب الغسل، ص: ۲۲۰

(۲) صحيح البخاري بحاشية السندي: ۱/۵٦

پانی سے طہارت حاصل کرسکتی ہے۔(۱)

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مرد عورت کے باقی ماندہ پانی سے طہارت (وضو اور غسل) کرسکتا ہے، یا نہیں؟۔

جمہور ائمہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف

جمہور ائمہ سلف اور ائمہ ثلاثہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اس کو مطلقاً جائز کہتے ہیں، خواہ عورت نے وضو یا غسل تنہائی میں کیا ہو، یا دوسروں کے سامنے طہارت حاصل کی ہو،(۲) امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس مسئلے میں جمہور ائمہ کے ساتھ ہیں۔

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "باب غسل الرجل مع امرأته" کے ذیل میں فرمایا کہ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ پہلے "باب وضوء الرجل مع امرأته" لاچکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب اختیار نہیں کیا، (بلکہ جمہور ائمہ کا مذہب اختیار کیا ہے) مسئلہ کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی ہے، جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ ممانعت کا دارومدار (جھوٹا) ہونے پر ہے اور ایک ساتھ وضو یا غسل کرنے پر فضل (بچے ہوئے پانی کا) اطلاق نہیں ہوتا۔(۳)

حنابلہ اور ظاہریہ وغیرہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ظاہریہ میں سے داؤد ظاہری وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر عورت نے تنہائی میں طہارت حاصل کی ہو تو مرد کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔(۴) حضرت عبداللہ بن سرجس رحمہ اللہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یہی قول مروی ہے، ایک دوسرے قول میں حضرت حسن رحمہ اللہ اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے عورت کے باقی ماندہ پانی سے طہارت حاصل کرنے کو مطلقاً مکروہ کہا گیا

---

(۱) المنهاج: ٢٢٧/٤، عمدة القاري: ٢٩١/٣

(۲) دیکھیے: المنهاج: ٢٢٧/٤، عمدة القاري: ١٢٦/٣، فتح المالك: ٣٠٠/١

(۳) فيض الباري: ٤٥٣/١

(٤) المنهاج: ٢٢٧/٤، عمدة القاري: ١٢٦/٣، الاستذكار: ٢٠٩/١

ہے،(۱) جب کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک قول جمہور ائمہ کے قول کی طرح منقول ہے۔(۲)

علماء کے پانچ اقوال

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں علماء کے پانچ اقوال نقل کیے ہیں، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

وللعلماء في هذه المسألة خمسة أقوال:

"(أحدهما): الكراهية لأن يتطهر الرجلُ بفضل المرأة.

(والثاني): أن تتطهر المرأة بفضل وضوءِ الرجل.

(والثالث): أنهما إذا شرعا جميعاً في التطهر فلا بأس به، وإذا خلتِ المرأة بالطهور فلا خير في أن يتطهر بفضل طهورها.

(والرابع): أنّه لا بأس أن يتطهر كلُّ واحد منهما بفضل طهور صاحبه ما لم يكن الرجل جنباً، والمرأة حائضاً أو جنباً، وهو قول ابن عمر.

[والخامس] وقد رُوی عن ابن عباس أنّه سئل عن فضل وُضوءِ المرأة، فقال: هُنَّ ألطف بناناً، وأطيب ريحاً، وهذا جواب بجواز فضلها على كل حال، وهذا قول زيد بن ثابت وجمهور الصحابه والتابعين".(۳)

اس مسئلہ میں علماء کے پانچ اقوال ہیں:

۱-مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرے۔

۲-عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرے۔

یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔

۳-مرد وعورت ایک ساتھ طہارت حاصل کرنا شروع کریں، یہ جائز ہے، البتہ اگر عورت تنہائی میں طہارت حاصل کرے تو پھر مرد کا اس کے بچائے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے میں کوئی خیر نہیں۔

---

(۱) دیکھیے: المنهاج: ٤/ ٢٢٧، ٢٢٨، عمدة القاري: ٣/ ١٢٦

(۲) دیکھیے: المنهاج: ٤/ ٢٢٨، عمدة القاري: ٣/ ١٢٦، ٢٩١

(۳) الاستذكار: ١/ ٢١٠، عمدة القاري: ٣/ ١٢٦

۴-مرد اگر جنبی نہ ہو اور عورت حائضہ اور جنبیہ نہ ہو تو پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بچائے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کر سکتا ہے، یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قول ہے۔

۵-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ (عورتیں) لطیف پوروں والی اور پاکیزہ خوشبو والی ہوتی ہیں، ان کی طرف سے یہ جواب عورتوں کے بچائے ہوئے پانی سے ہر حال میں جواز طہارت پر مبنی ہے، اور یہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ وتابعین کا قول ہے۔

ایک اعتراض اور جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میں تو مرد کو عورت کے بچائے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے؟، اس کا جواب یہ ہے کہ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس حدیث کی اسناد کو مرفوع نہیں قرار دیا ہے، اگر رفع ثابت بھی ہو جائے تو وہ منسوخ ہے۔(۱)

اس مسئلہ کی تفصیلات کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأتہ وفضل وضوء المرأۃ میں گذر چکی ہیں۔

حدیث باب سے مستنبط شدہ احکام

حدیث باب سے درج ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

ا-داؤدی نے حدیث باب سے مرد و عورت کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔(۲)

اس کی تائید ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں عطاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں حدیث باب بیان فرمائی۔(۳) اس مسئلہ کی تفصیل باب مذکور کے تحت میں گذر چکی ہیں۔

---

(۱) دیکھیے: شرح الكرماني: ۳/ ۱۱٤، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۱، تحفة الباري: ۱/ ۲۹۱

(۲) دیکھیے: فتح الباري: ۲/ ٤٨٠، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۱، الكنز المتواري: ۳/ ۱۹۰

(۳) فتح الباري: ۲/ ٤٨٠، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۱، التوشيح للسيوطي: ۱/ ۲٤۲

۲-مرد وعورت کا ایک برتن سے غسل ووضو کرنا جائز ہے،اوراس پر اجماع ہے۔(۱)

۳-عورت کا مرد کے بچائے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔(۲)

۴-جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کا عورت کے بچائے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے،البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک اگر عورت نے تنہائی میں پانی استعمال کیا ہو تو پھر مرد کے لیے اس کے باقی ماندہ پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔(۳)

۵-جنبی کے ہاتھ کا پاک ہونا (اگراس پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو)۔(۴)

۶-جنبی اور حائضہ کے بچائے ہوئے پانی کا پاک ہونا۔(۵) اوران کے بچائے ہوئے پانی سے غسل ووضو کا درست ہونا۔(۶)

۷-فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ تمام پاک برتنوں سے وضو کرنا (طہارت حاصل کرنا) جائز ہے۔(۷)

۷-مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار لازمی اور ضروری نہیں، اس میں طبائع کا فرق ہے، جس کے لیے جتنی مقدار (چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ) کافی ہو جائے وہ درست ہے۔(۸)

۹-علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (وضو اور غسل) کے پانی میں اسراف منع ہے، اگرچہ طہارت حاصل کرنے والا نہر کے کنارے پر کیوں نہ ہو۔(۹)

---

(۱) دیکھیے:عمدة القاري: ٢٩١/٣، المنهاج: ٢٢٧/٤، تحفة الباري: ٢١٩/١

(۲) شرح الكرماني: ١١٤/٣، عمدة القاري: ٢٩١/٣، المنهاج: ٢٢٧/٤

(۳) دیکھیے:شرح الكرماني: ١١٤/٣، عمدة القاري: ٢٩١/٣، المنهاج: ٢٢٧/٤

(٤) دیکھیے:الكوثر الجاري: ٤٠٨/١

(٥) عمدة القاري: ٢٩١/٣

(٦) دیکھیے:شرح ابن بطال: ٣٨٠/١، شرح الكرماني: ١١٤/٣

(٧) المنتقیٰ: ٣٩٤/١، أوجز المسالك: ٥٠٠/١

(٨) دیکھیے:فتح المالك بتبويب التمهيد لابن عبد البر علىٰ مؤطأ الإمام مالك: ٤٢٨/١، المنهاج: ٢٢٧/٤، أوجز المسالك: ٥٠٢/١

(٩) دیکھیے:المنهاج للنووي: ٢٢٧/٤

٣ - باب : ٱلْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ .

صاع اوراس جیسے برتنوں سے غسل کرنا

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کے مقصد میں شراح حدیث سے متعدد اقوال مروی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک ترجمۃ الباب کا مقصد صاع اوراس کے برابر برتنوں کو بھر کے غسل کرنے کو بیان کرنا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں: باب الغسل بالصاع ونحوه أي: بملء الصاع ونحوه أي ما يقاربه". (۱) یعنی صاع اوراس کے برابر برتنوں کو بھر کر غسل کرنے کے بیان میں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد اس باب سے غسل بالماء اور بھرے ہوئے صاع کے بقدر پانی سے غسل کے حکم کو بیان کرنا ہے، اس لیے کہ صاع تو لکڑی کے بنے ہوئے ایک برتن کو کہا جاتا ہے، اس (نفس صاع) سے غسل ممکن نہیں، (البتہ اس میں موجود پانی سے غسل کیا جاتا ہے)۔(۲) صاحب تحفہ علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۳)

علامہ ابن رجب حنبلی کی رائے

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ترجمہ کا مقصد ہے یہ بتلانا ہے کہ غسل کے پانی کی مقدار میں کوئی تحدید نہیں، بلکہ صاع اوراس جیسے برتنوں کے قریب قریب جتنے پانی سے غسل کیا جاسکتا ہو، یعنی تقریب مراد ہے تحدید نہیں۔(۴)

---

(۱) فتح الباري لابن حجر: ٢/٤٨١

(٢) دیکھیے :عمدة القاري: ٣/٢٩١

(٣) تحفة الباري: ١/٢٢٠، إرشاد الساري: ١/٤٩٠

(٤) دیکھیے :فتح الباري، لابن رجب الحنبلي: ١/١٤٤

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لعله إشارة إلى أنّ تحديد الصاع الوارد في الأحاديث ليس بحتم، بل المراد التقريب، كما يدل عليه لفظ الحديث: "بإناء نحوصاع" ولذا ذكر في الترجمة ونحوه، وهو الأوجه". (۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں ونحوہ کا لفظ بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ احادیث میں جوصاع کا لفظ (غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) وارد ہوا ہے، وہ تحدید کے لیے نہیں، بلکہ مراد اس کے قریب قریب ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ "بإناء نحو صاع" اس پر دلالت کرتے ہیں، یہی توجیہ اوجہ ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے۔ (۲)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا بیان کردہ ایک اور احتمال

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے ایک اور احتمال بھی بیان فرمایا ہے:

ويحتمل أنه أراد الرد على من قال: أن ذكر الصاع بيان للإناء لا الماء". (۳) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب اس لیے قائم کیا تا کہ ان لوگوں پر رد کیا جاسکے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں صاع سے برتن کو بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ پانی (کی مقدار) کو۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت علامہ شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے غسل بالصاع کا عنوان اس کی خاص اہمیت جتلانے اور احادیث میں اس کے وارد ہونے کی وجہ سے قائم کیا ہے کہ جو امور حضور اکرم صلی اللہ علیہ

(۱) الأبواب والتراجم، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ١٩١/٣

(۲) فضل الباري: ٤٢٨/٢

(۳) الأبواب والتراجم، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ١٩١/٣

وسلم کے تعامل مبارک سے ثابت ہوں ان کو خاص اہمیت دینا اور نمایاں ذکر کرنا نہایت مناسب ہے، ائمہ مجتہدین میں سے امام محمد رحمہ اللہ نے جو اعتناء واہتمام اس امر کا کیا ہے وہ کسی نے نہیں کیا، کیوں کہ انہوں نے حدیث و اثر کے اتباع میں صاع کی مقدار کو غسل کے لیے (اور مد کی مقدار کو وضو کے لیے) معتبر گردانا ہے، اگرچہ مقصود ان کا بھی تحدید وتوقیت نہیں۔(۱)

''صاع'' کی وضاحت

صَاعٌ، صِواعٌ (بالكسر والضم) اور صَوْعٌ لغت میں پیانہ کو کہتے ہیں، اس کی جمع أصوعٌ، أصؤعٌ (همزہ کے ساتھ) صُوعٌ اور صِيْعَانٌ بھی آتی ہے۔(۲)

فقہاء کے نزدیک صاع کا مفہوم

فقہاء کی اصطلاح میں صاع ایک پیانے کو کہتے ہیں، جو خرید وفروخت میں ''کیل'' کے لیے استعمال ہوتا ہے، بہت سارے احکام شرعیہ کا مدار اسی پر ہے، بعض حضرات نے کہا کہ صاع ایک برتن کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جاتا ہے۔(۳)

دونوں باتیں درست ہیں بایں طور کہ صاع کبھی پیانہ اور کبھی پینے کے برتن کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور بعض دفعہ دونوں کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے، ابن منظور رحمہ اللہ نے عزیز مصر کے صاع کے بارے میں یہی نقل کیا ہے کہ وہ کیل اور پینے دونوں کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔(۴)

صاع کی مقدار

تمام فقہاء کرام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ صاع ایسا پیانہ ہے جس میں چار مُد سماتے ہیں، لیکن مُد کی مقدار میں اختلاف ہے، امام شافعی اور فقہائے حجاز اس کو ایک رطل وتہائی کے برابر کہتے ہیں، جب کہ امام

---

(۱) دیکھیے: فيض الباري: ١/٤٥٣

(۲) القاموس المحيط، ص: ٦٦٦، لسان العرب: ٧/٤٤٢، الصحاح، ص: ٦٠٧

(۳) الموسوعة الفقهية: ٢٧/٣٠٤، ٣٨/٢٩٦، القاموس المحيط، ص: ٦٦٦، الصحاح، ص: ٦٠٧

(٤) لسان العرب: ٧/٤٤٢

ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہائے عراق کے نزدیک ایک مد دورطل عراقی کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا شافعیہ کے ہاں ایک صاع پانچ رطل وثلث کا ہوگا اور حنفیہ کے ہاں آٹھ رطل کا ہوگا۔(۱)

اس مسئلہ کی تمام تفصیلات کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

٢٤٨ : حدّثنا عَبْدُ ٱللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ ٱلصَّمَدِ قَالَ : حَدَّثَنِي شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ[۲] : دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ ، فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ غُسْلِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوًا مِنْ صَاعٍ ، فَاغْتَسَلَتْ ، وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللّٰهِ : قَالَ يَزِيدُ بْنُ هارُونَ ، وَبَهْزٌ ، وَٱلْجُدِّيُّ ، عَنْ شُعْبَةَ : قَدْرِ صَاعٍ .

(ترجمہ) حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے (رضاعی) بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے، ان کے بھائی نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کس طرح کیا کرتے تھے) تو آپ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے صاع جیسا ایک برتن (پانی کا) منگوایا پھر غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، اس وقت ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے قدر صاع (ایک صاع کے بقدر) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

---

(١) عمدة القاري: ٢٩١/٣، ٢٩٢، النهاية: ٥٩/٢، مجمع بحار الأنوار: ٣٦٧/٣

(٢) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ٤٢٨، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل، رقم: ٢٢٧، وانظر جامع الأصول، رقم: ٥٣٣٣، وكذلك تحفة الأشراف، رقم: ١٧٧٩٢

تراجم رجال

عبدالله بن محمد(۱)

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن یمان بن اخنس بن خنیس، الجعفی، البخاری، المسندی ہیں۔(۲)

مُسندی کہلانے کی وجہ

ان کو مُسندی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ مسند احادیث کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے، مراسیل و منقطعات سے ان کو کوئی رغبت نہیں تھی۔(۳)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو "مسندی" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ماوراء النہر میں سب سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسانید جمع کی تھیں۔(۴)

اساتذہ وشیوخ

ان کے شیوخ میں ابراہیم بن عمر ابوالوزیر، ازہر بن سعد السمّان، حسین بن علی الجعفی، حسین بن محمد المروزی، حفص بن غیاث، سفیان بن عیینہ، سلیمان بن حرب، ابوداؤد سلیمان بن داوٗد الطیالسی، ابو عاصم الضحاک بن مخلد، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق بن ہمام، عبدالصمد بن عبدالوارث، ابوعلی عبید بن عبدالمجید الحنفی، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن معین، یعقوب بن ابراہیم بن سعد، حرمی بن عمارۃ، ابوعامر العقدی، یحییٰ بن آدم، وہب بن جریر، زہیر بن حرب، عمر بن علی، ابوعوانہ، یوسف بن الماجشون،

---

(۱) ان کے مختصر حالات "کشف الباری" كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان کے تحت گزر چکے ہیں، دیکھئے، کشف الباري: ۱/۶۵۷

(۲) تهذيب الكمال: ۱٦/٥٩، تهذيب التهذيب: ٦/٩، إكمال تهذيب الكمال: ٨/١٧٣، سير أعلام النبلاء: ١٠/٦٥٨

(۳) تهذيب الكمال: ١٦/٦٠، سير أعلام النبلاء: ١٠/٦٥٩

(٤) تهذيب التهذيب: ٦/١٠، إكمال تهذيب الكمال: ٨/١٧٣

فضیل بن سلیمان، عبیداللہ بن ثور اور یونس بن محمد المؤدب وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام مسلم، ابراہیم بن محمد مروزی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی، ابوحاتم محمد بن ادریس الرازی، محمد بن نصر المروزی، محمد بن یحییٰ الذہلی، الحسن بن سفیان، محمد بن احمد ابن ہارون المصیصی وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۲)

صاحب ''الزہرۃ'' کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد مسندی رحمہ اللہ سے چوالیس [۴۴] روایات نقل کی ہیں۔(۳)

جلالت شان اور توثیق میں ائمہ کے اقوال

احمد بن سیار مروزی کہتے ہیں کہ ابوجعفر مسندی اپنے علاقے کو چھوڑ کر دنیا کے مختلف شہروں میں حدیث کی طلب میں اقامت پذیر رہے، انہیں مسندی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور وہ اہل عدالت اور صدق میں معروف تھے، صاحب سنت و جماعت تھے، اتقان اور ضبط ان کی پہچان تھی، مروزی کہتے ہیں: میں نے ان کو واسط میں دیکھا، خوبصورت قد وقامت، سر کے بال سفید اور داڑھی میں تھوڑا سا کالا پن اور سکون اور وقار والے تھے۔(۴)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن محمد مسندی رحمہ اللہ اپنے زمانے میں ماوراء النہر کے بلا مقابلہ امام المحدثین تھے۔(۵)

---

(۱) دیکھیے: تهذيب الكمال: ١٦/ ٥٩، ٦٠، تهذيب التهذيب: ٦/ ٩، الجرح والتعديل: ٥/ ١٩٨، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٥٩

(۲) تهذيب الكمال: ١٦/ ٦٠، ٦١، تهذيب التهذيب: ٦/ ٩، الجرح والتعديل: ٥/ ١٩٨، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٥٩

(۳) إكمال تهذيب الكمال: ٨/ ١٧٣، تهذيب التهذيب: ٦/ ١٠

(٤) تهذيب الكمال: ١٦/ ٦١، تهذيب التهذيب: ٦/ ٩، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٥٩

(٥) تهذيب التهذيب: ٦/ ١٠، إكمال تهذيب الكمال: ٨/ ١٧٣، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٥٩

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"صدوق".(۱)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا:"وكان متقناً".(۲) یعنی عبداللہ بن محمد متقن تھے۔

علامہ الخلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"الثقة، المتفق عليه".(۳)

خلف بن عامر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن شجاع نے کہا: آپ سے حدیث کیسے رہ سکتی ہے جب کہ آپ اس خزانے یعنی عبداللہ بن محمد کی صحبت میں رہے ہیں۔(۴)

وفات

محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الحافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: توفي يوم الخميس بست بقين من ذي الحجة سنة تسع وعشرين ومئتين.(۵)

یعنی عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ کا جمعرات کے دن ۲۴ ذی الحجہ ۲۲۹ ہجری کو انتقال ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ذی الحجہ کی جگہ ذوالقعدہ کو ماہ وفات قرار دیا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

"مات يوم الخميس أول النهار، بست بقين من ذي القعدة سنة تسع وعشرين ومئتين".(۶)

یعنی عبداللہ بن محمد بروز جمعرات صبح کے وقت ۲۴ ذوالقعدہ ۲۲۹ ہجری کو انتقال کر گئے۔

ابن حبان رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے،(۷) علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۸)

---

(۱) دیکھیے: الجرح والتعديل: ۱۹۸/۵، تهذيب الكمال: ۱۶/ ۶۱، تهذيب التهذيب: ۶/ ۹

(۲) كتاب الثقات: ۸/ ۳۵٤، تهذيب الكمال: ۱۶/ ۶۱، تهذيب التهذيب: ۶/ ۹

(۳) تهذيب التهذيب: ۶/ ۱۰، إكمال تهذيب الكمال: ۸/ ۱۷۳

(٤) تاريخ بغداد: ۱۰/ ۶۶، تهذيب الكمال: ۱۶/ ۶۱، سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۶۶۰

(۵) تاريخ بغداد: ۱۰/ ۶۶، إكمال تهذيب الكمال: ۸/ ۱۷۳

(۶) تهذيب الكمال: ۱۶/ ۶۱، تهذيب التهذيب: ۶/ ۹، سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۶۶۰، تاريخ بغداد: ۱۰/ ۶۶

(۷) دیکھیے: كتاب الثقات: ۸/ ۳۵٤

(۸) دیکھیے: سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۶۵۹

عبدالصمد

یہ عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری، تنوری، بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے احوال کشف الباری، کتاب العلم، باب من أعاد ثلاثا لیفهم عنه کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

شعبة

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی واسطی بصری رحمہ اللہ ہیں، تمام ائمہ ان کی جلالت شان اور امامت پر متفق ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

أبوبکر بن حفص

یہ ابوبکر عبداللہ بن حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص قرشی، زہری، مدنی ہیں، یہ اپنی کنیت ابوبکر سے مشہور ہیں۔(۳)

شیوخ حدیث

ان کے شیوخ حدیث میں انس بن مالک، حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب، ان کے والد حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص، سالم بن عبداللہ بن عمر، سلمان الاغر، شرحبیل بن السمط، عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب، عبداللہ بن حسین، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عبداللہ بن محریز، عروہ بن الزبیر، عمر بن سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوعبداللہ مولیٰ بنی تیم بن مرہ، ابومصبح مقرائی رحمہم اللہ ہیں۔(۴)

---

(۱) دیکھیے: كشف الباري: ۳/۵۷۷، ۵۷۸

(۲) دیکھیے: كشف الباري: ۱/۶۷۸

(۳) التاريخ الكبير: ۵/۷٦، رقم الترجمة: ۲۰۰، تهذيب الكمال: ۱٤/٤۲۳، الجرح والتعديل: ۵/٤۲، تقريب التهذيب، ص: ۳۰۰، رقم: ۳۲۷۷

(٤) تهذيب الكمال: ۱٤/٤۲۳، الجرح والتعديل: ۵/٤۲، ميزان الاعتدال: ۲/٤۰۹

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں ابان بن عبداللہ بجلی، بدر بن عثمان، بلال بن یحییٰ عبسی، حریث بن ابی مطر، زید بن ابی انیسہ، سعید بن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ، امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی، عبدالملک بن جریج، قیس بن سلیم عنبری، محمد بن سوقہ، ابوغسان محمد بن مطرف، مسعر بن کدام، المفضل بن لاحق، منصور بن المعتمر اور ابواسرائیل ملائی رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

جلالت شان اور توثیق میں ائمہ کے اقوال

ابوبکر بن حفص رحمہ اللہ تابعی ہیں، ان کا شمار طبقہ خامسہ میں ہوتا ہے۔(۲)

امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کی توثیق کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "ثقة".(۳)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا: "کان راویاً لعروة".(۴)

یعنی ابوبکر بن حفص عروۃ بن الزبیر سے روایت کرتے تھے۔

امام عجلی رحمہ اللہ نے "معرفۃ الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التھذیب" میں لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔(۶)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کان من أهل العلم والثقة، أجمعوا على ذلك".(۷)

یعنی ابوبکر بن حفص رحمہ اللہ اہل علم اور ثقہ لوگوں میں سے تھے، ائمہ کا اس پر اجماع ہے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱٤/٤۲٤، الجرح والتعديل: ٥/٤۲، ميزان الاعتدال: ۲/٤۰۹

(۲) تقريب التهذيب، ص: ۳۰۰

(۳) تهذيب الكمال: ۱٤/٤۲٤، ميزان الاعتدال: ۲/٤۰۹

(٤) كتاب الثقات: ٥/۱۲، تهذيب الكمال: ۱٤/٤۲٤

(٥) معرفة الثقات، باب الباء الموحدة: ۲/۳۸۷، مكتبة الدار بالمدينة المنورة

(٦) دیکھیے: تقريب التهذيب، ص: ۳۰۰، رقم الترجمة: ۳۲۷۷

(۷) دیکھیے: إكمال تهذيب الكمال: ۷/۳۰۸، تهذيب التهذيب: ٥/۱۸۹

أبو سلمة

یہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ ہیں، مشہور صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک فقیہ اور مشہور تابعی ومحدث ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب: صوم رمضان احتسابا من الایمان کی پہلی حدیث کے ذیل میں ذکر کیے جاچکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

سمعتُ أبا سلمة يقول: دخلت أنا وأخو عاشة على عائشة رضي الله عنها

(حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں) میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے (رضاعی) بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت حاضر ہوئے۔

"يقول" کا اعراب

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یقول" حال ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے، اس لیے کہ صحیح قول کے مطابق "سمعت" صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔(۲)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''حال'' قرار دیا ہے(۳) البتہ جن حضرات کے نزدیک "سمعت" دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، جیسا کہ ابوعلی فارسی کا قول ہے، ان کے نزدیک "یقول" (جملہ) مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہوگا۔(۴)

أخو عائشة

حدیث باب میں ''أخو عائشۃ'' سے کون سے بھائی مراد ہیں، حقیقی، یا کوئی اور؟ شراح حدیث کا اس

(۱) دیکھیے: كشف الباري: ۲/۳۲۳-۳۲۵

(۲) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹۳

(۳) دیکھیے: إرشاد الساري: ۱/۴۹۰

(۴) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹۳

بارے میں اختلاف ہے، داؤدی کے نزدیک "أخو عائشۃ" سے عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی) مراد ہیں۔(۱)

بعض حضرات نے کہا کہ "أخو عائشۃ" سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی (ماں شریک) بھائی الطفیل بن عبداللہ مراد ہیں۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قول درست نہیں۔(۳)

أخو عائشہ سے رضاعی بھائی مراد ہے

صحیح بات یہ ہے کہ حدیث باب میں "أخو عائشۃ" سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی مراد ہیں، جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بطریق معاذ، امام نسائی رحمہ اللہ نے بطریق خالد بن الحارث اور ابوعوانہ رحمہ اللہ نے بطریق یزید بن ہارون، امام شعبہ سے روایت نقل کی ہے جس میں "أخو ھا من الرضاعة" (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی) کی صراحت موجود ہے۔(۴)

رضاعی بھائی سے کون مراد ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: یہاں رضاعی بھائی سے عبداللہ بن یزید مراد ہیں۔(۵)

اس کی دلیل امام مسلم رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو انہوں نے "کتاب الجنائز" میں ابوقلابہ عن یزید بن

---

(۱) فتح الباري: ۲/ ۴۸۱، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۳

(۲) فتح الباري: ۲/ ۴۸۱، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۳

(۳) حوالہ سابق، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۱

(٤) قد مرّ تخريج الحديث لمسلم والنسائي آنفاً تحت حديث الباب، وأما حديث أبو عوانة فقد رواه في مسنده في كتاب الطهارة، باب الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجنابة وصفة غسل رأسه من الجنابة دون سائر جسده: ۱/ ۲٤۷، رقم: ۸٤۹: دار المعرفة بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۹هـ-۱۹۹۸م

(٥) المنهاج: ٤/ ۲۲۹، فتح الباري: ۲/ ٤۸۱، عمدة القاري: ۳/ ۲۹۳، إرشاد الساري: ۱/ ٤۹۰

عبداللہ رضیع عائشہ سے کتاب الغسل والی روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت نقل کی ہے،(۱) اس میں یزید بن عبداللہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ہونے کی صراحت مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی اس (مذکورہ بالا) روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں حدیثِ باب میں یہی عبداللہ بن یزید ہی مراد ہوں، اس لیے کہ حضرت عائشہ کے ایک اور رضاعی بھائی کثیر بن عبید بھی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں (۲) اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں (۳) ان کے بیٹے سعید بن کثیر کے طریق سے ان سے روایت نقل کی ہے۔

پھر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ان میں سے کوئی متعین نہیں، أخوھا (کے اطلاق) سے اقرب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر مراد ہو، (اگرچہ مسلم وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ وہ رضاعی بھائی تھے،) اور مسلم وغیرہ کی دوسری روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عبداللہ بن یزید ہوں، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں سوال کیا تھا یہ ضروری نہیں کہ یہ وہی ہوں جن سے امام مسلم رحمہ اللہ نے بطریق ابوقلابہ کتاب الجنائز میں روایت نقل کی ہے۔(۴) تو گویا خلاصہ یہ ہوا کہ "أخوھا" سے کوئی متعین فرد مراد نہیں، ان دونوں رضاعی بھائیوں میں سے بھی کوئی ہوسکتا ہے اور ان کے علاوہ بھی کوئی (بھائی) ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: عبداللہ بن یزید "بصری" ہے اور کثیر بن عبید "کوفی" ہے، تو أخوھا،

---

(۱) رواه مسلم في كتاب الجنائز، باب من صلى عليه أربعون، شفعوا فيه، رقم: ۹۴۷، ولفظه عن أبي قلابة عن عبد الله بن يزيد رضيع عائشة عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما من ميت يصلى عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة، كلهم يشفعون له، إلا شفعوا فيه".

(۲) أخرجه البخاري في الأدب المفرد، في باب الرفق في المعيشة، ص: ۱۲۷، رقم: ۴۷۳، دارالسلام بيروت، وقال: حدثنا حرمي بن حفص قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا سعيد بن كثير بن عبيد قال حدثني أبي قال: دخلت على عائشة أم المومنين رضي الله عنها فقالت: أمسك حتى أخيط نقبتي، فأمسكت، فقلت: يا أم المومنين! لو خرجت فأخبرتهم لعدوه منك بخلاً، قالت: أبصر شانك إنه لا جديد لمن لا يلبس الخلق.

(۳) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹۳

میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی مراد ہو، یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہو۔(۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "فتح الملهم" میں اس توجیہ کو اختیار کیا ہے۔(۲)

أخو عائشہ کے عطف سے متعلق بحث

"أخو عائشة" کا عطف "دخلت" میں ضمیر مرفوع متصل پر کرنے کے لیے "أنا" ضمیر مرفوع منفصل کی بطور تاکید کے لائے، تاکہ "أخو عائشة" کا عطف "دخلت" پر صحیح ہو سکے، اس لیے کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل (چاہے بارز ہو، یا مستتر) پر عطف کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بعد بطور تاکید کے ضمیر مرفوع منفصل کو لایا جائے،(۳) جیسا کہ ﴿لقد كنتم انتم وآباؤكم﴾(٤) میں آباؤ کم کا عطف کرنے کے لیے "أنتم" ضمیر مرفوع منفصل کو بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔(۵)

فسألها أخوها عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے (رضاعی) بھائی نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا۔

ابوذر، ابوالوقت، اصیلی اور ابن عساکر کے نسخوں میں "غسل النبي" کی جگہ "غسل رسول الله" صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔(٦)

فدعت بإناء نحواً من صاع

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاع جیسا ایک برتن (پانی کا) منگوایا۔

دَعَتْ، یہاں طَلَبَتْ کے معنی میں ہے، یعنی طلب کیا، منگوایا۔(۷)

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۲/ ٤٨١

(۲) دیکھیے: فتح الملهم: ۳/ ۷۸

(۳) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/ ۲۹۳، إرشاد الساري: ۱/ ٤٩١

(٤) الأنبياء: ٥٤، الشعراء: ٧٦

(٥) عمدة القاري: ۳/ ٤٩١

(٦) إرشاد الساري: ۱/ ٤٩١

(۷) شرح الكرماني: ۳/ ١١٤

نحواً کا اعراب

کریمہ کی روایات میں "نحواً" منصوب ہے اور باقی حضرات کی روایت میں تنوین کے ساتھ مجرور ہے۔(۱)

مجرور ہونے کی صورت میں "نحوٍ" "إناءٍ" کی صفت بنے گا، (تقدیری عبارت یوں ہوگی: فدعت بإناءٍ نحوٍ كائنٍ من صاع.)(۲)

منصوب ہونے کی صورت میں دو احتمال ہیں:

۱-"نحواً" صفت بنے گا "إناءٍ" کی، اور "إناءٍ" "دَعَتْ" کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا، (تقدیری عبارت یوں گی: فدعت بإناءٍ نحواً كائناً من صاع.)

۲-دوسرا احتمال یہ ہے کہ "نحواً" أعني فعل محذوف کا مفعول بہ ہو، (تقدیری عبارت یوں ہوگی: فدعت بإناءٍ، أعني نحواً كائناً من صاع.)(۳)

منصوب اور مجرور دونوں حالتوں میں مفہوم ایک ہی ہوگا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاع جیسا ایک برتن منگوایا۔

فاغتسلت وأفاضت على رأسها وبيننا و بينها حجاب

انہوں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

أفاضت

أفاضت أي أسالت الماء على رأسها یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر پانی

(۱) فتح الباري: ۴۸۱/۲، عمدة القاري: ۲۹۳/۳، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱

(۲) فتح الباري: ۴۸۱/۲، عمدة القاري: ۲۹۳/۳، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱، التوشيح على الجامع الصحيح للسيوطي: ۲۴۳/۱

(۳) فتح الباري: ۴۸۱/۲، عمدة القاري: ۲۹۳/۳، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱، التوشيح على الجامع الصحيح للسيوطي: ۲۴۳/۱

بہایا،(۱) بکثرت پانی بہانے کو"أفاض الماء" کہتے ہیں۔(۲)

"أفاضت علی رأسها" یہ جملہ "فاغسلت" کے لیے تفسیر کی طرح ہے،(۳) مطلب یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا غسل کی ابتدا سر پر پانی بہانے سے کیا۔

بيننا وبينها حجاب

راوی کہتے ہیں کہ ہمارے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان پردہ حائل تھا،"بيننا وبينها حجاب" کی صراحت سے منکرین حدیث وروافض وغیرہ کے تمام مزعومہ اعتراضات کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔(۴)

"بيننا وبينها حجاب" یہ جملہ (کوفیوں کے نزدیک) فاغتسلت سے اور (بصریوں کے نزدیک) أفاضت سے حال واقع ہو رہا ہے۔(۵)

راوی، سائل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپس میں رشتہ وتعلق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیثِ باب کے راوی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی خالہ ہیں، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اُم کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ کو دودھ پلایا تھا، یہ ان کے رضاعی بیٹے تھے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں استفسار کرنے والے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، اگرچہ اس کی تعیین نہیں ہو سکی کہ وہ حقیقی بھائی تھے، یا رضاعی بھائی تھے۔(۶)

---

(۱) دیکھیے: عمدة القاري: ۲۹۳/۳

(۲) المُغرب في ترتيب المعرّب: ۱۵٤/۲، لسان العرب: ۳٦٦/۱۰، الصحاح للجوهري، ص: ۸۳۰، النهاية لابن الأثير: ٤۰٤/۲

(۳) عمدة القاري: ۲۹۳/۳

(٤) سيأتي التفصيل

(٥) عمدة القاري: ۲۹۳/۳

(٦) شرح الكرماني: ۱۱٤/۳، فتح الباري للعسقلاني: ٤۸۱/۲، عمدة القاري: ۲۹۳/۳، المنهاج للنووي: ۲۲۹/٤

روافض ومنکرین حدیث کا بے جا اعتراض

بعض لوگ روافض ومنکرین حدیث امام بخاری کی اس روایت کی آڑ میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بے جا اعتراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام بخاری نے ان کی طرف حدیث میں یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو غسل کر کے دکھایا ہے، یہ العیاذ باللہ بے حیائی کی بات ہے؟ اس لیے کہ اگر ان لوگوں کو عملاً دکھانا تھا تو پردہ لگانے کی کیا ضرورت تھی، اور اگر نظر آرہا تھا تو معترض کا مدعا ثابت ہو جائے گا کہ ایسا کرنا بے حیائی کے زمرے میں آتا ہے۔

ایمان کی حقیقت سے محروم یہ بے بصیرت اور صحابہ دشمن لوگ مطاعن صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے احادیث سے اپنا من پسند مفہوم کشید کرنے کے لیے نہایت ہی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، چاہے ان کے اعتراض کی کوئی بنیاد بھی نہ ہو۔

بہر حال اس مزعومہ اعتراض کے جواب سے پہلے بطور تمہید کے حضرت عائشہ رضي اللہ عنہا کا مختصراً علمی مقام اور حضرات صحابہ وتابعین کا مسائل شریعت کے جاننے اور معلوم کرنے کے لیے ان سے رجوع کرنے کو بیان کرنا مفید ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کی طرف رجوع

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید، میراث اور حلال وحرام کے مسائل میں ماہر نہ تھا، چناں چہ عروہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا جو قرآن پاک، فرائض، حلال وحرام، شعر، عرب کے واقعات اور انساب میں ان سے ماہر ہو۔(۱)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، بلکہ تمام عورتوں سے زیادہ دین کا علم رکھتی تھیں، امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور تمام عورتوں کا علم ایک طرف ہو اور دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ہو تو وہ افضل ہے، یعنی ان سب سے بڑھ کر ہے۔(۲)

---

(۱) حلية الأولياء: ۲/۴۹، ۵۰

(۲) البداية والنهاية: ۸/۹۷

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو حدیث کے متعلق جب بھی کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے پر اس کا حل ضرور نکل آتا تھا۔(۱)

اعتراض کا جواب

اسی پس منظر کے تحت حدیث باب کے راوی اُبوسلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی نے اُم المؤمنین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے (پانی) بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کی وضاحت فرمادی۔

اس روایت میں نہ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف کوئی غلط بات منسوب کی ہے اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے کوئی ایسا شائبہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ راوی حدیث حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ "بيننا وبينها حجاب" بالکل واضح اور بے غبار ہیں اور صراحت کے ساتھ بتلا رہے ہیں کہ غسل کا عمل پس پردہ ہوا ہے، اس سے نہ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کوئی قدغن لگتی ہے اور نہ ہی امام بخاری رحمہ اللہ پر حرف گیری ہوسکتی۔

معترضین کے زعم فاسد کے برعکس امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاع جیسے ایک برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے اور اس بارے میں پانی کی کوئی خاص تحدید نہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمۃ الباب "باب الغسل بالصاع ونحوه" سے بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

شراح حدیث نے اس طرح کے ممکنہ مزعومہ اعتراض کا دوطرح سے جواب دیا ہے۔

قاضی عیاض اور امام قرطبی رحمہما اللہ کا جواب

پہلا جواب قاضی عیاض اور امام قرطبی رحمہما اللہ نے دیا ہے، جسے شراح حدیث نے عام طور سے نقل فرمایا کہ حدیث کے راوی ابوسلمہ اور سائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محارم میں سے تھے جن کے لیے سر اور اوپر کے حصہ جسم کی طرف نظر کرنا جائز تھا۔ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) البداية والنهاية: ۹۷/۸

کے غسل کے عمل کو دیکھا یعنی سر دھونے اور جسم کے اوپر کے حصے (گردن اور کندھوں) پر پانی بہانے کا مشاہدہ کیا، کیوں کہ اگر وہ اس کا مشاہدہ نہ کرتے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پانی طلب کر کے ان کی موجودگی میں غسل وطہارت حاصل کرنے کا عمل کرنے کا کوئی معنی نہ ہوتا اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکمل اوٹ میں یہ عمل کرتیں تو زبانی بتانے اور اس میں کوئی فرق باقی نہ رہتا، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ عمل پردے کے اوٹ میں رہ کر کیا اس حال میں جسم کا وہ حصہ (یعنی سر اور کندھوں) کے علاوہ جن کی طرف محرم کو نظر کرنا جائز نہیں ہے وہ مستور تھا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے ثابت ہوا کہ عملی تعلیم وتعلم مستحب ہے، اس لیے کہ یہ زبانی تعلیم سے زیادہ واضح اور مؤثر ہوتی ہے۔(۲)

علامہ گورانی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد کورانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ کا جواب میرے نزدیک محل نظر ہے، اس لیے کہ محارم کے جسم کے اوپر کے حصہ کی طرف دیکھنا اگرچہ جائز ہے، لیکن اسے عام لوگ بھی پسند نہیں کرتے، چہ جائے کہ اس کی نسبت مجسم حیا جناب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کی جائے، باقی رہی بات برتن کی تو وہ اس لیے طلب کیا تا کہ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے پانی کی مقدار دکھائے، انہوں نے اس کے لیے باقاعدہ غسل نہیں کیا، ہوسکتا ہے ان کا پہلے سے غسل کا ارادہ ہو اور اتفاقی طور سے یہ دونوں حضرات بھی آگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں پوچھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ پردے میں رہ کر غسل فرمایا، لیکن یہ زبانی تعلیم دینے سے زیادہ ابلغ تھا۔(۳)

---

(۱) التوضيح لابن المقلّن: ٥٥٥/٤، شرح الكرماني: ١١٥/٣، فتح الباري: ٤٨١/٢، عمدة القاري: ٢٩٢/٣، المنهاج: ٢٢٩/٤، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١٤٤/١

(۲) عمدة القاري: ٢٩٤/٣

(۳) الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري: ٤٠٩/١، ٤١٠

عرف ومحاورہ کی رعایت

شراح حدیث کے ان جوابات سے ہٹ کر ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ حدیث کے راوی نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ عرف اور عام محاورے کی بنیاد پر ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غسل کے عمل کا مشاہدہ بھی کیا ہو۔ کیوں کہ عرف میں جب کسی سے اس طرح کا کوئی سوال کیا جاتا ہے کہ کتنی مقدار میں پانی سے غسل کیا جاسکتا ہے؟ یا فلاں کتنی مقدار پانی سے غسل کرتے تھے؟ تو اس کے جواب میں اگر وہ مخصوص برتن میں پانی سے عملاً غسل کر کے آئے اور بتائے کہ اتنی مقدار پانی سے غسل کیا تھا، تو اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ پوچھنے والوں نے اسے دیکھا ہو، اسی طرح یہاں بھی ہوا ہو، مزید برآں جب راوی خود یہ کہہ رہا ہے کہ "وبيننا وبينها حجاب" یعنی ہمارے اور ان کے درمیان حجاب و پردہ تھا تو پھر اپنی طرف سے اعتراض کشید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوائے ان نفوسہ قدسیہ سے عدوات کے اظہار کے اور کچھ نہیں۔ (۱)

---

(۱) علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب (پی ایچ ڈی، لندن) نے "آثار الحدیث" (۴۳۲،۴۳۱/۲) میں "حدیث غسل اُم المؤمنین پر ایک اعتراض" کے تحت لکھا ہے:

> "فہم حدیث میں کسی جگہ کے عرف، محاورے اور استعمال کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے، مثلاً دو شخصوں میں دیانت داوی سے اس موضوع پر نزاع ہوگیا کہ نہانے کے لیے کم از کم پانی کتنا ہونا چاہیے؟ ایک نے کہا میں دو سیر سے نہا سکتا ہوں، دوسرے نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا، تم نہا کر دکھاو، وہ دو سیر پانی لے کر خلوت میں چلا گیا، نہا کر آیا اور کہا: میں نے دو سیر پانی سے پورا غسل کرلیا ہے، ایک دوسرے کی دیانت پر انہیں پورا اعتماد تھا، اب پہلا شخص اگر یہ کہتا ہے کہ آدمی دو سیر سے نہا سکتا ہے اور فلاں آدمی میرے سامنے دو سیر پانی سے نہایا، تو ایسے موقعوں پر گفتگو کا یہ انداز غلط نہیں ہوگا، نہ اس کے پیش نظر یہ بات غلط ہوگی، سامنے نہانے سے یہاں اس طرح نہا کر دکھانا مراد ہے نہ یہ کہ وہ دوسرا پہلے کے سامنے برہنہ ہوا تھا اور بالکل اس کے سامنے ہی نہایا تھا۔ حدیث میں ایسا کوئی واقعہ آجائے تو منکرین حدیث اسے نہایت چھوٹی سوچ سے سوچتے ہیں اور نہیں جانتے کہ دنیا میں میں تجربے اور مافی الضمیر کے اظہار کے لیے عرف اور ماحول کے کتنے پیمانے استعمال ہوتے ہیں، کیا مندرجہ ذیل حدیث کو اس عرفی پیمانے میں نہیں سمجھا جاسکتا؟
>
> اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ابو سلمہ رضی اللہ اور آپ کے بھائی (رضاعی)=

اس کے علاوہ اگر ان حضرات کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کوئی نگاہ پڑی بھی ہے تو اس میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی حرج بھی نہیں، اس لیے کہ یہ دونوں ان کے محارم میں سے تھے اور ان کے لیے جسم کے اوپر کے حصے کی طرف نگاہ کرنا شرعا جائز تھا، (کمامرّ) ان شاء اللہ آگے اس مسئلے کی وضاحت آئے گی کہ محارم کے لیے کن اعضاء کی طرف نگاہ کرنا شرعا جائز ہے۔

ابن رجب حنبلی اور علامہ گنگوہی کی وضاحت

پھر شراح حدیث میں سے علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اور علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس وقت نابالغ اور چھوٹے بچے تھے۔(۱)

یہ بات بھی معاشرے میں عام طور سے رائج ہے کہ خاندان کے بڑے اپنے چھوٹوں کو بہت ساری باتوں کی عملی تعلیم دیتے ہیں، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے محارم میں سے ایک بچے کو پردے میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی تعلیم دی ہے تو اس میں کیا حرج ہے اور اگر ان کی نگاہ بھی پڑی ہو تو صرف جسم کے اس حصے پر جس کا محارم کیلئے دیکھنا شرعاً جائز بھی ہے، جیسے سر اور کندھے وغیرہ پر۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے امام قرطبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں راوی کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بالوں کی کیفیت کے بارے میں خبر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بالوں کو دیکھا تھا اور محارم کے لیے اس کے جواز میں کسی کا

=عبداللہ بن یزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بھائی نے حضرت اُم المؤمنین سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے پانی سے غسل فرمالیتے تھے، آپ نے پانی منگایا جو ایک صاع (ایک پیمانہ) کے مطابق ہوگا اور غسل فرمایا اور اپنے سر سے پانی بہایا۔ صحیح بخاری میں یہاں صراحت سے منقول ہے کہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی اور بھانجے کے مابین پردہ تھا، اس تصریح سے بات وہیں آتی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں، مگر منکرین حدیث ہیں کہ اس حدیث کو (اس پردے کی بحث سے یکسر جدا کر کے) نہایت تمسخر سے نہ صرف پیش کرتے ہیں، بلکہ اس حوالے سے اپنے منکرین حدیث ہونے پر ناز کرتے ہیں"۔

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۲٤٤، لامع الدراري: ۲/۲۰۷، الكنز المتواري: ۳/۱۹۱

اختلاف نہیں، سوائے اس کے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کراہت کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے۔(۱)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی "کالرأس" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے صرف سر کو دیکھا ہے۔(۲)

حیااور احتیاط

اس کے علاوہ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ اس زمانے میں آج کی طرح مکمل بند غسل خانے نہیں ہوا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہدایت بھی یہ تھی کہ دوران غسل ستر کو چھپایا جائے، جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب التستر في الغسل عند الناس" کے عنوان سے باب بھی قائم فرمایا ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف عمل کیا ہو، ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے، پھر یہ ضروری تو نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لباس کے بغیر غسل کیا ہو، کسی ایک بھی صحیح روایت میں نہ تو اس کی صراحت ہے اور نہ ہی کنایۃً اس بات کا اشارہ ملتا ہے، اقرب یہ ہے کہ ان کا یہ غسل لباس پہننے کی حالت میں تھا، لہٰذا ایک شرعی مسئلہ کی تعلیم کے لیے کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود پردے اور حجاب کے اوٹ میں ہو جانا، ان پر اعتراض کی بجائے، ان کے حیا اور احتیاط پر دلالت کرتا ہے۔

صحابہ وتابعین کا عدم نکیر

اگر واقعہ حال میں معترض کے زعم باطل کے مطابق کوئی بات قابل اعتراض ہوئی بھی ہو اور اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ شرعاً اور عرفاً کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اور اگر ایسا ہوتا تو عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے کہ خیر القرون میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود راوی اور سائل اس پر کوئی نکیر نہ کرتے اور خاموشی اختیار کرتے، حاشا وکلا! اس کو چھوڑ دیئے اگر اس روایت پر ایسا کوئی اعتراض ہوتا تو امت کے اساطین اہل علم میں سے کوئی ایک فرد تو ضرور اس کی طرف توجہ کرتے اور اس کا قابل اعتراض ہونا بیان کرتے، لیکن آج تک کسی نے بھی اس روایت اور اس کے الفاظ کو قابل اعتراض نہیں سمجھا، تو اس کا مطلب واضح ہے کہ معترض صرف اور صرف اپنے دل میں موجود بغض اور کینے کا اظہار کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر رہا ہے۔

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤٤

(۲) لامع الدراري: ۲/۲۰۷، الكنز المتواري: ۳/۱۹۳

کج فطرت کے لیے کوئی دلیل مفید نہیں

بنابریں ایک نیک طینت اور سلیم الفطرت آدمی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور حیا کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا اور زبان نبوت نے ان کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے، ہاں کوئی کج فطرت اور ایمان کی حقیقت سے محروم ہو تو اس کے لیے نہ تو اللہ کا کلام کافی ہوسکتا اور نہ ہی ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

حدیث باب میں سوال غسل کی کیفیت کے بارے میں تھا یا کمیت کے بارے میں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھائی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں جو سوال کیا تھا وہ کیفیت غسل کے بارے میں تھا؟ یا کمیت ماء (پانی کی مقدار) کے بارے میں تھا؟ اس بارے میں شراح حدیث کے دونوں طرح کے اقوال ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''أخو عائشة'' کا سوال کیفیت اور کمیت دونوں کے بارے میں تھا، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''ولما كان السؤال محتملاً للكيفية والكمية، ثبت لهما مايدل على الأمرين معاً، أما الكيفية: فبالا قتصار على إفاضة الماء، وأما الكمية فبا لا كتفا بالصاع''.(۱)

یعنی سوال میں غسل کی کیفیت اور کمیت دونوں کا احتمال تھا تو حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل بھی دونوں پر دلالت کر رہا ہے، کیفیت کے بارے میں سر اور بدن پر پانی بہا کر بتلایا اور کمیت ایک صاع پر اکتفا کر کے ظاہر کردی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے اور حافظ صاحب پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس بات کو رد کیا ہے کہ سوال کیفیت اور کمیت دونوں کے

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸۱، ۴۸۲

بارے میں تھا، انہوں نے فرمایا: سوال صرف کیفیتِ غسل کے بارے میں تھا، ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ سوال کمیت ماء کے بارے میں بھی تھا، مزید فرماتے ہیں:

"ولئن سلمنا فلم تبين إلا الكيفيه ولا تعرض فيه للكمية، لأنه قال: فدعت بإناء نحواً من صاع، فلا يدل ذلك على حقيقة الكمية، لأنها طلبت إناء ماء مثل صاع، فيحتمل أن يكون ذلك الماء ملأ الاناء أو أقل منه". (۱)

یعنی اگر ہم تسلیم کر بھی لیں کہ سوال دونوں کے بارے میں تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف کیفیتِ غسل بتلائی ہے، کمیت سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، اس لیے کہ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن صاع کے پیمانہ واندازہ کا پانی منگوایا، اس میں احتمال ہے کہ وہ برتن بھرا ہوا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پانی اس میں کم ہو۔ (اس سے تو پانی کی حقیقی مقدار معلوم نہیں ہوئی، لہٰذا اس سے کمیت ماء پر استدلال درست نہیں)۔

محارم کے بدن واعضاء کی طرف نگاہ کرنے کا حکم

حدیثِ باب سے علماء نے محارم کے بدن واعضاء کے بعض حصوں کی طرف نگاہ کرنے کے جواز کو مستنبط کیا ہے، فقہاء کے نزدیک مرد کا اپنے محارم کے جسم وبدن کے کس حصے اور عضو کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے اور کس حصے کی طرف دیکھنا جائز نہیں؟ کیا اس سے مراد عام طور سے جو گھروں میں سر اور سر کے بال، گردن، چہرہ، ہاتھ، بازو، پاؤں اور پنڈلیاں وغیرہ پر نگاہ پڑتی ہے؟، یا ستر کے علاوہ چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں؟ یا صرف چہرہ مراد ہے؟ یا ناف اور گھٹنوں تک کے علاوہ باقی بدن کی طرف نگاہ کرنے کی گنجائش ہے؟، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (۲)

مالکیہ کا مسلک

مالکیہ کے نزدیک مرد کے لیے اپنے محارم کے بازو، سر کے بال، سینے کے اوپر کا حصہ اور گردن کا نچلا

---

(۱) دیکھیے: عمدة القاري: ۲۹٤/۳

(۲) دیکھیے: فتح الباري لابن رجب الحنلبي: ۱٤٤/۱

حصہ اور پاؤں کے اطراف کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے۔(۱)

محرم عورت کے پستان، سینہ اور رانوں کی طرف نگاہ کرنا جائز نہیں۔(۲)

مرد کا مرد کے جن اعضا کو دیکھنا جائز ہے عورت اپنے محرم کے ان اعضاء طرف نظر کر سکتی ہے یعنی عورت کے لیے محرم مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے علاوہ باقی بدن کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔(۳)

تنبیہ

مالکیہ کے ہاں اگر چہ شہوت کا خوف نہ ہو مرد کا جواں محرم عورت کی طرف نگاہ بھر کر بار بار دیکھنا جائز نہیں، سوائے ضرورت کے (یعنی اگر گواہی وغیرہ کے وقت جواں محرم عورت کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی گنجائش ہے)۔(۴)

شوافع کا مسلک

فقہائے شوافع کے ہاں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے علاوہ باقی بدن کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے۔(۵)

ایک دوسرے قول میں شوافع کے نزدیک محارم کے ان اعضا کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے جو گھر میں کام کرتے ہوئے عام طور سے ظاہر ہوتے ہیں، جیسے: سر، گردن، چہرہ اور پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ کی طرف دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۶)

حنابلہ کا مسلک

علمائے حنابلہ کے ہاں (ایک قول میں شوافع کے ہاں بھی) مرد کا اپنے محارم کے ان اعضا کی طرف نگاہ

---

(۱) مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل: ۱۸۲/۲

(۲) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ۳٤٦/۱، مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل: ۱۸۳/۲

(۳) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ۳٤٦/۱، مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل: ۱۸۳/۲

(٤) مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل: ۱۸۳/۲

(٥) كفاية الأخيار، ص: ٤٦٩، ٤٧٠، المجموع شرح المهذب: ۲۱٥/۱۷، ۲۱٦

(٦) كفاية الأخيار، ص: ٤٦٩، المجموع شرح المهذب: ۲۱٥/۱۷، ۲۱٦

کرنا جائز ہے جو عموماً ظاہر ہوتے ہیں، جیسے: چہرہ، گردن، سر، ہاتھ، بازو اور پنڈلیاں وغیرہ۔(۱)

ابوالحسن مرداوی رحمہ اللہ نے اسے اکثر حنابلہ کا مذہب قرار دیا ہے۔(۲) البتہ فتنے سے بچنے کے لیے پنڈلیوں اور سینے کی نگاہ کرنا درست نہیں۔(۳)

عورت کا محرم مرد کی طرف نگاہ کرنے کے بارے میں حنابلہ کے دو قول ہیں:

۱- مرد کی شرمگاہ کے علاوہ کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے۔

۲- مرد کا مرد کے جن اعضاء کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے، عورت بھی محرم مرد کے ان اعضا کی طرف نظر کر سکتی ہے۔(۴)

حنفیہ کا مسلک

علمائے احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک اگر طرفین (محرم مرد و عورت) کی طرف سے شہوت کا خوف نہ ہو تو مرد محرم عورت کے سر اور اس کے بال، کان، چہرہ، سینہ، بازو، پستان، پنڈلیوں اور پاؤں کی طرف نگاہ کر سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں محارم کے لیے زینت کے اظہار کی اجازت دی ہے، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو ابنائهن او ابناء بعولتهن أو اخوانهن أوبني اخوانهن أوبني اخواتيهن أو نسائهن أو ما ملكت ايمنهن﴾.(٥)

(ترجمہ) اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے خاوند کے باپ کے، یا اپنے بیٹے کے، یا اپنے خاوند کے بیٹے کے، یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی

---

(١) المغني لابن قدامة: ٧/ ٧٥

(٢) الإنصاف للمرداوي: ٨/ ٢٠

(٣) المغني لابن قدامة: ٧/ ٧٥

(٤) المغني لابن قدامة: ٧/ ٨٠

(٥) النور: ٣١

عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے (آگے)۔

آیت میں زینت سے کیا مراد ہے

آیت میں زینت سے صرف نفس زینت مراد نہیں، اس لیے کہ نفس زینت کا اظہار منہی نہیں، بلکہ مواضع زینت بھی مراد ہے، کیوں کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلِ زینت کی طرف نظر کرنے کو مباح قرار دیا ہے، لہٰذا مرد کا محرم عورت کے مواضع زینت کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے، اعضائے بدن میں سے سر موضع تاج ہے اور بال چوٹیوں کی جگہ ہے، چہرہ موضع کُحل ہے، گردن اور سینہ موضع ہار اور موضع حمائل ہے، کان بالیاں پہننے کی جگہ ہے، بازو میں بازو بند اور کنگن پہنے جاتے ہیں اور پاؤں خضاب اور پازیب کی جگہ ہیں۔(۱)

عقلی دلیل

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لأن المخالطة بين المحارم للزيارة وغيرها ثابتة عادة، فلا يمكن صيانة مواضع الزينة عن الكشف إلا بحرج وأنّه مدفوع شرعاً".(۲)

یعنی محارم کے ساتھ (سفر وحضر) میں اختلاط اور ملنا ملانا عادتاً ثابت ہے اور عام طور سے محارِم کے لیے مواضع زینت کا چھپانا اور اظہار وکشف سے بچانا مشکل اور باعث حرج ہوتا ہے؛ اس لیے حرج سے بچانے کے لیے ان کی طرف نگاہ کو شرعاً جائز قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ شرعاً حرج مدفوع ہے۔

مواضع زینت غضِ بصر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عمومی طور سے غض بصر کا حکم دیا ہے اور مواضع زینت کو اس سے مستثنیٰ کر دیا ہے، تو پیٹ، کمر، شرمگاہ اور ران مواضع زینت نہ ہونے کی وجہ سے غض بصر کے عمومی حکم میں داخل ہوں گے اور ان کی طرف نگاہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ٤٨٩/٦، البحر الرائق: ٣٥٥/٨، حاشية ابن عابدين: ٢٥٩/٥

(۲) بدائع الصنائع: ٤٨٩/٦، البحر الرائق: ٣٥٥/٨، ٣٥٦، الدر المختار مع ردالمحتار: ٢٥٩/٥

ہر وہ عضو جس طرف دیکھنا محارم کے لیے جائز ہے، اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو اس کا چھونا بھی جائز ہوگا۔(۱)

حدیث سے مستنبط شدہ مسائل

احادیث باب سے درج ذیل مسائل مستنبط شدہ ہیں:

۱- زبانی تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم دینا مستحب ہے۔(۲)

۲- محرم اپنے محارم کے بعض اعضا کی طرف نگاہ کر سکتا ہے۔(کمامر)

۳- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل میں پانی بہانے کے بارے میں کوئی خاص عدد اور تکرار شرط نہیں (البتہ تین دفعہ پانی بہانا سنت ہے، ایک دفعہ ضروری ہے) شرط یہ ہے کہ تمام بدن پر اس طرح پانی بہایا جائے کہ ہر حصے تک پہنچ جائے۔(۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الغسل بالصاع ونحوہ کا عنوان قائم کیا ہے، حدیث میں وارد "فدعت بإناء ونحواً" کے الفاظ سے ترجمہ ثابت ہو جاتا ہے۔(۴)

تعلیق

قال أبو عبدالله: قال يزيد بن هارون وبهزوالجدي عن شعبة: "قدر صاع"

امام بخاری کہتے ہیں یزید بن ہارون، بہز اور جُدی نے امام شعبہ سے ("نحواً من صاع" کی جگہ) "قدر صاع" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ٦/٤٨٩، ٤٩٠، البحر الرائق: ٨/٣٥٥، ٣٥٦

(۲) فتح الباري: ٢/٤٨١، عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(۳) عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(٤) عمدة القاري: ٣/٢٩٤

رجال تعلیق

أبو عبدالله

یہ صاحب کتاب ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات کشف الباری "مقدمة الکتاب" میں گذر چکے ہیں۔(۱)

یزید بن هارون

یہ ابوخالد یزید بن ہارون بن زاذی، یازاذان واسطی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب التبرز في البیوت کی دوسری حدیث کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔(۲)

بَهز

بہز (بفتح الباء الموحدة وسكون الهاء وفي آخره زاء معجمة) با کے فتحہ، ہا کے سکون اور آخر میں زا ہے۔(۳)

یہ ابوالاسود بہز بن اسد عمی بصری رحمہ اللہ ہیں اور آپ معلیٰ بن اسد کے بھائی ہیں۔(۴)

اساتذہ وشیوخ

ان کے اساتذہ وشیوخ میں ابان بن یزید عطار، حماد بن سلمہ، سلیمان بن مغیرہ، شعبہ بن حجاج، عمر بن ابو زائدہ، مثنی بن اسد، ہمام بن یحییٰ، وہیب بن خالد، یزید بن ابراہیم تستری، یزید بن زریع، ابوبکر نہشلی، ابوعقیل دورقی وغیرہ شامل ہیں۔(۵)

---

(۱) دیکھیے: کشف الباري: ۱/۱۲۲-۱۵۳

(۲) الصحيح للإمام البخاري، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت

(۳) فتح الباري: ۲/۴۸۲، عمدة القاري: ۳/۲۹۴

(۴) تهذيب الكمال: ۴/۲۵۷، التاريخ الكبير: ۳/۱۴۳، سير أعلام النبلاء: ۹/۱۹۲، الجرح والتعديل: ۲/۳۵۴

(۵) تهذيب الكمال: ۴/۲۵۷، ۲۵۸، سير أعلام النبلاء: ۹/۱۹۲، ميزان الاعتدال: ۱/۳۵۳، تذكرة الحفاظ: ۱/۳۴۱

تلامذہ

ان سے روایت نقل کرنے والوں میں ابراہیم بن موسیٰ رازی، احمد بن ابراہیم دورقی، احمد بن سنان القطان، احمد بن محمد بن حنبل، عبداللہ بن ہاشم طوسی، عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم نیشاپوری، محمد بن بشار بندار، محمد بن حاتم السمین اور یعقوب بن ابراہیم دورقی وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

جلالت شان اور ائمہ کے توثیقی اقوال

عبدالرحمٰن بن بشر کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تم مجھ سے شعبہ کے بارے میں زیادہ پوچھتے ہو، تم بہز بن اسد کو لازم پکڑو، فإنه صدوق، ثقة، اس لیے کہ وہ سچے اور ثقہ ہیں، اور ان سے شعبہ کی کتاب بھی سن لو۔(۲)

انہی عبدالرحمٰن بن بشر رحمہ اللہ کا قول ہے: "ما رأيت رجلاً خيراً من بهز". (۳) میں نے بہز بن اسد سے بہتر آدمی کوئی نہیں دیکھا۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے: "كان من جلّة العلماء". (۴) یعنی بہز بن اسد جلیل القدر علماء میں سے تھے۔

ابوبکر اسدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: "بهز بن أسد إليه المنتهىٰ في التثبت". (۵)

یحییٰ بن معین ابوحاتم اور امام نسائی رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: "ثقة". (٦)

---

(١) الجرح والتعديل: ٣٥٥/٢، تذكرة الحفاظ: ٣٤١/١، ٣٤٢، تهذيب الكمال: ٢٥٧/٤، سير أعلام النبلاء: ١٩٢/٩

(٢) دیکھیے: تهذيب الكمال: ٢٥٩/٤، تهذيب التهذيب: ٢٥١/١

(٣) تذكرة الحفاظ: ٣٤٢/١، سير أعلام النبلاء: ١٩٢/٩، تهذيب الكمال: ٢٥٩/٤

(٤) دیکھیے: تذكرة الحفاظ: ٣٤٢/١

(٥) تهذيب الكمال: ٢٥٨/٤، الجرح والتعديل: ٣٥٥/٢، ميزان الاعتدال: ٣٥٣/١

(٦) تهذيب الكمال: ٢٥٨/٤، ٢٥٩، سير أعلام النبلاء: ١٩٢/٩، الجرح والتعديل: ٣٥٥/٢، ميزان الاعتدال: ٣٥٣/١

ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "كان ثقة، كثير الحديث، حجة". (١)

ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: "إمام، صدوق، ثقه". (٢)

امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "بصري، ثبت في الحديث، رجل صالح، صاحب سنة". (٣)

علامہ ازدی کا شاذ قول

ابوالفتح ازدی کا ایک شاذ قول ہے کہ بہز بن اسد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے تھے۔ (۴)

علامہ ذہبی کا علامہ ازدی کی تردید

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ازدی کی سختی سے تردید کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "كذا قال الأزدي والعهدة عليه، فما علمت في بهز مغمزاً". (٥)

یعنی ازدی نے بہز کے بارے میں اس طرح کہا ہے اور اس (قول) کی ذمہ داری (وبال) بھی انہی پر ہے، میں نے بہز بن اسد میں کوئی قابل اعتراض بات اور عیب نہیں پایا۔

مزید یہ کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تاریخ اسلام" (٦) میں ان کی توثیق کی ہے اور "الکاشف" میں فرمایا: "حجة إمام". (٧)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة ثبت". (٨)

---

(١) طبقات ابن سعد: ٢٩٨/٧، تهذيب الكمال: ٢٥٩/٤

(٢) تهذيب الكمال: ٢٥٨/٤، ميزان الاعتدال: ٣٥٣/١

(٣) معرفة الثقات: ٢٢٥/١، مطبعة المدني، قاهرة، مصر

(٤) ميزان الاعتدال: ٣٥٣/١، تهذيب التهذيب: ٢٥١/١

(٥) ميزان الاعتدال: ٣٥٣/١

(٦) تاريخ الإسلام: ٢٢٢/٥

(٧) الكاشف، ص: ٢٧٦

(٨) تقريب التهذيب: ١٣٩/١

وفات

بہز بن اسد رحمہ اللہ کے سنہ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، البتہ سب کا نتیجہ و مآل ایک ہی ہے۔

عقبہ بن مکرم عمّی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بہز بن اسد یحییٰ بن سعید القطان سے پہلے فوت ہوئے۔(۱)

ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: ۲۰۰ ہجری کے بعد انتقال ہوا۔(۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر أعلام لنبلاء"، "تذكرة الحفاظ" اور "تاريخ الإسلام" میں ۱۹۷ ہجری کو ان کا سنہ وفات قرار دیا ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن قانع سے بھی ۱۹۷ ہجری کا قول نقل کیا ہے۔(۴)

الجُدّي

(الجُدّي بضم الجيم وتشديد الدال) جُدّی، جیم کے ضمہ اور دال کی تشدید کے ساتھ، جُدّہ کی طرف نسبت ہے، جُدَّہ مکہ مکرمہ کے ساحل سمندر کا علاقہ ہے۔(۵) آج کل اسے (جیم کے فتحہ کے ساتھ) جَدّہ کہا جاتا ہے، یہ تصحیف ہے، صحیح جیم کے ضمہ کے ساتھ ہی ہے۔

یہ ابوعبداللہ عبدالملک بن ابراہیم جُدّی، قرشی، مکی، حجازی رحمہ اللہ ہیں۔(۶)

اساتذہ وشیوخ

ان کے اساتذہ وشیوخ میں ابراہیم بن طہمان، حماد بن سلمہ، حوشب بن عقیل، سعید بن خالد خزاعی،

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٥٩/٤

(٢) كتاب الثقات: ١٥٥/٨، تهذيب التهذيب: ٢٥١/١، تهذيب الكمال: ٢٥٩/٤

(٣) سير أعلام النبلاء: ١٩٢/٩، تذكرة الحفاظ: ٣٤٢/١، تاريخ الإسلام: ٢٢٢/٥

(٤) تهذيب التهذيب: ٢٥١/١

(٥) فتح الباري: ٤٨٣/٢، عمدة القاري: ٢٩٤/٣، تقريب التذيب: ٦١٣/١

(٦) تهذيب الكمال: ٢٨٠/١٨، التاريخ الكبير: ٤٠٦/٥، الجرح والتعديل: ٤٠٥/٥، تقريب التهذيب: ٦١٣/١، كتاب الثقات: ٣٨٧/٨، تاريخ الإسلام: ٤٢١/٥، تهذيب التهذيب: ٢٨٤/٦، الكاشف: ٦٦٣/١

سفیان ثوری، سلیمان بن مغیرہ، شعبہ بن حجاج، صلت بن دینار، القاسم بن الفضل حُدّانی، محمد بن محمد بن نافع طائفی، نافع بن عمر الجمحی، ہمام بن یحییٰ، ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ، یزید بن ابراہیم تستری، اور الیسع بن قیس وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، ابوالازہر احمد بن الازہر نیشاپوری، احمد بن بزیع، احمد بن حسن ترمذی، احمد بن محمد بن عبداللہ بن القاسم بن ابی بزہ بزّی مقری، احمد بن منصور مروزی، حجاج بن شاعر، حسن بن علی خلال، سلمہ بن شبیب نیشاپوری، ابوداؤد سلیمان سیف حرانی، عبداللہ بن منیر مروزی، ابوعبدالرحیم محمد بن احمد بن ابی عیسیٰ جوزجانی، ابوکریب محمد بن علاء، محمد بن مقصود جوزمانی مکی، محمود بن غیلان مروزی، وہب بن حفص حرانی اور ابوعبیدہ بن فضیل بن عیاض وغیرہ شامل ہیں۔(۲)

توثیق میں ائمہ کے اقوال

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی رحمہم اللہ نے ان کی روایت نقل کی ہیں، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے (مقروناً بغیرہ) بطور تائید کے ان کی روایت نقل کی ہے۔(۳)

ابوعبدالرحمٰن المقری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "هو أحفظ مني". (۴)

ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "لا بأس به". (۵)

امام مزّی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ثقه، مامون". (٦)

(١) تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨٠، ٢٨١، تاريخ الإسلام: ٥/ ٤٢١، الجرح والتعديل: ٥/ ٤٠٥، تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٨٤

(٢) تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨١، تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٨٥، تاريخ الإسلام: ٥/ ٤٢١

(٣) تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨٢، الكاشف: ١/ ٦٦٣، عمدة القاري: ٣/ ٢٩٤

(٤) تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨٢، تاريخ الإسلام: ٥/ ٤٢٢، تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٨٥

(٥) الجرح والتعديل: ٥/ ٤٠٦، تهذيب التهذيب: ٦/ ٢٨٥، تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨٢، تاريخ الإسلام: ٥/ ٤٢١

(٦) تاريخ الإسلام: ٥/ ٤٢١، ٤٢٢، تهذيب الكمال: ١٨/ ٢٨٢، تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٨٥

امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شیخ".(۱)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثقات'' میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔(۲)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة".(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "تقريب التهذيب" میں فرماتے ہیں: "صدوق".(۴)

وفات

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: عبدالملک بن ابراہیم کا ۲۰۴، یا ۲۰۵ ہجری میں انتقال ہوا۔(۵)

ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثقات'' میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔(۶)

علامہ ذہبی، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے ۲۰۵ ہجری کو ان کا سنہ وفات قرار دیا ہے۔(۷)

شعبة

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج بن ورد عتکی، واسطی، بصری رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے حالات ''کشف الباری'' کتاب الإیمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کی پہلی حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۸)

تخریج تعلیق

قال يزيد بن هارون، وبهز، والجُدّيُّ عن شعبة: قدر صاع.

---

(۱) الجرح والتعديل: ٥/٤٠٦، تهذيب الكمال: ١٨/٢٨٢، تهذيب التهذيب: ٦/٣٨٥

(۲) دیکھیے: كتاب الثقات: ٨/٣٨٧، تهذيب التهذيب: ٦/٣٨٥

(۳) دیکھیے: تهذيب التهذيب: ٦/٣٨٥

(٤) تقريب التهذيب: ١/٦١٣

(٥) التاريخ الكبير: ٥/٤٠٦، تاريخ الإسلام: ٥/٤٢٢، تهذيب الكمال: ١٨/٢٨٢

(٦) كتاب الثقات: ٨/٣٨٧

(٧) دیکھیے: الكاشف: ١/٦٦٣، عمدة القاري: ٣/٢٩٤، إرشاد الساري: ١/٤٩١

(٨) دیکھیے، كشف الباري: ١/٦٧٨

یہ متابعت ناقصہ ہے، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بطور تعلیق کے ذکر فرمایا ہے۔(۱)

یزید بن ہارون، بہز اور جدی عن شعبہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بطور تعلیق ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس تعلیق مذکورہ میں یزید بن ہارون کی شعبہ سے روایت کو ابوعوانہ نے موصولاً نقل کیا ہے،(۲) البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے،(۳) جب کہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعوانہ نے اپنی مستخرج میں اس کو نقل کیا ہے۔(۴) (دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیوں کہ صحیح اور مستخرج دونوں ایک ہی کتاب کے نام ہیں)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن ہارون عن شعبہ والی روایت کی صحیح ابی عوانہ کے حوالے سے "تغلیق التعلیق" میں مکمل سند کے ساتھ تخریج فرمائی ہے۔(۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے یزید بن ہارون عن شعبہ کی روایت کے بارے میں فرمایا کہ ابونعیم نے بھی مذکورہ تعلیق کو اپنی "مستخرج" میں موصولاً نقل فرمایا ہے۔(۶) حافظ بن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے ابونعیم کے طریق کی تخریج کی ہے۔(۷)

---

(۱) دیکھیے: عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(٢) هدي الساري مقدمة فتح الباري: ١/٢٥، فتح الباري: ٢/٤٨٢، عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(٣) هدي الساري: ١/٢٥

(٤) عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(٥) تغليق التعليق: ٢/١٥٢، قال الحافظ ابن حجر فيه:

أما حديث يزيد بن هارون، فقال أبو عوانة في صحيحه: حدثنا محمد بن عيسى العطار، ثنا يزيد بن هارون، أنا شعبة، عن أبي بكر بن حفص، عن أبي سلمة عن عائشة، سألها أخوها من الرضاعة عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم من الجنابة، فدعت بإناء قدر صاع، فاغتسلت وصبت على رأسها ثلاثا.

(٦) فتح الباري: ٢/٤٨٢، عمدة القاري: ٣/٢٩٤

(٧) عمدة القاري: ٣/٢٩٤، وقال الحافظ في تغليق التعليق: (٢/١٥٢)

وقرأته عالياً على عبد الله بن محمد بن أحمد المقدسي، أنبأكم عبد الله بن=

بہز بن اسد کی امام شعبہ سے روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے محدث اسماعیلی نے اپنی مستخرج میں اسے موصولاً نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی سند کی تخرج کی ہے۔(۱) البتہ عبدالملک بن ابراہیم جُدّی کی روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "لم أجدها" اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے "فلم أقف عليه" فرمایا۔(۲)

غرضِ تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد وغرض اس تعلیق سے یہ بیان کرنا ہے کہ جیسے امام شعبہ کے شاگرد عبدالصمد نے پہلی روایت (حدیث باب) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں "فدعت بإناء نحواً من صاع" کے الفاظ نقل کیے ہیں تو امام شعبہ رحمہ اللہ ہی سے ان کے تین اور شاگردوں: یزید بن ہارون، بہز اور جُدّی نے "نحواً من صاع" کی جگہ "قدر صاع" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔(۳)

تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ الفاظ روایت کی تحقیق فرما رہے ہیں اور امام شعبہ کے شاگردوں نے حضرت

= الحسين ابن الحسن وقرأت على عبد الله أيضاً، عن زينب بنت أحمد بن عبدالرحيم عن الحافظ أبي الحجاج بن خليل، أن محمد بن إسماعيل الطرسوسي أخبره عن الحسن بن أحمد، أنا أبونعيم الحافظ، أنا أبوبكر بن خلاد، ثنا الحارث بن محمد، ثنا يزيد بن هارون: مثله سواء. وكذلك وصله البيهقي في السنن الكبير له: ۱/۱۹۵، في كتاب الطهارة، باب استحباب أن لاينقص في الوضوء من مدولا في الغسل من صاع عن الحاكم عن بكر الصير في عن الحارث عن يزيد بن هارون مثله.

(۱) تغليق التعليق: ۲/۱۵۲، عمدة القاري: ۳/۲۹٤، وقال العلامة العيني:

أما طريق بهز بن أسد فرواها الإسماعيلي: حدثنا المنيعي يعقوب وأحمد حدثنا إبراهيم قالا: حدثنا بهز بن أسد، حدثنا شعبه. وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله: أما طريق بهز بن أسد فقال الإسماعيلي في مستخرجه: أخبرنا المنيعي، حدثنا يعقوب وأحمد، أنبانا إبراهيم قالا: حدثنا بهز بن أسد به.

(۲) هدي الساري: ۱/۲۵، عمده القاري: ۳/۲۹٤

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۹٤

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مختلف الفاظ نقل کیے ہیں ان کو بیان کر رہے ہیں، دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ "نحواً من صاع" میں تقریب کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاع اور اس جیسے برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، اس میں تحدید نہیں، بلکہ صاع اور اس جیسے برتنوں میں جتنے پانی سے غسل کیا جاتا ہے اس سے غسل فرماتے تھے، اس میں کمی وبیشی دونوں کی گنجائش ہے۔

دوسری روایت میں امام شعبہ سے ان کے تین شاگردوں نے "قدر صاع" کے الفاظ نقل کیے ہیں، اس میں تحقیق وتحدید کا بیان ہے، یہی مسنون ہے اور حنفیہ کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔

قدر صاع

تقدیری عبارت یوں ہوگی: "فدعت بإناء قدر صاع"، "قدر صاع" میں بھی "نحواً من صاع" کی طرح دو ترکیبی احتمال ہیں، مجرور پڑھا جائے تو یہ اناء کی صفت بنے گا یا یہ اعراب حکائی ہے، اور منصوب پڑھیں بھی تو اناء کی صفت بنے گا اور اناء دعت کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا، یا پھر أعني فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں (حدیثِ باب اور تعلیق) کا مآل ایک ہی قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> والمراد من الروايتين أن الاغتسال وقع بملء الصاع من الماء تقريباً لا تحديداً .(۲) یعنی دونوں روایتوں سے مراد یہ ہے کہ ایک صاع پانی سے غسل کا ہونا تقریبی امر ہے نہ کہ تحدیدی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ رائے پر نقد فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں: ایک صاع

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹٤/۳، فتح الباري: ٤٨٢/٢، إرشاد الساري: ٤٩١/١

(۲) فتح الباري: ٤٨٢/٢

پانی سے غسل واقع ہونے کو تقریبی امر قرار دینا نہ کہ تحدیدی، یہ خود حافظ صاحبؒ رحمہ اللہ کے باب سابق میں حدیث مجاہد عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذیل میں کہی ہوئی بات کے معارض ہے، اس لیے کہ امام مجاہد کی روایت میں گذرا کہ انہوں نے جب صاع کو ماپا تو وہ آٹھ رطل تھا، اس پر کلام کرتے ہوئے حافظ صاحب رحمہ اللہ نے کہا تھا: إن الحزر لا یعارض به التحدید، کہ حزر (ماپنا) تحدید کے معارض نہیں بن سکتا ہے، گویا حافظ صاحب رحمہ اللہ نے باب سابق میں تحدید کو صحیح اور راجح قرار دیا تھا، اب والمراد من الرویتین الخ سے تقریب مراد لینا سابقہ بات کے منافی اور مناقض ہے۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض تو تعلیق سے الفاظ روایت کے فرق کو بیان کرنا ہے، ورنہ جس طرح باب کی پہلی روایت سے تقریب کا معنی واضح طور سے سمجھ میں آتا ہے ایسے ہی مذکورہ تعلیق میں موجود "قدر صاع" کے الفاظ تحدید کی وضاحت کر رہے ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ دونوں روایتوں سے تقریب مراد ہے نہ کہ تحدید، یہ درست نہیں، حافظ صاحب نے باب سابق میں صرف حنفیہ پر رد کرنے کے لیے تحدید کے قول کو صحیح قرار دیا اور اب یہاں دونوں روایتوں سے تقریب مراد لے رہے ہیں، حالاں کہ تعلیق سے تقریب نہیں، بلکہ تحدید معلوم ہوتی ہے۔

حدیث باب (دوسری حدیث)

۲۴۹ : حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ : حَدَّثنا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ : حَدَّثنا زُهَيْرٌ ، عَنْ أَبي إِسْحٰقَ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو جَعْفَرٍ : أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ، هُوَ وَأَبُوهُ ، وَعِنْدَهُ قَوْمٌ ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الْغُسْلِ ، فَقَالَ(۲) : يَكْفِيكَ صَاعٌ . فَقَالَ رَجُلٌ : مَا يَكْفِينِي ، فَقَالَ جَابِرٌ : كَانَ يَكْفِي مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعَرًا وَخَيْرٌ مِنْكَ ، ثُمَّ أَمَّنَا فِي ثَوْبٍ . [۲۵۲ ، ۲۵۳]

ترجمہ: ہم سے بیان کیا عبداللہ بن محمد نے، کہا ہم سے یحییٰ بن آدم نے، کہا ہم

(۱) عمدة القاري: ۳/۲۹٤

(۲) الحديث أخرجه البخاري في الباب نفسه، رقم: ۲۵۵، ۲۵٦، ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۳۲۹، والنسائي في سننه، كتاب الغسل، باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل، رقم: ۳۲۱، انظر جامع الأصول: ۷/۱۸۳، رقم: ۵۳۲۹، وانظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ۳٦٤١

سے زہیر نے ابواسحاق سے، وہ (ابواسحاق) کہتے ہیں کہ ہم سے ابوجعفر (محمد باقر) نے بیان کیا کہ وہ اوران کے والد (زین العابدین) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اوران پاس کچھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: تم کوایک صاع پانی کافی ہے، ایک شخص (حسن بن محمد بن علی) نے کہا مجھے تو کافی نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (یہ مقدار پانی) تو ان کے لیے کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ گھنے تھے اور جوتم سے بہتر تھے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کپڑے میں ہماری امامت کی۔

تراجم رجال

عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس بن خنیس جعفی، بخاری، مسندی ہیں، ان کے مختصر احوال، کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان کے تحت (۱) اور تفصیلی حالات کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

یحییٰ بن آدم

یہ ابوزکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان کوفی، اموی، قرشی رحمہ اللہ ہیں۔ (۳)

---

(۱) دیکھیے: كشف الباري ۱/۶۵۷

(۲) راجع ص: ۲۴۱

(۳) تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۷۵، تهذيب الكمال: ۳۱/۱۸۸، الجرح والتعديل: ۹/۱۸۵، كتاب الثقات لابن حبان: ۹/۲۵۲، الفهرست لابن النديم، ص: ۲۸۳، سير أعلام النبلاء: ۹/۵۲۲، تذكرة الحفاظ: ۱/۳۵۹، الكاشف: ۲/۳۶۰، تقريب التهذيب، ص: ۵۸۷، تاريخ الإسلام: ۵/۳۸۸

طبقہ تاسعہ کے کبار ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔(۱)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ۲۳۰ ہجری کے بعد ان کی پیدائش ہوئی، اپنے والد کو نہیں پاسکے، گویا جب یہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو اس وقت ان کے والد کا انتقال ہوا تھا۔(۲)

اساتذہ وشیوخ

یحییٰ بن آدم کے اساتذہ وشیوخ میں ابراہیم بن حمید رواسی، ابراہیم بن سعد زہری، اسرائیل بن یونس، بشر بن سری، جریر بن حازم، حسن بن صالح، حسین علی جعفی، حفص بن غیاث، زہیر بن معاویہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، سلیمان بن مغیرہ، ابوالاحوص سلام بن سُلیم، عبداللہ بن مبارک، عمار بن زریق، عیسیٰ بن طہمان، فضیل بن عیاض، فطر ابن خلیفہ، قطبہ بن عبدالعزیز، مالک بن مغول، مسعر بن کدام، مفضل بن مُہلہل، ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ، وکیع بن الجراح، وہب بن خالد، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، یزید بن عبدالعزیز، ابوبکر بن عیاس، ابوبکر نہشلی، ابوشہاب حنّاط اور ابومعاویہ ضریر رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۳)

شاگرد وتلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، بشر بن خالد عسکری، سفیان بن وکیع بن جراح، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد مسندی، عبدالرحمٰن بن صالح ازدی، عبد بن حمید، عثمان بن محمد ابن ابی شیبہ، علی بن محمد طنافسی، علی بن مدینی، محمد بن عبداللہ بن مبارک، ابوکریب محمد بن العلاء، محمود بن غیلان مروزی، یحییٰ بن معین وغیرہ رحمہم اللہ ہیں۔(۴)

جلالت شان

محمود بن غیلان رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابواسامہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

(۱) تقريب التهذيب، ص: ۵۸۷، رقم الترجمة: ۷۴۹۶

(۲) سير أعلام النبلاء: ۵۲۲/۹، رقم الترجمة: ۲۰۴

(۳) تهذيب الكمال: ۱۸۹/۳۱، ۱۹۰، سير أعلام النبلاء: ۵۲۳/۹، الجرح والتعديل: ۱۸۵/۹، تهذيب التهذيب: ۱۷۵/۱۱، تاريخ الإسلام: ۴۸۸/۵

(۴) تهذيب الكمال: ۱۹۰/۳۱، ۱۹۱، سير أعلام النبلاء: ۵۲۳/۹، تهذيب التهذيب: ۱۷۵/۱۱

اپنے زمانے میں ہر اعتبار سے لوگوں کے بڑے اور امیر تھے، ان کے بعد (علم کے اعتبار سے) ابن عباس رضی اللہ عنہما، ان کے بعد شعبی، ان کے بعد سفیان ثوری، پھر یحییٰ بن آدم بڑے تھے۔(۱)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر أعلام النبلاء" میں مذکورہ قول پر کئی اور ائمہ کبار کے ناموں کا اضافہ فرمایا ہے، یحییٰ بن آدم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بڑے ائمہ اجتہاد میں سے تھے۔(۲)

علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یحییٰ بن آدم پر رحم فرمائے، ان کے پاس کیا ہی خوب علم تھا، پھر ان کی مدح وثناء بیان کرنے لگے۔(۳)

ابو اسامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "أنه كان جامعا للعلم".(۴)

ائمہ کے توثیقی اقوال

یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ثقة، كثير الحديث، فقيه البدن، ولم يكن له سن متقدم".(۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تاریخ الإسلام" میں لکھا ہے: "كان فقيهاً إماماً قارئاً، غزير العلم".(٦)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے فرمایا: واحد الناس.(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال: ۱۹۲/۳۱

(۲) سير أعلام النبلاء: ۵۲۵/۹

(۳) تهذيب الكمال: ۱۹۱/۳۱، سير أعلام النبلاء: ۵۲٤/۹، تاريخ الإسلام: ٤۸۸/۵

(٤) تهذيب الكمال: ۱۹۲/۳۱، سير أعلام النبلاء: ۵۲٤/۹، تاريخ الإسلام: ٤۸۸/۵

(۵) تهذيب الكمال: ۱۹۱/۳۱، سير أعلام النبلاء: ۵۲٤/۹، تاريخ الإسلام: ٤۸۸/۵، تهذيب التهذيب: ۱۷۵/۱۱

(٦) تاريخ الإسلام: ٤۸۸/۵

(۷) تهذيب الكمال: ۱۹۱/۳۱، سير أعلام النبلاء: ۵۲٤/۹، تهذيب التهذيب: ۱۷۵/۱۱، تذكرة الحفاظ: ۳٦۰/۱

ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''كان يتفقه، وهو: ثقة''.(۱)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔(۲)

ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثقات'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''كان متقناً يتفقه''.(۳)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان ثقة". (٤)

عجلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "كان ثقة، جامعاً للعلم، عاقلاً، ثبتاً في الحديث".(٥)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تقریب'' میں لکھا ہے: "ثقة، حافظ، فاضل".(٦)

ابن شاہین نے یحییٰ بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ثقة، صدوق، ثبت، حجة مالم يخالف من هو فوقه مثل وكيع''.(۷)

وفات

محمد بن سعد، امام بخاری اور ابوحاتم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن آدم کی وفات ۲۰۳ ہجری میں ہوئی۔(۸)

ابن سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صِلح (۹) کے دھانے پر نصف ربیع الاول (۱۰) ۲۰۳ ہجری، مامون

(١) الجرح والتعديل: ١٥٨/٩، تهذيب التهذيب: ١٧٥/١١، سير أعلام النبلاء: ٥٢٤/٩

(٢) تهذيب الكمال: ١٩١/٣١، سير أعلام النبلاء: ٥٢٣/٩، تهذيب التهذيب: ١٧٥/١١، تذكرة الحفاظ: ٣٦٠/١

(٣) كتاب الثقات: ٢٥٢/٩، تهذيب التهذيب: ١٧٥/١١

(٤) الطبقات الكبرىٰ: ٤٠٢/٦

(٥) تهذيب التهذيب: ١٧٥/١١

(٦) تهذيب التهذيب: ١٧٦/١١

(٧) تهذيب التهذيب: ١٧٦/١١، تعليقات تهذيب الكمال: ١٩٢/٣١

(٨) الطبقات الكبرى: ٤٠٢/٦، الجرح والتعديل: ١٥٨/٩، ١٥٩، التاريخ الكبير: ٢٦٢/٨

(٩) الصِّلح: هو إسم نهر كبير بين واسط وجَبل عليه عدة قرى، وعليه كانت دار الحسن بن سهل وزير المامون. انظر سير أعلام النبلاء مع تحقيق كامل الخراط: ٤٩٢/٩

(۱۰) ابن حبان نے ربیع الآخر نقل کیا ہے۔ كتاب الثقات: ٢٥٢/٩

کے زمانہ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

مامون کے وزیر حسن بن سہل نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔(۲)

زُهير

یہ ابوخیثمہ زہیر بن معاویہ بن حُدیج بن الرحیل بن زہیر بن خیثمہ جعفی کوفی ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الایمان، باب الصلاۃ من الإیمان کی پہلی حدیث کے ذیل گذر چکے ہیں۔(۳)

أبو اسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی ہیں، ان کے تفصیلی احوال، کتاب الإیمان، باب: الصلاۃ من الإیمان کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۴)

أبو جعفر

یہ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں، جو باقر کے نام سے مشہور ہیں۔(۵)

ان کے حالات، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین کے تحت گذر چکے ہیں۔

أبوه (علي بن الحسين)

یہ ابوجعفر کے والد علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، علوی، قرشی، ہاشمی ہیں۔(۶)

---

(۱) الطبقات الکبری: ٦/٤٠٢

(۲) تهذيب الكمال: ٣١/١٩٢، تاريخ الإسلام: ٥/٤٨٨

(۳) دیکھیے: کشف الباري: ٢/٣٦٧-٣٧٠

(٤) دیکھیے: کشف الباري: ٢/٣٧٠-٣٧٥

(٥) عمدة القاري: ٣/٧٧، ٢٩٥

(٦) تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٢، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٨٦، حلية الأولياء: ٣/١٣٣، تذكرة الحفاظ: ١/٧٤، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٤، كتاب الثقات: ٥/١٥٩، الجرح والتعديل: ٦/٢٢٩، التاريخ الكبير: ٦/٢٦٦، تاريخ الإسلام: ٣/١٨٠، الكاشف: ٢/٣٧

ابوالحسین ان کی کنیت ہے، ابوالحسن، ابومحمد اور ابوعبداللہ بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

ان کی والدہ کا نام سُلامہ یا سُلافہ ہے جو شاہ فارس یزدجرد کی بیٹی تھی۔(۲)

ابن سعد نے تابعین کے طبقہ ثانیہ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی والدہ کا نام غزالہ تھا۔(۳)

علامہ مزّی نے یعقوب بن سفیان سے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تاریخ الإسلام" میں سے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین ۳۳ ہجری میں پیدا ہوئے،(۴) جب کہ "سیر أعلام النبلاء" علامہ ذہبی نے یہ لکھا ہے کہ شاید ان کی پیدائش ۳۸ ہجری میں ہوئی ہے۔(۵)

معرکہ کربلا میں شرکت

ان کو علی اصغر کہا جاتا ہے، ان کے دوسرے بھائی جو ان سے بڑے تھے ان کو علی اکبر کہا جاتا تھا، معرکہ کربلا میں اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو شہید کر دیا گیا تھا۔(۶)

علی اصغر یعنی علی بن حسین بھی اپنے والد گرامی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکہ کربلا شریک تھے، اس وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۵ سال تھی، یہ اس موقعہ پر بیمار اور صاحب فراش تھے، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو شمر نے کہا: اسے بھی قتل کر دو، شمر کے ساتھیوں میں کسی نے کہا: سبحان اللہ! کیا تم ایسے جوان کو قتل کرنا چاہتے ہو جو مریض ہے اور اس نے ہمارے خلاف قتال بھی نہیں کیا، اتنے میں عمر بن سعد بن ابی وقاص آئے اور انہوں نے کہا کہ ان عورتوں اور اس مریض یعنی علی اصغر سے کوئی تعرض نہ کرے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ۳۸۲/۲۰، سير أعلام النبلاء: ۳۸٦/٤، تهذيب التهذيب: ۳۰٤/۷، تاريخ الإسلام: ۱۸۰/۳

(۲) سير أعلام النبلاء: ۳۸٦/٤، تهذيب الكمال: ۳۸۳/۲۰

(۳) الطبقات الكبرىٰ: ۲۱۱/٥، تاريخ الإسلام: ۱۸۱/۳

(٤) تاريخ الإسلام: ۱۸۱/۳، تهذيب الكمال: ٤۰۲/۲۰

(٥) سير أعلام النبلاء: ۳۸٦/٤

(٦) تاريخ الإسلام: ۱۸۱/۳، الطبقات الكبرى: ۲۱۱/٥

ان کو وہاں سے دمشق لایا گیا، یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کے گھر والوں کے ساتھ مدینہ واپس بھیج دیا۔(۱)

شیوخ حدیث

ان کے شیوخ حدیث میں ان کے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ان کے چچا حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابورافع، مسور بن مخرمہ، زینب بنت ابی سلمہ، سعید بن مسیب، سعید بن مرجانہ، مروان بن حکم، ذکوان، عمرو بن عثمان بن عفان، عبیداللہ بن ابی رافع رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔(۲)

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے ابوجعفر محمد، عمر، زید، عبداللہ، ابن شہاب زہری، عمرو بن دینار، حکم بن عتیبہ، زید بن اسلم، یحییٰ بن سعید، ابوالزناد، علی بن جدعان، حبیب بن ابی ثابت، عاصم بن عبیداللہ، عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان، قعقاع بن حکیم، ابوالاسود، ہشام بن عروہ، ابوزبیر مکی، ابوحازم، عبداللہ بن مسلم بن ہرمز، محمد بن فرات تمیمی، منہال بن عمرو، حکیم بن جبیر، زید بن اسلم، طاوس بن کیسان، عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن خطاب، عبیداللہ بن عبدالرحمٰن، قاسم بن عوف شیبانی، محمد بن ہلال مدنی، مسلم البطین، یحییٰ بن سعید انصاری اور ابوحمزہ ثمالی وغیرہ شامل ہیں۔(۳)

جلالت شان اور ائمہ کے توثیقی اقوال

سفیان بن عیینہ نے زہری سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: "ما رأيت قرشياً أفضل من علي بن حسين".(۴) میں نے علی بن حسین سے افضل کسی قریشی کو نہیں دیکھا۔

---

(۱) الطبقات الكبرى: ٥/ ٢١١، ٢١٢، تاريخ الإسلام: ٣/ ١٨١، سير أعلام النبلاء: ٤/ ٣٨٦، ٣٨٧

(۲) تهذيب الكمال: ٢٠/ ٣٨٣، سير أعلام النبلاء: ٤/ ٣٨٧، تهذيب التهذيب: ٧/ ٣٠٤

(۳) تهذيب الكمال: ٢٠/ ٣٨٣، ٣٨٤، سير أعلام النبلاء: ٤/ ٣٨٧، تهذيب التهذيب: ٧/ ٣٠٤

(٤) تهذيب الكمال: ٢٠/ ٣٨٤، سير أعلام النبلاء: ٤/ ٣٨٧

ابن سعد رحمہ اللہ نے ''طبقات'' میں لکھا ہے: "كان علي بن حسين ثقة، مأموناً، كثير الحديث، عالياً، رفيعاً، ورعاً". (۱)

ابن عیینہ نے زہری سے نقل کیا ہے کہ میں اکثر علی بن حسین کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو فقیہ نہیں پایا، لیکن وہ بہت کم گو تھے۔ (۲)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لم يكن في أهل البيت مثله وهوابن أمة''. (۳)

علی بن حسین سے جیسا اہل بیت میں کوئی نہیں، حالاں کہ وہ ایک لونڈی کے بیٹے تھے۔

ابن حبان نے "كتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كان من أفاضل بني هاشم من فقهاء أهل المدينة وعبّادهم ......

وكان يقال بالمدينه: إن علي بن الحسين سيد العابدين في ذلك الزمان". (٤)

یعنی علی بن حسین بنو ہاشم کے بہترین لوگوں میں سے اور اہل مدینہ کے فقہاء وعابدین میں تھے، اس زمانے میں مدینہ میں ان کو ''سید العابدین'' عابدوں کا سردار کہا جاتا تھا۔

سعید بن میسب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ما رأيت أورع منه". (۵) یعنی میں نے علی بن حسین بڑھ کر کسی پرہیزگار کو نہیں دیکھا۔

امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "مدني، تابعي، ثقة". (٦)

عبادت گزاروں کی زینت

امام مالک نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ علی بن حسین کا موت تک روزانہ ایک ہزار رکعت نفل

(١) الطبقات الكبرى: ٥/٢٢٢، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٤

(٢) تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٦، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٨٩

(٣) سير أعلام النبلاء: ٤/٣٨٩، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٧، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٥

(٤) كتاب الثقات: ٥/١٥٩، ١٦٠

(٥) حلية الأولياء: ٣/١٤١، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٥، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٩

(٦) تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٥، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٨٨، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٨٦

پڑھنے کا معمول تھا، وکان یسمیٰ زین العابدین لعبادته. ان کو کثرت عبادت کی وجہ سے زین العابدین کہا جاتا تھا۔(۱)

امام زہری جب بھی علی بن حسین کا تذکرہ کرتے تو روتے تھے اور فرماتے "زین العابدین" یعنی وہ عبادت گذاروں کی زینت تھے۔(۲)

ابونعیم رحمہ اللہ نے فرمایا: زین العابدین، منار القانتین، کان عابداً وفیاً وجواداً حفیاً". (۳) یعنی وہ عبادت گذاروں کی زینت، قانتین کی علامت، عبادت کا حق ادا کرنے والے اور انتہائی سخی اور مشفق تھے۔

خشیت الٰہی

حضرت علی بن حسین جب نماز کے لیے وضو کر چکے ہوتے تو نماز تک ان پر ایک کپکپی کی کیفیت طاری ہوتی تھی، کسی نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ میں کسی کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں اور کسی سے مناجات کرنے لگا ہوں۔(۴) (یعنی اللہ تعالیٰ سے)۔

سخاوت

زین العابدین رحمہ اللہ جہاں انتہائی درجے کے عبادت گذار تھے وہاں پر بے انتہا درجے کے سخی بھی تھے، چناں چہ حجاج بن ارطاۃ نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد علی بن حسین نے دو مرتبہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا تھا۔(۵)

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ علی بن حسین رات کے اندھیرے میں پشت پر روٹی لادھے مساکین کو تلاش کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ رات کے اندھیرے میں صدقہ کرنا اللہ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے۔(٦)

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٠/٣٩٠، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٦، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٩٢

(٢) حلية الأولياء: ٣/١٣٥

(٣) حلية الأولياء: ٣/١٣٣

(٤) الطبقات الكبرىٰ: ٥/٢١٦، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٩٠، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٩٢

(٥) حلية الأولياء: ٣/١٤٠، الطبقات الكبرىٰ: ٥/٢١٩، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٦

(٦) حلية الأولياء: ٣/١٣٥، ١٣٦، تهذيب الكمال: ٢٠/٣٩٢، سير أعلام النبلاء: ٤/٣٩٣

شیبہ بن نعامہ کہتے ہیں کہ علی بن حسین کو لوگ ان کی زندگی میں بخیل تصور کرتے تھے، لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو پتہ چلا کہ وہ مدینہ کے سو گھرانوں کی کفالت کیا کرتے تھے۔(۱)

جلالت شان اور ہیبت

لوگ ان کی بہت زیادہ قدر و عزت کرتے تھے، ابونُعیم رحمہ اللہ، علامہ مزّی رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک مشہور واقعہ بیان کیا ہے:

> ہشام بن عبدالملک اپنے زمانہ خلافت سے قبل ایک دفعہ حج کرنے گئے، بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران کئی دفعہ حجر اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ کیا، لیکن لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکے، اتنے میں علی بن حسین رحمہ اللہ طواف کے لیے تشریف لائے اور طواف کرنے لگے اور جب حجر اسود کے قریب پہنچتے تو لوگ ان کی ہیبت اور جلالت شان کی وجہ سے پیچھے ہٹ جاتے یہاں تک کہ آپ حجر اسود کو بوسہ دے دیتے، ہشام کو یہ بات اچھی نہیں لگی، اہل شام میں سے کسی نے ان سے پوچھا یہ کون ہے، جن کی ہیبت نے لوگوں کو خود بخود ان کے لیے جگہ خالی کرنے پر مجبور کیا ہے؟ ہشام نے یہ سوچ کر کہیں اہل شام ان کی طرف راغب نہ ہو جائیں، کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں، مشہور شاعر فرزدق قریب ہی کھڑا تھا اس نے کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں، تو شامی نے کہا کہ اے ابو فراس! یہ کون ہیں؟ اس پر فرزدق نے علی بن حسین کی تعریف میں بہت سارے اشعار کہے، ان میں سے چند یہ ہیں:
>
> هذا الذي تعرف البطحاء وطأته
>
> والبيت يعرفه والحل والحرم
>
> هذا ابن فاطمة إن كنت جاهله
>
> بجده أنبياء الله قد ختموا(۲)

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ: ۵/۲۲۲، تهذيب الكمال: ۲۰/۳۹۲، حلية الأولياء: ۳/۱۳۶

(۲) تهذيب الكمال: ۲۰/۴۰۰-۴۰۲، حلية الأولياء: ۳/۱۳۹، تاريخ الإسلام: ۳/۱۸۳، ۱۸۴

ترجمہ: ۱- یہ وہ شخص ہے جس کے چلنے کو بطحا جانتا ہے، بیت اللہ، حل اور حرم بھی اسے پہچانتے ہیں۔

۲- یہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا کے) بیٹے (پوتے) ہیں، اگر چہ تم ان کے بارے تجاہل سے کام لے رہے ہو، انہیں کے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انبیاء کے سلسلے کو ختم کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایسا شخص ہے جس بیت اللہ کا چپہ چپہ جانتا ہے اگر چہ تم اسے پہچاننے سے انکار کرو۔

روافض کے من گھڑت نظریات سے براءت

روافض نے ان ائمہ ھدیٰ کی طرف بہت ساری غلط اور اسلامی نظریات سے متصادم باتیں منسوب کی ہیں، ان کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم، مفترض الطاعہ اور منصوص من اللہ سمجھتے ہیں، العیاذ باللہ! حالاں کہ ان حضرات سے نہ تو عملاً اور نہ علمی اعتبار سے اس طرح کی کوئی بات منقول ہے، البتہ اس کے مخالف اقوال ضرور مروی ہیں۔

چناں چہ فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن علی اور حسین بن علی سے سوال کیا کہ کیا اہل بیت میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہو، اور کیا آپ اس کی معرفت رکھتے ہیں اور جو اس کی معرفت نہ رکھے کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟ تو ان دونوں نے فرمایا: اللہ کی قسم اہل بیت میں ایسا کوئی شخص نہیں جو مفترض الطاعۃ ہو اور جو اہل بیت کے بارے میں ایسی بات کہے وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔

فضیل بن مرزوق کہتے ہیں میں نے عمر بن علی سے کہا کہ (شیعہ) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کی تھی، انہوں نے حسن کے لیے، حسن نے حسین کے لیے، حسین نے اپنے بیٹے علی کے لیے اور انہوں نے اپنے بیٹے محمد کے لیے وصیت کی تھی، عمر بن علی نے جواب میں فرمایا: اللہ کی قسم میرے والد کا اس حال میں انتقال ہوا کہ انہوں نے دو حرفوں کی بھی وصیت نہیں کی، ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ہماری طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے، اللہ کی

قسم یہ لوگ اہل بیت کے نام پر اپنے پیٹ بھرتے ہیں، پھر فرمایا: یہ خنیس پرندے کی بیٹ ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ خنیس کون ہے، راوی کہتے ہیں میں نے کہا معلیٰ بن خنیس! فرمایا: ہاں معلیٰ بن خنیس، پھر کہا میں دیر تک یہ سوچتا رہا اور مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر کہ اللہ نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے، یہاں تک کہ معلیٰ بن خنیس نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔(۱)

عیسیٰ بن دینار نے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین سے نقل کیا کہ علی بن حسین کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر مختار بن ابوعبید پر لعن کر رہے تھے، کسی نے کہا: اے: ابوالحسین! آپ ان پر کیوں لعنت کر رہے ہیں؟، حالاں کہ وہ آپ کے نام پر ذبح کیے گئے ہیں؟ علی بن حسین نے فرمایا: بے شک وہ جھوٹا تھا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑتا تھا۔(۲)

بنواُمیہ کی اقتدا میں نماز

حکم نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم بنوامیہ کی اقتدا میں بغیر کسی تقیہ کے نماز پڑھتے ہیں اور میں اپنے والد کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بھی بنوامیہ کی اقتدا بغیر کسی تقیہ کے نماز پڑھا کرتے تھے۔(۳)

خلفائے راشدین کا احترام

اہل بیت کے یہ پاک باز نفوس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خاص کر خلفائے راشدین کے بارے میں نہ صرف اہل سنت والجماعت والا نظریہ رکھتے تھے، بلکہ ان کا دفاع بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، چناں چہ ابوحازم کہتے ہیں کہ علی بن حسین سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مقام تھا؟ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: جیسے یہ دونوں آج روضہ مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ایسے ہی زندگی میں ان کے قریبی ساتھی اور صحابی تھے۔(۴)

---

(۱) دیکھیے: تهذيب الكمال: ۲۰/۳۹۵، ۳۹٦

(۲) الطبقات الكبرى: ۵/۲۱۳، تهذيب الكمال: ۲۰/۳۹٦، سير أعلام النبلاء: ٤/۳۹۷

(۳) الطبقات الكبرى: ۵/۲۱۷، سير أعلام النبلاء: ٤/۳۹۷

(٤) تهذيب الكمال: ۲۰/۳۹۳، سير أعلام النبلاء: ٤/۳۹۵

خلفائے راشدین وصحابہ کا دفاع

محمد بن علی بن حسین نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ان کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا اور انہیں سب وشتم کرنے لگے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے لگے، حضرت علی بن حسین فرماتے ہیں: میں نے ان سے کہا: کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿للفقراء المهاجرين الذين أُخرجوا من ديارهم وأَموالهم يبتغون فضلاً من الله ورضواناً وينصرون الله ورسوله أُولئك هم الصادقون﴾.(۱)

انہوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے، پھر حضرت علی بن حسین نے ان سے کہا: کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿والذين تبوؤا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اِليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أُوتوا ويؤثرون على أَنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأُولئك هم المفلحون﴾.(۲)

انہوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہیں، اس پر حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ تم

---

(۱) الحشر: ۸

ترجمہ: (یہ مال فیٔ) ان حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جنہیں اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالا گیا ہے، وہ اللہ کی طرف سے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں۔

(۲) الحشر: ۹

ترجمہ: اور ان لوگوں کے لئے ہے جو پہلے ہی اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں (یعنی انصار مدینہ) جو کوئی ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے، یہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان مہاجرین کو دیا جاتا ہے یہ اپنے سینوں میں اس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگ دستی کی حالت گزر رہی ہو اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

لوگوں نے خوداس بات کا اظہار کیا کہ تم آیات میں مذکوردونوں فریقوں میں سے نہیں ہو،تو میں اس بات کی گواہی دیتاہوں کہ تم اس تیسرے فریق میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشادفرمایا:

﴿والذين جاؤوا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤف رحيم﴾.(۱)

یحیٰ بن کثیر نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگے کہ مجھے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں بتائیں (کہ وہ کیسے آدمی تھے؟) انہوں نے کہا''صدیق'' کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ آپ انہیں''صدیق'' کہتے ہیں؟! امام باقر نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم کردے، مجھ سے بہتر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار نے ان کو''صدیق'' کہا ہے، پس جوان کو''صدیق'' نہ کہے اللہ اس کی بات کوسچا نہ کرے، جاؤ! ابو بکر وعمر سے محبت کرو اور انہیں عزیز رکھو، اس کی تمام ذمہ داری میری گردن پر ہے۔(۲)

یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ علی بن حسین (زین العابدین) نے فرمایا:''والله ما قتل عثمان إلا على وجه الحق''. (۳) یعنی اللہ کی قسم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوحق پر ہونے کی وجہ سے شہید کیا گیا۔

وفات

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے سنہ وفات کی تعیین میں اختلاف ہے، ابونعیم، شباب، ابوبکر بن ابی

(۱) الحشر: ۱۰

ترجمہ: اوروہ لوگ ان مہاجرین وانصار کے بعد آئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے کوئی بغض نہ رکھیے، اے ہمارے پروردگار! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔

نیز دیکھئے: سير أعلام النبلاء: ۳۹۵/٤، تهذيب الكمال: ۳۹۳/۲، ۳۹٤

(۲) تهذيب الكمال: ۳۹٤/۲، ۳۹۵، حلية الأولياء: ۱۳٦/۳، ۱۳۷، سير أعلام النبلاء: ۳۹۵/٤

(۳) الطبقات الكبرى: ۳۱٦/۵، سير أعلام النبلاء: ۳۹۷/٤

شیبہ، علی بن مدینی، قعنب بن محرز اور ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ ۹۲ ہجری کو ان کا سنہ وفات قرار دیتے ہیں۔(۱)

معن بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ۹۳ ہجری میں انتقال ہوا۔(۲)

یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ سے ۹۵ ہجری کا قول منقول ہے۔(۳)

بعض حضرات سے ۹۹ ہجری کا قول بھی مروی ہے۔(۴)

علی بن محمد مدائنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ۱۰۰ ہجری میں فوت ہوئے۔(۵)

یحییٰ بن عبداللہ ہاشمی کہتے ہیں کہ علی بن حسین کا بروز منگل، ۱۴ ربیع الاول، ۹۴ ہجری میں انتقال ہوا۔(۶)

واقدی، ابوعبید، امام بخاری، فلاّس، علی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین، عبدالحکیم بن عبداللہ بن ابی فروہ، علی بن عبداللہ تیمی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، یحییٰ بن معین، عمرو بن علی، مصعب بن عبداللہ زبیری، زبیر بن بکار اور جعفر صادق رحمہم اللہ سے بھی سنہ وفات ۹۴ ہجری منقول ہے(۷)

سفیان بن عیینہ نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین ۵۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے،(۸) یہی بات مصعب بن عبداللہ، یحییٰ بن بکیر اور ابوبکر بن البرقی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔(۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ علی بن حسین کا انتقال ۹۴ یا

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٣، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠، كتاب الثقات: ٥/١٦٠

(٢) تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٣، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٧، تاريخ الإسلام: ٣/١٨٤

(٣) تاريخ الإسلام: ٣/١٨٤، تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٤، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠

(٤) تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٤، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٧

(٥) تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٤، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٧

(٦) تاريخ الإسلام: ٣/١٨٤، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠

(٧) سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠، تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٣، ٤٠٤

(٨) الطبقات الكبرى: ٥/٢٢١، تاريخ الإسلام: ٣/١٨٤، تهذيب التهذيب: ٧/٣٠٧، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٠٠، التاريخ الكبير: ٥/٢٦٦، تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٤

(٩) تهذيب الكمال: ٢٠/٤٠٤

۹۵ ہجری کو ہوا ہو، اس لیے کہ یہ بات ثابت ہے کہ ان کے والد عاشورا کے دن ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔(۱)

مصعب کہتے ہیں کہ اس سال یعنی ۹۴ ہجری کو سنة الفقهاء (فقہاء کا سال) کہا جاتا تھا، کیوں کہ اس سال بکثرت فقہا کا انتقال ہوا تھا۔(۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تاريخ الإسلام" اور "سير أعلام النبلاء" وغیرہ میں ۹۴ ہجری کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

بقیع میں جنازہ پڑھا گیا اور وہی پر مدفون ہیں۔(۴) رحمه الله ورحمةً واسعةً.

جابر بن عبدالله

یہ مشہور اور جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الوضوء، باب: من لم یر الوضوء إلا من المخرجین القبل والدبر کے ذیل میں آچکا ہے۔

شرح حدیث

أنه كان عند جابر بن عبدالله هو وأبوه وعنده قوم فسألوه عن الغسل

ابوجعفر کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے والد (علی بن حسین) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور ان کے پاس کچھ لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں پوچھا۔

هو وأبوه

"هو" سے ابوجعفر محمد بن علی اور "أبوه" سے علی بن حسین مراد ہیں۔(۵)

---

(۱) تهذيب التهذيب: ۳۰۷/۷

(۲) تهذيب الكمال: ۴۰۴/۲۰، الطبقات الكبرى: ۲۲۱/۵ .

(۳) تاريخ الإسلام: ۱۸۴/۳، سير أعلام النبلاء: ۴۰۰/۴، الكاشف: ۳۷/۲

(۴) الطبقات الكبرى: ۲۲۱/۵، تهذيب الكمال: ۴۰۴/۲۰، سير أعلام النبلاء: ۴۰۰/۴

(۵) عمدة القاري: ۲۹۵/۳، فتح الباري: ۴۸۲/۲

وعنده قوم

اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ "عنده" کی ضمیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔(۱)

قوم سے کون لوگ مراد ہیں؟

''قوم'' سے کچھ لوگ مراد ہیں، کوئی تعیین وتخصیص نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بخاری کے جن نسخوں سے مجھے واقفیت حاصل ہے ان سب میں ''قوم'' (نکرہ) ہی ہے، البتہ "عمدة الأحكام" میں "وعنده قومه" کے الفاظ ہیں، اور ''عمدة'' کے شارحین نے "قومه" کی ضمیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹائی ہے، جو کسی طرح بھی درست نہیں، پھر یہ کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ متفق علیہ روایات ہی کی تخریج کرتے ہیں تو پھر بخاری کی مذکورہ روایت ''صحیح مسلم'' میں نہیں۔(۲)

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ روایت کو امام نسائی رحمہ اللہ اور قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمایا ہے، لیکن ان دونوں کی روایت میں بھی ان لوگوں کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قوم سے ہونا وارد نہیں، صحیح بات وہی ہے جو بخاری کے متداول نسخوں میں ہے، یعنی "قوم" (نکرہ) نہ کہ "قومه".

فسألوه

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال پوچھنے والا کون تھا؟ اس بارے میں شراح حدیث کی آرا مختلف ہیں۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری کی رائے

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سائل راوی حدیث ابوجعفر تھے، یا خولہ بنت جعفر تھی۔(۳)

---

(۱) فتح الباري: ۴۸۲/۲، تحفة الباري: ۲۲۱/۱، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱

(۲) فتح الباري: ۴۸۲/۲

(۳) تحفة الباري: ۲۲۱/۱

جمہور شراحِ حدیث کی رائے

حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، علامہ سیوطی اور علامہ کورانی رحمہم اللہ نے راوی حدیث ابوجعفر کے سائل ہونے کی تعیین کی ہے، البتہ علامہ کورانی اس تعیین کی دلیل میں نسائی شریف کی روایت پیش کرتے ہیں، جس میں ابوجعفر کہتے ہیں: "تمارينا في الغسل عند جابر بن عبدالله". (۱)

جب کہ باقی ائمہ حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے اسحاق بن راہویہ کی روایت سے ابوجعفر کے سائل ہونے کا استدلال کیا ہے، (۲) یہی صحیح ہے، اس لیے کہ اسحاق بن راہویہ کی روایت میں راوی کی طرف سے خود صراحت ہے کہ انہوں نے سوال کیا، چناں چہ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں جعفر بن محمد سے، انہوں نے اپنے والد (ابوجعفر) سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "سألت جابراً عن غسل الجنابة". (۳) میں (یعنی ابوجعفر) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا۔

فسألوه کے ظاہر پر ایک اعتراض

"فسألوه" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال "قوم" کی طرف سے تھا، چناں چہ اسی احتمال کی بنیاد پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اعتراض قائم کر کے اس کا جواب دیا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ سوال کرنے والے قوم کے افراد تھے، یعنی ایک فرد نہیں، تو پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب میں "يكفيك" کیوں کہا، یعنی کاف خطاب برائے واحد مذکر لے کر آئے، ظاہر حدیث کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ فرماتے: "يكفي كل واحد منكم صاع" کہ تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک صاع کافی ہوگا۔ (۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سائل تو ایک فرد ہی ہے، البتہ سوال کی نسبت قوم کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ وہ قوم ہی کا ایک فرد ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "النبوة في قريش"

(۱) الكوثر الجاري: ۱/ ٤١٠

(۲) فتح الباري: ۲/ ٤٨٢، عمدة القاري: ۳/ ٢٩٥، إرشاد الساري: ۱/ ٤٩١

(۳) فتح الباري: ۲/ ٤٨٢

(٤) شرح الكرماني: ۳/ ١١٦، عمدة القاري: ۳/ ٢٩٥

(نبوت قریش میں ہے) اگرچہ نبی ان میں سے صرف ایک فرد ہی ہے۔ دوسرا جواب علی سبیل التسلیم یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ سوال قوم کی طرف سے تھا تو یکفیك میں خطاب عام ہے جو پوری قوم کو شامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿ولو ترى إذالمجرمين ناكسوا رؤوسهم﴾. (۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک: "بشّر المشائين في ظلم الليالي إلى المساجد بالنور التام". (۲) کے خطاب میں عموم ہے، تو گویا مطلب یہ ہوگا، "يكفي لكل من يصح الخطاب له صاع" یعنی جس سے بھی خطاب درست ہو اسے ایک صاع کافی ہوگا۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ دوسرے انداز سے بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سائل تو ابو جعفر یعنی فرد واحد ہے اور مجازاً سوال کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی ہے، اس لیے کہ وہ بھی غسل کے بارے میں معلوم کرنا چاہ رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب حرف خطاب برائے مفرد کے ذریعے دیا اور یکفیک فرمایا، جواب میں ایک شخص کو مخاطب بنایا، کیوں کہ دوسرے لوگ صرف تحقیق غسل کی طلب وآرزو میں شریک تھے، سوال میں شریک نہ تھے۔ (۴)

فسألوه عن الغسل فقال: يكفيك صاع

انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا تمہارے لیے ایک صاع پانی کافی ہوگا۔

---

(۱) السجدة: ۱۲

(۲) ترجمہ: رات کے اندھیرے میں مساجد کی طرف جانے والوں کو پورے نور کی خوشخبری سنا دیجئے۔ والحديث أخرجه أبوداؤد في سننه في كتاب الصلاة، باب ماجاء في المشيء إلى الصلاة في الظلم، رقم: ٥٦١، والترمذي في جامعه في كتاب الصلاة، باب ماجاء في فضل العشاء والفجر في الجماعة، رقم: ٢٢٣، انظر جامع الأصول، رقم: ٧٠٩٧

(۳) شرح الكرماني: ١١٦/٣، عمدة القاري: ٢٩٥/٣

(٤) فتح الباري: ٤٨٣/٢

سوال کس چیز کے بارے میں تھا؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کمیت ماء کے متعلق تھا۔علامہ کرمانی رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سائل کا سوال غسل کے پانی کی مقدار کے بارے میں تھا۔(۱)

فقال رجل: ما يكفيني

ایک شخص نے کہا میرے لیے (تو یہ مقدار) کافی نہیں۔

محدث اسماعیلی کی روایت میں "منهم" کا اضافہ ہے یعنی قوم میں سے کسی نے کہا۔(۲)

رجل سے کون مراد ہے؟

شراحِ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ "رجل" سے حسن بن محمد بن حنفیہ مراد ہے۔(۳)

حنفیہ کا نام خولہ بنت جعفر ہے۔(۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدث اسماعیلی کے الفاظ "منهم" سے ہماری روایت کی تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ "رجل" سے حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بابن الحنفیہ مراد ہے، جیسا کہ صاحب عمدہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے اور حسن بن محمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قوم میں سے نہیں، کیوں کہ حسن بن محمد "ہاشمی" اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ "انصاری" ہیں۔(۵)

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "قوم" کی جگہ "قومه" کے الفاظ ہیں اور مراد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قوم ہے۔(کمامرّ)

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱٦، عمدة القاري: ۳/۲۹٥، الكوثر الجاري: ۱/٤۱۰

(۲) فتح الباري: ۲/٤۸۳، عمدة القاري: ۳/۲۹٥

(۳) فتح الباري: ۲/٤۸۳، عمدة القاري: ۳/۲۹٥، الكوثر الجاري: ۱/٤۱۰، التوشيح على الجامع الصحيح للسيوطي: ۱/۲٤۳.

(٤) فتح الباري: ۲/٤۸۳، عمدة القاري: ۳/۲۹٥

(٥) فتح الباري: ۲/٤۸۳

"كتاب الغسل باب: من أفاض على راسه ثلاثاً" کی آخری حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "رجل" سے مراد حسن بن محمد بن حنفیہ ہی مراد ہے، جیسا کہ علامہ کورانی رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۱)

حدیث سے مزاحمت پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب غسل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے لیے ایک صاع پانی کافی ہوگا، اس پر مجلس میں موجود ایک شخص (حسن بن محمد بن حنفیہ) نے کہا کہ میرے لیے یہ مقدار کافی نہ ہوگی، ان کی یہ بات چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلے میں تھی، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بطور تنبیہ کے ارشاد فرمایا: كان يكفي من هو أوفىٰ منك شعراً وخير منك.(۲)

یعنی ان کو تو کافی ہوجاتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت یا حدیث وسنت کے بیان کے بعد اس کے خلاف عمل پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف سے تنبیہ یا ناراضگی کا اظہار روایات میں بکثرت وارد ہوا ہے، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے کسی قریبی عزیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی اور پھر ان کو اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا تو ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے بات چیت کرنے سے انکار کردیا، چناں چہ بخاری ہی میں امام بخاری رحمہ اللہ نے "كتاب الذبائح والصيد، باب الخذف والبُنْدُقة" میں عبداللہ بن بُریدہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مغفّل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"أنه رأى رجلاً يَخْذِفُ، فقال له: لاتَخْذِفْ، فإنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن الخذف، أو كان يكره الخذف، وقال: (إنّه لايُصادُ به صيدٌ ولا يُنكأُ به عدُوٌ، ولكنها قد تكسر السِنّ، وتفقعأ العين)، ثم رآه بعد ذلك يَخْذِفُ فقال له: أحدّثكَ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهىٰ

---

(۱) الكوثر الجاري: ۱/۴۱۰

(۲) فضل الباري: ۲/۴۲۹

عن الخذف، أو كره الخذف، وأنت تخذف، لا أكلّمكَ كذا وكذا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ کنکریاں نہ پھینکو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنکریاں مارنے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے نہ تو شکار ہوسکتا ہے، اور نہ اس سے دشمن زخمی ہوسکتا، ہاں! کسی کا دانت توڑ دیتا ہے، یا آنکھ پھوڑ دیتا ہے، پھر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد اس شخص کو کنکریاں مارتے ہوئے دیکھا تو کہا: میں نے تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں مارنے سے منع فرمایا، یا اس کو ناپسند فرمایا اور تم کنکریاں مار رہے ہو، میں تم سے آئندہ بات نہیں کروں گا۔

مسلم شریف کی روایت میں لا أکلمُك أبداً کے الفاظ آئے ہیں۔(۲)
یعنی میں تم سے آئندہ کبھی گفتگو نہیں کروں گا۔

أوفیٰ منك شعراً

شعراً کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح سے نقل کیا گیا ہے، مرفوع ہوگا خبر ہونے کی وجہ سے اور منصوب ہو تو تمیز بنے گا، ان الفاظ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(۳)

اوفیٰ کا مطلب

شیخ الاسلام زکریا انصاری اور علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ "أوفى" کا مطلب "اکثر" ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تمہارے بالوں سے زیادہ تھے۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "أوفیٰ" میں دو

(۱) رقم الحديث: ٥٤٧٩

(۲) كتاب الصيد والذبائح، باب إباحة مايستعان به على الاصطياد والعدو وكراهة الخذف، رقم الحديث: ٥٠٥٣ (١٩٥٤)

(۳) عمدة القاري: ٢٩٥/٣، شرح الكرماني: ١١٦/٣، تحفة الباري: ٢٢١/١

احتمال ہیں کہ بال صفت اور مقدار دونوں اعتبار سے "أوفـــى" تھے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تمہارے بالوں سے لمبے بھی تھے اور زیادہ بھی تھے۔(۱)

وخير منك

اصیلی کے نسخہ میں "خیراً" منصوب ہے، باقی نسخوں میں مرفوع ہے، مرفوع ہونے کی صورت میں اس کا عطف "أوفى" پر ہوگا، جو "ھو" کی خبر ہے، تو گویا مرفوع ہونے کی وجہ خبر پر عطف ہونا ہے، اور اگر منصوب پڑھا جائے جیسا کہ اصیلی کے نسخہ میں ہے تو پھر اس کا عطف "من" موصلہ پر ہوگا اور "من" محلاً منصوب ہے، اس لیے کہ وہ يكفي کا مفعول ہے۔(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک

امام ترمذی رحمہ اللہ نے "شمائل" میں باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم کے عنوان سے حضرت عائشہ، حضرت براء بن عازب، حضرت انس، حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے آٹھ حدیثیں نقل فرمائیں ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے:

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل کھلے ہوئے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگھریالا پن لیے ہوئے تھے۔

۲- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔

۳- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ایسے پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے تھے اُن سے زیادہ تھے اور اُن سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں۔

۴- بعض مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک چار حصہ مینڈھیوں کی طرح ہو جاتے تھے، مراد وہ مینڈھیاں ہیں جن میں عورتوں سے تشبہ نہ ہو، کیوں کہ تشبہ سے حضور علیہ السلام نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے۔

---

(۱) تحفة الباري: ۲۲۱/۱، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱، فتح الباري: ۴۸۳/۲

(۲) شرح الكرماني: ۱۱٦/۳، عمدة القاري: ۲۹۵/۳، فتح الباري: ۴۸۳/۲، تحفة الباري: ۲۲۱/۱، إرشاد الساري: ۴۹۱/۱

۵-حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا اسلام میں جن اُمور میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی، اُن کے پیش نظر اہل کتاب کی موافقت میں بالوں کو بغیر مانگ نکالے ویسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے، لیکن بعد میں اہل کتاب کی موافقت والا حکم منسوخ ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی مخالفت میں مانگ نکالا کرتے تھے۔(۱)

۶-حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گنجان بالوں والے تھے۔(۲)

مختلف روایات میں تطبیق

ملا علی قاری رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اور ان میں کچھ تعارض نہیں، اس لیے کہ بال بڑھنے والی چیز ہے، ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانہ میں اس سے زائد، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈھوانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کیے اور جس نے بال منڈھے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ بال نقل کیے۔ بعض علماء نے روایات کو اس طرح بھی جمع فرمایا ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسطِ سر کے اس سے نیچے تک اور اخیر سر کے مونڈھوں کے قریب تک۔(۳)

شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے سالوں میں صرف تین مرتبہ: حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے موقع پر بالوں کا حلق فرمایا اور صرف ایک مرتبہ بالوں کا قصر فرمایا۔(۴)

---

(۱) دیکھئے: الشمائل المحمدية والخصائل المصطفوية، ص: ۱۷-۱۹، رقم الحديث: ۲٤، ۲۵، ۲٦، ۲۷، ۲۸، ۲۹؛ ۳۰، ۳۱، أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل، ص: ۹۳-۹۷، جمع الوسائل في شرح الشمائل، ص: ۹۰-۹۹، خصائل نبوی شرح شمائل نبوی، ص: ٤٤-٤۷

(۲) الحديث أخرجه الترمذي في الشمائل، باب ماجاء في خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۸، رقم الحديث: ۳

(۳) جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۹۹، خصائل نبوی، ترجمه وشرح شمائل ترمذی، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ٤٤

(٤) جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۹۹، =

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے ابن العربی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"الشعر في الرأس زينة وتركه سنة وحلقه بدعة وحالة مذمومة، جعلها المصطفىٰ (صلى الله عليه وسلم) شعار الخوارج".(۱)

یعنی سر پر بال باعث زینت ہیں، بالوں کو چھوڑنا (بڑھانا) سنت ہے اور (مستقل) حلق (گنجا) کروانا بدعت اور مذموم حالت ہے، (مبالغہ اور استمرار کے ساتھ) حلق کروانے کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کا شعار قرار دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کا مقصد

پانی زیادہ استعمال کرنے کی ضرورت دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک بالوں کی کثرت اور دوسرے نظافت کی وجہ سے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے پیش نظر کہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقدار کافی ہوتی تھی، تمہارے لیے اس مقدار کے ناکافی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا تمہارے سر کے بال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہیں، یا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محتاط ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تم سے زیادہ بال تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بہتر، افضل اور محتاط تھے، تمہارے لیے ناکافی ہونے کی وجہ اسراف ہوسکتا ہے، اگر تم پانی کے استعمال میں اسراف ترک کردو تو پانی کی جو مقدار ذکر کی گئی ہے وہ غسل کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔(۲)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ کہنے والے کہ میرے لیے ایک صاع کافی نہیں حسن بن محمد بن حنفیہ تھے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے ارجاء کا قول اختیار کیا تھا۔(۳)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسن بن محمد طہارت میں زیادہ پانی استعمال کرنے کے حوالے سے "اباضیہ" (۴)

= خصائل نبوی، ترجمه وشرح شمائل ترمذی، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ٤٤

(۱) شرح الشمائل للمناوي بهامش جمع الوسائل، ص: ٩٠

(۲) فضل الباري: ٢/٤٢٩

(۳) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/١٤٦، ارجاء سے متعلق تحقیقی بات حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ کے حالات میں آئے گی، انظر، ص: ٣٨١-٣٨٤

(۴) "اباضیہ" عبداللہ بن اَباض کے ماننے والوں کو اباضیہ کہا جاتا ہے، مروان بن محمد کے زمانے میں خروج کیا، انہوں نے =

کے مسلک کی طرف مائل تھے۔(۱)

پانی کے استعمال میں اعتدال

اگر اعتدال کے ساتھ پانی استعمال کیا جائے تو ایک صاع کے بقدر پانی کافی ہوجاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بے اعتدالی کی وجہ سے پانی زیادہ خرچ ہوتا ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قد يرفق بالقليل فيكفي، ويخرق بالكثير فلا يكفي". (۲)

یعنی سلیقے سے تھوڑا پانی بھی کافی ہوجاتا ہے اور بے سلیقہ بہت زیادہ بھی ناکافی ہوجاتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک صاع پانی سے غسل کرنا مندوب ہے، بایں معنی کہ پانی ایک صاع سے کم نہ ہو اور اگر ایک صاع سے زائد استعمال کیا لیکن اسراف نہ کیا تو سنت ادا کردی اور اگر اس سے کم سے غسل کیا تو جائز ہے۔(۳)

ثم أمنا في ثوب

پھر انہوں نے ایک ہی کپڑے میں ہماری امامت کی۔

امامت کس نے کروائی؟ "ثم أمنا في ثوب" کس کا مقولہ ہے اور ایک ہی کپڑے میں امامت کروانے والے کون تھے؟ اس بارے میں شراح حدیث کی رائے میں اختلاف ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس بارے میں دو احتمال بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ "ثم أمنا في ثوب" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہو اور اس کا عطف "كان يكفي" پر ہو، معنی یہ ہوگا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں ہماری امامت فرمائی۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ثم أمنا

=عبدالملک بن محمد بن عطیہ کو ان کے قتال پر مامور کیا، عبدالمطلب نے "تبالہ" کے مقام پر ان سے قتال کیا، عبداللہ ابن یحییٰ اباضی عبداللہ بن اباض کے قریبی رفیق اور اباضیہ کے داعی تھے۔ انظر للتفصيل: الملل والنحل: ۱/۱۳۱

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤٦

(۲) المنهاج: ٤/۲۲۷، المجموع: ۲/۱۸۹

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۱٦

في ثوب" ابوجعفر کا مقولہ ہوا اور اس کا عطف "فقال جابر" پر ہو، یعنی ابوجعفر نے یہ کہا کہ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں ہماری امامت کی۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے، انہوں نے فرمایا کہ "أمنا" کا فاعل حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ عن قریب کتاب الصلاۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اپنے عمل کا بیان آرہا ہے۔(۲)

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی "أمنا" کا فاعل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ایک کپڑے میں امامت کروانے کو ترجیح دی ہے، البتہ انہوں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وجہ ترجیح پر رد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کا اس سے مقصود علامہ کرمانی رحمہ اللہ پر رد کرنا ہے، اور اس رد کے لیے انہوں نے کتاب الصلاۃ میں محمد بن منکدر کی روایت سے استدلال کیا ہے، ان کی روایت میں ہے: رأيت جابراً يصلي في ثوب واحد وقال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في ثوب". میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔(۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس روایت سے علامہ کرمانی پر رد کرنا بے وجہ ہے، اس لیے کہ اس روایت میں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کا

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱٦

(۲) فتح الباري: ۲/٤۸۳

(۳) تحفة الباري: ۱/۲۲۱، إرشاد الساري: ۱/٤۹۲، التوشيح: ۱/۲٤۳

(٤) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، رقم: ۳٥۳

ذکر ہے، تو پھر اس کو علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے بیان کردہ دو احتمالات میں سے ایک کو ختم کرنے اور دوسرے کو ترجیح دینے کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔(۱)

علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک کپڑے میں امامت کروانے والے حضرت جابر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے "كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة" کی پہلی روایت سے استدلال کیا ہے، محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک تہبند میں نماز پڑھی اس حال میں کہ انہوں نے اسے گدی کی طرف سے باندھا ہوا تھا اور آپ کے کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے، کسی نے کہا: تصلي في إزار واحد؟ فقال: إنما صنعت ذلك ليراني أحمق مثلك، وأينا كان له ثوبان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم. (۲) یعنی آپ ایک تہبند میں نماز پڑھ رہے ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ تجھ جیسا احمق مجھے دیکھے، اور بھلا ہم میں سے کس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو کپڑے تھے۔

پھر علامہ کورانی رحمہ اللہ نے ان لوگوں (علامہ عینی وعلامہ کرمانی) پر رد کیا ہے جنہوں نے امامت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، فرمایا یہ ان کی لغزش ہے۔(۳)

خلاصہ یہ کہ "أمنا" کا فاعل حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ شراحِ حدیث کے اقوال سے معلوم ہوا اور یہاں امامت کی نسبتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں، ابن ملقن رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "ثم أمنا في ثوب" کے مقتضیٰ میں کوئی اختلاف نہیں، اس لیے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے، اگرچہ وہ امام ہو۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹۵/۳، ۲۹۶

(۲) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، رقم: ۳۵۲، ۳۵۳، وفي باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه، رقم: ۳۵۹، وفي باب: الصلاة بغير رداء، رقم: ۳۷۰

(۳) الكوثر الجاري: ۴۱۰/۱

(۴) التوضيح: ۵۵۷/۴

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظ "یکفیك" (صاع) سے ترجمۃ الباب نکل آیا، امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل میں ایک صاع پانی کا جو ذکر آیا ہے وہاں صرف وہ مقدار مذکور ہے جو کفایت کرتی ہے، ایک صاع کی تحدید مقصود نہیں، یہی مقصد ترجمہ ہے۔(۱)

حدیث سے مستنبط شدہ مسائل

اس حدیث سے درج ذیل مسائل کا استنباط کیا گیا ہے:

۱- سلف صالحین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بھی مدار استدلال بناتے اور اس کی تابعداری کرتے تھے۔(۲)

۲- ایسے شخص پر رد اور تنبیہ کرنا جائز ہے جو بغیر علم و تحقیق کے بحث و گفتگو کرے اور سخت گرفت کرنا بھی درست ہے، اگر تنبیہ کرنے والے کا مقصد حق کی وضاحت اور سامعین کو اس سے روکنا ہو۔(۳)

۳- پانی کے استعمال میں اسراف کی کراہیت بھی اس سے ثابت ہو رہی ہے۔

۴- غسل میں ایک صاع پانی کا استعمال مستحب ہے۔(۴)

۵- اس روایت سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔(۵)

حدیث باب (تیسری حدیث)

۲۵۰ : حدَّثنا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ : حَدَّثَنا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ عَمْرٍو ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ[٦]: أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ وَمَيْمُونَةَ ، كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ .

---

(۱) دیکھیے :فضل الباري: ٤٢٩/٢

(٢) فتح الباري: ٤٨٣/٢، عمدة القاري: ٢٩٦/٣، فضل الباري: ٤٢٩/٢

(٣) عمدة القاري: ٢٩٦/٣، فتح الباري: ٤٨٣/٢، فضل الباري: ٤٢٩/٢

(٤) فتح الباري: ٤٨٣/٢، عمدة القاري: ٢٩٦/٣، إرشاد الساري: ٤٩٢/١، فضل الباري: ٤٢٩/٢

(٥) عمدة القاري: ٢٩٦/٣، فضل الباري: ٤٢٩/٢

(٦) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة =

قال أبو عبد الله: كان ابن عيينة يقول أخيراً: عن ابن عباس عن ميمونة، والصحيح ماروواه أبو نعيم. (☆)

ترجمہ: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان عیینہ نے بیان کیا، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے جابر بن زید سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں (مل کر) ایک برتن غسل کیا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: سفیان بن عیینہ اپنی اخیر عمر میں یوں فرمایا کرتے تھے: (یہ روایت مروی ہے) ابن عباس سے، انہوں نے میمونہ سے (نقل کیا ہے)، اور صحیح وہی روایت ہے جو ابونعیم نے نقل کی ہے۔

تراجم رجال

أبو نُعيم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دکین عمرو بن حماد الملائی الکوفی الاحول ہیں، ان کے تفصیلی احوال "کتاب الإیمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ" کی پہلی روایت کے ذیل میں آچکے ہیں۔(۱)

= وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، غسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ۳۲۲، وأخرجه الترمذي في سننه في أبواب الطهارة، باب ماجاء في وضوء الرجل والمرأة من إناء واحد، رقم: ٦٢، وأخرجه النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ذكر اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من إناء واحد، رقم: ۲۳۷، وأخرجه ابن ماجه في سننه، كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، رقم: ۳۷۷، انظر جامع الأصول، النوع الثامن في اجتماع الرجل والمرأة على الإناء الواحد، رقم: ٥٠٤١، وانظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ٥٣٨٠

(☆) کشف الباري کے متن کے لیے استعمال ہونے والے (ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا صاحب کے) نسخے میں مذکورہ تعلیق موجود نہیں، جب کہ اس کی جگہ طباعت کی غلطی کی وجہ سے سابقہ حدیث کی تعلیق مکرر ہے، جس کی تصحیح کردی گئی ہے۔

(۱) دیکھیے: كشف الباري: ٦٦٩/٢-٦٧٣

ابن عيينة

یہ ابومحمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے مختصر حالات بدء الوحي، کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۱) اور تفصیلی حالات، "کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

عمرو

یہ مشہور امام وفقیہ ابومحمد عمرو بن دینار مکی جُمَحِی رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی احوال "کتاب العلم باب کتابۃ العلم" کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکے ہیں۔ (۳)

جابر بن زيد

یہ جابر بن زید ازدی، یحمدی، بصری، جوفی، یا خوفی رحمہ اللہ ہیں، ابوالشعثاء ان کی کنیت ہے۔ (۴)

جوف کی طرف نسبت کی وضاحت

"جَـوْف" جیم کے فتحہ، سکون واؤ اور اس کے بعد فا کے ساتھ، عمان کے ایک علاقے کی طرف نسبت ہے، امام بخاری، علامہ مزّی، ابن حبان، ابن سعد، مغلطائی اور ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے یہی نسبت نقل کی ہے۔ (۵)

---

(۱) دیکھیے: كشف الباري: ۲۳۸/۱

(۲) دیکھیے: كشف الباري: ۱۰۲/۳-۱۰۶

(۳) دیکھیے: كشف الباري: ۳۰۹/٤-۳۱۳

(٤) دیکھیے: التاريخ الكبير: ۲۰٤/۲، تهذيب الكمال: ٤۳٤/٤، الجرح والتعديل: ٤۲۷/۱، كتاب الثقات: ۱۰۱/٤، حلية الأولياء: ۸٥/۳، تهذيب الأسماء واللغات: ۱٤۱/۱، الكاشف: ۱۸۷/۱، تذكرة الحفاظ: ۷۲/۱، سير أعلام النبلاء: ٤۸۱/٤، البداية والنهاية: ۱۰۳/۹، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۱/۳، الأنساب: ۱۲۲/۲، الكامل في التاريخ: ۲۷۹/٤

(٥) التاريخ الكبير: ۲۰٤/۲، تهذيب الكمال: ٤۳٥/٤، كتاب الثقات: ۱۰۱/٤، الطبقات الكبرى: ۱۷۹/۷، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۱/۳، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲، تقريب التهذيب: ۱٥۲/۱

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ (جوف نہیں) "خَوف"، خا کے ساتھ عمان کا ایک علاقہ ہے، اس وجہ سے ان کی نسبت "خوفی" ہے۔(۱)

علامہ سمعانی نے "الأنساب" میں عمرو بن علی فلاس سے نقل کیا ہے کہ "جوف" (بفتح الجیم وسکون الواؤ وفی آخرھا الفاء) درب الجوف (جوف کی گھاٹی) کی طرف نسبت ہے اور جوف یہ بصرہ کا ایک علاقہ ہے۔(۲)

علامہ مزی نے بھی "قیل" کے ساتھ اس قول کو نقل کیا ہے۔(۳)

اقوال میں تطبیق

ان اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جابر بن زید رحمہ اللہ اصل میں تو "جوف" عمان کے تھے، بعد میں بصرہ کے علاقے ازد کے جس علاقہ میں آکر رہائش اختیار کی، اسے ان کے آبائی علاقے "جوف" کی نسبت سے "درب الجوف" یعنی اہل جوف کی گھاٹی (محلّہ) کہا جانے لگا۔(۴)

اس تطبیق کی تائید ایک تو ابن حبان رحمہ اللہ کے قول سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں:

"أصله من الجوف ناحية بعمان، وكان ينزل البصرة في الأزد [في] موضع يقال: "درب الجوف".(٥)

یعنی جابر بن زید اصل میں عمان کے ایک علاقہ جوف کے تھے، وہ بصرہ میں ازد کے مقام پر ایک جگہ آکر رہے، جسے "درب الجوف" کہا جاتا تھا۔

دوسری تائید ابن سعد رحمہ اللہ کے قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے ایاس سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"أدركت البصرة ومفتيهم، رجل من أهل عمان جابر بن زيد".(٦)

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٤٨١/٤

(٢) الأنساب: ١٢٣/٢

(٣) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٤

(٤) تعليقات التاريخ الكبير: ٢٠٤/٢

(٥) الثقات لابن حبان: ١٠١/٤

(٦) الطبقات لابن سعد: ١٧٩/٧

یعنی میں نے بصرہ اور اس کے مفتی کو پایا (یعنی ان سے ملا) وہ اہل عمان میں سے ایک آدمی جابر بن زید تھے۔

اساتذہ وشیوخ

جابر بن زید رحمہ اللہ نے جن حضرات سے کسب فیض کیا ان میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حکم بن عمرو غفاری، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔(۱)

تلامذہ

ان سے استفادہ اور روایت حدیث کرنے والوں میں اُمیہ بن زید ازدی، ایوب سختیانی، حیان الاعرج، داؤد بن ابی قصاف، سلیمان بن سائب، صالح الدہان، ابوحفص عبیداللہ بن رستم، ابوالمعیب عبیداللہ بن عبداللہ عتکی، عزرہ بن عبدالرحمٰن کوفی، عمرو بن دینار، عمرو بن ہرم ازدی، غطریف ابوہارون عمانی، قتادہ بن دعامہ، محمد بن عبدالعزیز جرمی، مزید بن ہلال، یا ہلال بن مزید، مہلب بن ابی حبیبہ، ولید بن یحییٰ ازدی، یعلیٰ بن حکیم، یعلیٰ بن مسلم اور ابوعنبس اکبر رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۲)

جلالت شان اور علمی مقام

جابر بن زید رحمہ اللہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ کے ساتھ ان کا شمار ہوتا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔(۳)

قرآن پاک کے علوم میں ماہر تھے، عطا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”لو أن أهل البصرة نزلوا عند قول جابر بن زيد لأوسعهم علماً من

---

(۱) تهذيب الكمال: ٤/٤٣٥، كتاب الثقات: ٤/١٠١، الجرح والتعديل: ١/٤٢٧، تهذيب التهذيب: ٢/٣٨، تذكرة الحفاظ: ١/٧٢، حلية الأولياء: ٣/٩٠

(۲) تهذيب الكمال: ٤/٤٣٥، سير أعلام النبلاء: ٤/٤٨٢، تهذيب التهذيب: ٢/٣٨، تذكرة الحفاظ: ١/٧٢، الجرح والتعديل: ١/٤٢٧، الكاشف: ١/٢٨٧

(۳) سير أعلام النبلاء: ٤/٤٨١، ٤٨٢، الكاشف: ١/٢٨٧

كتاب الله، وربما قال: عيا في كتاب الله".(۱)

اگر اہل بصرہ حضرت جابر بن زید کے قول کو اختیار کریں تو وہ ان کے لیے کتاب اللہ کے علم سے خوب عطا کرنے والے اور خوب غنی کرنے والے ہوتے اور کبھی فرماتے کہ کتاب اللہ میں جو کچھ علوم ہیں ان سے خوب مستفید کرنے والے ہوتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن زید کو علماء میں سے شمار کرتے تھے، عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ جابر بن زید کے بارے میں فرماتے تھے: "هو أحد العلماء". (۲)

زیاد بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے اس کا جواب دیا، پھر فرمایا: تم ہم سے کیسے پوچھ رہے ہو جب کہ تم میں ابو الشعثاء (جابر بن زید) موجود ہیں۔(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول ایسا ہی جابر بن زید کے بارے میں منقول ہے۔(۴)

ضحاک کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جابر بن زید سے فرمایا: اے جابر! تم اہل بصرہ کے فقہاء میں سے ہو، لوگ تم سے مسائل پوچھیں گے، تم ہرگز فتویٰ نہ دینا سوائے قرآن وسنت کے، اگر تم قرآن وسنت سے ہٹ کر جواب دو گے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دو گے۔(۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "البداية والنهاية" میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاريخ الكبير" میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جگہ اس قول کی نسبت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔(۶)

---

(۱) الجرح والتعديل: ۱/ ٤٢٧، كتاب الثقات: ٤/ ١٠٢، الكاشف: ١/ ٢٨٧، الطبقات الكبرى: ٧/ ١٧٩، حلية الأولياء: ٣/ ٨٥

(۲) تهذيب الكمال: ٤/ ٤٣٦

(۳) حلية الأولياء: ٣/ ٨٦، البداية والنهاية: ٩/ ١٠٢

(٤) الجرح والتعديل: ١/ ٤٢٧، تذكرة الحفاظ: ١/ ٧٢، سير أعلام النبلاء: ٤/ ٤٨٢، تهذيب التهذيب: ٢/ ٣٨، تهذيب الكمال: ٤/ ٤٣٦

(٥) حلية الأولياء: ٣/ ٨٦، التاريخ الكبير: ٢/ ٢٠٤، تذكرة الحفاظ: ١/ ٧٢، إكمال تهذيب الكمال: ٣/ ١٢٢

(٦) البداية والنهاية: ٩/ ١٠٣، التاريخ الكبير: ٢/ ٢٠٤

عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن زید سے زیادہ فتویٰ کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا۔(۱)

حماد بن زید کہتے ہیں کہ ایوب سے پوچھا گیا کیا تم نے جابر بن زید کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! وہ عقلمند اور دانش مند تھے۔(۲)

ائمہ کے توثیقی اقوال

امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "تابعي، ثقة".(۳)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور لکھا ہے: "كان فقيها".(۴)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "بصري، ثقة".(۵)

ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "بصري، أزدي، ثقة".(٦)

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة، فقيه".(۷)

طبری رحمہ اللہ نے طبقات الفقہاء میں فرمایا: "كان عالماً فقيهاً".(۸)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا:

"كان أحد الفقهاء العلماء الفضلاء، أثنىٰ عليه ابن عباس بالعلم، وحسبك بذلك".(۹)

---

(۱) حلية الأولياء: ۸٦/۳، البداية والنهاية: ۱۰۳/۹، تذكرة الحفاظ: ۷۲/۱، التاريخ الكبير: ۲۰٤/۲، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۳/۳

(۲) الطبقات الكبرى: ۱۸۰/۷، تذكرة الحفاظ: ۷۲/۱، سير أعلام النبلاء: ٤۸۲/٤

(۳) تهذيب التهذيب: ۳۸/۲، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۲/۳

(٤) كتاب الثقات: ۱۰۲/٤، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(٥) تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، الجرح والتعديل: ٤۲۷/۱، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(٦) الجرح والتعديل: ٤۲۸/۱، تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(۷) تقريب التهذيب: ۱٥۲/۱

(۸) إكمال تهذيب الكمال: ۱۲٤/۳

(۹) إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۲/۳

یعنی جابر بن زید فقہاء، علماء اور فضلاء میں سے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے علم کی تعریف کی ہے، یہی تمہارے لیے کافی ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوالشعثاء (جابر بن زید) اہل علم میں سے تھے اور بصرہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔(۱)

منتجالی نے فرمایا: "كان يفتي الناس و كان ثقة".(۲)

اباضیہ کی طرف نسبت

اباضیہ جابر بن زید کے اباضی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اسی وجہ سے بعض ائمہ سے بھی ان کے بارے میں "اباضی" ہونے کا قول مروی ہے، چناں چہ ساجی نے احمد بن محمد سے انہوں نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ جابر (بن زید) اباضی تھے۔(۳)

اس نسبت کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ جابر بن زید رحمہ اللہ اباضی نہیں تھے۔ اباضیہ کا یہ دعویٰ غلط ہے، وہ ان کی اپنی طرف جھوٹی نسبت کرتے ہیں، وہ اس سے بری تھے، ہشام نے محمد سے نقل کیا ہے کہ اباضیہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے حضرت جابر بری تھے، عارم کہتے ہیں کہ اباضیہ ان کی اپنی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کرتے تھے۔(۴)

سفیان نے عمرو بن دینار سے کہا کیا تم نے کبھی ابوشعثاء سے اباضیہ یا ان کے عقائد کے بارے میں کچھ سنا؟ انہوں نے کہا: میں نے ان سے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سنا ہے۔(۵)

ہند بنت مہلب کی گواہی

ہند بنت مہلب کے سامنے جابر بن زید کا تذکرہ ہوا اور لوگوں نے کہا کہ وہ اباضی تھے، ہند بنت مہلب

---

(١) البداية والنهاية: ١٠٢/٩

(٢) إكمال تهذيب الكمال: ١٢٤/٣

(٣) الكامل لابن عدي: ٧١/٤، تهذيب التقريب: ٣٨/٢، إكمال تهذيب الكمال: ١٢٢/٣

(٤) الطبقات الكبرى: ١٨١/٧

(٥) التاريخ الكبير: ٢٠٤/٢، إكمال تهذيب الكمال: ١٢٢/٣

نے فرمایا: جابر بن زید لوگوں میں سب سے زیادہ میرے اور میری والدہ کے پاس وقت گزارا کرتے تھے، وہ مجھے اللہ کے قریب کرنے والے اعمال کا حکم دیتے اور اللہ سے دور کرنے والی چیزوں سے روکا کرتے تھے، انہوں نے مجھ کبھی اباضیہ کی طرف نہیں بلایا اور نہ ہی مجھے اس کا حکم دیا، اگر چہ وہ مجھے یہ بھی بتاتے تھے کہ میں دوپٹہ کیسے اوڑھوں اور انہوں نے (ہند بن مہلب) نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا (تا کہ دکھا سکے کہ جابر بن زید ان کو کیسے دوپٹہ اوڑھنے کا کہتے تھے)۔(۱)

حضرت جابر کی اباضیہ سے براءت

یہی بات خود جابر بن زید سے بھی منقول ہے، چناں چہ قتادہ اور داؤد بن ابی قصاف نے عزرہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن زید سے کہا کہ اباضیہ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ان میں سے ہیں؟ جابر بن زید نے فرمایا: میں ان اور ان کے عقائد سے بری ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔(۲)

ثابت بنانی کی روایت میں ہے کہ جابر بن زید سے نزع کی حالت میں اباضیہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے برات کا اظہار کیا۔(۳)

وفات

ابن سعد رحمہ اللہ اور واقدی رحمہ اللہ نے کہا: جابر بن زید ۱۰۳ ہجری میں فوت ہوئے۔(۴)

ہیثم بن عدی رحمہ اللہ نے ۱۰۴ ہجری کو سنہ وفات قرار دیا ہے۔(۵)

امام احمد، فلاس، امام بخاری، عمرو بن علی، ابن حبان، ابونعیم، حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے ۹۳ ہجری کو ان کا سنہ وفات قرار دیا ہے۔(٦)

---

(۱) حلية الأولياء: ۸۹/۳، البداية والنهاية: ۱۰۳/۹، ۱۰٤

(۲) الطبقات الكبرىٰ: ۱۸۱/۷، تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(۳) الطبقات الكبرىٰ: ۱۸۲/۷

(٤) الطبقات الكبرىٰ: ۱۸۲/۷، تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲، تذكرة الحفاظ: ۷۳/۱

(٥) تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(٦) التاريخ الكبير: ۲۰٤/۲، كتاب الثقات: ۱۰۲/٤، تهذيب الكمال: ٤۳٦/٤، تذكرة الحفاظ: ۷۲/۱، =

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ۱۰۳ ہجری کے قول کو شاذ قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "شذ من قال: إنه توفي سنة ثلاث ومئة". (۱)

قتادہ نے ان کے انتقال والے دن فرمایا: آج اہل بصرہ کا علم یا عراق کا عالم دفن کیا گیا، (۲) یا یوں فرمایا: آج دنیا والوں کا علم دفن ہوگیا۔ (۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات، "کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۴) اور "کتاب الإیمان، باب کفران العشیر، وکفر بعد کفر" کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۵)

شرح حدیث

أن النبي صلى الله عليه وسلم وميمونه كانا يغتسلان من إناء واحد

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں (مل کر) ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

زوجین کے آپس میں تعلق کی اہمیت

زوجین کا ایک برتن سے غسل کرنے اور ایک دوسرے کے پس ماندہ اور باقی بچے ہوئے پانی سے

= ۷۳، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۲/۳، تقريب التهذيب: ۱۵۲/۱، الكاشف: ۲۸۷/۱.

(۱) سير أعلام النبلاء: ٤٨٣/٤

(۲) تهذيب الكمال: ٤٣٦/٤، إكمال تهذيب الكمال: ۱۲۳/۳، تهذيب التهذيب: ۳۸/۲

(۳) حلية الأولياء: ۸٦/۳، تذكرة الحفاظ: ۷۲/۱

(٤) دیکھیے: كشف الباري: ٤٣٥/۱-٤٣٧

(٥) دیکھیے: كشف الباري: ۲۰٥/۲، ۲۰٦

طہارت حاصل کرنے سے متعلق مباحث گذر چکے ہیں، البتہ زوجین کے آپس میں تعلق کے بارے یہاں ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس کی طرف عام طور سے شراحِ حدیث نے توجہ نہیں فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیثِ باب او اس طرح کی روایت محدثین کرام عموماً کتاب الطہارۃ میں ذکر کرتے ہیں، اور اس سے طہارت کے مسائل کا بیان مقصود ہوتا ہے، یہ بھی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، لیکن اس طرح کی روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شریعت میں زوجین کے آپس میں تعلق کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس تعلق کے بقا اور اس میں اضافہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اعمال کا حکم فرمایا ہے، جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں، لیکن زوجین میں باہمی تعلق والفت کے اضافے اور پائیداری کا باعث بنتے ہیں، جیسے: زوجین کا مل کر ایک برتن سے غسل کرنا، نہ صرف اظہار مودت والفت ہے، بلکہ اس میں اضافے کا بھی باعث ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وضاحت

چناں چہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "فتح الملهم" میں اس پہلو کی وضاحت فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

> میاں بیوی کے تمام باہمی تعلقات میں سب سے بڑا اور اہم تعلق خانگی اور گھریلو تعلق ہے، یہی سب سے زیادہ سودمند تعلق ہے اور اس کی ضرورت بھی زیادہ پیش آتی ہے، اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ کی زیادہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو برقرار رکھا جائے اور اس کے مقاصد کو پورا کیا جائے، اور اس تعلق کو بے کیف ومکدر کرنے اور مکمل ختم کرنے کو شریعت نے ناپسند کیا ہے، اور کسی بھی طرح کے تعلق کے ثمرات بغیر الفت ومحبت کے حاصل نہیں ہوسکتے ہیں، حصول محبت کے لیے زوجین کو کچھ خصال حمیدہ پر کاربند ہونا ہوگا، جیسے ایک دوسرے سے ہمدردی کا اظہار ایک دوسرے کی ناپسندیدہ باتوں سے عفو ودرگذر کرنا اور ان امور سے احتراز کرنا جن کی وجہ سے دل میں ایک دوسرے کے لیے کینہ وبغض پیدا ہوتا ہے، (اور کچھ امور پر کاربند رہنا ہوگا، خاص کر) ایک دوسرے سے دل لگی کرنا، خندہ پیشانی سے ملنا وغیرہ۔
>
> حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ ان امور کی نہ صرف ترغیب دی جائے، بلکہ قول وفعل کے

ذریعے زوجین کوان پراُبھارا بھی جائے، اسی نکتہ کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے جنہوں نے ثیبہ عورت سے شادی کی تھی، فرمایا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم کسی کنواری سے شادی کرتے، تم اس سے لطف اندوز ہوتے اور وہ تم سے لطف اندوز ہوتی۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس برتن سے پانی نوش فرماتی وہی برتن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برتن کے اس حصے سے منہ لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیا ہوتا تھا،(۲) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کھائی ہوئی ہڈی کو چوسا کرتے تھے،(۳) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں مل کر ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پانی لیتے اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی لینے میں سبقت فرماتی، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ پہلے مجھے پانی لینے دیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی کہ پہلے

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الصلاة، باب الصلاة إذا قدم من سفر مختصراً، رقم الحديث: ٤٤٣، وفي كتاب البيوع، باب شراء الدواب والحمير، رقم: ٢٠٩٧، ومسلم في صحيحه كتاب الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، رقم: ٣٦٣٦، وأيضاً في باب استحباب نكاح البكر، رقم: ٣٦٣٧-٣٦٤٢، والترمذي في سننه، كتاب النكاح، باب ماجاء في تزويج الأبكار، رقم: ١١٠٠، وأبوداؤد في سننه في كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار، رقم: ٢٠٤٨، وابن ماجه في سننه، أبواب النكاح، باب تزويج الأبكار، رقم: ١٨٦٠، والنسائي في سننه، كتاب النكاح، باب نكاح الأبكار، رقم: ٣٢٢١، ٣٢٢٢، انظر جامع الأصول، رقم: ٣٤٠، وتحفة الأشراف، رقم: ٣٤٣٦، ٢٥٣٥

(۲) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها رقم: ٦٩٢، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب مؤاكلة الحائض ومجامعتها، رقم: ٢٥٩، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب سؤر الحائض، رقم: ٣٤٢، وابن ماجه في سننه في باب ماجاء في مؤاكلة الحائض وسؤرها، رقم: ٦٤٣، انظر كذلك جامع الأصول، رقم: ٥٤٠٣، وتحفة الأشراف، رقم: ١٦١٤٥

(۳) انظر الحاشية السابقة.

مجھے لینے دیں۔(۱)

یہی وہ امور ہیں جو میاں بیوی میں مودت کو پیدا کرتے ہیں اور ناخوشگواری، نفرت اور اعراض سے دور رکھتے ہیں۔(۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس باب کی تیسری حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ہونے اور نہ ہونے میں شارحین حدیث کی آراء میں اختلاف ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت کو ثابت کرنے کے لیے تین توجیہات بیان کی ہیں:

پہلی توجیہ

پہلی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث میں "إناء" سے مراد "فرق مذکور" ہے، جس کا تذکرہ کتاب الغسل میں آچکا ہے، چوں کہ ان کے ہاں یہ معروف تھا اس لیے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔(۳)

دوسری توجیہ

دوسری توجیہ یہ بیان کی ہے کہ اس اناء سے ایک خاص قسم کا برتن مراد ہے، جس میں دو یا اس زیادہ صاع پانی سماتا ہے، عرف اور عادت پر اعتماد کرتے ہوئے راوی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔(۴)

---

(۱) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، رقم: ۷۳۲، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، باب الرخصه في ذلك، رقم: ۲٤۰، انظر جامع الأصول، رقم: ٥۰٤۰

(۲) فتح الملهم: ۸۲/۳

(۳) شرح الكرماني: ۱۱۷/۳، إرشاد الساري: ٤۹۲/۱

(٤) شرح الكرماني: ۱۱۷/۳، إرشاد الساري: ٤۹۲/۱

تیسری توجیہ

تیسری توجیہ حدیث کی ترجمہ سے مناسبت کے حوالے سے یہ بیان کی کہ یہ اختصار حدیث کے قبیل سے ہے اور دوسری روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں تفصیل ہے، جس سے مذکورہ ترجمہ بآسانی ثابت ہو جاتا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض شارحین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کو ترجمہ سے مناسبت نہیں ہے، کیوں کہ اس میں برتن کی مقدار نہیں بتائی گئی، جب کہ ترجمہ میں صاع اور اس کے بقدر برتنوں کا ذکر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے برتن چھوٹے تھے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے، لہٰذا یہ حدیث ترجمہ میں مذکور "ونحوہ" کے مطابق ہو جائے گی، یا اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کے اناءِ مطلق کو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں مذکور فرقِ مقید پر محمول کیا جائے، کیوں دونوں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ تھیں اور ہر ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کیا ہے، لہٰذا ہر ایک کے حصے میں ایک صاع سے زیادہ پانی آیا ہوگا، اس لیے وہ برتن جو حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا میں مذکور ہے تقریبی طور سے ترجمۃ الباب کے تحت داخل ہو جائے گا۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے اور سابقہ توجیہات پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کی ترجمۃ الباب سے مناسبت غیر ظاہر ہے، پھر علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تینوں توجیہات کو غیر موزوں قرار دیتے ہوئے کہا کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ترجمہ ثابت کرنے کے لیے تکلف سے کام لیا ہے۔(یہی رائے علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔)(۳) پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ دونوں توجیہات ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہات سے بھی گئی گزری ہیں، کیوں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی غرض تو صرف مرد و عورت کے ایک برتن سے

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷

(۲) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹٦

(۳) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤۸

غسل کے جواز کو بیان کرنا ہے، نہ کہ برتن کے مقدار کو بیان کرنا اور ترجمۃ الباب میں مقدار کا ذکر ہے، تو پھر حدیث اور ترجمہ میں مطابقت کیسے ہوسکتی ہے، پھر حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ تھیں، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اصول کے فن سے کوئی مناسبت ہی نہیں، اور ان دونوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا سبب کیسے ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر جاری ہوتا ہے، اور مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی صورتیں مخصوص ہیں جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔(۱)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی رائے

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں داخل نہیں، بلکہ باب غسل الرجل مع امرأته، میں داخل ہے (یعنی اس باب سے مناسبت نہیں، بلکہ ماقبل باب سے مناسبت رکھتی ہے، جسے امام بخاری نے یہاں ذکر کیا ہے)۔(۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

انصاف کی بات یہ ہے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ نے عدم مناسبت کی جو بات کی ہے وہ درست نہیں، چناں چہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ”اس روایت میں پہلی روایتوں کی طرح پانی کی مقدار کا ذکر نہیں، یہی وجہ ہے کہ بخاری کے بعض شارحین اس روایت کو ترجمۃ الباب سے غیر متعلق قرار دیتے ہیں، شارحین کی یہ رائے درست نہیں، کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ برتن بالکل بھرا ہوا ہو، چناں چہ برتن میں کمی بیشی ممکن ہے اور اگر بالکل بھرا ہوا بھی تسلیم کرلیں تو یہ کہاں ضروری ہے کہ غسل میں دونوں کے استعمال میں مساوی مقدار آئی ہو، پانی کی کمی بیشی بہرحال ممکن ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں ”بالصاع ونحوه“ کے الفاظ لکھے ہیں، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ باب کی اس آخری روایت میں صاع کا لفظ نہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ”ونحوه“ بھی کہا

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۴۸۳/۲

(۲) إرشاد الساري: ۴۹۲/۱

ہے جس کی بنا پر ہم اس حدیث کو ترجمہ کے مطابق کہہ سکتے ہیں''۔(۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے بھی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی طرح وہی ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے ترجمۃ الباب کا دوسرا جز ''ونحوہ'' ثابت ہوتا ہے، البتہ انہوں نے اس کی وضاحت قدرے مختلف انداز سے فرمائی ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ عدمِ تخصیصِ صاع کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں،(۲) جب کہ علامہ کورانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کو اس باب کے تحت ذکر کرنے کا مقصد اس بات پر دلالت کرنا ہے کہ صاع کے بقدر پانی سے غسل کرنا ضروری اور واجب نہیں، (کمی بیشی جائز ہے،) جیسا کہ ہم امام نووی رحمہ اللہ کے حوالہ سے پہلے بھی یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مخصوص مقدار متعین نہیں جس سے کم مقدار سے (غسل یا وضو) جائز نہ ہو، تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ترجمۃ الباب کے دوسری شق (''ونحوہ'') کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(۳)

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں برتن سے وہ برتن مراد ہے جس میں ایک صاع پانی سماتا ہے، تو حدیث ترجمہ کے موافق ہو جائے گی۔(۴)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری'' میں لکھا ہے:

''ثالث أحاديث الباب لم يذكر فيه قدر الصاع، ووجه الاستدلال به

---

(۱) فضل الباري: ٢/ ٤٢٩

(۲) الكنز المتواري: ٣/ ١٩٣

(۳) الكوثر الجاري: ١/ ٤١١

(٤) دیکھیے: تحفة الباري: ١/ ٢٢١

ثبوت ذكره فيه بطريق اخر".(۱)

یعنی اس باب کی تیسری حدیث میں قدر صاع کا تذکرہ نہیں، وجہ استدلال اس سے یہ ہے کہ دوسرے طریق سے اس کا تذکرہ ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی اس توجیہ میں جس دوسرے طریق کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بیہقی نے اسے عبدالوارث عن بہز بن حکیم کے طریق سے موصولاً روایت کیا ہے۔(۲)

تلاش بسیار کے باوجود عبدالوارث کی روایت دستیاب نہ ہو سکی، البتہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے:

"اغتسل رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة من إناء واحد قصعة فيها أثر العجين".(۳)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن یعنی قصعہ سے جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے اثرات تھے، اس سے غسل کیا۔

ابن ملقن رحمہ اللہ کی رائے

ابن ملقن رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث کو "باب الغسل الصاع ونحوه" میں ذکر کرنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''فرق'' نامی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے اور اس کا نصف ڈیڑھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور وہ آٹھ رطل کے، جب کہ آٹھ رطل ایک صاع سے کچھ زائد ہوتا ہے تو گویا جب مل کر غسل کرتے تھے تو ہر ایک کے حصے میں ایک صاع یا اس سے کچھ زائد پانی آتا تھا اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصد ہے۔(۴)

(۱) دیکھیے: رسالة شرح تراجم أبواب صحيح البخاري، ص: ۱۸

(۲) هدي الساري: ۱/۲۵

(۳) السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب التطهر بالماء الذي خالطه طاهر لم يغلب عليه: ۱/۷

(٤) التوضيح: ٤/٥٥٨

قال أبو عبدالله: كان ابن عيينة يقول أخيراً: عن ابن عباس عن ميمونة، والصحيح مارواه أبو نعيم

(ترجمہ) امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: سفیان بن عیینہ اپنی اخیر عمر میں یوں فرمایا کرتے تھے: (یہ روایت مروی ہے) ابن عباس سے، انہوں نے میمونہ سے (نقل کیا ہے)، اور صحیح وہی روایت ہے جو ابونعیم نے نقل کی ہے۔

غرض تعلیق

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف سے تیسری حدیث الباب پر تعلیق ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض مذکورہ تعلیق سے اس باب کی تیسری روایت (جو ابونعیم سے مروی ہے) کو ابن عیینہ کے دیگر شاگردوں کی روایت پر ترجیح دینا اور اسے مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہما میں سے قرار دینا ہے۔

علامہ کرمانی اور علامہ عینی کی رائے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس تعلیق میں "قال ابن عیینه" نہیں کہا، بلکہ "کان ابن عیینه" کے الفاظ استعمال کیے، تاکہ اس بات پر دلالت ہو سکے کہ ابن عیینہ آخری عمر میں استمرار کے ساتھ "ابن عباس عن میمونہ" کے طریق سے روایت کرتے تھے، اس تقدیر پر یہ روایت مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے ہوگی اور پہلی روایت کی بنیاد پر یہ مسانید ابن عباس رضی اللہ عنہما میں سے ہوگی، امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں میں سے ابونعیم کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور باقی حضرات نے اس کو مسانید میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے قرار دینے کو مرجوح کہا ہے۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کا ابونعیم کی روایت کو ترجیح دینے کی وجہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اکثر رواۃ نے مذکورہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عیینہ کی آخری عمر کی روایت قرار دے کے مرجوح کہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے محدثین کے اس قاعدے کے مطابق ابونعیم کی

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷، عمدة القاري: ۳/۲۹۷

روایت کوترجیح دی ہے کہ من جملہ مرجحات میں ایک قدمِ سماع بھی ہے، اس لیے کہ شروع عمر میں شیخ کا حافظ قوی ہوتا ہے، تو ابونعیم بھی ابن عیینہ کے قدیم تلامذہ میں سے ہیں اور ان سے اس وقت روایت سنی ہے جب ان کا حافظہ قوی تھا۔(۱)

علامہ ابن ملقن، علامہ انصاری، علامہ کورانی، علامہ قسطلانی، علامہ عینی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی ابونعیم کی روایت کوترجیح دی ہے اور اسے مسانید ابن عباس رضی اللہ عنہما میں سے شمار کیا ہے۔(۲) وليس الأمر كما قالوا، سيأتي إن شاء الله.

اسی طرح علامہ عینی رحمہ اللہ نے محدث اسماعیلی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے بھی روایت کو مسانید ابن عباس رضی اللہ عنہما میں سے ہونے کوترجیح دی ہے،(۳) حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

لامع الدراری میں منقول ایک توجیہ

"لامع الدراری" میں ابونعیم کی روایت کی تصحیح کے سلسلے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرکے یہ توجیہ لکھی گئی ہے کہ اکثر روایات (خانگی معاملات اور طہارت سے متعلق) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں، اس وجہ سے بعض حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ بڑھادیا ہے، یہ اضافہ اس لیے صحیح نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پر منحصر نہیں، لہٰذا یہ خیال کرکے ان کا واسطہ بڑھادینا درست نہیں، اس لیے کہ یہ ضروری نہیں کہ مذکورہ روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہو، حالاں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما دیگر ازواج مطہرات اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ روایت بھی ان کے علاوہ کسی اور سے ہو۔(۴)

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸۳

(۲) التوضيح: ۴/۵۵۸، الكوثر الجاري: ۱/۴۱۱، إرشاد الساري: ۱/۴۹۲، عمدة القاري: ۳/۲۹۷، تحفة الباري: ۱/۲۲۱

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۹۷

(۴) لامع الدراري: ۱/۲۰۷، ۲۰۸، الكنز المتواري: ۳/۱۹۳، ۱۹۴

اس توجیہ پر ایک نظر

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ توجیہ قابلِ تأمل ہے، شاید نقل وتعبیر کا کچھ فرق ہو گیا ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صرف ابونعیم کی روایت کو ترجیح دینا ہے، دیگر حضرات کی روایت کی تغلیط مقصود نہیں، مزید برآں اس بارے میں اکثر محدثین حضرات نے زیرِ بحث حدیث کو مسانید میمونہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت سے نقل کیا ہے، ان سب کی طرف بلا دلیل کے اضافہ محض کی نسبت درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجیحِ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کی رائے

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین اور شراحِ حدیث زیرِ بحث حدیث کو مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے قرار دیتے ہیں اور شارحین اس کی کئی وجوہ ترجیح بھی بیان کرتے ہیں۔

پہلی وجہ ترجیح

مذکورہ روایت کے مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے ہونے کی پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ سے آخری عمر میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے روایت نقل کرنے والے تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور انہیں ابن عیینہ کی طولِ صحبت بھی حاصل ہے۔(۱)

دوسری وجہ ترجیح

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ نے محدث اسماعیلی رحمہ اللہ سے ایک اور وجہ ترجیح بھی نقل کی ہے، چناں چہ یہ حضرات فرماتے ہیں:

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۲/۴۸۳

قال الحافظ أبوبكر محمد بن موسى الحازمي الهمداني: "الوجه الأول (أي من وجوه الترجيح): كثرة العدد في أحد الجانبين، وهي مؤثرة في باب الرواية، لأنها تقرب مما يوجب العلم وهو التواتر" ...... الوجه الحادي عشر: (أي من وجوه الترجيح): أن يكون أحد الراويين أكثر ملازمة لشيخه، فإن المحدث قد ينشط تارةً فيسوق الحديث على وجهه، وقد يتكاسل في الأوقات فيقتصر على البعض، أو يرويه مرسلاً إلى غير ذلك من الأسباب". (الأعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث: ۱/۱۳۱، ۱۳۷)

"ورجحها الإسماعيلي من جهة أخرىٰ من حيث المعنى وهي كون ابن عباس لايطلع على النبي صلى الله عليه وسلم في حاله اغتساله مع ميمونة، فيدل على أنّه أخذه عنها".(۱)

یعنی محدث اسماعیلی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کا مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے ہونے کی ایک معنوی وجہ ترجیح بھی بیان کی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غسل کرنے کی کیفیت پر مطلع نہیں ہو سکتے، لہٰذا انہوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے سن کر ہی نقل کیا ہوگا۔

تیسری وجہ ترجیح

اکثر محدثین سفیان بن عیینہ کی روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں، چناں چہ امام مسلم، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ترمذی (۲)، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام طحاوی، ابن ابی شیبہ، حمیدی، ابوعوانہ، طبرانی، بیہقی اور بزاز رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہی نقل کیا ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤٤، فتح الباري للعسقلاني: ۲/٤۸۳، إرشاد الساري: ۱/٤۹۲، الكوثر الجاري: ۱/٤۱۱

(۲) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، غسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ۳۲۲، وأخرجه الترمذي في سننه في أبواب الطهارة، باب ماجاء في وضوء الرجل والمرأة من إناء واحد، رقم: ٦۲، وأخرجه النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ذكر اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من إناء واحد، رقم: ۲۳۷، وأخرجه ابن ماجه في سننه، كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، رقم: ۳۷۷، انظر جامع الأصول، النوع الثامن في اجتماع الرجل والمرأة على الإناء الواحد، رقم: ٥۰٤۱، وانظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ٥۳۸۰

(۳) انظر مسند الشافعي (بترتيب السندي) الباب السابع في أحكام الغسل: ۱/۳۹، رقم: ۱۰۸، ومسند =

سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ کو اس حدیث کا موصول ہونا (یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہونا) پسند تھا۔(۱)

ابن عیینہ کے اکثر شاگردوں کی روایت

محدث اسماعیلی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابن عیینہ کے ان تمام شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے جوان سے مذکورہ روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اضافہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں، ان کے شاگردوں میں مقدمی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، عباس نرسی، اسحاق طالقانی، ابوخیثمہ، سریج بن یونس، ابن منیع، مخزومی، عبدالجبار، ابن بزاز، ابو ہمام، ابوموسیٰ انصاری، ابن وکیع، احمسی اور ابن مہدی رحمہم اللہ وغیرہ نے مذکورہ روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔(۲)

امام دارقطنی کی رائے

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی "علل" میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے مذکورہ روایت عمرو سے نقل کی ہے اور اسے مسانید حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میں سے قرار دیا ہے اور اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ ابن عیینہ کے شاگردوں میں ان سے نقل میں اختلاف ہوا ہے، (بس صرف حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کو ذکر کیا ہے)۔(۳)

= الإمام أحمد بن حنبل: ٣٨١/٤٤، رقم: ٢٦٧٩٧، وشرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الطهارة، باب سؤر بني آدم: ٢٥/١، رقم: ٨٩، ومصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، باب في الرجل والمرأة يغتسلان بماء واحد: ٣٥٥/١، رقم: ٣٧٠، ومسند الحميدى: ١٤٨/١، رقم: ٣٠٩، والجمع بين الصحيحين للحميدي: ٦٥/٢، رقم: ١٠٦٣، ومسند أبي عوانة، كتاب الطهارة، باب الإجابة للرجل أن يغتسل بفضل ماء المرأة والاغتسال معها في إنا واحد: ٢٣٩/١، رقم: ٨٠٩، ٨١٠، والمعجم الكبير للطبراني: ٤٢٥/٢٣، وسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الطهارة، باب في فضل الجنب: ١٨٨/١، ومسند البزاز: ٤١٣/٣، رقم: ٥٢٦١، انظر كذلك هدي الساري: ٢٥/١، تغليق التعليق: ١٥٢/٢، ١٥٣

(١) مسند الحميدي: ١٤٨/١، رقم: ٣٠٩

(٢) دیکھیے: فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١٤٧/١

(٣) العلل للدارقطني، حديث أم المومنين ميمونة عن النبي صلى الله عليه وسلم: ٢٥٩/١٥، رقم: ٤٠٠٨، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١٤٧/١

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی رائے

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے سابقہ وجوہ ترجیح کو ذکر کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کا ابونعیم کی روایت کی ترجیح کو وہم قرار دیا ہے۔(۱)

ترجیح دار قطنی کی وضاحت

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح امام دار قطنی رحمہ اللہ نے بھی ابونعیم کی روایت کو ترجیح دی ہے، اکثر شراح حدیث نے ان کی طرف یہی منسوب کیا ہے، شراح کی یہ بات قابل تأمل ہے، اس لیے کہ امام دار قطنی نے ابونعیم کی روایت کو ترجیح نہیں دی ہے، بلکہ انہوں نے لکھا ابن عیینہ نے عمرو سے مذکورہ روایت نقل کیا ہے اور وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے ابن عیینہ کے شاگردوں کے اختلاف کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ یہ کہا ہے کہ ابن جریج نے ابن عیینہ کی مخالفت کی ہے اور عمرو بن دینار سے روایت کی ہے، انہوں نے جابر بن زید سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچائے ہوئے پانی سے غسل کرتے تھے، ابن جریج والی روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ نقل کی ہے، لیکن اس میں عمرو بن دینار جابر بن زید کی طرف نسبت کرنے میں متردد ہے، لہٰذا اس وجہ سے اسے ابن عیینہ کی روایت پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، اگر ان کی حدیث کو محفوظ مان لیا جائے تو بھی دونوں (ابن عیینہ اور ابن جریج) کی روایت کے الفاظ میں فرق ہے، ابن عیینہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن سے غسل کرتے تھے، جب کہ ابن جریج کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچائے ہوئے پانی سے غسل کرنے کا تذکرہ ہے، لہٰذا دونوں الگ الگ حدیثیں ہیں۔(۲)

حدیث سے مستنبط شدہ احکام

۱- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد وعورت کا ایک برتن سے غسل کرنا جائز ہے۔(۳)

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤۷

(۲) العلل للدارقطني: ۱٥/۲٥۹، رقم: ٤۰۰۸، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٤۷

(۳) دیکھیے: عمدة القاري: ۳/۲۹۷

۲- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک "عن فلان" اور "إن فلانا" سے روایت ایک جیسی نہیں ہے۔(۱)

٤ - باب : مَنْ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا .

سر پر تین بار پانی بہانا

ماقبل سے مناسبت

اس باب کی باب سابق سے مناسبت بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ اس میں غسل اور اس کی ہیئت کا بیان تھا اور یہاں بھی غسل اور اس کی ہیئت کو بیان کیا جارہا ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کا مقصد

متقدمین شراحِ حدیث نے اس باب کی کوئی غرض بیان نہیں فرمائی، البتہ ہمارے اکابرین میں سے بعض حضرات نے اس پر کلام فرمایا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک اہم اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا کہ غسل میں "دلك" فرض ہے یا نہیں؟ مالکیہ کے یہاں فرض ہے اور جمہور کے یہاں فرض نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ "أفاض" بڑھا کر جمہور کی تائید فرمائی ہے، چناں چہ

---

(۱) دیکھیے: فتح الباري: ۴۸۳/۲.

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جمہور کے نزدیک "عن فلان" اور "إن فلانا" دونوں برابر ہیں، اس بارے میں مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: علوم الحديث لابن الصلاح، النوع الحادي عشر، ص: ٦٢-٧٢، النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر العسقلاني، النوع الحادي عشر: ٥٩٠/٢-٦٠٣، النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي، النوع الحادي عشر، ص: ١٧٠-١٧٩

(۲) دیکھیے: عمدة القاري: ٢٩٧/٣

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لایبعد عند هذا العبد الضعيف: أن غرض الترجمة الإشارة إلى أن الدلك ليس بفرض، بل يكفي إسالة الماء خلافاً لمن أوجبه". (۱)

یعنی بندہ ضعیف کے نزدیک غرضِ ترجمہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ غسل میں دلک فرض نہیں، بلکہ پانی بہانا کافی ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس باب کی غرض اور مقصد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ باب بھی ہیئت غسل پر مشتمل ہے اور یہاں غسل میں تین بار سر پر پانی بہانے کا ذکر ہے، جو تکرار کی بالکل آخری حد ہے، ترجمہ کا مقصد تین کا عدد ثابت کرنا ہے، یا صرف استیعاب کا ثابت کرنا مقصد ہے جس سے شبہ باقی نہ رہے، غالباً امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد تین کا عدد ثابت کرنا نہیں، بلکہ استیعاب اور تکرار کی آخری حد کو بیان کرنا ہے۔ (۲)

تثلیث في الغسل کا حکم

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غسل میں تثلیث مسنون اور مستحب ہے۔ (۳)

عام مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ تثلیث مستحب نہیں، (۴) جن احادیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر تین مرتبہ پانی ڈالا ہے، یا کسی کو تین مرتبہ پانی ڈالنے کی تلقین کی ہے تو اس کا مقصد

---

(۱) الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦٠، الكنز المتواري: ١٩٤/٣

(۲) دیکھیے، فضل الباري: ٤٣٠/٢، تثلیث فی الغسل سے متعلق کچھ بحث کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل کی پہلی حدیث میں "ثلاث غرف" کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

(۳) بدائع الصنائع: ٢٦٩/١، البحر الرائق: ٩٣/١، المنهاج: ٢٣٤/٤، ٢٣٥، المجموع: ١٨٥/٢، المغني: ١٣٨/١

(٤) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١٤٩/١، الشرح الصغير مع حاشية الصاوي: ١٧٢/١، حاشية الدسوقي: ٢٢٥/١

تکرار نہیں، بلکہ استیعاب ہے، چوں کہ ایک مرتبہ پانی ڈالنے سے پورا سرتر نہیں ہوتا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دائیں بائیں اور بیچ میں پانی ڈالنے کا امر فرمایا، چناں چہ علامہ قرطبی، قاضی عیاض اور ابن عربی رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔(۱)

شافعیہ میں ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ تثلیث في الغسل کے قائل نہیں،(۲) اور علامہ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ بھی استیعاب کے قائل ہیں، تثلیث کے نہیں۔(۳)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے ماوردی رحمہ اللہ کو متفرد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کا یہ قول ضعیف اور متروک ہے۔(۴)

ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ماوردي کا تفرد نہیں، بلکہ "شرح الفروع" میں یہی بات ابوعلی السنجی نے بھی کہی ہے۔(۵)

علامہ خلیل مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سر میں تثلیث ہے، باقی بدن میں نہیں، لہٰذا باقی بدن کو تر کرنا کافی ہے، البتہ سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا مستحب ہے، ابو برکات علامہ دردیر مالکی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔(۶)

امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں "من أفاض على رأسه ثلاثا" فرمایا ہے، "على بدنه" نہیں فرمایا، اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں جمہور کے ہم خیال نہیں، تثلیث کو مستحب نہیں مانتے، اب امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے میں دو احتمال ہیں، یا تو امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان علامہ خلیل مالکی کی رائے کی طرف سمجھا جائے کہ جیسے وہ تثلیثِ رأس کے قائل ہیں، تثلیث فی الغسل کے قائل نہیں، اسی کے امام بخاری

(۱) أوجز المسالك: ۱/۴۹۹، عارضة الأحوذي: ۱/۱۵۷، ۱۵۸، إكمال إكمال المعلم: ۱/۹۳، شرح الزرقاني: ۱/۹۱

(۲) المنهاج للنووي: ۴/۲۳۵، التوضيح لابن الملقن: ۴/۵۶۱

(۳) حاشية السندي على صحيح البخاري: ۱/۵۷، حاشية السندي على النسائي: ۱/۱۳۶

(۴) المجموع شرح المهذب: ۲/۱۸۵

(۵) التوضيح: ۴/۵۲۱، عمدة القاری: ۳/۲۹۹

(۶) الشرح الصغير مع الصاوي: ۱/۱۷۲، حاشية الدسوقي: ۱/۲۲۵، جواهر الإكليل: ۱/۲۳

رحمہ اللہ بھی قائل ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے علامہ خلیل مالکی کی متابعت کی ہے، کیوں کہ علامہ خلیل تو بہت بعد کے آدمی ہیں، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان سے بہت پہلے کے ہیں۔

یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "من أفاض" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ احادیث میں جو تین تین مرتبہ پانی ڈالنا وارد ہوا ہے، یہ کوئی متعین صورت نہیں، بلکہ مقصود سر کو تر کرنا ہے، اگر کسی کا سر پہلی مرتبہ میں تر ہو جائے تو یہ اس کے لیے کافی ہے اور اگر کسی کو اس سے زیادہ کی ضرورت پیش آئے تو وہ اپنے سر کو تر کرنے کے لیے تین مرتبہ یا اس سے زیادہ بھی ڈال سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ امام بخاری اگر استحباب تثلیت فی الغسل کے قائل نہیں تو استحباب تثلیت غسلِ رأس کے قائل ہیں، كما هو رأي الخليل المالكي رحمه الله.

ابن التین رحمہ اللہ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یا تو تکرار فی الطہارۃ ہے، یا یہ تمامیت طہارت کے لیے ہے، اس لیے کہ استیعاب غسل کے لیے ایک دفعہ کا دھونا کافی نہیں ہوتا، بعض حضرات نے فرمایا کہ تثلیت مستحب ہے، البتہ جتنے سے بھی اسباغ ہو جائے وہ جائز ہے۔(۱)

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والعدد في ذلك مستحب عند العلماء، وما أسبغ وعمَّ في ذلك أجزأ".(۲)

یعنی اس حوالے سے عدد تو علماء کے ہاں مستحب ہے، البتہ جتنے سے بھی تعمیم واسباغ حاصل ہو جائے وہ جائز ہے۔

حدیث باب (پہلی حدیث)

۲۵۱ : حدّثنا أَبو نُعَيْمٍ قَالَ : حَدَّثَنا زُهَيْرٌ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ : حَدَّثَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ[۳] : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا) . وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا .

---

(۱) التوضيح لابن ملقن: ٥٦١/٤، عمدة القاري: ٢٩٩/٣

(۲) شرح ابن بطال: ٣٨٤/١، عمدة القاري: ٢٩٩/٣، التوضيح: ٥٦١/٤

(۳) الحديث أخرجه مسلم في صحيح في كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، =

(ترجمہ): ہم سے حدیث بیان کی ابونعیم نے، کہا ہم سے زہیر نے، انہوں نے ابواسحاق سے، انہوں نے کہا مجھ سے سلیمان بن صرد نے بیان کیا، کہا مجھ سے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو (غسل میں) اپنے سر پر تین چلو (پانی) بہاتا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتلایا۔

تراجم رجال

أبو نعيم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دکین الملائی الکوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینہ کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۱)

زُهير

یہ زُہیر (تصغیر کے ساتھ) بن معاویہ بن حُدیج بن الرُحَیل بن زہیر بن خیثمہ جعفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے مفصل احوال کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان کی پہلی روایت کے ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ (۲)

أبو إسحاق

یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب الصلاۃ من الإیمان کی پہلی حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

= رقم: ٣٢٧، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٣٩، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ذكر مايكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ٢٥١، وأيضاً في كتاب الغسل والتيمم، باب مايكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ٤٢٥، انظر جامع الأصول، رقم: ٥٣٢٧، وانظر كذلك تحفة الأشراف، رقم: ٣١٨٦

(١) دیکھیے، كشف الباري: ٢/٦٦٩-٦٧٣

(٢) كشف الباري: ٢/٣٦٧-٣٧٠

(٣) دیکھیے، كشف الباري: ٢/٣٧٠-٣٧٥

سليمان بن صُرَد رضي الله عنه

یہ سلیمان بن صُرَد (بضم المهملة وفتح الراء)(۱) بن الجون بن ابی الجون بن منقذ بن ربیعة بن اصرم بن حرام بن حبشیة (وقیل: اُحُبْشِیَة) بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعة الخزاعی الکوفی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۲)

ابومطرف ان کی کنیت ہے۔(۳)

شرف صحابیت

یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،(۴) علامہ ذہبی نے ان کو صغارِ صحابہ میں شمار کیا ہے،(۵) لیکن علامہ عسقلانی، عینی اور قسطلانی رحمہم اللہ نے ان کو افاضل صحابہ میں شمار کیا ہے۔(۶)

شیوخ حدیث

سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اور ابی بن کعب، علی بن ابی طالب، جبیر بن مطعم، حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔(۷)

تلامذہ

ان سے روایت نقل کرنے والوں میں ابو اسحاق سبیعی، تمیم بن سلمہ، شقیر العبدی، شمر، ضبثم الضبی،

---

(١) تقريب التهذيب، ص: ٢٥٢، رقم الترجمة: ٢٥٧٤، فتح الباري: ٤٨٤/٢

(٢) تهذيب الكمال: ٤٥٤/١١، ٤٥٥، طبقات ابن سعد: ٢٩٢/٤، التاريخ الكبير: ١/٤، رقم الترجمة: ١٧٥٢، الجرح والتعديل: ١٢٠/٤، تاريخ بغداد: ٢١٥/١، معرفة الصحابة: ٤٦١/٢، تاريخ الإسلام: ٤١٢/٢، سير أعلام النبلا: ٢٩٤/٣، تهذيب التقريب: ٢٠٠/٤، الإصابة: ٧٥/٢

(٣) تاريخ بغداد: ٢١٥/١، طبقات ابن سعد: ٢٩٢/٤

(٤) معرفة الصحابة: ٤٦١/٢، الإصابة: ٧٦/٢، تاريخ الإسلام: ٤١٢/٢، سير أعلام النبلا: ٢٩٤/٣

(٥) تاريخ الإسلام: ٤١٢/٢

(٦) فتح الباری: ٤٨٤/٢، عمده القاري: ٢٩٧/٣، إرشاد الساری: ٤٩٣/١

(٧) الإصابة في تمييز الصحابة: ٧٦/٢، تاريخ الإسلام: ٤١٢/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٥/١١، سير أعلام النبلاء: ٣٩٤/٣، تهذيب التهذيب: ٢٠٠/٤

عبداللہ بن یسار جہنی، عدی بن ثابت، ابوالضحی مسلم بن صبیح، یحیٰ بن یعمر، ابوحنیفہ والد عبدالاکرم بن ابی حنیفہ اور ابوعبداللہ الجدلی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

حالات زندگی

اسلام لانے سے قبل زمانہ جاہلیت میں ان کا نام "یسار" تھا، جب اسلام قبول کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام "یسار" بدل کر "سلیمان" رکھا۔(۲)

آپ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے بلند مرتبہ اور معزز افراد میں سے تھے،(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ کوفہ تشریف لائے،(۴) خطیب بغدادی وغیرہ کے بقول آپ نے بنوخزاعہ میں رہائش اختیار کی، اس کے علاوہ آپ نے مدائن اور بغداد کا بھی سفر کیا۔(۵)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا:

"كان رضي الله عنه خيراً فاضلاً، له دين وعبادة". (٦)

یعنی آپ رضی اللہ عنہ بہترین، فاضل، متدین اور عبادت گذار شخص تھے۔

---

(١) معرفة الصحابة: ٤٦١/٢، الإصابة: ٧٦/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٥/١١، ٤٥٦، الجرح والتعديل: ١٢٠/٤

(٢) تاريخ بغداد: ٢١٥/١، الإصابة في تمييز الصحابة: ٧٦/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١، ٧٥٥، تهذيب التقريب: ٢٠٠/٤

(٣) الاستيعاب في أسماء الأصحاب على هامش الإصابة: ٦٤/٢، تاريخ الإسلام: ٤١٣/٢، تاريخ بغداد: ٢١٥/١، طبقات ابن سعد: ٢٩٢/٤، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١

(٤) طبقات ابن سعد: ٢٩٢/٤، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١، الاستيعاب: ٦٣/٢، ٦٤

(٥) تاريخ بغداد: ٢٢٥/١، الاستيعاب في أسماء الأصحاب علىٰ هامش الإصابة: ٦٣/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١

(٦) الاستيعاب في أسماء الأصحاب على هامش الإصابة: ٦٣/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١، تهذيب التهذيب: ٢٠٠/٤

آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین وغیرہ میں بھی شریک ہوئے۔(۱)

وفات

آپ رضی اللہ عنہ ۶۵ ہجری، ربیع الأول کے آخری ایام میں ''عین وردہ'' کے مقام پر شہید کردیے گئے، اس وقت آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔(۲)

ابن حبان نے ''کتاب الثقات'' میں لکھا ہے کہ آپ عین وردہ کے مقام پر رمضان المبارک کے مہینے میں ۶۷ ہجری میں شہید کیے گئے۔(۳)

لیکن یہ بات صحیح نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ "والأول أصح وأكثر" یعنی ۶۵ ہجری میں ان کی وفات کو اکثر مؤرخین نے نقل کیا ہے اور یہی قول اصح ہے۔(۴)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے متعلق تاریخی روایات کا جائزہ

تاریخ کی کتابوں میں عام طور سے ہر طرح کی روایات کو سندوں کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے، تنقیح وتحقیق نہیں کی جاتی ہے، ان روایات کی تنقیح وتحقیق ماہرین فن کے ذمہ ہوتی ہے، بغیر تنقیح وتحقیق ان روایات پر قبولیت وعدم قبولیت کا حکم لگانا درست نہیں، چناں چہ علامہ طبری رحمہ اللہ نے "تاريخ الأمم والملوك" المعروف بتاریخ الطبری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سلف سے متعلق جو اخبار (روایات) نقل کی ہیں اگر قاری انہیں ناپسندیدہ قرار دیں، یا سامع انہیں طعن وتشنیع پر محمول کریں، اس وجہ سے کہ ان روایات کی کوئی صحیح توجیہ بھی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ان روایات کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے، تو وہ حضرات یہ جان لیں کہ یہ

(۱) طبقات ابن سعد: ۲۹۲/٤، تهذيب التهذيب: ۲۰۱/٤، الاستيعاب: ٦٤/٢، الإصابة: ٧٦/٢، معرفة الصحابة: ٤٦١/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١

(۲) دیکھیے، تاريخ بغداد: ٢١٥/١، طبقات ابن سعد: ٢٩٢/٤، ٢٩٣، تاريخ الإسلام: ٤١٣/٢، الإصابة: ٧٦/٢، الاستيعاب: ٦٤/٢، تهذيب الكمال: ٤٥٦/١١، سير أعلام النبلاء: ٣٩٥/٣، معرفة الصحابة: ٤٦١/٢

(۳) كتاب الثقات: ٣٣٠/١، رقم الترجمة: ٥٢٩، تهذيب الكمال: ٤٥٧/١١، تهذيب التهذيب: ٢٠١/٤

(٤) تهذيب التهذيب: ٢٠١/٤، تهذيب الكمال: ٤٥٧/١١

(ناپسندیدہ اور طعن وتشنیع والی روایات) ہماری طرف سے نہیں، بلکہ یہ بعض ناقلین کی طرف سے ہیں، ہم نے تو ان قائلین کی بیان کردہ روایات کو (ان کی سند کے ساتھ) نقل کیا ہے۔(۱)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی کتب تاریخ، خاص کر تاریخی طبری، (۲) ابن

(۱) دیکھیے: تاريخ الأمم والملوك المعروف بتاريخ الطبري، خطبة الكتاب: ۱۱/۱

دکتور خالد علال کبیر نے "مدرسة الكذابين في رواية التاريخ الإسلامي وتدوينه": (۶۷/۱، ۶۸) میں علامہ طبری کے اس طرز عمل کے بارے میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک انہوں نے یہ (یعنی تحقیق وتمحیص کے بغیر صرف سند کے ساتھ روایات کو ذکر کر کے) ایک ناقص کام کیا ہے اور ان تمام روایات کے وہ خود ذمہ دار ہیں جو انہوں نے اپنی تاریخ میں مدون کی ہیں، پس انہوں نے عمداً دروغ گو راویوں سے بکثرت روایات نقل کیں اور ان پر سکوت اختیار کیا، یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے جو بعد میں آنے والی بہت ساری نسلوں کی گمراہی کا سبب بنا، انہیں (یعنی علامہ طبری) کو چاہیے تھا کہ وہ ان دروغ گو راویوں کا بغیر ضرورت کے تذکرہ نہ کرتے، یا ان پر نقد کرتے اور ان کی روایات کی جانچ پڑتال کرتے، صرف ان کی اسانید کے ذکر پر اکتفا کر کے سکوت اختیار نہ کرتے۔

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ (روایات کی جانچ پڑتال اور نقد کرنا اس لیے ضروری تھا) کیوں کہ ان کی کتاب (تاریخ طبری) کا مطالعہ کرنے والوں میں غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے جن میں اتنی علمی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ان روایات پر سند ومتن کے اعتبار سے نقد کرسکیں، چہ جائے کہ اگر اس سے استفادہ کرنے والے حدیث، تاریخ اور دیگر علوم میں تبحر ہوتے تو تب یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ نقد وتمحیص کا عمل انجام دیتے۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید لکھا کہ اس معاملہ کو اس سے بھی زیادہ سنگین اس بات نے کر دیا ہے کہ طبری کے بعد آنے والے اکثر مؤرخین نے قرون ثلاثہ کے بارے میں ان سے بکثرت روایات نقل کی ہیں اور زیادہ تر بغیر سند کے نقل کی ہیں، جیسا کہ ابن جوزی نے منتظم میں، ابن الاثیر نے الکامل میں اور ابن کثیر نے البدایہ میں کیا ہے، اور اس طرح بغیر سند کے نقل کرنے سے ثقہ اور دروغ گو راویوں کی روایات خلط ملط ہوگئی ہیں، بسا اوقات تاریخ طبری کی طرف مراجعت کیے بغیر ان میں تمیز مستحیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے ماہرین فن کے اقوال کی روشنی میں حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے متعلق تاریخی روایات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

(۲) دیکھیے: تاريخ الطبري: ۲۷۷/۳، ۳۹۰، ۳۹۱-۳۹۷، ۴۰۵-۴۲۰، صرف اہل علم کے لیے بطور نمونہ کے ابومخنف کے خانہ ساز ایک خط کا تذکرہ کرتے ہیں جو اس نے سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، طبری (۲۷۷/۳) اور ابن الاثیر (۳۸۵/۳) نے بغیر کسی نقد وتمحیص کے اس کو نقل کر ڈالا ہے، خط کے الفاظ یہ ہیں:............ =

....

= "لحسين بن علي من سليمان بن صُرَد والمسيب بن نجبة، ورفاعة بن شداد، وحبيب بن مظاهر، وشيعته من المؤمنين والمسلمين من أهل الكوفة: سلامٌ عليك، فإنا نحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد، فالحمدلله الذي قصم عدوَّك الجبَّار العنيد الذي انتزىٰ علىٰ هذه الأمة فابتزّها أمرها، وغصبها فيئها، وتأمّر عليها بغير رضاً منها، ثم قتل خيارها، واستبقىٰ شرارها، وجعل مال الله دُولةً بين جبابرتها وأغنيائها، فبعداً له كما بعدَتْ ثمود! إنه ليس علينا إمام فأقبِلْ، لعلّ الله أن يجمعنا بك على الحق". اھ.

اس خانہ ساز خط کو پڑھیں اور تھوڑی دیر کے لیے تأمل اور غور وفکر فرمائیں، کیا ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ناروا، بے ہودہ اور ظالمانہ انداز سے متہم کرسکتا ہے، جو نہ صرف نقل کے خلاف ہے، بلکہ عقل کے بھی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ درج ذیل اُمور کو روبعمل لاتے ہوئے تاریخ اسلامی کی تدوین جدید کی جائے:

۱-اعتدال کے ساتھ ان تمام مؤرخین کی کتابوں سے ثقہ اور جھوٹے راویوں کی روایات میں تمیز کریں جنہوں نے اپنی کتابوں میں دونوں طرح کی روایات کو جگہ دی ہے، جیسا کہ خلیفہ بن خیاط، محمد بن سعد، زبیر بن بکار، موسیٰ بن عقبہ، وہب بن منبہ، طبری، ابن اثیر وغیرہ۔

۲- یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ علمائے رجال ومحدثین عظام نے نقد، تحقیق وتمحیص کے بعد ذخیرہ احادیث میں موجود سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں اور لاکھوں احادیث میں سے صحیح وسقیم اور ضعیف موضوع وغیرہ کی تعیین کردی ہے، جب کہ ہمارا تاریخی ورثہ اس سے تہی دامن ہے۔

۳-ضرورت اس اَمر کی ہے کہ تاریخی کتابوں کی ان تمام قواعد وضوابط کی روشنی میں سند ومتن کے اعتبار سے نقد وتمحیص اور تحقیق کی جائے، جن کو محدثین وعلمائے رجال نے بیان فرمایا ہے۔

۴-لوگوں میں اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ تاریخ کا فلاں فلاں راوی اور روایت قابل اعتبار نہیں، اس سے اجتناب برتا جائے اور صحیح اور ثقہ روایات پر اکتفا کیا جائے۔

۵-اس بات میں بھی تفریق ضروری ہے کہ مؤلف اور صاحب تاریخ خود تو ثقہ ہے، مگر اس نے واقعات ونقل روایات میں دروغ گو راویوں پر اعتماد کیا ہے، جیسا کہ مؤرخ طبری کا حال ہے، تو اس صورت میں اس کی صرف ثقہ راویوں والی روایات مقبول ہوں گی، دروغ گو راویوں کی راویات مردود قرار پائیں گی۔

۶-اور اگر مؤلف خود کذاب ہو تو پھر اس کی کتاب میں موجود ثقہ لوگوں کی روایات بھی غیر معتبر ہوں گی۔............ =

اثیر جزری کی ''الکامل'' (۱) اوران دونوں سے منقول ہوکرابن کثیر کی ''البداية والنهاية'' (۲) وغیرہ (۳) میں جو روایات مذکور ہیں، ان کا کچھ حصہ کتب رجال میں بھی نقل کیا گیا ہے (۴) کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلانے کے لیے خطوط لکھے، ان کے تشریف لانے پر انہیں اکیلا چھوڑ دیا، ان کی مدد سے پیچھے ہٹے، ان کی شہادت پر ندامت ہوئی تو ایک لشکر بنا کر ان کا بدلہ لینے کے لیے عبیداللہ بن زیاد سے لڑائی کی، وغیرہ وغیرہ۔

کتب تاریخ کی ان تمام روایات کو جو سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہیں، کسی بھی طرح من وعن تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے، لہذا جب اس طرح کی روایات کی حقیقت جاننے کے لیے کتب تاریخ اور پھر کتب رجال کی مراجعت کی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ان میں سے اکثر روایات ابومخنف لوط بن یحییٰ کی گھڑی ہوئی ہیں۔

ابومخنف جرح وتعدیل کی میزان میں

لوط بن یحییٰ ابومخنف کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: أخباري، تالف، لايوثق به". (۵)

= ۷- اصل اور ضابطہ تو دروغ گوراویوں کی روایات کی عدم قبولیت کا ہے، لیکن اگر ان کی روایات قرآن وسنت اور اجماع امت کے مخالف نہ ہوں تو ثقہ راویوں کی تائید اور دیگر قرائن ومرجحات کی موجودگی میں ان کو قبول کرنے کی گنجائش ہوگی۔

۸- تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوچکی ہے کہ ان دروغ گوراویوں کا تعلق مختلف گمراہ فرقوں اور علمی حلقوں سے ہے جنہوں نے اپنے نظریات اور علمی مزعومات کی تائید وترویج اور دنیاوی مفادات کے حصول کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت سارے جھوٹ گھڑے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ''مدرسة الكذابين في رواية التاريخ الإسلامي وتدوينه". واللہ أعلم بالصواب

(۱) الكامل في التاريخ: ۳۸۵/۳، ۳۸٦ - ٤٩٠، ۳/٤-۱۲

(۲) ۲۵۵/۸-۲۵۸

(۳) تاريخ بغداد: ۲۱٥/۱، ۲۱٦

(٤) الاستيعاب: ٦٤/۲، الإصابة: ۷٦/۲، تهذيب الكمال: ٤٥٦/۱۱، سير أعلام النبلاء: ۲۹٥/۳، طبقات ابن سعد: ۲۹۲/٤، ۲۹۳، كتاب الثقات: ۳۳۰/۱

(٥) لسان الميزان: ٥٦۷/٥، ميزان الاعتدال: ٤۱۹/۳

ابوحاتم وغیرہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔(١)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:"ليس بثقة"، "ليس بشيء".(٢)

عقیلی رحمہ اللہ نے "ضعفاء" میں تذکرہ کیا ہے۔(٣)

ابوعبید آجری کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے ابومخنف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا کہ کیا کوئی اس کے بارے میں بھی پوچھتا ہے یعنی یہ اس قابل نہیں کہ اس کے بارے میں پوچھا جائے۔(٤)

ابن عراق کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"كذاب تالف".(٥)

ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: "شيعي محترق، صاحب أخبارهم".(٦)

بعض نے تو یہاں تک لکھا یہ "امامی" شیعہ تھا۔(٧)

ابن جوزی نے بھی کذاب کہا ہے۔(٨)

ابومخنف شیعہ مؤرخین کی نظر میں

شیعہ مؤرخین خاص کر کتب رجال کے مصنفین، محسن امین، شرف الدین، آغا بزرگ طہرانی، عباس قمی، محمد مہدی طباطبائی، خوئی، خاقانی، نجاشی، حلی اور طوسی وغیرہ نے اس کا تذکرہ اپنی کتابوں میں بطور شیعہ مؤرخ

---

(١) الجرح والتعديل: ٢٤٨/٧، لسان الميزان: ٥٦٧/٥، سير أعلام النبلا: ٣٠٢/٧

(٢) الضعفاء الكبير: ١٨/٤، لسان الميزان: ٥٦٨/٥

(٣) حوالہ بالا، مزید دیکھیے، سير أعلام النبلا: ٣٠٢/٧، الضعفاء والمتروكين، ص: ٣٣٣، ميزان الاعتدال: ٤٢٠/٣، المغني في الضعفاء: ٢٣٤/٢

(٤) لسان الميزان: ٥٦٨/٥

(٥) تنزيه الشريعة: ٩٨/١

(٦) الكامل في ضعفاء الرجال: ٩٣/٦، لسان الميزان: ٥٦٨/٥

(٧) الأعلام لخير الدين الزركلي: ٢٤٥/٥

(٨) الموضوعات، ص: ٤٠٦

کے کیا ہے، بلکہ اس کا شمار بڑے اور اکابر شیعہ مؤرخین میں کیا ہے۔(۱)

مزید برآں صاحب ''الفوائد الرجالیہ'' طباطبائی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ (ابومخنف) کے شیعہ ہونے میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ اصحاب معاجم کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔(۲)

مشاجرات صحابہ پر من گھڑت کتب کی تصنیف

یہ ابومخنف وہ بدبودار شیعی مؤرخ ہے جس نے خیر القرون میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات، سقیفہ بنوساعدہ میں بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ، شوریٰ (خلافت سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ شوریٰ)، مقتل عثمان رضی اللہ عنہ، مقتل علی رضی اللہ عنہ، جنگ جمل وصفین، مقتل حسین رضی اللہ عنہ، وفات معاویہ رضی اللہ عنہ اور ولایت یزید، مقتل عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ اور عین وردہ کے نام سے مستقل من گھڑت کتابیں لکھی ہیں۔(۳)

مشہور مستشرق اے بل نے ''دائرہ معارف اسلامیہ'' میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ابومخنف نے قرن اول میں رونما ہونے والے واقعات کی تاریخ میں ''۳۲'' رسالے لکھے ہیں، جن کا اکثر حصہ طبری نے نقل کیا ہے، البتہ ابومخنف سے منسوب جو کتابیں ہم تک پہنچیں ہیں وہ متاخرین (شیعہ) کی وضع کردہ ہیں۔(۴)

---

(۱) أعيان الشيعة، ص: ۱۲۷، أعلام الشيعة: ۱/۱٦، الكنىٰ والألقاب: ۱/۱٤۸، فهرست أسماء مصنفي الشيعة للنجاشي، ص: ۲۲٤، ۲۲٥، الفهرست للطوسي: ۲/۲۰، الفوائد الرجالية لبحر العلوم: ۱/۳۷٥-۳۷۹، الكنى والألقاب: ۱/۱٦۹، المراجعات: ۲/۲۱، حلية الأبرار: ٤/۱٤٦، رجال الخاقاني: ۱/۱۷۷، رجال الطوسي: ۱/٤٥۹، رجال النجاشي: ۱/۳۲۱، معجم رجال الحديث: ۱۱/۱۳٦-۱۳۸، الاحتجاج للطبرسي: ۱/٤٥٦، الذريعة: ٦/۳۹٤، خلاصة الأقوال: ۱/۳۸۹، نقد الرجال: ۷/۱٤۰، ۱٤۱

(۲) الفوائد الرجالية: ۱/۳۷۹

(۳) فوات الوفيات لمحمد بن شاكر، ص: ۲۲٥، الأعلام للزركلي: ٥/۲٤٥، الفهرست لابن النديم، ص: ۱۰٥، ۱۰٦، معجم الأدباء: ٦/۲۷۰، معجم المؤلفين: ۸/۱٥۷

(٤) الأعلام للزركلي: ٥/۲٤٥، ابومخنف کے بارے میں مشہور مستشرق ''جولیس ولہاوزن'' (J.Welhausen) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب (The Arab Kindgom and its Fall) میں لکھا ہے: ''جب تک شیعوں کی تاریخ کا تعلق کوفہ سے رہا، ابومخنف نے اس کا مستند ترین ماخذ (رہا) ہے، اوران کے حالات وواقعات میں خواہ وہ کتنے ہی طویل کیوں نہ =

عباس قمی شیعی نے "الكنىٰ والألقاب" میں ابومخنف کے بارے میں لکھا ہے:

"كان أبو مخنف من أعاظم مؤرخي الشيعة، ومع اشتهار تشيعه اعتمد عليه علماء السنة في النقل عنه كالطبري وابن الأثير وغيرهما".(۱)

یعنی ابومخنف بڑے شیعہ مؤرخین میں سے تھا، اس کے مشہور شیعہ ہونے کے باوجود علماء اہل سنت میں سے طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے اس سے روایات نقل کرنے میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کی وضاحت

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ طبری وغیرہ سے ابومخنف کی روایات نقل کرنے کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہوئے:

"وللشيعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب كثير وأخبار باطلة، وفيما ذكرنا كفاية، وفي بعض ما أوردناه نظر، لولا أن ابن جرير وغيره من الحفاظ والأئمة ذكروه ما سقته، وأكثره من رواية أبي مخنف لوط بن يحيىٰ، وقد كان شيعياً وهو خفيف الحديث عند الأئمة، لكنه أخباري حافظ، عنده من هذه الأشياء ما ليس عند غيره، ولهذا يترامىٰ عليه كثير من المصنفين في هذا الشأن".(۲)

= ہوں، طبری عموماً ابومخنف کے سوا کسی اور راوی پر اعتماد نہیں کرتا، مزید لکھا ہے: توابون کی خبروں کا راوی ابومخنف ہی ہے، اس نے خاص کر حُمید بن مسلم ازدی سے روایت کی ہے، یہ شخص (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل میں شریک تھا، بعد میں وہ اُن کے بہادر ترین حامیوں میں ہوگیا"۔ (عہد اموی میں سیاسی ومذہبی احزاب، از: پروفیسر ڈاکٹر علی محسن صدیقی (کراچی یونیورسٹی)، باب اول، ص:۱۴۰، ۱۷، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، ط:۱۴۲۷ھ-۲۰۰۷م) دکتور عبدالمعطي امین قلعجی نے "الضعفاء الكبير" کی تعلیقات میں لکھا کہ مستشرقین نے ابومخنف کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان پر تحقیق کر کے شائع کیا؛ تاکہ اس کے ذریعے وہ ہمارے تاریخی اور ادبی ورثہ کو متہم کرنے کی اپنی کوششوں کے لیے کوئی شگاف ڈھونڈ سکیں اور شریعت اسلامی کے مصدر ثانی یعنی نصوص سنت کی نقل میں جو ثقاہت واعتماد پایا جاتا ہے اسے ٹھیس پہنچا سکیں، ابومخنف کی اکثر مؤلفات جرمنی اور ہالینڈ میں شائع کی گئی ہیں۔(تعليقات الدكتور عبدالمعطي أمين قلعجي على الضعفاء الكبير: ٤/١٩).

(۱) دیکھیے، الكنىٰ والألقاب: ١٦٩/١

(۲) البداية والنهاية: ٢٠٩/٨

یعنی اہل تشیع اور رافضیوں کی شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق بہت ساری دروغ گوئیاں اور بے بنیاد خبریں ہیں، ہم نے جو ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور ہماری ذکر کردہ بعض چیزیں قابل اشکال ہیں، اگر ابن جریر طبری وغیرہ جیسے ائمہ اور حفاظ اسے ذکر نہ کرتے تو ہم بھی ان روایات کو نہ لاتے، اور یہ اکثر ابومخنف کی روایتیں ہیں جو یقیناً شیعہ ہے اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اخباری (صحافی) اور حافظ ہے اور اس کے پاس اس حوالے سے ایسی چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، لہذا بعد کے اکثر مصنفین نے (ان روایات کے) بارے میں ابومخنف سے نقل پر اکتفا کیا ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ کی صراحت

ابن عدی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ ابومخنف کی کوئی روایت قابل اعتبار نہیں، سب بدبودار اور بے ہودہ روایتیں ہیں اور کوئی بعید نہیں کہ بدبخت سلف صالحین کی ہتک عزت کرتا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

"حدث بأخبار من تقدم من السلف الصالحين ولا يبعد منه أن يتناولهم وهو شاعي (شيعي) محترق صاحب أخبارهم وإنما وصفته لا يستغني عن ذكر حديثه، فإني لا أعلم له من الأحاديث المسندة ما أذكره، وإنما له من الأخبار المكروة الذي لا أستحب ذكره". (۱)

یعنی ابومخنف متقدمین سلف صالحین کے بارے میں خبریں نقل کرتا ہے اور اس سے بعید نہیں کہ وہ ان کی ہتک عزت کرے، یہ بدبودار اور شیعہ اور ان کا مؤرخ ہے، میں نے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس کی احادیث کے ذکر سے استغناء نہیں، میرے علم میں اس کی کوئی ایسی صحیح روایت نہیں جسے میں ذکر کروں، البتہ اس کی صرف وہ ناپسندیدہ بدبودار روایتیں ہیں جنہیں میں ذکر کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

خلاصۂ بحث

ان تمام تصریحات سے یہ بات بالکل اظہر من الشمس اور واضح ہوگئی ہے کہ ابومخنف ایک بدبودار،

(۱) الكامل في ضعفاء الرجال: ۹۳/٦

شیعہ، امامی مؤرخ ہے، جو بالاتفاق تمام ائمہ حدیث و رجال کے نزدیک نا قابل اعتبار اور جھوٹا شخص ہے، بلکہ ابن عدی رحمہ اللہ کے بقول یہ شخص سلف صالحین کے واقعات ذکر کر کے ان کی ہتک عزت کرتا ہے، چناں چہ جن اہل تاریخ نے اپنی اسناد کے ساتھ خاص کر طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے جو بغیر کسی تنقیح و تحقیق کے اس طرح کے بدبودار شیعہ، امامی اور جھوٹے شخص کی بے بنیاد روایتوں کو اپنی کتابوں میں بکثرت نقل کیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق کوئی ایسی روایت سامنے آئے، جس میں اشارتاً، کنایتاً یا کسی بھی پیرائے سے ان کی شان میں گستاخی، یا تنقیص کا پہلو نکلتا ہو، تو اس کو آنکھیں بند کر کے نقل کرنے یا اس پر اندھا اعتماد کے بجائے اس کی تنقیح اور تحقیق کرنی چاہیے، تاکہ ابو مخنف جیسے بد بخت شیعہ مؤرخ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالنے کے منحوس، نامبارک، اور نامسعود گھناؤنے منصوبے میں ناکام و نامراد ہو جائیں۔(۱)

---

(۱) اسلامی تاریخ اور اس کے راویوں سے متعلق چند علمی اور فکری اُمور کی رعایت نہایت ضروری ہے، تاکہ دورانِ مطالعہ تاریخ ان غلطیوں سے اجتناب کیا جائے جو اہل زیغ وضلال اور جادہ مستقیم سے گمراہ لوگوں کا خاصہ ہے، چناں چہ واضح رہے کہ جب ایک قوم وقبیلہ، پارٹی و جماعت کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم و جماعت اقتدار پر قابض ہو جاتی ہے تو اپنے پیش رو حکمرانوں کی تمام خوبیوں، محاسن اور تعمیری کاموں کو بھی خامیوں، برائیوں اور تخریب سے تعبیر کرنے کے لیے پوری حکومتی مشینری کے ساتھ مل کر زور لگاتی ہے، اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد سے لے کر تقریباً ۱۳۲ ہجری تک بنواُمیہ کی حکومت رہی، اس کے بعد ۱۳۲ ہجری بمواقف ۷۴۹ء بنوعباس کے ایک شخص ابو العباس سفاح نے بنواُمیہ کی حکومت ختم کر کے بنوعباس کی حکومت قائم کر لی اور یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ خاندانی وقبائلی تعصبات کے تحت یہ لوگ بنواُمیہ کے سخت خلاف تھے، جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیش رو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے۔

اس فطری اور نفسیاتی ضابطہ کے تحت تاریخ اسلامی کی تدوین کے زمانہ میں بھی ایسی ہی صورت حال پیش آئی، چناں چہ دوسری صدی ہجری میں بنوعباس کے دور میں عموماً تدوین تاریخ کی ابتدا ہوئی تو مؤرخین نے عام طور سے تاریخی واقعات مرتب کرنے میں نظریات بالا کو ملحوظ رکھا، جب کہ بعض مؤرخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور امراء کی رضامندی کو پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ طرز اختیار کیا اور یوں انہوں نے اپنے معاشی اور تمدنی حالات کو بھی مستحکم کیا۔

قریبی دور کے ایک مشہور مؤرخ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "الانتقاد على التمدن الإسلامي" میں=

....

= اسلامی تاریخ کی تدوین کا ایک بہترین جائزہ پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اسلامی تاریخ کے مؤرخین عموماً بنوعباس کے عہد میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنواُمیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی، کیوں کہ اگر کسی سے بنواُمیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہوجاتی تو اس کے قائل کو کوئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا، دفتر تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔(بحوالہ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ۲/۱۲-۲۲)

اس کے علاوہ تاریخی واقعات کو نقل کرنے والے راویوں کے نظریات اور مذہبی رجحانات نے بھی ان واقعات کو بیان کرنے کے لیے اختیار کی جانے والی تعبیر میں مرکزی کردار ادا کیا، خصوصاً جب انہیں روایت بالمعنی کی بھی عام اجازت تھی، چناں چہ رافضی اور خارجی راویوں نے واقعات کے حقائق کو نظرانداز کرکے اپنی طرف سے روایات تراش کر بہت سارے اعتراضات ومطاعن پیدا کیے۔

یہ بات واضح رہے کہ علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ جو روایت وحدیث بھی درایت اور عقل کے خلاف ہو، یا اصول شریعت کے مناقض ہو تو جان لیں کہ وہ روایت موضوع ہے اور اس کے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں، اس طرح جو روایت حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو، یا قرآن کریم، سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے مبائن ہو تو وہ روایت بھی قابل قبول نہیں۔(فتح المغیث شرح ألفیة الحدیث، الموضوع: ۱/۲۴۹، ۲۵۰)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ احادیث وروایات وضع کرنے والوں میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور ائمہ دین کی برائیاں اور عیب بیان کرنے کے لیے، یا اپنے دیگر مذموم اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے روایات وضع کیں، ان کا یہ عمل یا تو تعنت وعناد کی وجہ سے ہے، یا تعصب وفساد وغیرہ کی وجہ سے، پس ان لوگوں کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک کہ ان کی کوئی سند معتمد نہ پائی جائے، یا سلف صالحین میں سے کسی نے اس پر اعتماد کیا ہو۔ (الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة، تحت الجواب عن السوال الأول، ص: ۲۹)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض اور علامہ مازری کے حوالہ سے فرمایا کہ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر بری خصلت کی ان سے نفی کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اگر ان کے بارے میں کسی روایت میں اعتراض پایا جائے اور اس کی صحیح تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں ہم اس روایت کے راویوں کی جھوٹ کی طرف نسبت کریں گے، (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کسی غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا)۔(المنهاج، المعروف بشرح النووي، کتاب =

جبير بن معطم رضي الله عنه

یہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جُبَیر (جیم کے ضمہ، با کے فتحہ، یا کے سکون اور آخر میں را کے ساتھ پڑھا جاتا ہے)(۱) بن مطعم (عین کے کسرہ کے ساتھ باب افعال "الإطعام" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے)(۲) بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ابن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب، نوفلی، قرشی، مدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

ابو محمد، ابو عدی اور ابو سعید ان کی کنیت ہے۔(۴)

ان کی والدہ کا نام اُم جمیل، یا اُم حبیب بنت سعید بن عبد اللہ بن ابی قیس ہے، ان کا تعلق بنو عامر بن

= الجهاد، باب حكم الفيء: ۲۹۶/۱۲)

علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (بتقضاء بشریت) کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو اُن کے شایان شان نہ ہو تو اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے اور اگر مناسب تاویل ممکن نہ ہو تو اس روایت کو رد کر کے سکوت اختیار کرنا واجب ہے اور طعن کو بالیقین ترک کرنا ہوگا، اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام سے مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔(الناهية عن طعن معاوية، ص: ٦٦)

(١) شرح الكرماني: ١١٧/٣، عمدة القاري: ٢٩٧/٣، إرشاد الساري: ٤٩٣/١

(٢) تهذيب الأسماء واللغات: ١٤٦/١، شرح الكرماني: ١١٧/٣، عمدة القاري: ٢٩٧/٣

(٣) الاستيعاب: ٢٣١/١، الإصابة: ٢٢٥/١، معرفة الصحابة: ٤٣١/١، التاريخ الكبير: ٢٢٣/٢، المعجم الكبير: ١٢/٢، تهذيب الأسماء: ١٤٦/١، تاريخ الإسلام: ٣٠٠/٢، البداية والنهاية: ٤٩/٨، الجرح والتعديل: ٤٤٥/٢، الثقات: ٥٠/٣، تهذيب الكمال: ٥٠٦/٤، تهذيب التهذيب: ٦٣/٢، إكمال تهذيب الكمال: ١٦٩/٣

(٤) الاستيعاب: ٢٣١/١، الإصابة: ٢٢٥/١، معرفة الصحابة: ٤٣١/١، التاريخ الكبير: ٢٢٣/٢، المعجم الكبير: ٢٢/٢، تهذيب الأسماء: ١٤٦/١، تاريخ الإسلام: ٣٠٠/٢، البداية والنهاية: ٤٩/٨، الجرح والتعديل: ٤٤٥/٢، الثقات: ٥٠/٣، تهذيب الكمال: ٥٠٦/٤، تهذيب التهذيب: ٦٣/٢، إكمال تهذيب الكمال: ١٦٩/٣

لؤی سے ہے۔(۱)

ابونعیم نے "معرفة الصحابة" میں حضرت جبیر کی والدہ کا نام ونسب یوں نقل کیا ہے؛ اُم جمیل، یا اُم حبیب بنت شعبۃ ابن عبداللہ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل۔(۲)

علامہ مزی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، البتہ انہوں نے ام جمیل اور ام حبیب میں سے ام جمیل کی تعیین کی۔(۳)

شیوخ حدیث

آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت حدیث کرتے ہیں۔(۴)

تلامذہ

آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن مسیب، سلیمان بن صرد، ابوسروعہ عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن باباہ المخزومی، عبداللہ بن ابی سلیمان، عبدالرحمٰن بن اُذینہ، علی بن رباح اللخمی، محمد طلحہ بن یزید بن رکانہ، یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبدالرحمٰن بن ازہر اور آپ کے دو صاحبزادگان محمد بن جبیر بن مطعم اور نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۵)

تعداد مرویات

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساٹھ [۶۰] حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں چھ [۶] بخاری ومسلم دونوں نے نقل کی ہیں، تین ایسی ہیں جو صرف امام بخاری نے نقل کی ہیں اور امام

(۱) الاستيعاب: ۱/ ۲۳۱، الإصابة: ۱/ ۲۲۵

(۲) معرفة الصحابة: ۱/ ٤٣١

(۳) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٧

(٤) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٦، تهذيب التهذيب: ٢/ ٦٤

(٥) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٧، سير أعلام النبلاء: ٣/ ٩٥، ٩٦، الإصابة: ١/ ٢٢٦، معرفة الصحابة: ١/ ٤٣١، تهذيب التهذيب: ٢/ ٦٤

مسلم ایک روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔(۱)

حالات زندگی

آپ رضی اللہ عنہ شریف اور مطاع شخص تھے، آپ کا شمار اپنے زمانے میں قریش کے شیوخ میں ہوتا تھا۔(۲)

مصعب زبیری کہتے ہیں کہ جبیر بن مطعم حلیم اور سرداران قریش میں سے تھے اور لوگ آپ سے نسب کے بارے میں استفادہ کرتے تھے۔(۳)

ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے نقل کیا ہے کہ جبیر بن مطعم قریش میں قریش اور تمام اہل عرب کے انساب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ''أنساب'' کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پورے عرب میں سب سے زیادہ نسب کا علم رکھنے والے تھے۔(۴)

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں نعمان بن منذر کی تلوار لائی گئی تو آپ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے فرمایا (جب کہ جبیر بن مطعم قریش کے علمائے نسب میں سے تھے) کہ تم نعمان بن منذر کی کس کی طرف نسبت کرتے تھے؟، تو جبیر بن مطعم نے جواب میں کہا کہ قنص ابن معد کی طرف نسبت کرتے تھے۔(۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن منذر کی تلوار حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو عنایت کردی تھی۔(۶)

---

(۱) تهذيب الأسماء واللغات: ١٤٦/١، شرح الكرماني: ١١٧/٣، عمدة القاري: ٢٩٧/٣

(٢) سير أعلام النبلاء: ٩٥/٣

(٣) الاستيعاب: ٢٣٠/١، البداية والنهاية: ٤٩/٨، سير أعلام النبلاء: ٩٧/٣

(٤) تهذيب الكمال: ٥٠٨/٤، الاستيعاب: ٢٣٠/١، سير أعلام النبلاء: ٩٧/٣

(٥) سير أعلام النبلاء: ٩٧/٣، تهذيب الكمال: ٥٠٨/٤، ٥٠٩

(٦) تهذيب الكمال: ٥٠٩/٤، سير أعلام النبلاء: ٩٧/٣

قبول اسلام

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے؟ اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں:

۱- پہلا قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے، اس وجہ سے بعض حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ''مؤلفہ قلوب'' میں کیا ہے، جن کا اسلام عمدہ ہو گیا تھا یعنی پختہ اور کامل الایمان تھے، یہ قول ضعیف ہے کہ اکثر حضرات نے قیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۱)

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔(۲)

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ واقعہ خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے۔(۳)

۴- چوتھا قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ''صلح حدیبیہ'' اور ''فتح مکہ'' کے درمیان اسلام لائے۔(۴)

۵- پانچواں قول یہ ہے کہ آپ فتح خیبر والے سال اسلام لائے۔(۵)

راجح قول

پانچواں قول راجح اور اصح ہے، اس لیے کہ چوتھے اور پانچویں قول میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ دونوں کا مآل ایک ہی ہے، وہ اس طرح کہ چوتھا قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ''صلح حدیبیہ'' اور ''فتح مکہ'' کے درمیان اسلام قبول کیا اور پانچواں قول یہ ہے کہ فتح خیبر والے سال اسلام قبول کیا، اور فتح خیبر کا واقعہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہی پیش آیا ہے، لہٰذا پانچویں قول کے پیش نظر چوتھے قول کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خیبر والے سال اسلام قبول کیا تھا، دوسری وجہ ترجیح پانچویں قول کی یہ ہے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس کے ''اصح'' ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔(۶) واللہ أعلم بالصواب

---

(۱) الاستيعاب: ١/ ٢٣٠، ٢٣١، الإصابة: ١/ ٢٢٦، البداية والنهاية: ٨/ ٤٩، سير أعلام النبلاء: ٣/ ٩٥، تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٦، إكمال تهذيب الكمال: ٣/ ١٦٩، الثقات: ٣/ ٥٠، تهذيب التهذيب: ٢/ ٦٤

(٢) الإصابة: ١/ ٢٢٦

(٣) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٦، تهذيب الأسماء واللغات: ١/ ١٦٩

(٤) الإصابة: ١/ ٢٢٦، معرفة الصحابة: ١/ ٤٣١، إكمال تهذيب الكمال: ٣/ ١٦٩

(٥) الاستيعاب: ١/ ٢٣٠، البداية والنهاية: ٨/ ٤٩، تهذيب التهذيب: ٢/ ٦٤

(٦) البداية والنهاية: ٨/ ٤٩

اُساریٰ بدر کا واقعہ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلے میں آئے تھے، یہ واقعہ خود اُن سے مروی ہے، چناں چہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مغرب یا عشاء کی نماز پڑھاتے ہوئے پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کی آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی، میں نے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿إن عذاب ربك لواقع﴾.(۱)

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا اس آیت نے میرے دل پر پڑے کفر کے پردے کو چاک کر دیا۔

ایک روایت میں ہے: "فأخذني من قراء ته كالكرب". (۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات نے مجھے بے چین کر دیا اور میرے اندر ایک ہلچل سی مچ گئی۔

بعض روایات میں سورطور اور اس کی ابتدائی آیات: ﴿والطور وكتاب مسطور في رق منشور﴾ (۳) پڑھنے کا تذکرہ آیا ہے۔(۴)

ایک دوسری روایت میں حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا:

﴿أم خلقوا من غير شيء أم هم الخالقون أم خلقوا السموت والارض

---

(۱) الطور: ۷، بے شک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا۔(ترجمہ: شیخ الہند رحمہ اللہ)

(۲) سير أعلام النبلاء: ۹۶/۳، المعجم الكبير للطبراني: ۱۱۶/۲، رقم: ۱۴۹۸

(۳) الطور: ۱-۳، قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں۔(ترجمہ: شیخ الہند رحمہ اللہ)

(٤) المعجم الكبير للطبراني: ۱۱۵/۲-۱۱۶، رقم: ۱۴۹۱-۱۵۰۱

بل لا یوقنون﴾.(۱)

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سن کر قریب تھا کہ میرا دل اڑنے لگتا، یعنی آیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کی تاثیر سے دل میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ دل کفر کی چادر کو چاک کر کے باہر آجاتا۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے: "وذلك أوّل ما وقر الإيمان في قلبي". یعنی پہلی دفعہ میرے دل میں اسلام اس موقع پر داخل ہوگیا تھا۔(۲)

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُساریٰ (قیدی) بدر کے بارے میں درخواست کی (کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے والد بزرگوار زندہ ہوتے اور وہ مجھ سے ان کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی سفارش قبول کرتا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد زندہ ہوتے، یا مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور وہ مجھ سے کفر کی غلاظت سے بھرے ان لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی خاطر ان کو آزاد کر دیتا۔

مطعم بن عدی کے احسانات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد مطعم بن عدی کے بارے میں ان خیالات کا اظہار اس لیے فرمایا کہ مطعم کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ احسانات تھے، وہ دیگر کفار قریش کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا

---

(۱) الطور: ۳۵، ۳۶، کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں بنانے والے، یا انہوں نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو، کوئی نہیں! پر وہ یقین نہیں کرتے۔(ترجمہ: شیخ الہند رحمہ اللہ)

(۲) رواه البخاري في كتاب المغازي، بابٌ، رقم: ۴۰۲۳، وفي كتاب التفسير، سورة (الطور)، رقم: ۴۸۵۴، ويتكرر أيضاً، رقم: ۷۶۵، ۳۰۵۰، الإصابة: ۱/۲۲۶، البداية والنهاية: ۸/۴۹

اور تکلیف نہیں دیا کرتے تھے، مطعم بن عدی اشراف قریش میں سے تھے اور ''نسب'' کے عالم بھی تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں بنو ثقیف کو دین حنیف کی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے اور اہل طائف کے شریر اور اوباش لڑکوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعم بن عدی نے پناہ دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا۔

اسی طرح قریش نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور اس بابت ایک معاہدہ تحریر کر کے بیت اللہ میں لٹکایا تو مطعم بن عدی بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس معاہدے والے کاغذ کو وہاں سے اتار کر پھاڑ دیا اور مقاطعہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا، جس سے وہ مقاطعہ اور بائیکاٹ ختم ہو گیا۔

مطعم بن عدی واقعہ بدر سے سات [۷] ماہ قبل، صفر ۲ ہجری میں کفر وشرک کی حالات میں انتقال کر گئے، اس وقت ان کی عمر [۹۰] نوے سال سے زائد تھی، مکہ مکرمہ میں حجون نامی جگہ میں اہل مکہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔(۱)

ابو الحجاج مزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہجرت کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہوا تھا۔(۲)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ خلیفہ ثالث، شہید مظلوم وشہید قرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے والوں میں شامل تھے اور آپ ہی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی پڑھایا تھا۔(۳)

---

(۱) اس پورے واقعہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے، الاستیعاب: ۱/ ۲۳۰، ۲۳۱، الإصابة: ۱/ ۲۲۶، البداية والنهاية: ۸/ ۴۹، المعجم الكبير: ۲/ ۱۱۴-۱۱۸، تهذيب الكمال: ۴/ ۵۰۷، ۵۰۸، سير أعلام النبلاء: ۳/ ۹۵، ۹۸

(۲) تهذيب الكمال: ۴/ ۵۰۸

(۳) تهذيب الكمال: ۴/ ۵۰۷

عہدے اور مناصب

ابواحمد عسکری کہتے ہیں کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جن کو لوگ حَکَم بنایا کرتے تھے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی مسئلے میں آپ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا تھا۔(۱)

خلیفہ بن خیاط نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنروں میں شمار کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے پہلے کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔(۲)

وفات

آپ رضی اللہ عنہ کے سنہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے ۵۴ ہجری نقل کیا ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الإصابہ" میں ۵۷، ۵۸ اور ۵۹ ہجری تینوں کو "أو" کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۴)

ابواحمد عسکری سے ۵۶ ہجری منقول ہے۔(۵)

ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ۵۷ ہجری میں فوت ہوئے، اور قیل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۹ ہجری میں انتقال ہوا۔(۶)

محمد بن سعد رحمہ اللہ نے "الطبقات الکبیر" میں مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے، مگر سنہ وفات نقل نہیں کیا ہے۔(۷)

---

(۱) إكمال تهذيب الكمال: ۳/ ۱٦۹، تهذيب التهذيب: ۲/ ٦٤

(۲) سير أعلام النبلاء: ۳/ ۹۷

(۳) تهذيب الأسماء واللغات: ۱/ ۱٤۷

(٤) الإصابة: ۱/ ۲۲٦

(٥) تهذيب التهذيب: ۲/ ٦٤، إكمال تهذيب الكمال: ۳/ ۱٦۹

(٦) الاستيعاب: ۱/ ۲۳۱

(۷) إكمال تهذيب الكمال: ۳/ ۱۷۰

ابن حبان رحمہ اللہ نے قیل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا ایک ہی دن انتقال ہوا تھا، اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ ان کا ۷۳ یا ۷۴ ہجری میں انتقال ہوا تھا۔(۱)

مدائنی کہتے ہیں ۵۸ ہجری میں انتقال ہوا۔(۲)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ ۵۸ ہجری میں فوت ہوئے، اور قیل کے ساتھ ۵۹ ہجری کا قول بھی نقل کیا ہے۔(۳)

علامہ مزی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے سنہ وفات ۵۹ ہجری نقل کیا ہے، یہی قول خلیفہ بن خیاط، ہیثم بن عدی اور ابن قتیبہ کا بھی ہے۔(۴)

شرح حدیث

قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمّا أنا فأفيض على رأسي ثلاثاً

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو (غسل میں) اپنے سر پر تین چلو (پانی) بہاتا ہوں۔

أمّا

لفظ "أمّــا" ہمزہ کے فتحہ اور میم کے تشدید کے ساتھ حروف شرط میں سے ہے، کبھی تفصیل اور کبھی تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے، "أمّــا" حرف شرط وفعل شرط کے قائم مقام ہوتا ہے، اس کے بعد جواب شرط مذکور ہوتا ہے، دونوں کے درمیان ربط کے لیے جواب شرط پر فاء جزائیہ لازم ہوتی ہے، جیسے: "أمّــا أنــا فلا أقول غير الحق" اصل میں مهما يكن من شيء فلا أقول غير الحق تھا، مهما يكن من شيء کو حذف کر کے أمّا کو

---

(۱) كتاب الثقات: ۳/ ۵۰، إكمال تهذيب الكمال: ۳/ ۱۷۰

(۲) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٩، سير أعلام النبلاء: ۳/ ۹۹

(۳) البداية والنهاية: ۸/ ٤٩

(٤) تهذيب الكمال: ٤/ ٥٠٩، كتاب الثقات: ۳/ ۵۰، سير أعلام النبلاء: ۳/ ۹۹، تهذيب التهذيب: ٢/ ٦٤، تهذيب الأسماء واللغات: ١/ ١٤٧

اس کے قائم مقام بنادیا گیا، أمّا تفصیلیہ کی مثال: ﴿فأما اليتيم فلا تقهر وأما السائل فلا تنهر وأما بنعمة ربك فحدث﴾(۱) اگر کلام میں تاکید مقصود ہواور کسی کام کے لامحالہ واقع ہونے کو بیان کرنا ہوتو پھر أمّا "تاکیدیہ" لایا جاتا ہے، جیسے: "أمّا خالد فشجاع". (۲)

فأفيض

أفيض ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، باب افعال "الإفاضة" سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، پانی بہانے کو کہتے ہیں۔(۳)

"الإفاضة" کی تحقیق کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل کی پہلی حدیث کے ذیل میں "ثم يفيض الماء على جسده كله" کے تحت گذرچکی ہے۔

"أمّا" کے قسیم سے متعلق ایک بحث

علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس موقعہ پر ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ "أمّا" تو تفصیل بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے تو اس کا قسیم اور مقابل کہا ہے؟۔(۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کے جواب میں فرمایا کہ "أمّا" ہر وقت قسیم کا تقاضہ کرے یہ ضروری نہیں، اور اگر ہم اس کو تسلیم کرلیں کہ "أمّا" کے لیے قسیم کا ہونا ضروری ہے، تو پھر یہاں پر

---

(۱) الضحى: ۹-۱۱، ترجمہ: "سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا (ڈانٹ) اور جو مانگتا ہے اس کو مت جھڑک اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر"۔

(۲) جامع الدروس العربية: ۳/۱۹۵، إرشاد الساري: ۱/۴۹۳، شرح ابن عقيل: ۴/۵۲، شرح الرضي على الكافية: ۴/۵۰۴، أوضح المسالك إلى ألفية ابن مالك: ۴/۲۰۹، ۲۱۰، مغني اللبيب عن كتب الأعاريب: ۱/۱۱۷، ۱۱۸

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷، فتح الباري: ۲/۴۸۴، عمدة القاري: ۳/۲۹۸، إرشاد الساري: ۱/۴۹۳، تحفة الباري: ۱/۲۲۱

(۴) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷، عمدة القاري: ۳/۲۹۸

قسیم محذوف ہے، سیاق اس پر دلالت کررہا ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں (جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (۱) ہی سے نقل کیا ہے:

"أن الصحابة تماروا في صفة الغسل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم) فقال صلى الله عليه وسلم: "أما أنا فأفيض (أي) وأما غيري فلا يفيض أو فلا أعلم حاله كيف يعمل ونحوه......".

یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صفت غسل کے بارے میں بحث ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو غسل میں اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتا ہوں، (یعنی) باقی رہی بات میرے علاوہ لوگوں کی، یا تو وہ پانی نہیں بہاتے، یا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس طرح غسل کرتے ہیں...... تقدیری عبارت یوں ہوگی: مهما يكن من شئي فأنا أفيض ثلاثا أي ذلك حاصل على جميع التقديرات. (۲)

یعنی کچھ بھی ہو (کسی بھی احتمال کو لیا جائے) میں تو غسل میں اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتا ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ مذکورہ بالا جواب ہی نقل فرمایا ہے۔ (۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کے جواب میں علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کی ذکر کردہ توجیہ کو رد کیا

(۱) تمام الحديث ولفظه: عن جبير بن مطعم قال: تماروْا في الغسل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بعض القوم: أما أنا، فإني أغسل رأسي كذا وكذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أمّا أنا فإني أفيض على رأسي ثلاث أكف". (الصحيح للإمام مسلم، كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۷٤۰ (۳۲۷)

(۲) شرح الكرماني: ۱۱۷/۳، عمدة القاري: ۲۹۸/۳

(۳) فتح الباري للعسقلاني: ٤٨٤/۲، تحفة الباري: ۲۲۱/۱، إرشاد الساري: ٤٩٣/۱، الكوثر الجاري للكوراني: ٤١٢/۱

ہے کہ یہاں پر "أمـــا" کا قسیم محذوف ہے جو کہ صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ کی تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ "أمـــا" یہاں حدیث میں تاکید کے لیے ہے، نہ کہ تفصیل کے لیے، لہٰذا نہ تو قسیم کی ضرورت اور نہ ہی اس کا محذوف ماننے کی کوئی حاجت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ "أمّا" ہمزہ کے فتحہ اور میم کے تشدید کے ساتھ حرف شرط ہے، کبھی تفصیل اور کبھی تاکید کے لیے لایا جاتا ہے، شرط کے لیے استعمال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جہاں شرط کے لیے آئے گا وہاں اس کے بعد "فاء جزائیہ" لازماً آئے گی: جیسے: ﴿فـأمـا الـذين آمـنـوا فيعلمون أنه الحق﴾. (۱) (مثال میں أمّا شرط کے لیے ہے، اس لیے اس کی جزا پر فاء لایا گیا ہے۔)

کبھی أمّا تفصیل کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿أما السفينة فكانت لمساكين ...... أما الغلام...... أما الـجـدار﴾. (۲) (ان آیات میں أمّا برائے تفصیل ہے) اور کبھی "أمـــا" صرف تاکید کے لیے آتا ہے، علامہ زمخشری نے اسے ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ أمـــا کا فائدہ کلام میں یہ ہے کہ آپ اسے تاکید کے لیے لیں، جیسے: زيـدٌ ذاهـبٌ میں اگر آپ اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ زید لامحالہ جائے گا اور اسی کے اہتمام میں لگا ہوا ہے اور یہ اس کا پکا عزم وارادہ ہے، تو آپ اس تاکید کو ظاہر کرنے کے لیے أمّا لائیں گے اور یوں کہیں گے: "أمـا زيد فذاهب".

اسی طرح حدیث باب میں بھی أمـا فقط تاکید کے لیے ہے اور مقصد اسی بات کی تاکید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل میں سر پر تین چلو پانی ڈالتے تھے، لہٰذا یہاں قسیم کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی اس بات کی ضرورت ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہاں قسیم محذوف ہے۔ (۳)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر علامہ عینی رحمہ اللہ کا رد

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے أمـــا کو تفصیلیہ مان کر مسلم شریف کی روایت کو اس کے لیے بطور قسیم محذوف جانا تھا، تو علامہ عینی رحمہ اللہ نے ایک تو یہ بتایا کہ یہاں أمـا تاکید کے لیے ہے اور

(۱) البقرة: ۲٦، ترجمہ: سو جو لوگ مؤمن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے۔ (ترجمہ: از شیخ الہند رحمہ اللہ)

(۲) الكهف: ۷۹، ۸۰، ترجمہ: وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں...... اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے...... اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ (ترجمہ: از شیخ الہند رحمہ اللہ)

(۳) عمدة القاري: ۲۹۸/۳، إرشاد الساري: ٤٩٣/١

دوسرا یہ بتایا کہ مسلم شریف میں ابوالاحوص عن ابی اسحاق کے طریق سے جوروایت مذکور ہے کہ تماروا في الغسل عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال بعض القوم: أما أنا فأغسل رأسي بكذا وكذا......

بعض حضرات علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث باب کا قسیم محذوف ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی اس روایت کو قسیم محذوف ماننے کی چنداں حاجت نہیں، اس لیے کہ یہ ضروری ہے کہ ہر کلام کو اس کے مقتضائے حال کے مطابق اس کا حق دیا جائے، (یعنی اس کو وہی رکھا جائے اور اسی کی تشریح اسی مقام کے مقتضیٰ کے مطابق کی جائے،) لہٰذا اس بات کے پیش نظر اس چیز کی کوئی حاجت وضرورت نہیں کہ حدیث باب کے لیے مسلم شریف کی روایت سے کوئی چیز محذوف ومقدر مان لی جائے۔(۱)

ثلاثاً

ثلاثاً سے "ثلاث أكف" (تین چلو) مراد ہے۔(۲)

مسلم شریف کی روایت میں "ثلاث أكف" کی تصریح ہے،(۳) "ثلاث أكف" کا مطلب یہ ہوا کہ تین چلو، ہر چلو دونوں ہاتھوں سے بھر کر بہاتا ہوں۔(۴)

دونوں ہاتھوں سے چُلو بھرنے کی دلیل

ہر چلو دونوں ہاتھوں سے بھر کر ڈالنے کی دلیل ایک تو امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے: "فآخذ ملء كفي ثلاثاً، فأصب على رأسي". (۵) یعنی میں دونوں ہاتھوں کو بھر کر تین دفعہ پانی لیتا ہوں اور اپنے سر

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹۸/۳

(۲) عمدة القاري: ۲۹۸/۳، الكوثر الجاري: ۴۱۲/۱، إرشاد الساري: ۴۹۳/۱

(۳) الحديث رواه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۳۲۷

(۴) عمدة القاري: ۲۹۸/۳، إرشاد الساري: ۴۹۳/۱، الكوثر الجاري: ۴۱۲/۱، المنهاج للإمام النووي: ۲۳۴/۴

(۵) مسند أحمد بن حنبل، مسند جبير بن مطعم رضي الله عنه: ۷۲۸/۵، رقم: ۱۶۸۷۰، عمدة القاري: ۲۹۸/۳، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱۴۸/۱

پر بہاتا ہوں۔

امام احمد کی دوسری روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصب بيديه على رأسه ثلاثاً". (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر تین دفعہ پانی بہاتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصب بيديه على رأسه ثلاثاً". (۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر مبارک پر تین مرتبہ پانی بہاتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "ثلاثاً" کا لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کرام میں بعض نے جو یہ کہا "فإني أغسل رأسي كذا وكذا" تو وہ تین سے زیادہ مرتبہ پانی بہانا مراد لے رہے تھے۔ (۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے کون تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے سوال کرنے والے وفد ثقیف کے لوگ تھے، جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ کی روایت میں ہے: أن وفد ثقيف سألوا النبي صلى الله عليه وسلم ...... فقال: "أما أنا فأفرغ على رأسي ثلاثاً". (۴) یعنی ثقیف کے وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل میں سر پر پانی بہانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں۔

طبرانی کی مرفوع روایت میں ہے: "ثم تفرغ على رأسك ثلاث مرات، تدلك رأسك كل

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله عنه : ۵/۷۷، رقم الحديث: ۷۴۱۲

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه : ۳/۶۷، رقم الحديث: ۱۴۴۸۳

(۳) فتح الباري: ۲/۴۸۴

(۴) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۳۳۰، فتح الباري: ۲/۴۸۴، عمدة القاري: ۳/۲۹۹

مرة".(۱) یعنی پھر تم اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاؤ اور ہر مرتبہ پانی بہانے کے ساتھ اپنے سر کو ملو۔

"ثلاثاً" سے تکرار مراد ہے یا استیعاب؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "ثلاثاً" میں دو احتمال ہیں، یا تو اس سے تکرار مراد ہے، یا سارے بدن پر پانی بہانا مراد ہے، لیکن اسی باب کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے احتمال کو قوی کرتی ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ سابق میں مذکور مسند احمد اور طبرانی کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا وہ قول ساقط ہو جاتا ہے کہ ثلاثاً میں دو احتمال ہیں،(۳) اس لیے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سر پر پانی بہانا ہے، اس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں۔

وأشار بيديه

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے لپیں بنا کر بتلایا۔

یہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، أشار کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(۴)

اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ہر چلو دونوں ہاتھوں سے بھر کر بہاتے تھے۔(۵)

كلتيهما

اکثر حضرات کی روایت میں "كلتيهما" ہے، کشمیہنی کی روایت میں "كلاهما" ہے، اور ابن التین نے "كلتاهما" نقل کیا ہے۔(۶)

---

(۱) إتحاف الخيرة المهرة، كتاب الحيض: ۱/۴۰۲، رقم: ۷۳۰/۳، دار الوطن، الرياض، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۰هـ، عمدة القاري: ۳/۲۹۹

(۲) فتح الباري: ۲/٤۸٤

(۳) عمد القاري: ۳/۲۹۹

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷، عمدة القاري: ۳/۲۹۹، إرشاد الساري: ۱/٤۹۳

(٥) عمدة القاري: ۳/۲۹۹

(٦) شرح الكرماني: ۳/۱۱۷، ۱۱۸، فتح الباري: ۲/٤۸٤، تحفة الباري: ۱/۲۲۱، عمدة القاري: =

"کلتیهما" لانے کی وجہ یہ ہے کہ "بیدیه" میں "یدین" "تثنیہ مؤنث ہے، اس وجہ سے اس کی تاکید کلتا کے ساتھ لائے، جس کی حالت جری یاء کے ساتھ آتی ہے، جمہور نحویوں کا یہی مذہب ہے۔(۱)

کشمیہنی کی روایت میں "کلاهما" ہے، چوں کہ "یدین" لفظاً مذکر ہے، اس لیے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے "کلا" لائے۔(۲)

ابن التین کی روایت "کلتاهما" ہے، "یدین" چوں کہ معناً مؤنث ہے تو اس اعتبار سے "کلتا" لایا گیا ہے۔

کلاهما اور کلیتهما کے مرفوع ہونے کی پہلی وجہ

باقی رہی بات کشمیہنی اور ابن التین کی روایت "کلاهما" اور "کلتا هما" کے مرفوع لانے کی، تو یہ بنو حارث، بنو خثعم، بنو زبید، بنو کنانہ اور بنو ہجیم وغیرہ کے مذہب کے مطابق ہے، ان حضرات کے نزدیک تثنیہ کا اعراب تینوں حالتوں، رفع، نصب اور جر میں "الف" کے ساتھ آتا ہے۔(۳)

جیسا کہ شاعر کے اس قول میں ہے:

إن أبـــاهـــا وأبـــا أبـــاهـــا قـد بـلـغـا فـي الـمـجـد غايتاها(٤)

= ٢٩٩/٣، إرشاد الساري: ٤٩٣/١، الكوثر الجاري: ٤١٢/١، التوشيح: ٢٤٤/١.

(١) شرح الرضي على الكافية: ٧٤/١، ٧٩، ٨٠، شرح الأشموني: ٥٨/١، شرح ابن عقيل: ٥٨/١، أوضح المسالك: ٤٧/١، شرح قطر الندى، ص: ٦٥، شرح شذور الذهب، ص: ٥١، ٥٢

(٢) تحفة الباري: ٢٢١/١، عمدة القاري: ٢٩٩/٣، إرشاد الساري: ٤٩٣/١، التوشيح: ٢٤٤/١

(٣) شرح الأشموني: ٥٨/١، شرح ابن عقيل: ٥٨/١، شرح شذور الذهب، ص: ٥٤، شرح الكرماني: ١١٨/٣، فتح الباري: ٤٨٤/٢، تحفة الباري: ٢٢١/١، إرشاد الساري: ٤٩٣/١، الكوثر الجاري: ٤١٢/١، التوضيح لابن الملقن: ٥٥٨/٤

(٤) الرجز لرؤبة في ملحق ديوانه، ص: ١٦٨، وله أو لأبي النجم في الدرر: ١٠٦/١، شرح التصريح: ٦٥/١، شرح شواهد المغني: ١٢٧/١، ٥٨٥/٢، المقاصد النحوية: ١٣٣/١، ٦٣٦/٣، وله أو لرجل من بني الحارث في خزانة الأدب: ٤٥٣/٧، ٧٥٥، ١٠٥/٤، أسرار العربية، ص: ٤٦، الإنصاف، ص: ١٨، =

ترجمہ: بے شک اس کا والد اور دادا یقیناً وہ دونوں عزت میں اس کی انتہا کو پہنچے ہیں۔

اس شعر میں تثنیہ "غايتاها" کی حالت نصبی الف کے ساتھ لائی گئی ہے۔

دوسری وجہ

کشمیہنی اور ابن التین کی روایت میں ''کلاهما'' اور ''کلتاهما'' کے مرفوع ہونے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ کلاهما اور کلتاهما کو (على تقدير اللفظ والمعنى) ماقبل سے قطع کر کے مستقل جملہ مانا جائے، ان کو مبتدا بنا کر خبر محذوف نکالی جائے، تقدیری عبارت یوں ہوگی: "كلاهما يا كلتاهما مشارٌ بهما". (۱)

فائدہ

صاحب مغني اللبيب ابن ہشام انصاری رحمہ اللہ وغیرہ نے کلا وکلتا کی بحث کے ذیل میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ''کلا'' کو ماقبل کے لیے تاکید بھی بنایا جاسکتا ہے اور ماقبل سے منقطع کر کے مبتدا بھی بنایا جاسکتا ہے۔ (۲)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمۃ الباب میں سر پر تین مرتبہ پانی بہانے کا ذکر ہے اور حدیث میں "فأفيض على رأسي ثلاثاً" کی صراحت موجود ہے، جس سے ترجمہ ثابت ہوجاتا ہے۔ (۳)

علمی مناظرہ ومباحثہ

مسلم شریف کی روایت میں تماروا في الغسل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم کے الفاظ

= أوضح المسالك: ۱/ ۱۴۴، ۱۴۶، تخليص الشواهد، ص: ۵۸، رصف المباني، ص: ۲۴، ۲۳۶، سر صناعة الاعراب: ۲/ ۷۰۵، شرح الأشموني: ۱/ ۲۹، شرح ابن عقيل، ص: ۳۳، شرح المفصل: ۱/ ۵۲، مغني اللبيب: ۱/ ۳۸، همع الهوامع: ۱/ ۳۹

(۱) فتح الباري: ۲/ ۴۸۴، التوشيح: ۱/ ۲۴۴

(۲) مغني اللبيب: ۱/ ۴۰۴، جامع الدروس العربية: ۲/ ۱۶۱

(۳) عمدة القاري: ۳/ ۲۹۷، فضل الباري: ۲/ ۴۳۱

آئے ہیں(۱)، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان صفت غسل کے بارے میں مباحثہ ومناظرہ ہوا، کسی نے کہا: میں اتنے اتنے پانی سے غسل کرتا ہوں، اور کسی نے کہا: میں یوں غسل کرتا ہوں، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے ذیل میں لکھا ہے:

”فيه جواز المناظرة والمباحثة في العلم، وفيه جواز مناظرة المفضولين بحضرة الفاضل، ومناظرة الأصحاب بحضرة إمامهم وكبيرهم“.(۲)

یعنی اس حدیث سے علمی مسائل میں مناظرہ ومباحثہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے ائمہ، اکابر اور مرتبے میں بڑے لوگوں کی مجلس اور موجودگی میں چھوٹے، تلامذہ اور ان کے ساتھی آپس میں علمی مناظرہ ومباحثہ کر سکتے ہیں۔

فن مناظرہ کی ضرورت واہمیت

احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے، غیر مسلموں اور اسلام دشمنوں کے بے بنیاد اعتراضات کے جوابات اور بے جا شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے بسا اوقات ”مناظرہ“ کی ضرورت پیش آتی ہے، فن مناظرہ کا مقصد بھی حق کا دفاع وقیام اور باطل کا جواب وانہدام ہے، یہ قدیم اور عالمانہ اسلوب ہے، اس سے مناسبت رکھنے والے اصحابِ علم پر معرفت حق کے راستے آسان ہو جاتے ہیں، مناظرہ نہ صرف شرعاً محمود ہے، بلکہ مطلوب بھی ہے۔

افکار ونظریات میں اضافہ اور معاملات کی کثرت کی وجہ سے روز افزوں ترقی کی وجہ سے علمی مسائل میں بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، پھر طبائع واذہان کے فرق کے فطری قانون کے تحت علوم کا مختلف آراء وافکار کی آماج گاہ بننا ایک بدیہی بات ہے، ایسے میں جب مختلف فریقوں میں بحث ومباحثہ ہو تو ضروری ہے کہ ایسا

(۱) الحديث رواه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ٧٤٠ (٣٢٧).

(۲) المنهاج للنووي: ٢٣٤/٤

قانون بنے جس کی روشنی میں مقبول ومردود کے درمیان امتیاز ہو سکے۔(١)

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے ”مقدمہ“ میں لکھا ہے کہ اس علم کے تعارف میں کہا جاتا ہے کہ یہ علم استدلال کے قواعد یعنی ایسی تعریفات اور آداب جاننے کا نام ہے جس سے کسی رائے اور نظریہ کی حفاظت یا یا توڑ یعنی تائید یا تردید کا کام لیا جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق فقہ سے ہو یا کسی اور فن سے۔(٢)

علماء نے لکھا ہے کہ ”مناظرہ“ اس کو کہتے ہیں کہ حق کو واضح کرنے کے جذبے سے اس طرح بحث ومباحثہ کرنا کہ ہر فریق اپنے موقف کو صحیح اور دوسرے کے موقف کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے۔(٣)

مشروعیت مناظرہ

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:﴿أدع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن﴾.(٤)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”أي من احتاج منهم إلى مناظرة وجدال، فليكن بالوجه الحسن برفق ولين، وحسن خطاب“.(٥)

یعنی جس داعیِ حق کو بحث ومناظرہ کی حاجت پیش آئے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ فریضہ عمدہ اسلوب، نرمی اور حسنِ خطاب کے ساتھ انجام دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(١) كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، ص: ٣٨، ٣٩

(٢) مقدمة ابن خلدون، ص: ٥٧٩، دار الفكر بيروت

(٣) دیکھیے: شرح رسالة آداب البحث، قلمي، ص: ٥، الرسالة الولدية في آداب البحث والمناظرة، ص: ٧، آداب البحث، ص: ٣

(٤) النحل: ١٢٥، ترجمہ: ”بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو“۔ ترجمہ از شیخ الہند رحمہ اللہ۔

(٥) تفسير القرآن العظيم المعروف بتفسير ابن كثير، سورة النحل، تحت (رقم الآية: ١٢٥): ٧٨/٤

"جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم".(۱)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، اس میں مناظرہ کو جانی اور مالی جہاد کی طرح واجب قرار دیا گیا ہے۔(۲)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ اور نصاریٰ نجران سے مناظرہ فرمایا جس کے بعد سوۂ آلِ عمران کی ابتدا کی آیات نازل ہوئیں۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "جامع بيان العلم وفضله" میں "باب إتيان المناظرة والمجادلة وإقامة الحجة" کے عنوان سے باب قائم کیا ہے، جس میں قرآن وحدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف سے جواز مناظرہ کے دلائل اور واقعات نقل کیے ہیں، اس موضوع پر تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔(۳)

امام ابوحنیفہ کا ایک رافضی سے مناظرہ

چوں کہ مناظرہ سے متعلق گفتگو چل رہی ہے، اس لیے اس مناسبت سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک رافضی سے دلچسپ مناظرانہ گفتگو پیش خدمت ہے:

کوفہ میں ایک رافضی شخص رہتا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا اور انہیں کافر اور یہودی کہا کرتا تھا۔(العیاذ باللہ!)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو اس کے پاس گئے اور کہا: میں تیری لڑکی کے لیے ایک آدمی کے نکاح کا پیغام لایا ہوں، وہ آدمی حافظ قرآن ہے، رات بھر نماز میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اللہ کے خوف سے بہت زیادہ روتا ہے، لیکن وہ ہے تو یہودی!

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، رقم الحديث: ۱۲۲۶۸، وقال محققه الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقه على هذا الحديث: "إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد بن سلمة، فمن رجال مسلم".

(۲) الإحكام في أصول الأحكام: ۲۹/۱

(۳) جامع بيان العلم وفضله: ۹۵۲/۲-۹۷٤

رافضی نے جواب میں کہا کہ آپ کیا بات کرتے ہیں؟ کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کردوں؟
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک نہیں بلکہ دو بیٹیوں کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیوں کردی تھی؟!! یہ سن کر وہ رافضی متنبہ ہوا اور توبہ کی اور اپنی اس (قبیح) عادت سے باز آیا۔(۱)

دوسرا واقعہ

ایک دن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ رافضیوں کا ایک عالم آیا جس کو "شیطان طاق" کہا جاتا تھا، اس نے امام اعظم سے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے طاقت ور کون تھا؟۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے طاقت ور کہتے ہیں اور تم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے طاقت والا کہتے ہو۔ شیطانِ طاق نے کہا: نہیں! آپ نے برعکس بتایا، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ طاقت ور تھے، انہیں علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حق تھا تو انہوں نے خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردی، لیکن تم کہتے ہو کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قوت کے بل بوتے پر خلاف لے لی، تو اب بتاؤ کہ طاقت ور کون ہوا؟
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ جواب سن کر وہ حیران رہ گیا۔(۲)

حدیث باب سے مستنبط شدہ احکام ومسائل

حدیث باب سے درج ذیل احکام ومسائل مستنبط کیے گئے ہیں:
۱- اس حدیث سے یہ مستنبط کیا گیا ہے کہ غسل میں تثلیث مسنون ہے، پورے بدن کو دھونا بالا جماع

---

(۱) أبوحنيفة، حياته وعصره، آراء ه وفقهه، صفات أبي حنيفة، ص: ۵۵

(۲) الخيرات الحسان لابن حجر الهيثمي، (المتوفى: ۹۷۴ھ)، الفصل الثاني والعشرون والثالث والعشرون في عظيم ذكائه وأجوبته المسكتة عن الأسئلة المبهمة، ص: ۱۰۳، ۱۰۴، تعليق: الشيخ محمد عاشق الهى البرني، دار أرقم، بيروت، لبنان.

فرض ہے۔(۱)

۲-شافعیہ کے نزدیک سر پر تین مرتبہ پانی بہانا مستحب ہے، اوراس پر سب کا اتفاق ہے۔(۲)

۳-اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چلو دونوں ہاتھوں سے بھرا جائے گا۔(۳)

۴-حدیث کے ظاہر سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو تین سے زیادہ چلو استعمال کرتے ہیں، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ آپ تین چلو بہاتے ہیں، اسی میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔(۴)

۵-اس حدیث کی سند میں روایت الاقران اور صحابی کی صحابی سے روایت پائی جاتی ہے۔(۵)

۶-اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل میں زیادہ پانی نہیں بہایا کرتے تھے، بلکہ میانہ روی سے کام لیتے تھے اور اتنا پانی استعمال فرماتے تھے جو حدث اکبر کے ازالہ کے لیے کافی ہوتا تھا، البتہ غسل نظافت (تبرید) وغیرہ میں زیادہ پانی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔(۶)

حدیث باب (دوسری حدیث)

۲۵۳/۲۵۲ : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ : حَدَّثنا غُنْدَرٌ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ(۷): كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا .

---

(۱) عمدة القاري: ۳/۲۹۹

(۲) عمدة القاري: ۳/۲۹۹، شرح الكرماني: ۳/۱۱۸، التوضيح: ٤/٥٦٠

(۳) التوضيح: ٤/٥٦١، عمدة القاري: ۳/۲۹۸، الكوثر الجاري: ۱/٤۱۲، إرشاد الساري: ۱/٤۹۳

(٤) التوضيح: ٤/٥٦١

(٥) عمدة القاري: ۳/۲۹۸، فتح الباري: ۲/٤٨٤

(٦) الشرح الميسر لصحيح البخاري: ۱/۳۲۸

(۷) الحديث أخرجه النسائي في سننه في كتاب الغسل والتيمم، باب: مايكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ٤٢٦، وأخرجه أحمد في مسنده، مسند جابر بن عبدالله الأنصاري: ٥/٢٣، رقم: ١٤٢٣٨، ٥/٢٠١، رقم: ١٥٠٣٨، كلاهما من طريق شعبة عن مخول بن راشد، عن محمد بن على أبي جعفر عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما وأخرجه مسلم من طريق عبدالوهاب عن جعفر عن أبيه عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اغتسل من جنابة صبّ على رأسه ثلاث حفنات =

(ترجمہ) ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا ہم سے غندر (محمد بن جعفر) نے کہا، وہ کہتے ہیں ہم سے شعبہ نے کہا، ان سے مخول بن راشد نے، انہوں نے محمد بن علی (الباقر) سے، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (غسل جنابت میں) اپنے سر پر تین بار پانی بہاتے تھے۔

تراجم رجال

محمد بن بشار

یہ مشہور امامِ حدیث محمد بن بشار بن عثمان عبدی بصری رحمہ اللہ ہیں، ابوبکر ان کی کنیت ہے اور بُندار ان کا لقب ہے۔

ان کے مفصل حالات کتاب العلم، باب: ما کان النبي صلی اللہ علیہ وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم کي لا ینفروا کی دوسری حدیث کے ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔(۱)

غُنْدُر

یہ ابوعبداللہ بن محمد جعفر ہذلی رحمہ اللہ ہیں، غندر کے لقب سے مشہور ہیں، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم، کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔(۲)

شعبة

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج بن الورد، عتکی، واسطی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے مختصر حالات، کتاب الإیمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کی پہلی حدیث کے ذیل میں لکھے جا چکے ہیں۔(۳)

= من ماء ...... إلخ، کتاب الحیض، باب استحباب إفاضة الماء علی الرأس وغیره ثلاثاً: ۱/۲۵۹، رقم: ۳۲۹، انظر جامع الأصول: ۷/۲۹۳، ۲۹۴، رقم: ۵۳۲۵

(۱) کشف الباري: ۳/۲۵۸-۲۶۱

(۲) کشف الباري: ۲/۲۵۰، ۲۵۱

(۳) کشف الباري: ۱/۶۷۸

مخول بن راشد

یہ مخول بن راشد بن ابی المجالد الکوفی، الحناط، النهدی ہیں، نہدی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بنو نہد کے آزاد کردہ غلام ہیں۔(۱)

مجاہد بن راشد کے بھائی اور مخول بن ابراہیم کے داد ہیں۔(۲)

مخول کا تلفظ

مخول کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے،مُـخَـوَّل، میم کے ضمہ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ محمد کے وزن پر پڑھا جاتا ہے،مِخوَل: میم کے کسرہ کے ساتھ مِخنَف اور مِنبَر کے وزن پر بھی پڑھا جاتا ہے۔(۳)

میم کے ضمہ کے ساتھ ابن عساکر کی روایت ہے اور میم کے کسرہ کے ساتھ اکثر حضرات کی روایت ہے، جب کہ ابوذر سے دونوں (بضم الميم وبكسرها) منقول ہیں۔(۴) جب کہ کتب رجال میں اکثر مُخَوَّل بروزن محمد (میم کے ضمہ کے ساتھ) ضبط کیا گیا ہے۔(۵)

شیوخ

آپ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین، مسلم البطین اور ابو سعد مدنی رحمہم اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔(۶)

---

(۱) التاريخ الكبير: ۲۹/۸، تهذيب الكمال: ۳٤۸/۲۷، الطبقات الكبير: ۳٥۲/٦، الثقات: ٥١٥/٧، تاريخ الإسلام: ١٣٩/٤، تقريب التهذيب: ١٦٨/٢، الجرح والتعديل: ٤٥٦/٨، تهذيب التهذيب: ٧٩/١٠، الكاشف: ٢٥٠/٢، إكمال تهذيب الكمال: ١١٦/١١

(۲) تهذيب الكمال: ٣٤٨/٢٧، تقريب التهذيب: ١٦٧/٢

(۳) تقريب التهذيب: ١٦٧/٢، فتح الباري: ٤٨٥/٢، عمدة القاري: ٢٩٩/٣، تحفة الباري: ٢٢١، ٢٢٢

(٤) فتح الباري: ٤٨٥/٢، عمدة القاري: ٢٩٩/٣، تحفة الباري: ٢٢١، ٢٢٢، إرشاد الساري: ٤٩٣/١

(٥) الكاشف، ص: ٢٥٠

(٦) تهذيب الكمال: ٣٤٨/٢٧، تهذيب التهذيب: ٧٩/١٠، التاريخ الكبير: ٢٩/٨، تاريخ الإسلام: ١٣٩/٤، الجرح والتعديل: ٤٥٦/٨، الكاشف، ص: ٢٥٠

تلامذه

آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں جعفر الاحمر، سفیان ثوری، شریک ابن عبداللہ، شعبہ بن حجاج اور ابو عوانہ شامل ہیں۔(۱)

ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال

ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ عبدالملک میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مخول بن راشد کے بارے میں پوچھا، توانہوں نے فرمایا: "ما علمت إلا خيراً".(۲) یعنی میں ان کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔

ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يكتب حديثه".(۳)

ابن حبان رحمہ اللہ "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۴)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان ثقة إن شاء الله".(۵)

امام نسائی، ابن معین، عجلی، ابن شاہین، دارقطنی، ابن عمار، یعقوب بن سفیان، ابن حجر اور علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے ان کی "توثیق" کی ہے۔(۶)

تنبیہ

مخول بن راشد کے بارے میں تمام ائمہ جرح وتعدیل سے "توثیقی" کلمات ہی منقول ہیں: البتہ امام

(۱) تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٨، تهذيب التهذيب: ١٠/٧٩، التاريخ الكبير: ٨/٢٩، تاريخ الإسلام: ٤/١٣٩، الجرح والتعديل: ٨/٤٥٦، الكاشف، ص: ٢٥٠

(٢) الجرح والتعديل: ٨/٤٥٦، تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٩

(٣) الجرح والتعديل: ٨/٤٥٦، تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٩، تهذيب التهذيب: ١٠/٧٩

(٤) كتاب الثقات: ٧/٥١٥، تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٩

(٥) الطبقات الكبرى: ٦/٣٥٢، تهذيب التهذيب: ١٠/٧٩

(٦) تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٩، تهذيب التهذيب: ١٠/٧٩، تاريخ الإسلام: ٤/١٣٩، إكمال تهذيب الكمال: ١١/١١٧، ١١٨، تقريب التهذيب: ٢/١٦٧، الكاشف: ٢/٢٥٠

ابوداؤد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ان کا ''شیعی'' ہونا نقل کیا گیا ہے۔(۱)

لیکن ظاہر ہے کہ محض شیعی ہونا ان کے مطعون اور مردود ہونے کے لیے کافی نہیں، کیوں کہ یہ زیادہ سے زیادہ ''بدعت'' ہے، اور اس بدعتی کی حدیث مردود سمجھی جاتی ہے جو ''داعیہ'' ہو اور اپنے مذہب کی ترویج میں حدیثیں روایت کرتا ہو(۲) جب کہ یہاں ان کے بارے میں ایسی کوئی بات منقول نہیں، نیز صحیح بخاری میں ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے، جس کی متابعت بھی کر دی گئی ہے۔(۳)

---

(۱) تهذيب التهذيب: ۷۹/۱۰، تقريب التهذيب: ۱٦۷/۲

(۲) قال ابن حبان في ترجمة جعفر بن سليمان الجرشي:

"ليس بين أهل الحديث من أئمتنا خلاف أن الصدوق المتقن إذا كان فيه بدعة ولم يكن يدعو إليها أن الاحتجاج بأخباره جائزٌ، فإذا دعا إلى بدعته سقط الاحتجاج بأخباره". (كتاب الثقات: ٦/١٤٠، ١٤١)

وقال أبو عمرو الشهرزوري (المتوفى: ٦٤٣هـ):

"وقال قوم: تقبل روايته إذا لم يكن داعية، ولا تقبل إذ كان داعية إلى بدعته، وهذا مذهب الكثير أو الأكثر من العلماء" ...... وهذا المذهب الثالث أعدلها وأولاها، والأول بعيد مباعِدٌ للشائع عن أئمة الحديث، فإن كتبهم طافحة بالرواية عن المبتدعة غير الدعاة، وفي "الصحيحين" كثير من أحاديثهم في الشواهد والأصول". (معرفة أنواع علم الحديث، ص: ۲۳۰-۲۳۲)

قال ابن حجر رحمه الله: "الأكثر على قبول غير الداعية، إلا إن روى ما يقوي بدعته فيرد على المذهب المختار". (النزهة: ۱۳۷، ۱۳۸)

انظر للمزيد والتفصيل: البحر المحيط: ٤/۲۷۱، ۲۷۲، الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان: ۱/۸۹، الكفاية، ص: ۱۹٥، ۲۰۱، إكمال المعلم: ۱/۱۲٥، كشف الأسرار: ۲/٤٦، الإقتراح في بيان الاصطلاح، ص: ٤٤۲-٤٤٤، التقييد، ص: ۱٥۰، معرفة الرجال، ص: ۳۲، تدريب الراوي: ۱/۳۲۸، ۳۲۹

(۳) تهذيب التهذيب: ۱۰/۷۹

وفات

مخول بن راشد کا انتقال چالیس ۴۰ ہجری کے بعد ابوجعفر منصور کے ابتدائی دور حکومت میں ہوا۔(۱)

محمد بن علي

یہ محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، القرشی، الہاشمی ہیں، ابوجعفر ان کی کنیت ہے اور باقر کے لقب سے مشہور ہیں۔(۲)

ان کے تفصیلی حالات "کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا المخرجین القبل والدبر" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔(۳)

جابر بن عبدالله رضي الله عنه

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن کعب بن غنم بن کعب بن سَلِمۃ بن سعد بن علی بن اسد بن سارده ابن تزید بن جشم بن الخزرج، انصاری، خزرجی، سلمی مدنی ہیں، ابوعبداللہ، ابوعبدالرحمن اور ابومحمد ان کی کنیت ہے۔(۴)

ان کے حالات، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضو إلا من المخرجین القبل والدبر کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔(۵)

شرح حدیث

كان النبي صلى الله عليه وسلم يفرغ على رأسه ثلاثاً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (غسل جنابت میں) اپنے سر پر تین چلو پانی بہاتے تھے۔

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢٧/٣٤٩، تهذيب التهذيب: ١٠/٧٩، كتاب الثقات: ٧/٥١٥، تقريب التهذيب: ٢/١٦٧، تاريخ الإسلام: ٤/١٣٩

(۲) تهذيب الكمال: ٢٦/١٣٦-١٤٢، تهذيب التهذيب: ٩/٣٥٠-٣٥٢، الطبقات الكبرى: ٥/٣٢٠-٣٢٤

(۳) كشف الباري، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر

(٤) تهذيب الكمال: ٤/٤٤٤، تهذيب التهذيب: ٢/٤٢١-٤٢٣، طبقات ابن سعد: ٣/٥٧٤

(٥) كشف الباري، كتاب الوضوء باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر

يُفْرِغُ

"يُفرِغُ" یاء کے ضمہ کے ساتھ "باب افعال" "الإفراغ" سے مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔(۱)

بہانے کو کہتے ہیں، مراد یہاں پانی بہانا ہے، جیسے: أفرغت الإناء إفراغاً: إذا قلبت مافيه من الماء اور "أفرغت الدلاء: أرقتها" اس وقت بولتے ہیں جب آپ برتن میں موجود پانی کو بہادیتے ہیں۔(۲)

"الإفراغة" مفرد ہے، ایک دفعہ پانی بہانے کو کہتے ہیں، اس کی جمع "إفراغات" آتی ہے۔(۳)

ثلاثاً

"أي ثلاث غرفات" یعنی تین چلو پانی اپنے سر پر بہاتے تھے۔(۴)

امام اسماعیلی نے اپنی روایت یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: قال شعبة: أظنه من غسل الجنابة". (۵) شعبہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ (تین چلو پانی بہانا) غسل جنابت کے بارے میں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی "مسند" میں شعبہ عن مخول کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے، جس میں شعبہ کا مذکورہ بالا قول بھی ہے، اسی روایت میں ہے، جیسا کہ خود اگلی حدیث باب میں بھی آرہا ہے:

فقال رجل من بني هاشم: إنّ شعري كثير، فقال جابر: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر شعر منك وأطيب". (٦)

یعنی بنو ہاشم کے ایک آدمی نے کہا: میرے بال تو زیادہ ہیں (میرے لیے تین چلو

---

(١) فتح الباري: ٢/ ٤٨٥، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٠، إرشاد الساري: ١/ ٤٩٤

(٢) النهاية: ٢/ ٣٦٣، الصحاح، ص: ٨٠٨، جامع الأصول: ٧/ ٢٩٤

(٣) النهاية: ٢/ ٣٦٣، جامع الأصول: ٧/ ٢٩٤

(٤) فتح الباري: ٢/ ٤٨٥، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٠، إرشاد الساري: ١/ ٤٩٤

(٥) تحفة الباري: ١/ ٢٢٢، فتح الباري: ٢/ ٤٨٥، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٠، إرشاد الساري: ١/ ٤٩٤

(٦) مسند أحمد، مسند جابر بن عبدالله رضي الله عنه: ٥/ ٢٣، رقم: ١٤٢٣٧

کافی نہیں) تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ (گھنے) بالوں والے اور تم سے زیادہ پاک (نظافت والے) تھے، (ان کو تین چلو کافی ہو جاتے تھے۔)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(كان النبي صلى الله عليه وسلم يفرغ) هذا التركيب مما يدل على استمرار العادة في ذلك". (۱)

یعنی حدیث کے الفاظ "كان النبي صلى الله عليه وسلم يفرغ" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تین چلو پانی بہانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت تھی۔

مخول بن راشد کی مذکورہ روایت سے متعلق ایک وضاحت

مخول بن راشد کی بخاری شریف میں یہی ایک روایت ہے، اس کے علاوہ کوئی اور روایت ان سے بخاری میں منقول نہیں۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وليس له في البخاري غير حديث واحد، توبع عليه عنده". (۳)

یعنی بخاری میں مخول بن راشد کی صرف ایک روایت ہے، اور ان کے نزدیک اس کی متابعت کر دی گئی ہے۔

مخول بن راشد کی روایت کو امام نسائی نے أخبرنا محمد بن عبد الأعلى قال: حدثنا خالد عن شعبة عن مخوّل عن أبي جعفر عن جابر سے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حدثنا سعيد بن عامر، قال: شعبة عن مخوّل، عن أبي جعفر محمد بن علي بن حسين، عن جابر کے سلسلہ سند سے نقل کیا ہے۔ (۴)

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱۸

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۰، إرشاد الساري: ۱/۴۹۴، التوضيح: ۴/۵۶۰، فتح الباري: ۲/۴۸۵

(۳) تهذيب التهذيب: ۱۰/۷۹

(٤) سنن النسائي، كتاب الغسل والتيمم، باب مايكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم الحديث: =

متابع وشواہد

ان کے علاوہ احمد بن علی التمیمی نے مسند ابویعلیٰ الموصلی میں زہیر کے طریق سے، انہوں نے ابن عیینہ سے، انہوں نے جعفر سے اور وہ اپنے والد سے، ان کے والد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يغرف على رأسه ثلاثاً، يعني في الغسل". (۱)

اسی سند کے ساتھ امام حمیدی رحمہ اللہ نے سفیان کے طریق سے اس روایت کو اپنی مسند میں بھی نقل کیا ہے، (۲) جب کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ایک جگہ یحییٰ کے طریق سے اور دوسری جگہ عبدالوہاب ثقفی کے طریقے سے (۳) اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حفص بن غیاث کے طریقے سے نقل کیا ہے، (۴) اور یہ تینوں جعفر بن محمد بن علی سے اسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اسی باب میں اس سے اگلی روایت میں یہی مضمون ابونعیم کے طریق سے ابو جعفر سے نقل کیا ہے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں (۵) تو گویا یہ تمام روایتیں مخول بن راشد کی حدیثِ باب والی روایت کے متابعات اور شواہد میں سے ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمہ میں سر پر تین چلو پانی بہانے کا ذکر ہے اور

= ٤٢٦، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه: ٥/٢٣، رقم الحديث: ١٤٢٣٨، ٥/٢٠١، ٢٠٢، رقم الحديث: ١٥٣٠٨

(١) مسند أبي يعلىٰ الموصلي، مسند جابر بن عبدالله رضي الله عنه: ٢/٣٧٥، رقم: ١٨٤٦

(٢) أخرجه الحميدي في مسنده في أحاديث جابر بن عبدالله رضي الله عنه: ٢/٥٣٢، رقم: ١٢٦٤

(٣) مسند أحمد، مسند جابر بن عبدالله رضي الله عنه: ٥/٧٧، رقم الحديث: ١٤٤٨٣، ٥/٢٢٣، رقم:١٥١١٨

(٤) سنن ابن ماجه، أبواب التيمم، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٥٧٧

(٥) صحيح البخاري، كتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً، رقم: ٢٥٦

حدیث میں "كان النبي صلى الله عليه وسلم يفرغ على رأسه ثلاثاً" کی صراحت موجود ہے جس سے بغیر کسی اخفا کے ترجمہ ثابت ہوتا ہے۔(۱)

ما یستفاد من الحدیث سابقہ روایت کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے۔

حدیث باب (تیسری حدیث)

(۲۵۳) : حدّثنا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ : حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ : حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ : قَالَ لِي جَابِرٌ[۲]: وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ ، يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ ، قَالَ : كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ؟ فَقُلْتُ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ ، وَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ، فَقَالَ لِي الْحَسَنُ : إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعَرِ ؟ فَقُلْتُ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعَرًا . [ر : ۲٤۹]

(ترجمہ) ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے معمر بن یحییٰ بن سام نے، کہا مجھ ابوجعفر (باقر) نے، بیان کیا مجھ سے جابر رضی اللہ عنہ نے، انہوں نے فرمایا: میرے پاس تمہارے چچازاد بھائی آئے، ان کا اشارہ حسن بن محمد بن حنفیہ کی طرف تھا، انہوں نے پوچھا کہ جنابت کے غسل کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین چلو پانی لیتے تھے اور ان کو اپنے سر پر بہاتے تھے، پھر اپنے باقی تمام بدن پر پانی بہاتے تھے، حسن نے اس پر کہا کہ میں تو بہت بالوں والا آدمی ہوں، میں نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے۔

تراجم رجال

أبونُعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دکین، الملائی، الکوفی، الاحول ہیں، دکین ان کے والد کا لقب ہے اور

---

(۱) عمدة القاري: ۲۹۹/۳

(۲) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً: ۲۵۹/۱، رقم: ۳۲۹، والنسائي في أبواب الغسل والتيمم، باب مايكفي الجنب من إفاضة الماء على رأسه، رقم: ٤٢٦، انظر جامع الأصول: ۲۹۳/۷، ۲۹٤، رقم: ۵۳۲۵

ان کا نام عمرو بن حماد ہے۔(۱)

ان کے مفصل احوال، کتاب الایمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ کی پہلی حدیث کے تحت ذکر کیے جاچکے ہیں۔(۲)

معمر بن یحییٰ بن سام

یہ معمر بن یحییٰ بن سام بن موسیٰ ضبی، کوفی ہیں۔(۳)

معمر کا تلفظ

معمر کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے، "مَعْمَرْ" میم کے فتحہ اور میم ثانی کی تخفیف کے ساتھ اور "مُعَمَّر" میم کے ضمہ اور عین کے فتحہ اور میم ثانی کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔(۴)

حافظ عبدالغنی بن سعید ازدی اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے میم کے ضمہ اور میم ثانی کی تشدید کے ساتھ نقل ہے،(۵) اسی کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔(۶) مُعَمَّر بروزن محمد، یہی قابسی کی روایت ہے اور اسی پر حاکم نے جزم کیا ہے۔(۷)

ابن ماکولا نے مختلف فیہ میں ذکر کیا ہے۔(۸)

لیکن امام بخاری نے خود "التاریخ الکبیر" میں میم کے فتحہ اور میم ثانی کی تخفیف کے ساتھ نقل کیا

(۱) تهذيب الكمال: ۲۳/ ۱۹، سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۱٤۲

(۲) دیکھیے، کشف الباري: ۲/ ٦٦۹–٦۷۳

(۳) التاريخ الكبير: ۷/ ۳۷۷، الثقات لابن حبان: ۷/ ٤۸٥، الجرح والتعديل: ۸/ ۲۹٤، تاريخ الإسلام: ٤/ ۱٤۳، الكاشف: ۲/ ۲۸۳، تهذيب الكمال: ۲۸/ ۳۲۳، تقريب التهذيب: ۲/ ۲۰۳، خلاصة الخزرجي، ص: ۳۸٤

(٤) المؤتلف والمختلف للأزدي: ۲/ ٦۳۱

(٥) المؤتلف والمختلف للأزدي: ۲/ ٦۳۳، الكاشف: ۲/ ۲۸۳

(٦) توضيح المشتبه: ٥/ ۲٤۰

(۷) فتح الباري: ۲/ ٤۸٥، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۰، إرشاد الساري: ۱/ ٤۹٤

(۸) الإكمال لابن ماكولا: ۷/ ۲۷۰

ہے،(۱) جیسا کہ ابن ماکولا وغیرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے،(۲) یہی اکثر حضرات کی روایت میں ہے۔(۳)

علامہ مِزّی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی میم کے فتحہ اور تخفیف کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔(۴)

کبھی کبھار ان کی نسبت والد کی جگہ دادا کی طرف بھی کی جاتی ہے اور معمر بن سام کہا جاتا ہے۔(۵)

شیوخ حدیث

آپ نے حدیث کا سماع اپنے بھائی ابان بن یحییٰ بن سام، ابوجعفر محمد ابن علی بن الحسین اور فاطمہ بنت علی بن ابی طالب سے کیا۔(۶)

تلامذہ

آپ سے حدیث کا سماع کرنے والوں میں ابواُسامہ حماد بن اُسامہ، ابونُعیم الفضل بن دکین اور وکیع بن الجراح رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۷)

آپ کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال

ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثقات'' میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔(۸)

---

(۱) التاريخ الكبير: ٣٧٧/٧

(٢) الإكمال: ٢٧٠/٧، المؤتلف والمختلف للأزدي: ٦٣٣/٢، توضيح المشتبه: ٢٤٠/٥

(٣) فتح الباري: ٤٨٥/٢، عمدة القاري: ٣٠٠/٣، إرشاد الساري: ٤٩٤/١

(٤) تهذيب الكمال: ٣٢٣/٢٨، تقريب التهذيب: ٢٠٣/٢

(٥) تهذيب الكمال: ٣٢٣/٢٨، تهذيب التهذيب: ٢٤٩/١٠، تقريب التهذيب: ٢٠٢/٢

(٦) تهذيب التهذيب: ٢٤٩/١٠، تهذيب الكمال: ٣٢٣/٢٨، الثقات: ٤٨٥/٧، الجرح والتعديل: ٢٩٤/٨

(٧) التاريخ الكبير: ٣٧٧/٧، ٣٧٨، الجرح والتعديل: ٢٩٤/٨، تاريخ الإسلام: ١٤٢/٤، تهذيب الكمال: ٣٢٣/٢٨

(٨) الثقات: ٤٨٥/٧

ابوزرعہ رحمہ اللہ سے معمر بن یحیی بن سام کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: "كوفي ثقة". (۱) علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "الكاشف" میں فرمایا: "وثق". (۲)

یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ اور ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة". (۳)

آجری نے امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "لا بأس به". گویا امام ابوداؤد نے ان کو پسند نہیں فرمایا۔ (۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "مقبول". (۵)

تنبیہ

حافظ صاحب رحمہ اللہ کا ان کو صرف ''مقبول'' کہنا خود ''غیر مقبول'' ہے، اس لیے کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ امام ابوداؤد کی رائے کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فتح الباری کے مقدمہ میں معمر بن یحییٰ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ (٦)

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ان کو ''طبقہ سادسہ'' کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ (۷)

تنبیہ دوم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا:

---

(١) الجرح والتعديل: ٨/٢٩٤، تهذيب الكمال: ٢٨/٣٢٤، تهذيب التهذيب: ١٠/٢٤٩، تاريخ الإسلام: ٤/١٤٢

(٢) الكاشف: ٢/٢٨٣

(٣) تعليقات تهذيب الكمال: ٢٨/٣٢٤

(٤) تهذيب التهذيب: ١٠/٢٤٩، تعليقات تهذيب الكمال: ٢٨/٣٢٤

(٥) تقريب التهذيب: ٢/٢٠٣، تعليقات تهذيب الكمال: ٢٨/٣٢٤

(٦) قال الشيخ محمد عوامه حفظه الله في تعليقاته على "الكاشف": ٢/٢٨٣، مانصه: "فهو ثقة إن شاء الله، فقول الحافظ في "التقريب" (٦٨١٤): "مقبول" غير مقبول، بل إنه نفسه لم يلتفت إلى رأي أبي داؤد في الرجل، ولذا لم يترجمه في "مقدمة الفتح". (انتهى).

(٧) تقريب التهذيب: ٢/٢٠٣

"ليس له في البخاري إلا هذا الحديث". (١)

یعنی بخاری شریف میں ان کی صرف حدیثِ باب والی ایک روایت ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تهذيب التهذيب" میں فرمایا: "أخرجه متابعة". (٢) امام بخاری نے اسے (بھی مخول بن راشد کی روایت کے لیے) بطور متابع کے نقل فرمایا ہے۔

أبو جعفر

یہ محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب قرشی، ہاشمی ہیں، ابوجعفر ان کی کنیت ہے اور باقر ان کا لقب ہے۔ (٣) ان کے حالات "کتاب الوضوء باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین القبل والدبر" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ (٤)

جابر رضي الله عنه

یہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدمر آنفاً. (٥)

الحسن بن محمد بن الحنفية

یہ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، قرشی، ہاشمی، مدنی ہیں۔ (٦)

---

(١) فتح الباري: ٢/٤٨٥، عمدة القاري: ٣/٣٠٠

(٢) تهذيب التهذيب: ١٠/٢٤٩، فتح الباري: ٢/٤٨٥، عمدة القاري: ٣/٣٠٠

(٣) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال: ٢٦/١٣٦-١٤٢، تهذيب التهذيب: ١٠/٣٥٠-٣٥٢، الطبقات الكبرىٰ: ٥/٣٢٠-٣٢٤

(٤) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب من لم الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر.

(٥) صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب من لم الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر.

(٦) البداية والنهاية: ٩/١٥١، تهذيب تاريخ دمشق الكبير، المعروف بتاريخ ابن عساكر: ٤/٢٤٨، تاريخ الإسلام: ٣/١٣٢، التاريخ الكبير: ٢/٣٠٥، سير أعلام النبلاء: ٤/١٣٠، طبقات ابن سعد: ٥/٣٢٨، كتاب الثقات: ٤/١٣٢، تهذيب الكمال: ٦/٣١٦، تهذيب التهذيب: ٢/٣٢٠، خلاصه الخزرجي، ص: ٨١، الجرح والتعديل: ٣/٣٩، تقريب التهذيب، ص: ١٦٤، الكاشف: ١/٣٢٩

ان کے والد ''محمد بن علی'' ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں، ابو محمد ان کی کنیت ہے۔(۱)

خلیفہ بن خیاط وغیرہ کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا نام جمال بنت قیس بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف ہے۔(۲)

ابن الحنفیة

حنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی ہیں، جن سے آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح فرمایا، ان سے محمد پیدا ہوئے جو اپنی والدہ کی نسبت سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔(۳)

شیوخ حدیث

یہ حضرت جابر بن عبداللہ، سلمہ بن الاکوع، عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن ابی رافع، ابوسعید خدری، ابو ہریرۃ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ اپنے والد محمد ابن الحنفیہ اور بنت عبداللہ بن جعفر سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔(۴)

تلامذہ

آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں ابان بن صالح، سعید بن المرزبان، ابوسعد البقال، سَلَمہ بن اسلم جُہنی، عاصم بن عمر بن قتادہ، عبدالوحد بن اَیمن، عثمان بن ابراہیم بن محمد بن حاطب جُمحی، عمرو بن دینار، قیس بن مسلم، محمد بن خلیفہ اسدی، محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، منذر ثوری، موسیٰ بن عبیدہ ربذی اور ہلال بن خباب رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۵)

---

(۱) تهذيب الكمال: ٣١٧/٦، تهذيب التهذيب: ٣٢٠/٢، طبقات ابن سعد: ٣٢٨/٥

(۲) تهذيب الكمال: ٣١٨/٦، تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣، طبقات ابن سعد: ٣٢٨/٥

(۳) (فتح الباري: ٤٨٥/٢، إرشاد الساري: ٤٩٤/١، الكنز المتواري: ١٩٥/٣

(٤) تهذيب الكمال: ٣١٧/٦، تهذيب التهذيب: ٣٢٠/٢، تهذيب الأسماء واللغات: ١٦٠/١، تاريخ ابن عساكر: ٢٤٨/٤

(٥) تهذيب الكمال: ٣١٧/٦، تهذيب التهذيب: ٣٢٠/٢، تهذيب الأسماء واللغات: ١٦٠/١، تاريخ ابن=

حالات زندگی اور ائمہ کے اقوال

حسن بن محمد ابن الحنفیہ رحمہ اللہ بنو ہاشم کے خوش اسلوب، ہوشیار، زیرک اور عقلمند و دانا لوگوں میں سے تھے۔(۱)

یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن تابعین اہل مدینہ اور محدثین اہل مدینہ میں سے تھے۔(۲)

آپ کو صورت، سیرت و کردار میں اپنے بھائی ابو ہاشم عبداللہ پر برتری حاصل تھی۔(۳)

اسلم کہتے ہیں کہ لوگوں کے ہاں آپ کا شمار معتمد ترین شخصیات میں ہوتا تھا۔(۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ہاں اختلافی مسائل، فقہ اور تفسیر کے علم میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔(۵) حضرت حسن بن محمد رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔(۶)

حلم وبردباری

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بہترین چادر حلم اور بردباری کی ہے، اللہ کی قسم! یہ تمہارے لیے یمنی چادروں سے بہتر ہے، اگر تمہارے اندر حلم و بردباری نہ ہو تو بتکلف حلیم و بردبار بنو۔(۷)

اللہ کی محبت

اللہ تعالیٰ کی محبت کے حوالے سے حسن بن محمد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہے، پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

= عساكر: ٤/٢٤٨، تاريخ الإسلام: ٣/١٣٢، كتاب الثقات: ٤/١٢٢، خلاصة الخزرجي، ص: ٨١

(١) طبقات ابن سعد: ٥/٣٢٨، تاريخ ابن عساكر: ٤/٢٤٩، البداية والنهاية: ٩/١٥١

(٢) تاريخ ابن عساكر: ٤/٢٤٩

(٣) طبقات ابن سعد: ٥/٣٢٨، تهذيب الكمال: ٦/٣١٧، تهذيب التهذيب: ٢/٣٢٠

(٤) تاريخ ابن عساكر: ٤/٢٤٩، تهذيب الكمال: ٦/٣١٩

(٥) البداية والنهاية: ٩/١٥١

(٦) طبقات ابن سعد: ٥/٣٢٨، تهذيب الكمال: ٦/٣١٨

(٧) تاريخ ابن عساكر: ٤/٢٤٩، تهذيب الكمال: ٦/٣٢٠

تعصي الإلـه وأنت تُظهر حبَّه　　عارٌ عليك إذا فعلت شنيعُ(۱)

لو كان حبّك صادقاً لأطعته　　إن المحب لمن أحبّ مطيعُ

۱-تم اپنے معبود کی نافرمانی کرتے ہو اور اس سے محبت کا اظہار کرتے ہو (یعنی اس سے محبت کے دعویدار ہو) اگر تم ایسا کرو تو یہ باعث شرم اور قابل نفرت بات ہے۔

۲-اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی فرمانبرداری (اطاعت) کرتے، اس لیے کہ محبّ اپنے محبوب کا فرمانبردار (مطیع) ہوتا ہے۔

مزید فرمایا:

ماضرّ من كانت الفردوس منزله　　ماكان في العيش من بؤس واقتار

تراه يمشي حزيناً جائعاً شعثاً　　إلى المساجد يسعىٰ بين اطمار(۲)

۱-زندگی میں موجود بدحالی اور تنگی معاش اس شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی جس کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہو۔

۲-تو اسے دیکھے گا اے مخاطب کہ وہ غمگین، بھوکا، پراگندہ حال، بوسیدہ و پرانے کپڑوں میں اور ناداری و مفلسی کی حالت میں مساجد کی طرف جاتا ہے۔

مسعر کہتے ہیں کہ حسن بن محمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "ليس منا" کی تفسیر "ليس مثلنا" سے کرتے تھے۔(۳)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن علمائے اہل بیت میں سے تھے، ان کی فضیلت کے بارے میں عمرو بن دینار کا یہ قول کافی ہے:

"مارأيت أحداً أعلم بما اختلف فيه الناس من الحسن بن محمد، ماكان زهريكم إلا غلاماً من غلمانه".(۴)

---

(۱) تاريخ ابن عساكر: ٢٤٩/٤، تهذيب الكمال: ٣٢٠/٦

(۲) تهذيب الكمال: ٣٢١/٦، تاريخ ابن عساكر: ٢٤٩/٤

(۳) تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣، تهذيب الكمال: ٣١٩/٦

(٤) سير أعلام النبلاء: ١٣٠/٤، تهذيب التهذيب: ٣٢٠/٢، تاريخ الإسلام: ١٣٢/٣، ١٣٣

یعنی میں نے لوگوں کے اختلافی مسائل میں حسن بن محمد سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں پایا، تمہارے زہری تو ان کی خدمت میں رہنے والے نوجوانوں میں سے ایک تھے۔

حضرات شیخین کا دفاع ومدح

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے حسن بن محمد رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ انہوں نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"يا أهل الكوفة! اتقوا الله ولا تقولوا في أبي بكر وعمر ماليساله بأهل، إن أبابكر كان مع رسول الله في الغارثاني اثنين وإن عمر أعزالله به الدين".(۱)

یعنی اے اہل کوفہ! تم اللہ سے ڈرو اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایسی بات مت کہو جو ان کی شایان شان نہیں، بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور کے دو میں سے ایک تھے اور بے شک عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اللہ نے دین اسلام کو عزت وبلندی عطا فرمائی ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حسن بن محمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: "من خلع أبابكر وعمر فقد خلع السنة". (۲) یعنی جس شخص نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی اتباع سے روگردانی کی تو اس نے سنت سے روگردانی کی۔

روافض کے بارے میں حضرت حسن کا ارشاد

محمد بن طلحہ یامی کہتے ہیں کہ حسن بن محمد نے فرمایا:

"منهم شيعة متمنية ينقمون المعصية على أهلها و يعملون بها، اتخذوا أهل البيت من العرب إماماً، وقلدوهم دينهم، يوالون على حبهم، ويعادون على بغضهم، جفاة للقرآن أتباع للكهان، يرجون الدولة في بعثٍ يكون قبل قيام

(۱) تاريخ ابن عساكر: ۲٤۹/٤، تهذيب الكمال: ۳۱۹/٦

(۲) كتاب الثقات: ۱۲۲/٤، خلاصة الخزرجي، ص: ۸۱، تهذيب الكمال: ۳۱۹/٦، میں "السُّنَّة" کی جگہ "السَّتَّة" آیا ہے، یہ تصحیف ہے۔

الساعة، حرفوا كتاب الله وارتشوا في الحكم وسعوا في الأرض فساداً.(۱)

یعنی لوگوں میں سے (شیعوں) کا امیدیں کرنے والا ایک گروہ ہے، جو گناہ گاروں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے کدح کرتے ہیں اور خود ان کا ارتکاب کرتے ہیں، عرب میں اہل بیت کو اپنا امام قرار دیا اور دین میں ان کی اتباع کے دعویدار ہیں، اہل بیت سے محبت کی بنا پر لوگوں سے محبت اور ان سے بغض کی وجہ سے لوگوں سے بغض کا اظہار کرتے ہیں، (یہ لوگ) قرآن کے دشمن ہیں، کاہنوں (جادوگروں) کے فرمانبردار ہیں، قیامت کے آنے سے پہلے حکومت کے قیام کے خواہش مند ہیں، انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کی، فیصلوں میں رشوت لی اور زمین میں فساد مچایا ہے۔

ائمہ کے توثیقی اقوال

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "مدني، تابعي، ثقة".(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة فقيه".(۳)

امام نووی رحمہ اللہ نے "تهذيب الأسماء واللغات" میں فرمایا: "اتفقوا على توثيقه".(٤) یعنی ائمہ نے ان کی توثیق پر اتفاق کیا ہے۔

ارجاء کا قول اور اس کی حقیقت

حسن بن محمد رحمہ اللہ کی طرف ارجا کی نسبت کی گئی ہے، بلکہ مصعب زبیری، مغیرہ بن مقسم، عثمان بن ابراہیم حاطبی، ابن سعد، ایوب سختیانی، امام عجلی، وغیرہ نے کہا: "أول من تكلم في الإرجاء الحسن بن محمد بن الحنفية".(٥)

---

(۱) تاريخ الإسلام: ۳/۱۳٤

(۲) تاريخ ابن عساكر: ٤/۲٤۹، تاريخ الإسلام: ۳/۱۳٤

(۳) تقريب التهذيب، ص: ۱٦٤

(٤) تهذيب الأسماء واللغات: ۱/۱٦۰

(٥) تهذيب التهذيب: ۲/۳۲۰، تهذيب الكمال: ٦/۳۱۸، طبقات ابن سعد: ٥/۳۲۸، البداية والنهاية: =

یعنی سب سے پہلے ارجاء کے بارے میں بات کرنے والے حسن بن محمد بن الحنفیہ ہیں۔

عثمان بن ابراہیم بن حاطب کہتے ہیں کہ میں اس دن (جس دن حسن بن محمد بن حنفیہ نے ارجاء کے بارے میں بات کی) اپنے چچا کے ساتھ ان کے حلقہ میں موجود تھا، اس مجلس میں جُحدب بھی تھا(۱) اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں نے حضرت علی، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نکتہ چینی شروع کردی، ان کی باتیں زیادہ ہوگئیں جب کہ حسن بن محمد خاموش بیٹھے ہوئے تھے، پھر حسن بن محمد نے گفتگو کی اور فرمایا:

"قد سمعت مقالتكم ولم أر شيئاً أمثل من أن يرجأ علي وعثمان وطلحة والزبير فلا يتولوا و لا يتبرأ منهم".(۲)

یعنی میں نے تمہاری باتیں سنی، میں اس سے بڑھ کر کسی چیز کو نہیں پاتا کہ علی، عثمان، طلحہ اور زبیر کا معاملہ مؤخر کیا جائے، نہ ان سے موالات (دوستی) کا اظہار کیا جائے، نہ براءت کا۔

ان کے والد محمد بن الحنفیہ کو جب اس قول کا پتہ چلا تو انہوں نے حسن کی خوب تادیب کی اور فرمایا کہ کیا تم اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کا اظہار نہیں کروگے؟!۔(۳)

اسی ارجاء کے بارے میں انہوں نے کوئی رسالہ بھی لکھا تھا۔(۴)

حسن بن محمد کی طرف منسوب ارجاء کا مطلب

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس ارجاء کا قول حسن بن محمد نے کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کا معاملہ اللہ کے حوالہ کردیا جائے، وہ جو چاہیں ان کے بارے میں فیصلہ

= ۱۵۱/۹، تاريخ ابن عساكر: ٢٤٩/٤، تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣

(۱) ابن عساكر: ٢٤٩/٤، تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣ میں جحدب اور جندب منقول ہے۔

(۲) تهذيب الكمال: ٣٢١/٦، تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣، تاريخ ابن عساكر: ٢٤٩/٤

(۳) البداية والنهاية: ١٥١/٩، تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣، تاريخ ابن عساكر: ٢٤٩/٤

(٤) تاريخ الإسلام: ١٣٣/٣، تاريخ ابن عساكر: ٢٥٠/٤، تهذيب الكمال: ٣٢٢/٦

فرمادیں۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وضاحت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المراد بالإرجاء الذي تكلم الحسن بن محمد فيه غير الإرجاء الذي يغيبه أهل السنة المتعلق بالإيمان".(۲)

یعنی حسن بن محمد کے ارجاء کے بارے میں قول سے مراد وہ ارجاء نہیں جس کا تعلق "ایمان" سے ہے اور جس کو اہل سنت معیوب سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن محمد کی کتاب کو پڑھا، اس میں تقویٰ کی وصیت اور وعظ کے بارے میں ایک طویل کلام تھا، اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ہم حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور ان دونوں کے بارے میں کوشش کرتے ہیں (کہ کوئی ان کے بارے میں غلط بات نہ کہے) اس لیے کہ امت کا ان دونوں کے بارے میں کوئی جھگڑا اور لڑائی نہیں ہوئی، اور امت کو ان کے معاملہ میں کوئی شک نہیں، البتہ ان کے بعد جو لوگ فتنہ میں مبتلا کیے گئے ان کا معاملہ مؤخر کرتے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔(۳)

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ حسن بن محمد کے اس مذکورہ بالا کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ان دو جماعتوں کے بارے میں خطا وصواب کا حتمی فیصلہ نہیں فرماتے، جن کے مابین فتنہ کے زمانہ میں لڑائی ہوئی، بلکہ وہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی مراد ارجاء سے وہ نہیں جس کا تعلق ایمان سے ہے، لہٰذا اس قول کی وجہ سے ان کو کوئی عیب وخامی لاحق نہیں ہوتی ہے۔(۴)

---

(۱) تاريخ الإسلام: ۱۳۳/۳

(۲) تهذيب التهذيب: ۳۲۱/۲

(۳) تهذيب التهذيب: ۳۲۱/۲، تاريخ الإسلام: ۱۳۳/۳

(٤) تهذيب التهذيب: ۳۲۱/۲

مذکورہ ارجاء سے رجوع

مزید برآں حسن بن محمد سے ارجاء کے اس قول (جس کی وضاحت سابق میں کی گئی) سے رجوع بھی ثابت ہے، چناں چہ عطاء بن سائب نے زاذان اور میسرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں حضرت حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں نے ان کو ارجاء پر ان کی لکھی ہوئی کتاب پر ملامت کی، تو حضرت حسن بن محمد نے فرمایا:

"لوددت أني مت ولم أكتبه". (۱)

کاش میں مرجاتا اور اسے نہ لکھتا۔

سابقہ تصریحات سے ایک تو ان کی طرف منسوب ارجاء کے قول کی حقیقت معلوم ہوئی اور اس سے ان کا رجوع بھی ثابت ہوگیا، لہٰذا "ارجاء" کے قول کی وجہ سے ان کو عیب دار کرنا درست نہیں۔

وفات

ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہروی اور ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہ سے ۹۵ ہجری منقول ہے۔ (۲)

خلیفہ بن خیاط اور محمد بن عمر واقدی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔ (۳)

خلیفہ بن خیاط نے طبقات میں فرمایا کہ ۹۹ یا ۱۰۰ ہجری میں انتقال ہوا، جب کہ خلیفہ بن خیاط سے تاریخ میں ۱۰۱ ہجری بھی منقول ہے۔ (۴) اسی کو علامہ مزی نے ابن عساکر سے بھی نقل کیا ہے۔ (۵)

---

(۱) تاريخ الإسلام: ۱۳۳/۳، تاريخ ابن عساكر: ۲۵۰/٤، تهذيب الكمال: ۳۲۲/٦

(۲) تاريخ الإسلام: ۱۳٤/۳، البداية والنهاية: ۱٥۱/۹، ۱٥۲، تهذيب الكمال: ۳۲۲/٦، الكاشف: ۳۳۰/۱، خلاصة الخزرجي، ص: ۸۱

(۳) تاريخ الإسلام: ۱۳٤/۳، طبقات ابن سعد: ۳۲۸/٥، البداية والنهاية: ۱٥۱/۹

(٤) سير أعلام النبلاء: ۱۳۰/٤، تهذيب التهذيب: ۳۲۰/۲، ۳۲۱، تاريخ ابن عساكر: ۲٥۰/٤، تهذيب الكمال: ۳۲۲/٦، تهذيب الأسماء واللغات: ۱٦۰/۱، تقريب التهذيب، ص: ۱٦٤

(٥) تاريخ ابن عساكر: ۲٥۰/٤، تهذيب الكمال: ۳۲۲/٦

اقوال میں تطبیق

طبقات میں مذکور ۹۹ یا ۱۰۰ ہجری اور عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت والے قول میں کوئی تعارض نہیں، اس لیے کہ ۹۹ اور ۱۰۰ ہجری عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور خلافت ہی ہے، جب کہ ۱۰۱ ہجری والا قول مزی اور ابن عساکر دونوں کا وہم ہے، ایک دوسرے سے نقل چلا آرہا ہے۔(۱)

شرح حدیث

قال: قال لي جابر: وأتاني ابن عمك

ابوجعفر کہتے ہیں کہ مجھ سے جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس تمہارے چچازاد بھائی آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ابوجعفر کو جو یہ فرمایا: "أتاني ابن عمك" تو یہ بطور مجاز وتسامح کے ارشاد فرمایا ہے، اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مراد "ابن عمك" سے حسن بن محمد بن حنفیہ ہے، جو درحقیقت ان کے چچازاد بھائی نہیں، بلکہ ان کے والد زین العابدین علی بن حسین کے چچازاد بھائی تھے، دونوں کا سلسلہ نسب یوں ہے: ابوجعفر الباقر محمد بن علی بن حسین بن ابی طالب اور حسن بن محمد بن (الحنفیہ) علی بن ابی طالب، الغرض ابن عمک کہنا مجاز وتسامح پر مبنی ہے۔(۲)

يعرّض بالحسن بن محمد بن الحنفية

ان کا اشارہ حسن بن محمد بن حنفیہ کی طرف تھا۔

"یعرّض بالحسن" یہ الفاظ راوی حدیث حضرت ابوجعفر المعروف "باقر" رحمہ اللہ کے ہیں اور یعرّض کا فاعل حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔(۳)

"یعرّض بالحسن" یہ جملہ قال لي جابر میں "جابر" سے حال بن رہا ہے(۴) یعنی ابوجعفر کہتے

(۱) تعليقات تهذيب الكمال: ٦/٣٢٢، ٣٢٣

(۲) شرح الكرماني: ٣/١١٨، فتح الباري: ٢/٤٨٥، عمدة القاري: ٣/٣٠٠، إرشاد الساري: ١/٤٩٤، تحفة الباري: ١/٢٢٢، الكوثر الجاري: ١/٤١٣

(۳) لامع مع الكنز المتواري: ٣/١٩٥

(٤) عمدة القاري: ٣/٣٠٠

ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس حال میں کہ ان کا اشارہ محمد بن حنفیہ کی طرف تھا۔

تعریض کا لغوی معنی

لغت میں تعریض ''خلاف التصریح''، یعنی مبہم بات کو کہتے ہیں۔(۱)

تعریض کا اصطلاحی معنی وتعریف

علامہ جرجانی رحمہ اللہ نے تعریض کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"التعريض في الكلام ما يفهم به السامع مراده من غير تصريح".(٢)

یعنی تعریض فی الکلام یہ ہے کہ سامع بغیر تصریح کے متکلم کی مراد کو سمجھ جائے۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے: التعريض: أن تذكر شيئاً تدل به على شيء لم تذكره".(٣)

یعنی تعریض یہ ہے کہ متکلم ایک چیز ذکر کرے جو ایسی شئے پر دلالت کرے جس کا ذکر اس نے نہ کیا ہو۔

شراحِ حدیث علامہ کرمانی، علامہ عینی، علامہ قسطلانی اور علامہ انصاری رحمہم اللہ نے تعریف کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"عبارة عن كناية تكون مسوقة لأجل موصوف غير مذكور".(٤)

اصطلاح میں تعریض ایسے کنایہ سے عبارت ہے جسے کسی موصوف غیر مذکور کے لیے لایا گیا ہو۔

صاحبِ کشاف اصطلاحات الفنون فرماتے ہیں کہ تعریض تصریف کے وزن پر ہے، اہل بیان کے نزدیک تعریض کہتے ہیں: لفظ کو معنی موضوع لہ میں استعمال کرنا غیر موضوع لہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔(۵)

---

(١) النهاية لابن الأثير: ٢/١٨٦، الصحاح للجوهري، ص: ٦٩٢، لسان العرب: ٩/١٤٩، شرح الكرماني: ٣/١١٨، عمدة القاري: ٣/٣٠٠

(٢) كتاب التعريفات، ص: ٤٥

(٣) تفسير الكشاف: ١/٣١١، عمدة القاري: ٣/٣٠٠

(٤) عمدة القاري: ٣/٣٠٠، إرشاد الساري: ١/٤٩٤، تحفة الباري: ١/٢٢٢

(٥) موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: ١/٤٩٢

تعریض کی اقسام

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعریض کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم

"قسم يراد به معناه الحقيقي ويشار به إلى المعنى الآخر المقصود".

ایک قسم یہ ہے کہ لفظ سے اس کا معنیٰ حقیقی مراد لیا جائے اور اس کے ذریعے ایک اور معنیٰ مقصودی کی طرف اشارہ بھی کیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ومالی لا أعبد الذی فطرنی﴾ (۱) میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا۔

اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے میری قوم کے لوگو! تمہارے پاس کون سا عذر ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تم کو پیدا کیا ہے، اس کی دلیل اس کا اگلہ جملہ ﴿والیه ترجعون﴾ (۲) ہے۔

دوسری قسم

"قسم لا يراد، بل يضرب مثلاً للمعنى الذي هو مقصود التعريض". (۳)

دوسری قسم وہ ہے جس میں معنیٰ حقیقی مراد نہیں لیا جاتا ہے، بلکہ تعریض سے جو معنیٰ مقصود ہوتا ہے اس کے لیے مثال بیان کی جاتی ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کا قول: ﴿بل فعله کبیرهم هذا﴾ (۴) فرمایا کہ نہیں بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کا مقصود معنیٰ حقیقی نہیں، بلکہ تعریض سے معنیٰ مقصود (عاجز الہ نہیں بن سکتا) کے لیے اس قول کو بطور مثال کے پیش کیا ہے کہ جیسے یہ ان کا بڑا عاجز ہے ایسے ہی دوسرے بھی۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعریض کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ أن يخاطب واحد ويراد

---

(۱) یس: ۲۲

(۲) یس: ۲۲، اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

(۳) كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: ۱/۴۸۲، الإتقان في علوم القرآن: ۲/۹۶

(٤) الأنبياء: ٦٣

غیرہ ایک کومخاطب کر کے دوسرے کومراد لیا جائے۔(۱)

تعریض کی وجہ تسمیہ

تعریض کوتعریض اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کلام کوایک جانب کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور اس سے اشارہ دوسری جانب کی طرف کیا جاتا ہے، جیسا کہ نظر إلیه بعرض وجهه اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب دیکھنے والے کے چہرہ کا رخ ایک جانب ہو اور وہ دوسری جانب کودیکھ رہا ہو۔(۲)

حدیث میں کون سی تعریض مراد ہے

حدیث میں تعریض کی دوسری قسم مراد ہے جس میں معنی حقیقی مرادنہیں لیا جاتا، تو یہاں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ارشاد "ابن عمك" سے معنی حقیقی مرادنہیں، بلکہ یہ مجاز اور تسامح پر مبنی ہے۔ کمامر.

قال: كيف الغسل من الجنابة؟

انہوں (حسن بن محمد بن حنفیہ) نے پوچھا کہ جنابت کاغسل کس طرح کرنا چاہیے؟

باب سابق کی دوسری حدیث میں بھی غسل کے بارے میں سوال تھا اور یہاں بھی ہے، آیا یہ دونوں ایک ہی واقعہ ہے، یا الگ الگ واقعات؟ دونوں میں سوال کیفیت غسل کے بارے میں تھا یا کمیت کے بارے میں؟ اس بارے میں شراح حدیث میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں روایات کو الگ الگ واقعہ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ پہلی روایت میں سوال کمیت ماء کے بارے میں تھا اور اس روایت میں کیفیت غسل کے بارے میں ہے، حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ حدیثِ باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ارشاد "أتاني" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حسن بن محمد بن حنفیہ کا سوال ابوجعفر کی غیر موجودگی میں تھا اور یہ سوال حدیثِ سابق میں ابوجعفر

---

(۱) الإتقان، النوع الرابع والخمسون في كناياته وتعريضه: ۹٦/۲

(۲) الإتقان للسيوطي: ۹٦/۲

کے سوال کے علاوہ ہے، اس لیے کہ وہاں سوال غسل میں پانی کی کمیت (مقدار) کے بارے میں تھا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب "یکفیك صاع" سے مشعر ہے، اور یہاں حدیثِ باب میں سوال کیفیت غسل کے بارے میں ہے جو کہ سائل کے الفاظ "کیف الغسل" سے ظاہر ہے۔ دونوں روایتوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منازعت کرنے والا حسن بن محمد بن حنفیہ ہے، لہٰذا انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب کمیت (ایک صاع) کے بارے یہ کہا کہ "ما یکفیني" اور اس کا فی نہ ہونے کی علت اور وجہ نہیں بتلائی، جب کہ کیفیت سے متعلق سوال کے جواب "ثلاثة أکف" کے بارے میں کہا کہ "إني كثير الشعر" یعنی میرے لیے تین چلو کافی نہیں، مجھے تین سے زیادہ کی ضرورت پڑتی ہے، زیادہ ضرورت پڑنے کی علت کثرت شعر بتلائی، تو اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بطور تنبیہ کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بال تم سے زیادہ گھنے اور پاک تھے ان کے لیے تین چلو پانی کافی ہوتا تھا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات کو رد کیا کہ باب سابق کی روایت اور حدیث باب دو الگ الگ واقعات ہیں اور پہلی روایت میں سوال کمیت کے بارے میں اور دوسری میں کیفیت کے بارے تھا، وہ فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کو حدیث باب میں مصرح لفظ "کیف" سے اشتباہ ہوا ہے، حالاں کہ دونوں روایات ایک ہی واقعہ ہے اور دونوں میں سوال غسل جنابت کی کیفیت سے متعلق ہے، البتہ حدیثِ باب میں لفظ "کیف" کی صراحت ہے اور بابِ سابق کی روایت میں اسے اختصار کے پیش نظر حذف کیا گیا ہے، مگر مقصود اس میں بھی کیفیت ہی کا معلوم کرنا تھا اور لفظ "کیف" حالت پر دلالت کرتا ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں سوال کا جواب کمیت (مقدار) کو بتلا رہا ہے، اس لیے کہ بابِ سابق کی روایت میں سوال کے جواب میں "یکفیك صاع" اور حدیث باب میں سوال کے جواب میں "ثلاثة أکف" فرمایا اور یہ دونوں الفاظ کمیت ماء پر دلالت کر رہے ہیں۔(۳)

(۱) فتح الباري: ۲/ ٤٨٥، ٤٨٦

(۲) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۱

(۳) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۱

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ پر اشکال

علامہ عینی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا توجیہ پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں سوال حالتِ غسل کے بارے میں ہے اور جواب دونوں جگہ کمیت کے بارے میں ہے، (جب کہ اس طرح تو سوال وجواب میں مطابقت بھی نہیں پائی جارہی ہے؟۔)

اشکال کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حالت کیفیت ہی کو کہتے ہیں، غسل کی ایک حقیقت ہے اور ایک حالت، غسل کی حقیقت یہ ہے کہ سارے بدن پر پانی بہایا جائے اور حالت یہ ہے کہ غسل میں ایک صاع یا تین چلو کے بقدر پانی استعمال کیا جائے، روایات میں سوال حقیقت غسل کے بارے میں نہیں بلکہ حالت غسل کے بارے میں تھا، اسی وجہ سے دونوں جگہ پر ''کم'' کے ذریعہ جواب تھا۔

باقی رہی بات مطابقت کی تو کم اور کیف اگرچہ دوالگ الگ چیزیں ہیں، مگر ''عرض'' ہونے میں دونوں متحد ہیں، بایں طور کہ دونوں کا شمار مقولات تسع میں ہوتا ہے جو اعراض کے قبیل سے ہے، جن کا مقابل حقیقت (جوہر) ہوتا ہے، جب کہ یہاں پر نہ تو حقیقت کے متعلق سوال ہے اور نہ ہی جواب، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بیان حقائق کے لیے نہیں ہوئی، بلکہ بیان احکام کے لیے ہوئی اور احکام حقیقت کے عوارض میں سے ہیں، خواہ کیف کی قبیل سے ہوں یا کم کی، تو اس حیثیت سے (کہ کم وکیف دونوں کا تعلق عوارض سے ہے) سوال وجواب میں مطابقت ہو جاتی ہے۔(۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دو واقعے کہنے کی کچھ وجہ ظاہر نہیں ہوئی جب کہ وہی حسن بن محمد بن الحنفیہ ہیں اور وہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ، لہٰذا صرف اتنی سی بات ہے کہ وہاں مقدار بیان کرنی تھی اس کو بیان کر دیا اور یہاں کیفیت مقصود تھی اس کو ذکر فرمایا۔(۲)

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۱/۳

(۲) تقرير بخاري: ۸۱/۲، الكنز المتواري: ۱۹۶/۳، الأبواب والتراجم، ص: ۶۰

فقلت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يأخذ ثلاثة أكف

مین نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین چلو پانی لیتے تھے۔

کریمہ کی روایت میں "ثلاثة أكف" تاء کے ساتھ اور باقی حضرات کی روایت "ثلاث أكف" بغیر تا کے مروی ہے۔(۱)

أكف جمع ہے کف کی، کف ہاتھ (یعنی انگلیوں سمیت ہاتھ کے اندرونی حصہ (ہتھیلی) کو کہتے ہیں۔(۲)

اہل لغت کے نزدیک کف مؤنث ہے، کہا جاتا ہے: هذه كف واحدة.(۳)

ایک اشکال

یہاں اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ عدد و معدود کے قاعدہ کے مطابق تین سے لے کر نو تک اگر تمیز مذکر ہو تو عدد کو مؤنث لایا جاتا ہے اور اگر تمیز مؤنث ہو تو عدد کو مذکر لایا جاتا ہے، (۴) لہٰذا اس قاعدہ کے پیش نظر جب تمیز (أكف) مؤنث ہے تو عدد (ثلاث) بغیر تاء کے لانا چاہیے تھا، جب کہ روایت میں "ثلاثة" تاء کے ساتھ ہے۔

اشکال کا جواب

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ "ثلاثة" تاء کے ساتھ کریمہ کی روایت ہے، باقی حضرات کی روایت میں "ثلاث" بغیر تاء کے ہے، لہٰذا یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔

علامہ کرمانی کا جواب

باقی رہی بات کریمہ کی روایت میں "ثلاثة" تاء کے ساتھ ہے تو علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کے دو

(۱) فتح الباري: ۲/٤٨٦، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، تحفة الباري: ۱/۲۲۲، إرشاد الساري: ۱/٤٩٤، التوشيح: ۱/٢٤٤

(۲) لسان العرب: ۱۲/۱۲٤، القاموس الوحيد: ۲/١٤١٥

(۳) لسان العرب: ۱۲/۱۲٤، الصحاح للجوهري، ص: ۹۱۷

(٤) شرح الأشموني: ۳/۳۱٤

جواب دیئے ہیں:

۱-یہاں کف سے قدر کف، یا جو کچھ اس میں سماتا ہے یعنی پانی مراد ہے، اور وہ مذکر ہے۔

۲-یا کف سے مراد عضو ہے، وہ بھی مذکر ہے تو اب "ثلاثة" عدد کو مؤنث لانا درست ہو جائے گا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی پہلی رائے کو محل نظر اور دوسری کو درست قرار دیا ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ کف کا استعمال مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے ہوتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے عدد کو تاء کے ساتھ اور بغیر تاء کے بھی لانا درست ہے۔(یہی وجہ ہے کہ روایت میں دونوں طرح سے وارد ہے)۔(۲)

ثلاثة أكف کا مطلب

"ثلاثة أكف" کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ میں سے ہر دفعہ دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر پانی ڈالتے تھے، اس لیے کہ لفظ کف جنس ہے، ایک اور دو دونوں کا احتمال رکھتا ہے، جب کہ اسی باب کی پہلی حدیث میں "أشار بيديه" ہے جس میں دونوں ہاتھوں کی قید مذکور ہے، لہٰذا ثلاثة أكف مطلق کو اس مقید پر محمول کیا جائے گا۔(۳)

اسحاق بن راہویہ کی روایت میں مذکور "وبسط يديه" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جسے حسن بن صالح نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔(۴)

اس کی تفصیلی بحث اسی باب کی حدیث سابق کے الفاظ "ثلاثاً" کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۱۹، قال ابن منظور: فأما قول الأعشي: أرى رجلاً منهم أسيفاً كأنما يضم إلى كشحيه كفاً مخضباً، فإنه أراد الساعد فذكرّ وقيل: إنما أراد العضو. (لسان العرب: ۱۲/۱۲٤)

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۱، تحفة الباري: ۱/۲۲۲، إرشاد الساري: ۱/٤۹٤

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۱۹، فتح الباري: ۲/٤۸٦، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، إرشاد الساري: ۱/٤۹٤، تحفة الباري: ۱/۲۲۲

(٤) فتح الباري: ۲/٤۸٦، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، إرشاد الساري: ۱/٤۹٤

ويفيضها على رأسه

کشمیہنی اور اصیلی کی روایت میں فيفيضها ''واؤ'' کی جگہ ''فاء'' کے ساتھ ہے، جب کہ على رأسه کے الفاظ ابوذر کی روایت میں ساقط ہوئے ہیں اور ایک نسخہ میں علیٰ حرف جر کے بغیر صرف ''رأسه'' نصب کے ساتھ مروی ہے۔(۱)

ثم يفيض على سائر جسده

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باقی (پورے) بدن پر پانی بہاتے تھے۔

یہاں یفیض کا مفعول ''الماء'' محذوف ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ ماقبل ثلاثة أكف پر عطف کی وجہ سے یہاں بھی ثلاثة أكف مفعول محذوف کیوں نہیں مانا جاتا ہے؟

شراحِ حدیث نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ عام طور سے عادتاً تین چلو پانی باقی سارے بدن کے لیے ناکافی ہیں، اس لیے یفیض کا مفعول ''الماء'' محذوف نکالا جاتا ہے۔(۲)

فقال لي الحسن: إني رجل كثير الشعر

اس پر حسن نے مجھ سے کہا کہ میں بہت بالوں والا آدمی ہوں۔

حسن سے مراد حسن بن محمد بن الحنفیہ ہے۔(۳)

''إني رجل كثير الشعر'' مطلب یہ ہوا کہ میرے بال زیادہ ہیں، میرے لیے تین چلو پانی ناکافی ہے۔(۴)

فقلت: كان النبي صلى الله عليه وسلم أكثر منك شعراً

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے جواب میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/٤۹٤، تحفة الباري: ۱/۲۲۲، عمدة القاري: ۳/۳۰۱

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۱۹، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، تحفة الباري: ۱/۲۲۲

(۳) إرشاد الساري: ۱/٤۹٤

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۱۹، عمدة القاري: ۳/۳۰۱

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تمہارے بالوں سے زیادہ تھے اور انہیں اتنی مقدار پانی کی کافی ہو جاتی تھی، لہٰذا جو مقدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہو جاتی تھی اس پر زیادتی غلو اور تکلف ہے اور بڑائی پسندی کی بات ہے، ممکن ہے کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے ایسا ہو، تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں۔(۱)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمہ میں سر پر تین چلو پانی بہانے کا ذکر ہے اور حدیث میں "كان النبي صلى الله عليه وسلم يأخذ ثلاثة أكف ويفيضها على رأسه" میں تین چلو پانی سر پر بہانے کی صراحت ہے، جس سے بغیر کسی خفا کے ترجمہ ثابت ہوتا ہے۔

حدیث سے مستنبط شدہ اُمور

اس حدیث سے درج ذیل امور مستنبط ہوتے ہیں:

۱- سر پر تین چلو پانی ڈالنے پر اکتفا کرنا چاہیے، اگرچہ بال بہت زیادہ ہوں۔(۲)

۲- باقی جسم پر پانی بہانے سے پہلے سر پر تین چلو پانی ڈالنا مستحب ہے۔(۳)

۳- دینی امور میں علماء سے سوال پر ابھارا گیا ہے۔(۴)

۴- اگر مسئلہ کا علم ہو تو اس کا جواب دینا ضروری ہے۔(۵)

۵- اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تین چلو پانی استعمال کرنے کی تھی۔(۶)

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸٦، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، إرشاد الساري: ۱/٤۹٤

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۱، شرح ابن بطال: ۱/۳۸٤

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۱۹، عمدة القاري: ۳/۳۰۱، شرح ابن بطال: ۱/۳۸٤

(٤) عمدة القاري: ۳/۳۰۱

(٥) عمدة القاري: ۳/۳۰۱

(٦) عمدة القاري: ۳/۳۰۱

٥ - باب : اَلْغُسْلُ مَرَّةً وَاحِدَةً .

ایک ہی بار نہانا

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ سے مقصود غسل میں جسم کا ایک بار دھونے کے حکم کو بیان کرنا ہے۔(۱)

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باب سابق میں جس غسل کا ذکر ہوا وہ درجہ کمال واستیعاب ہے، اگر وقت یا پانی کی قلت ہو تو صرف ایک مرتبہ پانی ڈالنا بھی کافی ہوسکتا ہے اور ادائے فرض کے لیے یہی کافی ہے۔(۲)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے غسل میں ایک بار جسم دھونے کا ذکر کیا ہے، گویا ترجمہ بیان جواز کے لیے ہے، وهو جائز عندنا أيضاً اور وہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔(۳) یہی بات حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی فرمائی کہ "هو جائز ثابت".(۴)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقرب اور ظاہر یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی اکثر روایات میں تثلیث فی الغسل وارد ہوا ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ تثلیث واجب نہیں، بلکہ جس طرح وضو میں درجہ فرض مرۃ مرۃ (یعنی ایک بار دھونا) ہے، اسی طرح غسل میں بھی فرض ایک بار

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۰۱، تحفة الباري: ۱/۲۲۲

(۲) فضل الباري: ۲/٤۳۱

(۳) انوار الباري: ۹/۱۹۷، فيض الباري: ۱/٤٥٥

(٤) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۱۸

دھونا ہے اور اس پر اقتصار جائز ہے۔(۱) (باقی رہی بات تثلیث والی روایات کی تو وہ استیعاب پر محمول ہیں)۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی ایک روایت کی طرف اشارہ

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شروع میں نمازیں پچاس اور غسل جنابت سات مرتبہ فرض ہوا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کرتے رہے، یہاں تک کہ نمازیں پچاس کی صرف پانچ رہ گئیں اور غسل جنابت ایک بار رہا۔(۲)

ممکن ہے کہ امام بخاری کا اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہو کہ سات مرتبہ کا حکم منسوخ ہے، یہ ابتدائے اسلام کا حکم تھا، اب ایک مرتبہ کا غسل بھی کافی ہے۔(۳) چوں کہ یہ حدیث علی شرط البخاری نہیں تھی اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

حدیث باب

٢٥٤ : حدَّثنا مُوسَى قَالَ : حدَّثنا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : قَالَتْ مَيْمُونَةُ(٤) : وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاءً لِلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ.
[ر : ٢٤٦]

---

(١) الكنز المتواري: ١٩٦/٣، تقرير بخاري: ٨١/٢

(٢) الحديث، أخرجه أبوداؤد في سننه وقال: حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا أيوب بن جابر عن عبدالله بن عُصْم، عن عبد الله بن عمر قال: "كانت الصلاة خمسين والغسل من الجنابة سبع مرارٍ وغسل البول من الثوب سبع مرار، فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يسأل حتى جعلت الصلاة خمساً والغسل من الجنابة مرّة وغسل البول من الثوب مرّة". (كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ٢٤٧)

(٣) تقرير بخاري: ٨١/٢

(٤) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه أيضاً في كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحديث: ٢٤٩، وأخرجه أيضاً في الكتاب نفسه، في باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة، رقم: ٢٥٩،=

(ترجمہ:) ہم سے موسیٰ (بن اسماعیل) نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالواحد (بن زیاد) نے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا کہ (اُم المؤمنین) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے) اپنے ہاتھ دو مرتبہ، یا تین مرتبہ دھوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈلا اور اپنی شرمگاہوں کو دھویا، پھر اپنا (بایاں) ہاتھ زمین پر رگڑا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے، پھر اپنے (باقی) سارے بدن پر پانی بہایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ (جہاں غسل فرمارہے تھے) سے ہٹ گئے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

= بنحوه، وفيه أيضاً، باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقى، رقم: ٢٦٠، وفيه أيضاً، باب تفريق الوضوء والغسل، رقم: ٢٦٥، بنحوه مختصراً، وفيه أيضاً، باب من أفرغ بيمينه على شماله في الغسل، رقم: ٢٦٦، بنحوه، وفيه أيضاً، باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعد غسل مواضع الوضوء منه مرةً أخرى، رقم: ٢٧٤، بنحوه، وفيه أيضاً، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم: ٢٧٦، وفيه أيضاً في باب التستر في الغسل عند الناس، رقم: ٢٨١، مختصراً نحوه وفيه أيضاً، باب الغسل بالصاع ونحوه، رقم: ٢٥٣، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، رقم: ٧٦٤، مختصراً، وفيه أيضاً باب صفة غسل الجنابة، رقم: ٧٢٢، وأخرجه أبوداؤد في سننه مطولاً في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٥، وأخرجه الترمذي في جامعه في كتاب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، بنحوه مختصراً، وقال هذا حديث حسن صحيح، رقم: ١٠٣، وأخرجه النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم: ٢٥٣، وأيضاً في كتاب الغسل والتيمم، باب إزالة الجنب الأذى عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه، مختصراً، رقم: ٤١٨، وأيضاً في الكتاب نفسه، باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج: ٤١٩، وفيه أيضاً باب الاستتار عند الغسل، مختصراً، رقم: ٤٠٦، وفيه أيضاً، باب الغسل مرة واحدة، رقم: ٤٢٨، وأخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة وسننها، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل، مختصراً، رقم: ٤٦٧، انظر جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، وتحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

تراجم رجال

موسیٰ

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۱) اور کتاب العلم، باب: من أجاب الفتیا بإشارۃ الید والرأس کی پہلی حدیث ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔(۲)

عبدالواحد

یہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے حالات، کتاب الإیمان، باب الجھاد من الإیمان کی پہلی حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

الأعمش

یہ ابومحمد سلیمان بن مہران اسدکوفی رحمہ اللہ ہیں، اعمش ان کا لقب ہے، ان کے احوال کتاب الإیمان، باب ظلم دون ظلم کی پہلی روایت کے ذیل میں لکھے جا چکے ہیں۔(۴)

سالم بن أبي الجعد

یہ سالم بن ابی الجعد رافع اشجعی ہیں،(۵) ان کے حالات کتاب الوضو، باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع، کے تحت گذر چکے ہیں۔

کُریب

یہ کریب بن ابی مسلم قرشی رحمہ اللہ ہیں، ان کے احوال، کتاب الوضوء باب التخفیف في الوضوء کے ذیل

(۱) دیکھیے، کشف الباري: ۱/۴۳۳، ۴۳٤

(۲) دیکھیے، کشف الباري: ۳/٤۷۷-٤۷۹

(۳) دیکھیے، کشف الباري: ۲/۳۰۱-۳۰۳

(٤) دیکھیے، کشف الباري:: ۲/۲۵۱-۲۵۳

(۵) تھذیب التھذیب: ۳/٤۳۲

میں گذر چکے ہیں۔

ابن عباس رضي الله عنهما

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں، آپ کے حالات بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۱) اور کتاب الإیمان، باب کفران العشیر وکفر دون کفر (۲) کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں۔

ميمونة رضي الله عنها

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ، اُم المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، باب السمر في العلم کی دوسری حدیث کے ذیل میں لکھے جاچکے ہیں۔ (۳)

شرح حدیث

وضعت للنبي صلى الله عليه وسلم ماء للغسل فغسل يديه

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔

يديه

"یدیہ" تثنیہ کے ساتھ، کشمیہنی کی روایت ہے، جب کہ حموی اور مستملی وغیرہ کی روایت "یدہ" مفرد وارد ہوا ہے۔ (۴)

مرتين أو ثلاثاً

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ) دو یا تین مرتبہ دھوئے۔

---

(۱) دیکھیے، کشف الباري: ۱/۴۳۵-۴۳۷

(۲) دیکھیے، کشف الباري: ۲/۲۰۵

(۳) کشف الباري: ۲/۴۲۰-۴۲۲

(٤) فتح الباري: ۲/٤٨٦، عمدة القاري: ۳/۳۰۲، تحفة الباري: ۱/۲۲۲، إرشاد الساري: ۱/٤٩٥

مرتین أو ثلاثاً میں شک کس کی طرف سے ہے

دو مرتبہ دھوئے یا تین مرتبہ دھوئے، اس میں شک ہے، یہ شک کس کی طرف سے ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یا حضرت اعمش رحمہ اللہ کی طرف سے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے شک کی نسبت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "شك من ميمونة". (۱)

شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے شک کی نسبت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اعمش دونوں کی طرف کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "الشك من الأعمش أومن ميمونة". (۲) یعنی شک اعمش کی طرف سے ہے یا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے، دونوں کا احتمال ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ یہاں شک اعمش کی طرف سے ہے، جیسا کہ عن قریب ابوعوانہ کی اعمش سے روایت میں آئے گا، علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے شاید ابوعوانہ کی اعمش والی روایت کو نظر انداز کر دیا ہے، یا اس کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی اس وجہ سے انہوں نے شک کی نسبت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف کردی ہے۔ (۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اتنی بات میں تو حافظ صاحب رحمہ اللہ کی تائید کی ہے کہ شک اعمش کی طرف سے ہے، البتہ وہ فرماتے ہیں کہ ابوعوانہ کی اعمش سے روایت جو "باب من أفرغ بيمينه علىٰ شماله في الغسل" میں مذکور ہے اس کے الفاظ فغسلهما مرة أومرتين" سے معلوم ہوتا ہے کہ شک ایک اور دو مرتبہ دھونے میں ہے، جب کہ حدیث باب میں "مرتين أو ثلاثاً" سے معلوم ہوتا ہے کہ شک دو اور تین مرتبہ دھونے میں ہے، تو گویا حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ابوعوانہ کی روایت سے مطلقاً شک کا اعمش کی طرف سے ہونے کو

(۱) شرح الكرماني: ۳/ ۱۱۹

(۲) تحفة الباري: ۱/ ۲۲۲، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۵

(۳) فتح الباري: ۲/ ۱۵۲

ثابت کیا ہے، جب کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اعمش کی طرف سے شک کو بتلانے کے علاوہ دونوں روایتوں میں موضع شک کی بھی تعیین کردی ہے۔(۱)

ثم أفرغ على شماله

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا۔

شِمال شین کے کسرہ کے ساتھ یمین کی ضد ونقیض (بائیں) کو کہتے ہیں۔ اَشْمُلٌ، شُمُلٌ اور شَمائلٌ اس کی جمع آتی ہے،(۲) یہاں شمال سے مراد بایاں ہاتھ ہے۔ شَمال شین کے فتحہ کے ساتھ جنوب کی ضد کو کہتے ہیں۔(۳)

فغسل مذاكيره

پھر اپنی شرمگاہوں کو دھویا۔

مذاکیر جمع ہے ذکر کی، عضو مخصوص کو کہتے ہیں اور یہ جمع خلاف قیاس ہے، گویا اس جمع کے ذریعہ سے اہل عرب ذکر بمعنی عضو مخصوص اور اس ذکر کے درمیان فرق کرتے ہیں جو ذکر (مرد) انثی کے مقابلے میں آتا ہے(۴) چناں چہ ذکر بمعنی فحل کی جمع ذُکورٌ، ذُکْرانٌ اور ذِکارةٌ وغیرہ (حجارة کے وزن پر آتی) ہے۔(۵)

بعض نے کہا کہ مذاکیر کا واحد مذکار ہے(۶)

امام اخفش کہتے ہیں جیسا کہ ابن التین نے ان سے نقل کیا ہے کہ مذاکیر وہ جمع ہے جس کا کوئی واحد نہیں ہے، جیسا کہ ابابیل وغیرہ کا کوئی واحد نہیں۔(۷)

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۲/۳

(۲) لسان العرب: ۱۹۹/۷، الصحاح، ص: ۵۶۳، شرح الكرماني: ۱۱۹/۳

(۳) شرح الكرماني: ۱۱۹/۳، القاموس الوحيد: ۸۹۰/۱

(٤) لسان العرب: ۵۰/۵، فتح الباري: ٤٨٦/٢، عمدة القاري: ۳۰۲/۳

(٥) لسان العرب: ٤٩/٥، التوضيح: ٥٦٢/٤

(٦) فتح الباري: ٤٨٦/٢

(٧) لسان العرب: ٥٠/٥، التوضيح: ٥٦٢/٤، شرح الكرماني: ١١٩/٣

اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ ابابیل کا واحد تو اُبول آتا ہے جیسا کہ عجاجیل کا واحد عجول ہے؟

جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مذاکیر بھی مذکار کی جمع ہے، البتہ اہل لسان نے اس کے استعمال کو ترک کر دیا ہے(۱) علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ مذاکیر کے مفرد مذکار کا استعمال اہل عرب کے ہاں یوں متروک ہے جیسا کہ شریعت منسوخہ متروک ہے۔(۲)

مذاکیر کو جمع لانے کی غرض

مذاکیر جمع ذکر بمعنی عضو مخصوص تو ایک ہوتا ہے تو پھر اس کو جمع کیوں لے کر آئے؟ شراحِ حدیث نے اس کا یہ جواب دیا ہے جیسا کہ حافظ صاحب نے ابن خروف سے نقل کیا ہے کہ جسد انسانی میں اگر چہ ذکر ایک ہی ہوتا ہے، مگر اس کو مذاکیر جمع اس لیے لے کر آئے کہ اس سے خصیتین وغیرہ کے دھونے کو بھی بیان کرنا تھا تو گویا ذکر، خصیتین وغیرہ مجموع کے ہر جز کو دھونے کے حکم میں بمنزلہ ذکر ٹھہرایا اور اس کو ذکر کا نام دیا۔(۳)

علامہ کورانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کورانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذاکیر کا کوئی مفرد نہ ہو جیسا کہ امام اخفش کہتے ہیں، یا اس کا مفرد ذکر بمعنی عضو مخصوص مانا جائے (جیسا کہ اہل لغت کہتے ہیں)، بہر حال جس تقدیر کو بھی لیا جائے تو انسانی بدن میں ذکر صرف ایک ہی عضو کو کہتے ہیں، یہاں حدیث میں مذاکیر کو ذکر کے ساتھ خصیتین وغیرہ کے دھونے کا حکم بیان کرنے کے پیش نظر جو جمع لایا گیا ہے وہ بطور تغلیب کے ہے۔(۴)

ثم مسح یده بالأرض

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا۔

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۲/۳

(۲) شرح الكرماني: ۱۲۰/۳

(۳) فتح الباري: ۴۸۶/۲، شرح الكرماني: ۱۲۰/۳، عمدة القاري: ۳۰۲/۳

(٤) الكوثر الجاري: ٤١٣/١، ٤١٤

''يدہ'' میں ید مفرد ہے،(۱) مراد بایاں ہاتھ ہے، مقصد اس رگڑنے کا نجاست کے اثرات اگر ہاتھ پر ہوں تو ان کو زائل کرنا اور ہاتھ کو خوب پاک کرنا ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے ''باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ'' کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔

ثم أفاض علىٰ جسده

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (باقی) جسم پر پانی بہایا۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت کے سلسلہ میں شراحِ حدیث نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں:

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی توجیہ

ابن بطال رحمہ اللہ نے حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ ''ثم أفاض على جسده'' کو موضع ترجمہ قرار دیا ہے کہ اس میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مطلق طور پر پانی بہانے کا ذکر کیا ہے، اس کو کسی عدد کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، تو کم سے کم عدد یعنی ایک پر محمول کریں گے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''موضع الترجمة من الحديث في قوله: "ثم أفاض على جسده"، ولم يذكر مرة ولا مرتين، فيحمل على أقل مايسمىٰ غسلاً وهو مرة واحدة".(۲)

یعنی ترجمہ کا ثبوت حدیث کے الفاظ ''ثم أفاض على جسده'' سے ہوتا ہے، کیوں کہ راوی نے ایک اور دو مرتبہ کا ذکر نہیں کیا، یعنی ''ثم أفاض'' کو کسی عدد کے ساتھ مقید نہیں کیا، تو اس کو کم از کم جس مقدار کو غسل کا نام دیا جاتا ہے اس پر محمول کیا جائے گا اور وہ ایک مرتبہ ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ (۳)، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۴) اور ابن ملقن رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ کا

(۱) إرشاد الساري: ۱/۴۹۵

(۲) شرح ابن بطال: ۱/۳۸۵

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۲۰

(٤) إرشاد الساري: ۱/٤٩٥

مذکورہ بالا قول ہی مناسبت ترجمہ نقل فرمایا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ کا قول بالا نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اقلِ عدد ایک مرتبہ ہے اسی پر محمول کیا جائے گا، کیوں اصل یہی ہے کہ اس پر زیادتی نہ ہو، گویا تکرار مراد لینا اصل کے خلاف ہے۔(۲)

علامہ ابوالحسن سندی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالہادی السندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بایں طور ہے کہ حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کررہا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی کیفیت کو مکمل طور سے بیان کرنا ہے، چناں چہ (ثم أفاض میں) متعدد مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی بہایا ہوتا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان مقصود کی تکمیل کی خاطر اسے ضرور ذکر فرماتیں، جیسا کہ ہاتھ دھونے کی تعداد کا ذکر فرمایا ہے، تو ایک ایسے مقام پر پانی بہانے کی تعداد کا ذکر نہ کرنا (جہاں ہاتھ دھونے کی تعداد کا ذکر ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ پانی بہانے کی تعداد ایک بار ہے۔(۳)

ابن بطال وغیرہ کی بیان کردہ تطبیق پر نقد

اس کے بعد علامہ سندی رحمہ اللہ نے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ وغیرہ کی بیان کردہ تطبیق پر نقد کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ تو یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی کے لیے ایک مرتبہ پانی بہانا کافی ہے، جب کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک واقعہ کی حکایت کررہی ہیں، جس سے یہ معلوم نہیں ہورہا کہ اس کی کیا کیفیت تھی، آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پانی بہایا تھا، یا اس سے زیادہ؟ یہ معلوم نہیں ہورہا ہے، لہٰذا یہ کہہ کر کہ یہاں افاضہ ماء کسی عدد کے ساتھ مقید نہیں اور اقل عدد ایک ہے اور اصل یہ ہے کہ اس پر زیادتی نہ ہو، اس عدم ذکرِ عدد سے عدم واقعہ پر استدلال نہیں ہوسکتا۔(۴)

---

(۱) التوضيح: ٥٦٢/٤

(۲) فتح الباري: ٤٨٦/٢

(۳) صحيح البخاري بحاشية السندي: ٥٧/١

(٤) صحيح البخاري بحاشية السندي: ٥٧/١

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے "ثم أفاض علی جسدہ" کے الفاظ کو موضع ترجمہ قرار دیا ہے، البتہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے مراجعت طرق کے بعد اس بات میں تردد ہوگیا کہ آیا واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پر اکتفا بھی کیا تھا یا نہیں؟ میرا خیال ہے کہ آپ نے اس واقعہ میں بھی حسب عادت مبارکہ تین مرتبہ ہی جسم اطہر کو دھویا ہوگا، اگر اس واقعہ میں بھی تثلیث مراد ہو تو پھر ترجمہ صرف بیان مسئلہ کے لیے ہوگا۔(۱)

علامہ کورانی، علامہ عثمانی اور شیخ الحدیث رحمہم اللہ کی رائے

علامہ کورانی رحمہ اللہ (۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۳) اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندہلوی رحمہ اللہ (۴) کی رائے کا حاصل یہ ہے کہ موضع ترجمہ "ثم أفاض علی جسدہ" ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھوں کو دھونے میں دو اور تین کے عدد کو ذکر کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ باقی بدن پر پانی بہانے کی تعداد کا ذکر نہیں فرمایا، اگر یہاں عدد کا ذکر ہوتا تو ضرور نقل فرماتیں، جیسا کہ ہاتھوں کو دھونے میں عدد کا تذکرہ فرمایا، تو گویا اس مقام پر تعداد کا بیان نہ کرنا اور سکوت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تکرار واقعتاً نہیں کیا گیا، موقع تکرار کا سکوت دلیل وحجت بن سکتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ (۵)، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۶) اور علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ (۷) فرماتے ہیں

---

(۱) فیض الباري: ۱/۴۵۵

(۲) الکوثر الجاري: ۱/۴۱۴

(۳) فضل الباري: ۲/۴۳۲

(٤) الکنز المتواري: ۳/۱۹٦

(۵) عمدة القاري: ۳/۳۰۲

(٦) إرشاد الساري: ۱/۴۹۵

(۷) تحفة الباري: ۱/۲۲۲

کہ حدیث کے الفاظ "ثم أفاض" قلیل (ایک بار) وکثیر دونوں کو شامل ہیں، لہٰذا قلیل کے لحاظ سے ترجمہ کی مطابقت ظاہر ہے اور اس سے ترجمہ ثابت ہو جاتا ہے۔

فائدہ

علامہ کرمانی، علامہ قسطلانی اور علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ غسل جنابت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ استنجا کے بعد دوبارہ محل استنجا کو غسل جنابت کی نیت سے دھولے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو ممکن ہے کہ دوران غسل اسے دھونا یاد نہ رہے تو بعض بدن کے نہ دھونے کی وجہ سے اس کا غسل نہ ہوگا، اور اگر غسل کے بعد یاد آیا تو شرمگاہ کو چھونے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، یا پھر مس فرج سے بچنے کے لیے ہاتھ پر کپڑا وغیرہ لپیٹنے کا تکلف کرنا ہوگا۔ (۱)

تنبیہ

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ ساری تفصیل امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ہے، حنفیہ کے ہاں تو غسل جنابت میں صرف ایک دفعہ ابتدا میں نیت کافی ہے، ہر عضو کو دھوتے ہوئے دوبارہ نیت کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں، (۲) اسی طرح استنجا کے بعد دوبارہ شرمگاہ کو دھونے کی حاجت بھی نہیں، یا اگر شرمگاہ کو دھونا بھول گیا تو دوران غسل یا غسل کے بعد یاد آیا تو اب دھو سکتا ہے، مس فرج سے احناف کے ہاتھ وضو نہیں ٹوٹتا، كما مر في أبواب الوضوء.

حدیث سے مستنبط شدہ اُمور

حدیث باب سے شراح حدیث نے درج ذیل امور کو مستنبط فرمایا ہے:

۱۔ غسل جنابت سے پہلے دونوں ہاتھوں کا تین دفعہ دھونا مستحب ہے۔ (۳)

۲۔ غسل جنابت سے قبل بائیں ہاتھ سے استنجا کرنا اور بائیں ہاتھ کو زمین کے ساتھ رگڑنا۔ (۴)

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۰، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۵، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

(۲) الكوثر الجاري: ۱/ ۴۱۴

(۳) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۰، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

(۴) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۰، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

۳-مضمضہ اور استنشاق یعنی منہ اور ناک میں پانی ڈالنا۔(۱)
۴-غسل جنابت سے قبل وضو کرنا، البتہ حدیث باب میں مسح رأس کا ذکر نہیں ہے۔(۲)
۵-"ثم أفاض على جسده" سے معلوم ہو رہا ہے کہ دلك غسل میں سنت ہے، واجب نہیں۔(۳)

٦ - باب : مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ .

حلاب (دودھ کے برتن) یا خوشبو سے غسل شروع کرنا

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ ترجمۃ الباب معرکۃ الآرا اور مبہمات تراجم میں شمار کیا جاتا ہے، قدیم وحدیث ائمہ وشراح حدیث کے نزدیک اس ترجمہ کی مطابقت حدیث الباب سے مشکل سمجھی گئی ہے، شراح حدیث اور مشائخ نے اس مشکل کو حل کرنے کی سعی فرمائی ہے، ان کی آرا اس بارے میں مختلف ہیں، ترجمہ ہذا کا مقصد بیان کرنے میں ائمہ شراح حدیث کے تین فریق بن گئے ہیں، ایک فریق تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تغلیط کرتا ہے، دوسرا فریق امام بخاری کے ترجمہ کی وجہ سے روایت کو غیر مشہور معنی کی طرف پھیرتا ہے اور تیسرا فریق روایت کو اپنی جگہ رکھ کر ترجمہ کی ایسی مناسب تاویل کرنا چاہتا ہے کہ اس سے روایت اور ترجمہ میں مطابقت ہو جائے۔(۴)

فریق اول کی رائے

فریق اول جس نے امام بخاری رحمہ اللہ کی تغلیط کی اور ان کی طرف وہم کی نسبت کی ہے، اس جماعت وفریق کے پیش رو امام اسماعیلی رحمہ اللہ ہیں۔

امام اسماعیلی رحمہ اللہ کی رائے

چناں چہ امام اسماعیلی رحمہ اللہ اپنی مستخرج میں فرماتے ہیں:

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۰، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

(۲) التوضيح لابن الملقن: ٤/ ٥٦٣

(۳) التوضيح لابن الملقن: ٤/ ٥٦٣

(٤) فتح الباري: ۲/ ٤٨٧، لامع الدراري: ۲/ ۲۰۹، ۲۱۰

"رحم الله أبا عبدالله -يعني البخاري- من ذا الذي يسلم من الغلط، سبق إلى قلبه أن الحلاب طيب، وأي معنى للطيب عند الاغتسال قبل الغسل، وإنما الحلاب إناء وهو ما يحلب فيه، يسمىٰ حلاباً ومحلباً، قال: وفي تأمل طرق هذا الحديث بيان ذلك".(١)

(ترجمہ): ''اللہ تعالیٰ ابوعبداللہ یعنی امام بخاری پر رحم فرمائے، کون غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے، ان کے دل میں یہ خیال اتر گیا کہ حلاب خوشبو ہے، حالاں کہ غسل کے وقت غسل سے پہلے خوشبو کے کیا معنی ہیں؟ جو آدمی روایت کے طرق پر غور وفکر کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ حلاب وہ برتن (ظرف) ہے جس میں دودھ دوہا جاتا ہے، اسے حلاب اور محلب بھی کہا جاتا ہے۔''

روایت کے مختلف طرق کی وضاحت

امام اسماعیلی رحمہ اللہ نے مختلف طرقِ حدیث کی طرف جو اشارہ فرمایا ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ اس روایت کو خود امام اسماعیلی نے بطریق مکی بن ابراہیم حنظلہ سے "نحو الحلاب" کی جگہ "كان يغتسل بقدح" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اسی روایت میں "كان يغسل يديه ثم يغسل وجهه ثم يقول بيده ثلاث غرف" کا اضافہ بھی نقل کیا ہے۔(۲)

امام جوزقی نے بطریق حمدان السلمی ابوعاصم سے "اغتسل فأتي بحلاب فغسل شق رأسه الأيمن" کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔(۳)

ان دونوں روایتوں میں "اغتسل" اور "يغسل" اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ حلاب سے مراد پانی کا برتن ہے، نہ کہ (خوشبو) یا خوشبو کا برتن۔(۴)

(١) فتح الباري: ٤٨٧/٢، عمدة القاري: ٣٠٣/٣، لامع الدراري مع تعليقات الشيخ زكريا: ٢١٠/٢

(٢) فتح الباري: ٤٨٨/٢، عمدة القاري: ٣٠٣/٣، الكنز المتواري: ١٩٩/٣

(٣) فتح الباري: ٤٨٨/٢

(٤) فتح الباري: ٤٨٨/٢

امام اسماعیلی نے بطریق بندار ابو عاصم سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"كان إذا أراد أن يغتسل من الجنابة، دعا بشيء دون الحلاب، فأخذ بكفه، فبدأ بالشق الأيمن، ثم الأيسر، ثم أخذ بكفيه ماء، فأفرغ على رأسه".(۱)

اگر اس روایت میں "ماء" کے الفاظ نہ ہوتے تو اسے تطیب قبل الغسل پر محمول کیا جا سکتا تھا، لیکن "ماء" کے الفاظ حلاب کے پانی کے برتن ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔(۲)

ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

"كان يغتسل من حلاب".(۳)

جب کہ ابو عوانہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بطریق یزید بن سنان ابو عاصم سے نقل کیا ہے:

"كان يغتسل من حلاب، فيأخذ غرفة بكفيه، فيجعلها على شقه الأيمن، ثم الأيسر كذلك".(٤)

ان روایات میں "يغتسل" اور "غرفة" بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حلاب پانی کا ایک برتن ہے۔(۵)

ابن حبان رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ کی روایات میں "ثم يصب على شق رأسه الأيمن" کے الفاظ

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸۸، عمدة القاري: ۳/۳۰۳، الكنز المتواري: ۳/۱۹۷

(۲) فتح الباري: ۲/۴۸۸

(۳) أخرجه ابن خزيمة في صحيحه، كتاب الوضوء، باب استحباب بدء المغتسل بإفاضة الماء على الميا من قبل المياسر: ۱/۱۲۲، رقم الحديث: ۲٤٥، وأخرجه ابن حبان في صحيحه ولفظه: يغتسل في حلاب، وهو صريح فيما نحن بصدده، كتاب الطهارة، باب الغسل، ذكر وصف الغرفات الثلاث التي وصفناه للمغتسل من الجنابة: ۳/۷٦۹، رقم: ۱۱۹۷

(٤) أخرجه أبو عوانة في مسنده، كتاب الطهارة، باب صفة الأواني التى كان يغتسل منها رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجنابة...... ۱/۲۳۸، رقم الحديث: ۸۵۳

(۵) فتح الباري: ۲/٤۸۹، عمدة القاري: ۳/۳۰۳، الكنز المتواري: ۳/۱۹۷

وارد ہوئے ہیں۔(۱)

خوشبو کے لیے عربی میں "صب" کی تعبیر استعمال نہیں کی جاتی ہے، "صب" کا لفظ پانی کے بہانے پر بولا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حلاب سے مراد پانی کا برتن ہے نہ کہ خوشبو۔(۲)

ان تمام طرق روایت پر نظر اور غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ حلاب پانی کا ایک برتن ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "السنن الکبریٰ" میں امام بخاری والی روایت محمد بن عبداللہ سے روایت کرنے کے بعد بواسط ابوعمر الادیب امام ابوبکر اسماعیلی سے نقل کیا ہے:

الحلاب: الإناء وهو ما يحلب فيه، يسمىٰ حلاباً. (۳) یعنی حلاب وہ برتن ہے جس میں دودھ دوہا جاتا ہے، اسے حلاب کہتے ہیں۔

امام خطابی کی رائے

امام خطابی رحمہ اللہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف وہم کی نسبت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"الحلاب: إناء يسع قدر حلبة ناقة وهو المحلب، بكسر الميم".(۴)

یعنی حلاب وہ برتن ہے جس میں اونٹنی کے ایک مرتبہ دودھ دوہنے کی مقدار سما سکے، میم کے کسرہ کے ساتھ اس کو محلب کہتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

"وقد تأوله البخاري على استعمال الطيب في الطهور، وأحسبه توهم أنه أريد به المحلب الذي يستعمل في غسل الأيدي، وليس الحلاب من

---

(۱) أخرجه ابن حبان في صحيحه، كتاب الطهارة، باب الغسل، ذكر وصف الغرفات الثلاث التي وصفناه للمغتسل من الجنابة: ۳/۶۹، رقم الحديث: ۱۱۹۷ والبيهقي في السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب استحباب البداية فيه بالشق الأيمن: ۱/۲۸۴، رقم: ۸۷۲

(۲) فتح الباري: ۲/۴۸۹، عمدة القاري: ۳/۳۰۳

(۳) السنن الكبرىٰ: ۱/۲۸۴

(۴) غريب الحديث: ۱/۱۶۲، أعلام الحديث: ۱/۳۰۲

الطيب في شيء، وإنما هو ما فسرت لك".(۱)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے حلاب کو طہارت حاصل کرتے وقت استعمال طیب (خوشبو) پر محمول کیا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ ان کو وہم ہوا ہے کہ اس سے وہ محلب مراد ہے جو ہاتھوں کو دھونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، حالاں کہ حلاب کا خوشبو سے کوئی تعلق نہیں، حلاب تو برتن ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

حلاب کے برتن (ظرف) ہونے پر ابو فاید کے شعر سے استشہاد

اہل عرب حلاب برتن (ظرف) کے لیے استعمال کرتے ہیں، چناں چہ امام خطابی رحمہ اللہ نے حلاب کے ظرف ہونے پر مشہور شاعر ابو فاید اسماعیل بن یسار نسائی کے اس شعر سے استشہاد پیش کیا ہے:

صاحِ! هل رأيت أو سمعت براعٍ

رد في الضرع ما قرى في "الحلاب".(۲)

(ترجمہ): اے آواز لگانے والے! تو نے کوئی ایسا چرواہا دیکھا ہے، یا اس کے بارے میں سنا کہ اس نے حلاب یعنی دوہنی (برتن) میں جمع دودھ کو اونٹنی کے پاک یعنی تھنوں میں واپس لوٹا دیا ہو۔

ابن جوزی رحمہ اللہ کی رائے

ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی تغلیط کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وقد غلط جماعة في تفسيره، منهم البخاري، فإنه ظن الحلاب شيأ من الطيب...... وكأنه توهم أن الحلاب هو المحلب الذي يستعمل في غسل الأيدي".(۳)

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۲۱، فتح الباري: ۲/۴۸۷، الكنز المتواري: ۳/۱۹۷

(۲) أعلام الحديث: ۱/۳۰۲، فتح الباري: ۲/۴۸۷

(۳) كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي: ۴/۲۶۰، الكنز المتواري: ۳/۱۹۷، عمدة القاري: ۳/۳۰۳

یعنی حلاب کا معنی بیان کرنے میں ائمہ کی ایک جماعت سے غلطی ہوئی ہے، ان میں سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی ہیں، انہوں نے سمجھا کہ حلاب کوئی خوشبو ہے...... گویا انہیں یہ وہم ہوا ہے کہ حلاب سے وہ محلب (خوشبو) مراد ہے جو ہاتھوں کو دھونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی حلاب کو ظرف یعنی دودھ دوہنے والا برتن قرار دیا ہے۔(۱)

ابن قُرقُول رحمہ اللہ کی رائے

ابن قرقول رحمہ اللہ نے "المطالع علی الصحیح" میں امام خطابی کی اتباع کرتے ہوئے حلاب بمعنی الطیب کو غیر معروف قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"الحلاب إناء وهو المحلب، وترجم البخاري عليه باب ...... الطيب عند الغسل، يدل على أنه ضرب من الطيب، وهذا لا يعرف".(۲)

یعنی حلاب برتن ہے اور وہ محلب (دوہنی) کو کہتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر باب الطیب عند الغسل کے عنوان سے باب قائم کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حلاب خوشبو کی کوئی قسم ہے، حالاں کہ یہ غیر معروف ہے۔

ابن بطال رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابوالحسن ابن بطال رحمہ اللہ حلاب کے بارے میں علامہ خطابی کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب میں حلاب کو خوشبو کی کوئی نوع شمار کیا ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کو وہم ہو گیا ہے، حالاں کہ حلاب تو وہ برتن ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو رکھی جاتی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے وقت استعمال فرمایا کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي: ۲۶۰/۴، التوضيح لابن الملقّن: ۵٦٦/۴، غريب الحديث: ۲۳۳/۱

(۲) التوضيح لابن الملقّن: ۵٦٦/۴

(۳) شرح ابن بطال: ۳۸۵/۱، شرح الكرماني: ۱۲۱/۳

امام حمیدی رحمہ اللہ کی رائے

صاحب الجمع بین الصحیحین امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث باب کو حدیثِ فرق اور حدیثِ قدر الصاع کے ساتھ ایک جگہ جمع کردیا ہے، گویا انہوں نے اس سے برتن مراد لیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لیے "باب من بدأ بالحلاب أو الطیب" کا ترجمہ قائم کیا ہے، اور صرف یہی حدیث ذکر کی ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ گمان ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے خوشبو مراد لی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام حمیدی رحمہ اللہ نے اس کو ایک احتمال قرار دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حلاب سے خوشبو مراد لی ہو، یعنی اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حلاب سے امام بخاری کی مراد خوشبو کے علاوہ اور کوئی چیز ہو، لیکن انہوں نے اس کی صراحت نہیں کی کہ وہ کیا چیز ہے۔(۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی حلاب سے خوشبو مراد لینے کو وہم قرار دیا ہے۔(۳)

امام نووی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ "حلاب" حاء کے کسرہ اور تخفیف لام کے ساتھ دودھ دوہنے کے برتن کو کہا جاتا ہے، اسی کو محلب (بکسر المیم) کہا جاتا ہے، یہی مشہور، صحیح اور معروف ہے روایت میں۔(۴)

علامہ ابوالحسن سندی رحمہ اللہ کا قول

علامہ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ظاہری صنیع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حلاب سے نوع من الطیب مراد لیا ہے، مزید فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حلاب غسل کے پانی کا ایک برتن ہے، شراح حدیث نے امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کو اس بات پر منطبق کرنے کی بہت

---

(۱) تفسير غريب ما في الصحيحين للحميدي: ۲۴۳/۱، فتح الباري: ۴۸۷/۲، الكنز المتواري: ۱۹۸/۳

(۲) فتح الباري: ۴۸۷/۲

(۳) فتح الباري: ۴۸۸/۲، الكنز المتواري: ۱۹۸/۳

(۴) المنهاج للنووي: ۲۲۳/۳

کوشش کی، لیکن جو کچھ انہوں نے لکھا وہ سب تکلف ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کلام خود اس سے انکاری ہے۔(۱)

فریق ثانی کا موقف

دوسری جماعت کے پیش رو علامہ ازہری رحمہ اللہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو روایت کا لفظ سمجھنے میں وہم ہوگیا ہے، انہوں نے اسے حاء کے کسرہ اور تخفیف لام کے ساتھ (حلاب) دودھ دوہنے کا برتن سمجھ لیا ہے، حالاں کہ یہ لفظ جیم کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ "جُلّاب" تھا، جو اصل میں فارسی زبان کا لفظ ہے، گلاب کے پانی (عرق گلاب، عطر گلاب) کو کہا جاتا ہے، بعد میں عربی زبان میں استعمال ہونے لگا۔(۲)

علامہ ازہری رحمہ اللہ سے یہی بات امام خطابی رحمہ اللہ اور ابوعبید ہروی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے، لیکن انہوں نے اس پر ازہری رحمہ اللہ کی تائید نہیں کی ہے۔(۳)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے صحیحین کے علاوہ میں "الجلاب" کا لفظ نقل کیا ہے جس سے ازہری کے ذکر کردہ قول کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔(۴)

علامہ ازہری رحمہ اللہ کے قول پر محقق علماء کا رد

علماء محققین میں ابوعبید ہروی، امام قرطبی اور علامہ نووی وغیرہ رحمہم اللہ (۵) نے علامہ ازہری رحمہ اللہ کے قول کی تردید کی ہے اور اسے تصحیف قرار دیا ہے۔ علماء محققین نے علامہ ازہری کے قول کی روایت اور معنی دونوں کے لحاظ سے تردید کی ہے، چناں چہ شراح کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ مشہور اور معروف روایت میں لفظ

---

(۱) حاشية السندي على صحيح البخاري: ۱/ ۵۷

(۲) التوضيح لابن الملقن: ۴/ ۵۶۶، فتح الباري: ۲/ ۴۸۷، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۳، المنهاج: ۳/ ۲۲۳، شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۱، النهاية لابن الأثير: ۱/ ۴۱۲

(۳) التوضيح لابن الملقن: ۴/ ۵۶۶، كشف المشكل لابن الجوزي: ۴/ ۲۶۰

(۴) مشارق الأنوار على صحاح الآثار: ۱/ ۱۹۴، فتح الباري: ۲/ ۴۸۷، الكنز المتواري: ۳/ ۱۹۸

(۵) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۳، المنهاج: ۳/ ۲۲۳، التوشيح: ۱/ ۲۴۵، الكنز المتواري: ۳/ ۱۹۷

”حلاب“ حاء مہملہ اور تخفیف لام کے ساتھ ہی آیا ہے۔(۱)

علامہ ابن اثیر کا علامہ ازہری پر نقد

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے بلحاظ معنی کے ازہری رحمہ اللہ پر نقد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”جُلّاب“ مراد لینا ہو اور اسی کی مناسبت سے ترجمہ قائم کیا ہو، لیکن بخاری شریف میں جلاب جیم کے بجائے حلاب حاء مہملہ کے ساتھ منقول ہے اور یہ بات زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ غسل کرنے والے کے لیے خوشبو کا استعمال غسل کرنے کے بعد زیادہ مناسب ہے، بہ نسبت پہلے کے، اس لیے کہ اگر غسل کرنے والا خوشبو لگا کر غسل کرے گا تو پانی سے وہ خوشبو ڈھل جائے گی اور ختم ہو جائے گی۔(۲)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلاب بکسر حاء مہملہ ہی صحیح ہے، اسے جُلّاب (بضم الجیم وتشدید اللام) سمجھنا وہم ہے۔(۳) وہ مزید فرماتے ہیں کہ جلاب جیم کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ فارسی زبان میں مشروب کا نام ہے نہ کہ ماء الورد (عرق گلاب) کا، گلاب کے پانی کو فارسی میں جیم کے ضمہ اور لام کے تخفیف کے ساتھ ”جُلَاب“ کہتے ہیں، ”جلاب“ اصل میں ”گلاب“ تھا، گل ”گلاب“ کو اور ”آب“ پانی کو کہتے ہیں اور فارسی میں قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ کو مضاف پر اور صفت کو موصوف سے مقدم رکھتے ہیں، چناں چہ یہی لفظ جب عربی زبان میں آیا تو گاف کو جیم سے بدل کر جلاب کہا جانے لگا۔(۴)

فریق ثالث کا موقف

اس فریق کے پیش رو محب طبری ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ”طیب“ سے معروف خوشبو مراد نہیں لی ہے، بلکہ تطیب یعنی بدن پر اگر میل کچیل ہو تو اس کو زائل کرنا مراد لیا ہے، جب کہ ”حلاب“ سے غسل کا برتن مراد لیا ہے کہ غسل کے لیے پہلے اس میں پانی رکھا جائے۔ علامہ طبری مزید

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸۷، المنهاج: ۳/۲۲۳، عمدة القاري: ۳/۳۰۳

(۲) النهاية لابن الأثير: ۱/۴۱۲، فتح الباري: ۲/۴۸۷

(۳) فتح الباري: ۲/۴۸۸، الكنز المتواري: ۳/۱۹۸

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۰۳، شرح أبي داؤد للعيني: ۱/۵۳۹

فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے الفاظ "أو الطیب" میں أو سے "واؤ" مراد ہے، بعض روایات سے یہی ثابت ہے، جیسا کہ امام حمیدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، امام طبری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ سے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ پہلے برتن میں غسل کے لیے پانی رکھا جائے، پھر غسل سے قبل بدن کو نجاست وغیرہ سے پاک کر کے تطییب حاصل کرلیا جائے، حدیث باب میں سر پر پانی بہانے سے ابتدا کا تذکرہ ہے، کیوں سر کے بال زیادہ پراگندہ ہوتے بنسبت باقی بدن کے۔(۱)

بعض حضرات کی رائے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت میں خطمی سے سر دھونے پر اکتفا فرمایا کرتے، اور سر پر پانی نہیں بہایا کرتے تھے۔(۲)

تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ حدیث باب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت میں پانی استعمال فرمایا کرتے تھے اور حدیث باب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت سے پہلے بدن کو صاف کرنے کے لیے سدر وغیرہ کی طرح کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے، اکثر روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے، ترجمۃ الباب میں "أو الطیب" میں لفظ "أو" اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ طیب حلاب کا قسیم ہے لہٰذا اسے غیر حلاب پر محمول کیا جائے گا، معترضین کو اس لیے اشکال ہوا کہ انہوں نے طیب کو حلاب کی جنس میں سے سمجھ لیا ہے، جب کہ حلاب سے یہاں برتن نہیں بلکہ پانی مراد ہے، تو گویا حال بول

(۱) فتح الباري: ۴۸۸/۲، عمدة القاري: ۳۰۳/۳، الكنز المتواري: ۱۹۸/۳

(۲) الحديث أخرجه أبوداود في سننه، عن عائشة -رضي الله عنها- كتاب الطهارة، باب في الجنب يغسل رأسه بالخطمي، رقم: ۲۵۶، انظر جامع الأصول، النوع الأول في كيفية الغسل: ۳۰۳/۷، رقم: ۵۳۴۴، وأخرجه عنها البيهقي في السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب غسل الجنب رأسه: ۲۸۱/۱، رقم: ۸۶۴، وأخرجه البيهقي أيضاً في المعجم الكبير عن ابن مسعود -رضي الله عنه-: ۲۵۴/۹، رقم: ۹۲۵۷، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه عن ابن مسعود -رضي الله عنه- كتاب الطهارة، باب في الرجل يغسل رأسه بالخطمي ثم يغسل جسده، رقم: ۷۷۶، ۷۷۹، ۷۸۱، ۷۸۲

کرمجازاً اسم المحل مراد لیا ہے۔(۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی اس توجیہ کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے خطمی والی روایات پر رد کر کے پانی سے ابتدا کو ثابت کیا ہے، تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں دو چیزوں حلاب (پانی) اور طیب سے ابتدا کا ذکر کیا تھا اور روایت سے ایک یعنی پانی سے ابتدا کو ثابت کیا ہے، یہی اصول تراجم میں انتالیسواں [۳۹] اصل ہے۔(۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا ارشاد

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حلاب اور محلب (میم کے کسرہ کے ساتھ) اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کے دودھ کے بقدر کوئی چیز سما سکے، ترجمہ میں حلاب سے غیر طیب مراد ہونے کی دلیل طیب کا اَو کے ذریعے حلاب پر عطف ہونا ہے، اس عطف کے ذریعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود حلاب کو طیب کا قسیم قرار دیا ہے۔ اس سے امام اسماعیلی رحمہ اللہ کے قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے حلاب کو خوشبو سمجھ لیا ہے، جب امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں کا ایک دوسرے پر عطف کیا ہے تو پھر وہ کیوں حلاب کو خوشبو سمجھنے لگے؟۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ، ابن بطال رحمہ اللہ اور کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی، علامہ ابن بطال اور علامہ کرمانی رحمہم اللہ کی توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حلاب سے خوشبو کی کوئی قسم مراد لی ہے، اَوالطیب کے الفاظ خود اس کی تردید کر رہے ہیں،

---

(۱) فتح الباري: ۴۸۸/۲

(۲) الكنز المتواري: ۱۹۸/۳، الأبواب والتراجم، ص: ۶۰، قال شيخ الحديث رحمه الله: [الأصل] التاسع والثلثون: ماقالوا في النوع المذكور يعني إذا ذكر جزئين في الترجمة ولم يذكر الحديث إلا لواحد منهما أن الإمام البخاري يشير بذلك إلى أن أحد الجزئين ثابت والثاني لا يثبت، فكأن البخاري ردّ عليه بالترجمة وأنكره، جزم بذلك الكرماني في باب غسل المني وفركه. (الأبواب والتراجم، الفصل الثالث في بيان التراجم، عدم الذكر لأحد جزئي الترجمة إشارة إلى عدم الثبوت، ص: ۱۲)

(۳) فتح الباري: ۴۸۷/۲، عمدة القاري: ۳۰۳/۳

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حلاب سے پانی رکھنے کا برتن مراد ہے، جب کہ علامہ ابن بطال اور کرمانی نے حلاب سے وہ برتن مراد لیا ہے جس میں خوشبو ہو۔(۱)

ایک اعتراض

معترض کہتا ہے کہ اگر حلاب سے برتن مراد لیا جائے تو پھر ترجمۃ الباب میں دو چیزوں برتن اور طیب کا ذکر ہوگا، جب کہ حدیث میں صرف حلاب یعنی برتن کا ذکر ہے، طیب کا کوئی ذکر نہیں، تو گویا ترجمہ کا ایک جزو ثابت ہوا، دوسرا نہیں؟۔(۲)

اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور عینی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو چیزوں میں سے ایک کے لیے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، بایں طور سے کہ حلاب اور طیب کے درمیان لفظ اُو لے کر آئے نہ کہ لفظ واؤ اور دونوں میں سے ایک یعنی حلاب کو ثابت کیا ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ بسا اوقات ترجمہ میں کوئی چیز ذکر کرتے ہیں، مگر کسی وجہ سے اس کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کرتے، البتہ پانی کے برتن اور خوشبو میں باہمی مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا وقوع ابتدا غسل میں ہوتا ہے۔(۳)

علامہ انصاری رحمہ اللہ، علامہ قسطلانی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی علامہ عینی رحمہ اللہ کی اتباع میں یہی توجیہ اختیار کی ہے۔(۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ کا مطلب یہ ہوا کہ کبھی ظرفِ طیب کے طلب سے ابتدا بھی درست ہے اور کبھی نفس طیب کے طلب سے بھی ابتدا درست ہے، جب کہ حدیث الباب سے ترجمہ کا پہلا جزو ثابت ہوتا ہے، دوسرا نہیں، ابن بطال قول کے سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ حدیث میں غسل کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خوشبو استعمال کرنے کی ترغیب موجود ہے۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۳/۳، شرح ابن بطال: ۳۸۵/۱، شرح الكرماني: ۱۲۱/۳

(۲) شرح الكرماني: ۱۲۱/۳، عمدة القاري: ۳۰۳/۳، ۳۰٤

(۳) شرح الكرماني: ۱۲۱/۳، عمدة القاري: ۳۰۳/۳، ۳۰٤

(٤) إرشاد الساري: ٤۹٦/۱، الكنز المتواري: ۱۹۹/۳، ۲۰۰، تحفة الباري: ۲۲۳/۱

(٥) شرح الكرماني: ۱۲۱/۳، الكنز المتواري: ۱۹۸/۳، شرح ابن بطال: ۳۸٥/۱، ۳۸٦

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام اسماعیلی رحمہ اللہ کی مکی بن ابراہیم کی حنظلہ کے طریق سے اس روایت میں "بحلاب" کی جگہ "كان يغتسل بقدح" کے الفاظ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ پر حافظ صاحب رحمہ اللہ کا رد

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکور "فأخذ بكفه" کے الفاظ سے گویا ان حضرات نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سے اپنے ہاتھوں میں خوشبو لی اور دائیں بائیں لگائی، گویا حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا بیان نہیں، بلکہ خوشبو لگانے کا تذکرہ ہے، حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت الباب کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے یہ اچھی توجیہ ہے، لیکن جو روایت کے دوسرے طرق پر تامل کرے گا وہ اس توجیہ کو ترجیح نہیں دے سکتا ہے، کیوں محدث اسماعیلی وغیرہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ صفتِ مذکورہ غسل کی ہے خوشبو لگانے کی نہیں ہے، محدث اسماعیلی کی مکی بن ابراہیم والے طریق کے الفاظ علامہ عینی رحمہ اللہ کے قول ذیل ابھی گذر رہے ہیں کہ انہوں نے "حلاب" کی جگہ "كان يغتسل بقدح" نقل کیا ہے(۲) جب کہ امام جوزقی نے حمدان سلمی عن ابی عاصم کے طریق سے "اغتسل فأتي بحلاب فغسل شق رأسه الأيمن" کے الفاظ نقل کیے ہیں،(۳) پس اس طریق میں موجود "اغتسل" اور "غسل" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی کا برتن تھا، خوشبو کا برتن نہیں تھا، اسی طرح محدث اسماعیلی کی ایک اور روایت جو بطریق بندار عن ابی عاصم کے الفاظ یہ ہیں:

"كان إذا أراد أن يغتسل من الجنابة، دعا شيء دون الحلاب، فأخذ بكفه، فبدأ بالشق الأيمن، ثم الأيسر، ثم أخذ بكفيه ماء، فأفرغ على رأسه.(٤)

---

(١) عمدة القاري: ٣/٣٠٤

(٢) فتح الباري: ٢/٤٨٨، عمدة القاري: ٣/٣٠٣، الكنز المتواري: ٣/١٩٩

(٣) فتح الباري: ٢/٤٨٨

(٤) فتح الباري: ٢/٤٨٨، عمدة القاري: ٣/٣٠٣، الكنز المتواري: ٣/١٩٧

اگراس روایت میں "ماء" کے الفاظ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اس کوتطیب قبل الغسل پر محمول کیا جاتا لیکن "ماء" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں، اسی طرح امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں یزید بن سنان عن ابی عاصم کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ:

كان يغتسل من حلاب، فيأخذ غرفة بكفيه، فيجعلها على شقه الأيمن، ثم الأيسر.(۱)

اس روایت میں بھی "يغتسل" اور "غرفة" کے الفاظ پانی کا برتن ہونے پر دلالت کررہے ہیں، ابن حبان اور بیہقی کی روایت میں ثم يصب على شق رأسه الأيمن کے الفاظ ہیں،(۲) خوشبو لگانے کو صب یعنی بہانے سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے، الحاصل یہ سب روایت مذکورہ میں حلاب سے خوشبو کا برتن مراد ہونے والی توجیہ کو مستبعد بنادیتے ہیں۔(۳)

امام ابونعیم کی رائے

امام ابونعیم اصفہانی نے "المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"الحلاب الذي يحلب فيه اللبن، أي بذلك القدح كان يغتسل".(٤)

حلاب دودھ دہنے کے برتن کو کہا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے برتن میں پانی لے کر غسل فرمایا کرتے تھے۔

---

(۱) مسند أبي عوانة، كتاب الطهارة، باب صفة الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجنابة: ۱/۲٤۸، رقم: ۸۵۳

(۲) صحيح ابن حبان، كتاب الطهارة، باب الغسل، ذكر وصف الغرفات الثلاث التي وصفناه من الجنابة: ۳/٦۹، رقم: ۱۱۹۷، السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب استحباب البداية فيه بالشق الأيمن: ۱/۲۸٤، رقم: ۸۷۲

(۳) فتح الباري: ۲/٤۸۸، ٤۸۹

(٤) كتاب الطهارة، باب في الاغتسال من الجنابة: ۱/۳٦۹، رقم الحديث: ۷۱٦

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کا قول

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے حلاب سے برتن مرادلیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے برتن کے ایک مُد پانی سے غسل فرماتے تھے جس میں مویشیوں کا دودھ دوہا جاتا ہے، یہی معنی "نحو الصاع" والی روایت کا ہے، اس کی تائید اس حدیث کی ان بعض طرق سے ہوتی ہے کہ جب قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ غسل جنابت میں کتنا پانی کافی ہوتا ہے؟ قاسم کا سوال غسل کے پانی کی مقدار کے بارے میں تھا نہ کہ غسل کے وقت طیب کے استعمال سے متعلق۔(۱)

حلاب سے مراد برتن ہونے کی مزید تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حلاب یعنی برتن پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نوش فرمایا۔(۲)

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ''جُلّاب'' والی توجیہ کو تصحیف اور حدیث نہ جاننے والوں کی غلطی قرار دیا ہے اور مزید فرمایا: جن لوگوں نے حلاب (حاء کے ساتھ) سے خوشبو کا برتن مراد لیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۳)

امام ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر الفقیہ نے ''کتاب الشافی'' میں بطریق ابو عاصم الضحاک بن مخلد حنظلہ سے انہوں نے قاسم سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقدر حلاب ایک برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، راوی حدیث کہتے ہیں کہ ابو عاصم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے ہمیں حلاب کی مقدار بتلادی تھی اور وہ ایک کوز کے بقدر تھا جس میں آٹھ رطل پانی سماتا ہے۔(۴)

فائدہ

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آٹھ رطل والی روایت سے صاع کی مقدار کے سلسلہ میں حنفیہ کے

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵٤

(۲) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵٤

(۳) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۵

(٤) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۵، فتح الملهم: ۳/۱٤۹

مذہب کے بارے میں اشارہ ملتا ہے۔(۱)

علامہ ادریس کاندھلوی کی رائے

علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ شراح کی ذکر کردہ مختلف توجیہات نقل کرنے کے فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب مغنی بن سکتے ہیں، حدیث باب کے زیادہ مناسب پہلے معنی معلوم ہوتے ہیں کہ حلاب سے برتن کے معنی مراد لیے جائیں اور مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے واسطے کبھی پانی کا برتن منگواتے اور بلا کسی خوشبو لگائے بدن پر پانی بہا لیتے اور غسل فرما لیتے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اکثریہ تھی اور کبھی کبھی غسل سے پہلے خوشبو طلب فرماتے اور غسل سے پہلے اس کو استعمال کرتے اور پھر نہاتے۔(۲)

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں ایک اور اشارہ بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ آئندہ ایک باب "من تطیب ثم اغتسل" آرہا ہے یعنی غسل سے پہلے خوشبو لگائے، اب اس جگہ حلاب سے وہ برتن ہی مراد لیا جائے، گویا امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اولاً حلاب یعنی پانی کا برتن لے (یعنی غسل کرے) اس کے بعد خوشبو استعمال کرے، جیسا کہ آئندہ باب لا رہے ہیں، دونوں کا ذکر کیا کہ لوگ عموماً برتنوں کی کمی کی وجہ سے اسی سے غسل کر لیتے ہوں گے۔(۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے شرح ابواب تراجم بخاری میں لکھا ہے:

"له معنيان، (الأول): الحلاب بمعنى المحلوب في البذور، أي المخرج من عصارة وكان العرب يستعملون الطيب قبل ذلك وميل المؤلف إلى هذا المعنىٰ بقرينة انضمام قوله: أو الطيب، إليه، (والثاني): أن يكون الحلاب بمعنى الأنية التي يحلب فيها لبن الإبل، وحديث الباب أخرجه

(۱) فتح الملهم: ۳/۱۴۹

(۲) الأبواب والتراجم لمولانا إدريس الكاندهلوي، ص: ۲۶۲

(۳) فضل الباري: ۲/۴۳۳

البعض بهذا المعنى أيضاً، فيكون معى قوله: دعا بشيء نحو الحلاب، أي: أن يقرب إليه ذلك الإناء المملوء من الماء ليغتسل منه، وقال بعضهم: الجلاب بالجيم بمعنى ماء الورد، والعرب يستعملون الطيب وماء الورد قبل الاغتسال ويبقى منه أثره في أبدانهم بعد الاغتسال أيضاً، وهو أيضاً محتمل الكتاب". (۱)

حلاب کے دومعنی ہیں: اول یہ کہ حلاب اس دودھ اور محلوب کو کہتے ہیں جو بیجوں سے نکالا جاتا ہے اور عرب کے لوگ بیجوں سے نکالا ہوا محلوب غسل سے قبل خوشبو کی طرح اپنے بدن پر ملتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان اس معنی کی طرف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ انہوں نے حلاب کو طیب کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اور دوسرا معنی برتن کے ہیں یعنی حلاب سے وہ برتن مراد ہے جس میں لوگ اونٹنی کا دودھ دوہا کرتے تھے، بعض حضرات نے حدیث باب کی اس معنی میں بھی تخریج کی ہے، اس وقت دعابشیء نحوا لحلاب کا معنی یہ ہوگا کہ حلاب جیسے پانی سے بھرے ہوئے برتن کو قریب کرے تا کہ اس سے غسل فرمائیں۔ جب کہ بعض حضرات نے جُلاب بالجیم بمعنی ماء الورد، عرق گلاب مراد لیا ہے، عرب حضرات غسل سے قبل خوشبو اور عرق گلاب استعمال کیا کرتے تھے اور اس کا اثر ان کے ابدان پر غسل کے بعد بھی باقی رہتا تھا، اس معنی کا بھی کتاب میں احتمال ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ شیخ المشایخ رحمہ اللہ کے نزدیک ترجمہ اور حدیث یعنی حلاب سے عصارۃ البذور بیجوں سے نچوڑا ہوا محلوب مراد ہے، اگرچہ انہوں نے اور بھی احتمالات ذکر کیے ہیں۔ (۲)

شیخ الہند رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "حلاب" سے مراد برتن ہی ہے اور قاعدہ ہے کہ برتن میں دودھ کی بو اور چکناہٹ آجاتی ہے، تو امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غسل کے پانی میں اگر اس قسم کی کچھ بو اور اثر آجائے تو غسل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، جس برتن میں چکناہٹ کے اثرات رہ جاتے ہیں اگر اس

---

(۱) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۱۸، الأبواب والتراجم، ص: ٦٠

(۲) الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۰، الأبواب والتراجم، ص: ٦٠

میں پانی بھر کر غسل کرلیں تو جسم اور بالوں میں نرمی آجاتی ہے اور میل وغیرہ کے کٹ جانے کی وجہ سے بدن کا تنقیہ ہوجاتا ہے۔(۱)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حلاب معروف برتن کا نام ہے، بعض لوگوں نے اس کو جُلاب کی تصحیف قرار دیا اور بعض لوگ اس سے حَبُّ المحلب مراد لیتے ہیں، تو یہ زیادتی اور حد سے تجاوز ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو مختلف مواضع میں ذکر کیا ہے، ہر جگہ تصحیف یا مصنف کی تغلیط کرنا بہت بعید بات ہے، حلاب کا لفظ حدیث میں صراحت کے ساتھ وارد ہوا ہے، شراح نے حلاب اور طیب کے درمیان جمع کو مشکل سمجھا ہے، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل حلاب یعنی دودھ دوہنے والے برتن سے بھی ہوسکتا ہے، دودھ دوہنے والے برتن میں اگر پانی لیا جائے تو اس میں دودھ کا رنگ اور بو بھی آجاتی ہے، اگر پانی میں ان چیزوں کا ظہور ہو تب بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ پانی میں اگر دوسری کوئی پاک چیز ملے تو وہ پاک ہی رہتا ہے، اس کو مزید صراحت کے ساتھ آئندہ باب من تطیب ثم اغتسل وبقي أثر الطیب میں بتلائیں گے، أو الطیب سے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اگر غسل سے پہلے خوشبو لگائی اور غسل کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہا تو وہ صحیح ہے، اس باب میں خوشبو اور اگلے باب میں خوشبو میں فرق یہ ہے کہ آئندہ باب میں خوشبو کا تعلق غسل سے نہیں، بلکہ وہاں خوشبو کا استعمال حصول نشاط کے لیے ہے جو محرک ہونے کی وجہ سے جماع کے معاملہ میں فائدہ مند ہے، غسل سے پہلے خوشبو کا استعمال بعض شہروں میں عام ہے، لوگ پہلے خوشبو لگاتے ہیں پھر غسل کرتے ہیں، جب کہ ہمارے بلاد میں غسل کے بعد خوشبو لگائی جاتی ہے۔(۲)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ حلاب کا مسئلہ مستقلاً بیان کرنا چاہتے ہیں اس لیے اس کے واسطے حدیث بھی ذکر کی ہے، جب کہ طیب کا مسئلہ تبعاً ذکر کیا ہے اس لیے اس کے واسطے حدیث ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، چوں کہ بقاء اثر کے لحاظ سے دونوں کا حکم ایک ہی ہے اس لیے

(۱) فضل الباري: ۲/۴۳۳

(۲) فیض الباري: ۱/۴۵۵

ترجمہ میں دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی توجیہ نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ حسنٌ جداً (بہترین توجیہ) ہے، مگر بدأ کا لفظ ترجمہ اور حدیث میں کھٹکتا ہے، کیوں کہ توجیہ مذکورہ کی بداہت کے ساتھ کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی ہے۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے اشکال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود ترجمہ اور حدیث میں بھی بــدأ کے لفظ سے حقیقی بداہت مقصود نہیں، بلکہ صرف قبلیت اسی درجہ میں بتلائی کہ اس شئی طاہر مخالط بماء الغسل کے اثرات باقیہ کا صحت غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(۳)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ باب من بدأ بالحلاب أو الطیب کا مقصد یہ ہے کہ خوشبو کا استعمال ضروری نہیں، اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل الغسل اس کا استعمال ثابت ہے اور وہ اس لیے تاکہ خوشبو کا اثر غسل کے ذریعے باقی اطراف بدن تک پھیلے، مزید فرمایا کہ اس ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں ابتداء بالحلاب کے جواز کو بیان کیا جا رہا ہے، اگر چہ اس سے پہلے خوشبو نہ لگائی گئی ہو، اور یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ابتداء بالطیب اور عدم ابتداء بالطیب دونوں جائز ہیں، پس جب حدیثِ باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداء بالحلاب کرنا بتلایا گیا تو خوشبو کے ترک کا جواز معلوم ہوا اور ابتداء بالطیب واجب نہیں، اگر چہ روایت باب کے علاوہ دیگر روایات کے پیش نظر جائز ہے۔(۴)

مولانا محمد حسن مکی کی توجیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مولانا محمد حسن مکی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غسل کا ارادہ فرماتے تو سر مبارک ایسی خطمی سے دھوتے جو طیب کے علاوہ کسی چیز

---

(۱) فیض الباري: ۱/۴۵۵، ۴۵٦

(۲) الکنز المتواري: ۳/۲۰۰

(۳) حاشیة أنوار الباري: ۹/۱۹۹

(٤) لامع الدراري مع الکنز المتواري: ۳/۱۹۷-۲۰۱

یعنی پانی سے مخلوط ہو، پھر اس کے بعد غسل میں دوبارہ سر مبارک نہیں دھوتے، بلکہ اسی پر اکتفا فرماتے تھے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطمی کے بغیر غسل فرماتے تو سر مبارک کو باقی جسم کے ساتھ دھوتے تھے، پس امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور غرض اس باب میں ان دو مذکورہ غسلوں میں سے ایک کو بیان کرنا ہے، چناں چہ ترجمہ میں "بدأ بالحلاب" سے غسل کی دوسری قسم کی طرف اور "أو الطیب" سے پہلی قسم کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۱)

مولانا مکی رحمہ اللہ کی دوسری توجیہ

مولانا محمد حسن مکی رحمہ اللہ کی ایک اور تقریر میں یہ توجیہ بیان کی گئی ہے کہ ابتداء بالطیب چوں کہ لوگوں میں معروف و محقق ہے اس وجہ سے اس کے لیے حدیث نہیں لائے، اور جس میں خفا تھا یعنی ابتداء بالحلاب تو اس کو ثابت کیا کہ ابتداء بالحلاب بھی جائز ہے، لازم نہیں اور ابتداء بالحلاب کا معنی یہ ہے کہ آپ اس غسل کی ابتدا استنجاء سے نہیں کرتے (بلکہ پہلے سے استنجاء کیا ہوا ہوتا تھا)۔(۲)

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی پسندیدہ توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "أحسن الأجوبة عندي" قرار دیتے ہوئے بعض علماء سے ایک توجیہ نقل کی ہے، حافظ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> "میں نے بعض حضرات علماء جن کا نام اس وقت یاد نہیں یہ توجیہ سنی کہ ترجمہ الباب میں طیب سے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ أنها کانت تُطیب النبي صلی اللہ علیه وسلم عند الإحرام (۳) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا احرام کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتیں تھیں، غسل چوں کہ سنن احرام میں سے ہے، اس لیے گویا خوشبو غسل کے وقت ثابت ہوئی، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ غسل کے

---

(۱) الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۱

(۲) الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۱

(۳) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد، رقم: ۲٦۷، وفي باب من تطيب ثم اغتسل وبقي أثر الطيب، رقم: ۲۷۰

وقت خوشبولگانے کی نہ تھی"۔(۱)

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی نقل کردہ توجیہ کی تائید وتقویت

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس توجیہ کی تائید وتقویت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سات ابواب کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب من تطيب ثم اغتسل وبقي أثر الطيب" قائم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی کہ "أنا طيبتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم طاف في نسائه، ثم أصبح محرماً". (۲) یعنی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی، پھر آپ اپنی ازواج میں گھومے (ہمبستری کی اور غسل فرمایا) پھر احرام باندھا۔ اس کے بعد کی ایک روایت میں ہے "كأني أنظر إلىٰ وبيض الطيب في فرقه صلى الله عليه وسلم وهو محرم". (۳) گویا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک کو دیکھتی جب کہ آپ حالت احرام میں تھے۔ اس باب سے پہلے کی ایک روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: "ثم يصبح محرماً ينضخ طيباً". (۴) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح احرام باندھتے کہ آپ پر خوشبو کا اثر باقی ہوتا تھا۔ پس "ثم طاف على نسائه" سے خوشبو لگانے کے بعد غسل کرنا مستنبط ہوتا ہے، اس لیے کہ حدیث کے یہ الفاظ جماع سے کنایہ ہیں اور اس سے غسل لازم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے کے بعد غسل فرمایا اور غسل کے بعد بھی خوشبو کا اثر باقی رہتا تھا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند کرتے تھے اور بکثرت استعمال کیا کرتے تھے۔(۵)

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۸۹، الكنز المتواري: ۳/۱۹۹، الأبواب والتراجم، ص: ٦٠

(۲) رقم الحديث: ۲۷۰

(۳) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الغسل، باب من تطيب ثم اغتسل و بقي أثر الطيب، رقم: ۲۷۱، والحديث يتكرر في البخاري، انظر رقم: ۱۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳

(٤) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد، رقم: ۲٦۷

(٥) فتح الباري: ۲/۴۸۹

حافظ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ترجمہ کا مطلب

حافظ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ اس تفصیل کے بعد ترجمۃ الباب میں "من بدأ بالحلاب" سے غسل کے پانی کا برتن مراد ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کی غرض سے طلب فرمایا اور "من بدأ بالطیب" کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا ارادہ فرمانے کے وقت خوشبو کا استعمال فرمایا، پس ترجمہ ان دونوں امور کو شامل ہے، پھر حدیثِ باب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بداءت غسل پر مداومت ثابت ہوئی، جب کہ غسل کے بعد خوشبو کا استعمال آپ کی عادت معروفہ تھی اور غسل سے پہلے خوشبو کا استعمال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے۔(۱)

حافظ صاحب کا امام اسماعیلی اور ابن الاثیر پر نقد

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ امام اسماعیلی رحمہ اللہ کا یہ کہنا قابل اعتراض ہے کہ غسل سے قبل خوشبو لگانا بے معنی ہے، اسی طرح ابن الاثیر کی بات بھی قابل گرفت ہے کہ خوشبو کا استعمال غسل سے پہلے کی بنسبت بعد میں زیادہ موزوں و مناسب ہے، نیز ان دونوں حضرات کے علاوہ دیگر علماء کے اقوال بھی قابل مؤاخذہ ہیں، ہم نے ان کے وضوح وظہور کے پیش نظر ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔(۲)

علامہ کورانی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی نے "وأحسن ما یجاب به عن البخاري" سے لکھا ہے کہ ترجمہ میں حلاب سے برتن مراد ہے اور طیب کو حلاب پر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت خوشبو لگانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا دور کیا کی طرف اشارہ کرنے کے لیے عطف کیا ہے، لہٰذا اگر حلاب کے بعد "أو" کا لفظ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاری اس بات کو بتلا رہے ہیں کہ غسل کی ابتدا پانی اور خوشبو دونوں سے کی جا سکتی ہے، اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور اگر حلاب کے بعد "أو" کی جگہ "واؤ" مانا جائے تو چوں کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے، اس لیے پانی اور خوشبو میں سے جس سے بھی ابتدا کرے درست ہے اور روایت میں "فأخذ بکفیه" کے الفاظ پانی لینے

---

(۱) فتح الباري: ۲/ ۴۸۹

(۲) فتح الباري: ۲/ ۴۸۹

کے ارادہ میں صریح ہیں، تو یہ گمان کیسے کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو وہم ہوگیا اور انہوں نے حلاب سے خوشبو مراد لی ہے۔(۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ایک توجیہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چند تراجم ایسے ہیں جواب بھی پوری طرح حل نہیں ہوئے، انہی میں سے ایک باب یہ بھی ہے، جس کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے مداحین نے پورا زور لگا رکھا ہے اور جو لوگ معترض ہیں ان کا اعتراض ہے کہ دیکھو امام بخاری رحمہ اللہ کو عربی بھی نہیں آتی، حلاب کا معنی طیب کے سمجھ کر باب میں طیب کا لفظ بڑھا دیا، لیکن یہ دونوں فریق افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، اس سے بہتر یہ ہے کہ اعتدال رکھا جائے اور توجیہ کی جائے، چناں چہ بعض لوگوں نے توجیہ کی ہے کہ آدمی میں فی حد ذاتہ خوشبو ہوتی ہے، مگر پسینہ اور میل کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو جب آدمی رگڑ کر اور مل کر نہائے گا تو میل اور پسینہ کی بدبو ختم ہو جائے گی اور ذاتی خوشبو پیدا ہو جائے گی، اب دلک کے بعد حلاب کے ذریعہ غسل کرے گا تو حلاب اور طیب دونوں پائے گئے۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطمی کے ذریعہ غسل فرمایا کرتے تھے تو اس میں طیب ہوتی ہے، تو اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔(۲)

خلاصہ بحث

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ اس باب اور ترجمہ کے سلسلہ میں نہ تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تغلیط درست ہے اور نہ ہی حلاب کو جُلّاب کی تصحیف قرار دینا، البتہ مناسب توجیہ کو اختیار کیا جائے، شراحِ حدیث کی ذکر کردہ تقریباً تمام توجیہات نقل کر دی گئیں ہیں، البتہ ان سب میں دو توجیہات مناسب اور اقرب معلوم ہوتی ہیں، ایک تو وہ جو علامہ عینی رحمہ اللہ اور دیگر اکثر شراح نے ذکر کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں دو چیزیں ذکر کی ہیں اور روایت ایک کے بارے میں لائے ہیں، باقی دوسری چیز کے متعلق امام بخاری نے نفی کی ہے یا نہیں؟ شراح حدیث یعنی علامہ عینی وکرمانی وغیرہ نے اگرچہ نفی کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن نتیجہ نفی ہی کا نکلتا ہے اور دوسری توجیہ وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کی ہے کہ ترجمہ میں جز ثانی ذکر کر کے ان بعض

---

(۱) الكوثر الجاري: ۴۱۵/۱

(۲) حاشية تقرير بخاري: ۸۳/۲

روایات کی طرف اشارہ کیا ہو جن سے وہ ثابت ہوتا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

حدیث باب

٢٥٥ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ ، عَنْ حَنْظَلَةَ ، عَنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ(١) : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ ، دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ ، فَأَخَذَ بِكَفِّهِ . فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ ، فَقَالَ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ .

(ترجمہ) ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا، کہا ہم سے ابو عاصم نے، انہوں نے حنظلہ بن ابی سفیان سے، انہوں نے قاسم بن محمد سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا، وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کا ارادہ فرماتے تو حلاب کی طرح کوئی چیز (برتن) منگواتے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے (پانی کا) چلو لیتے اور سر کے داہنے حصہ پر ڈالنے سے ابتدا کرتے، پھر (چلو لے کر) بائیں حصے پر ڈالتے، پھر (چلو لے کر) اپنے سر (کے درمیانی حصہ) پر بہاتے تھے۔

تراجم رجال

محمد بن المثنی(٢)

یہ مشہور محدث حافظ محمد بن المثنی بن عبید بن قیس بن دینار عنزی بصری ہیں، "زَمِــــنْ" کے لقب سے معروف ہیں، اصل شہرت ان کی نام اور کنیت سے ہے۔(٣)

---

(١) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ٧٢٥، وأبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٠، والنسائي في سننه، كتاب الغسل والتيمم، باب استبراء البشرة في الغسل من الجنابة، رقم: ٤٢٤، انظر جامع الأصول، النوع الأول في كيفية الغسل: ٧/٢٨٢-٢٨٤، تحت رقم: ٥٣١٩، راجع تحفة الأشراف: ١٢/٢٦٥، رقم: ١٧٤٤٧

(٢) ان کے مختصر حالات كشف الباری، كتاب الإيمان، باب حلاوة الايمان: ٢/٢٥ میں گزر چکے ہیں۔

(٣) تهذيب الكمال: ٢٦/٣٥٩، رقم الترجمة: ٥٥٧٩، تقريب التهذيب: ٢/١٢٩، رقم: ٦٢٨٣، تهذيب التهذيب: ٩/٤٢٥، رقم: ٦٩٦، ميزان الاعتدال: ٤/٢٤، رقم: ٨١١٥، سير أعلام النبلاء: ١٢/١٢٣، =

شیوخ حدیث

ان کے شیوخ واساتذہ حدیث میں ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق طالقانی، احمد بن سعید دارمی، ازہر بن سعد السمان، اسحاق بن یوسف الازرق، اسماعیل بن عُلَیّہ، بشر بن عمر زہرانی، حجاج بن منہال، حسین بن حسن بصری، حفص بن غیاث، ابوالنعمان عجلی، حماد بن سہل، روح بن عُبادہ، سفیان بن عیینہ، ابوعاصم ضحاک بن مخلد، عبداللہ بن حمران، عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عثمان بن عثمان غطفانی، عثمان بن عمر بن فارس، عفان بن مسلم، کثیر بن ہشام، محمد بن جعفر غندر، محمد بن جہضم، محمد بن عبداللہ انصاری، محمد بن عرعرہ، معاذ بن معاذ، معاذ ابن ہشام، مکی بن ابراہیم، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن حماد شیبانی، یحییٰ بن سعید القطان، یزید بن ہارون، یونس بن بکیر، ابوبکر الحنفی، ابو داؤد طیالسی، ابوعامر العقدی، ابومعاویہ الضریر اور ابوالولید طیالسی وغیرہ محدثین عظام رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

تلامذہ

ان کے تلامذہ اور روایت کرنے والوں میں اصحاب اصول ستہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابویعلیٰ احمد بن علی موصلی، بقی بن مخلد اندلسی، جعفر بن محمد فریابی، حسین بن اسماعیل محاملی، ابوعروبہ حرانی، زکریا بن یحییٰ ساجی، زکریا بن یحییٰ السجزی، ابوزرعہ، ابوحاتم، محمد بن یحییٰ ذہلی، ابن ابی الدنیا، ابوالحسین سمنانی، عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش، قاسم بن زکریا المطرز، محمد بن اسحاق خزیمہ، محمد بن صالح النرسی، محمد بن ہارون رویانی، یحییٰ بن محمد بن صاعد اور ابوبکر بن ابی داؤد وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۲)

جلالت شان اور ائمہ کے توثیقی اقوال

محمد بن مثنیٰ رحمہ اللہ اور مشہور محدث بُندار ایک ہی سن یعنی ۱۶۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔(۳)

= رقم: ٤٢، إكمال ابن ماكولا: ٣٢٧/١٠، رقم: ٤٢٧٧، تذكرة الحفاظ: ٥١٢/٢، رقم: ٥٢٧، كتاب الثقات لابن حبان: ١١١/٩، الجرح والتعديل: ١٠٩/٨، رقم: ٤٠٩/١٣٧١٦، الكاشف: ٢١٤/٢، رقم: ٥١٣٤، تاريخ بغداد: ٥١/٤، رقم: ١٦٨٧

(۱) دیکھیے، تهذيب الكمال: ٣٥٩/٢٦-٣٦٢، تهذيب التهذيب: ٤٢٥/٩، ٤٢٦، سير أعلام النبلاء: ١٢٣/١٢

(۲) تهذيب الكمال: ٣٦٢/٢٦، تهذيب التهذيب: ٤٢٦/٩، سير أعلام النبلاء: ١٢٤/١٢

(۳) كتاب الثقات لابن حبان: ١١١/٩، تاريخ بغداد: ٥١/٤، تهذيب الكمال: ٣٦٤/٢٦

محمد بن مثنیٰ کا شمار محدثین کے طبقہ عاشرہ میں ہے۔(۱)

ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة".(۲)

ابوسعد ہروی کہتے ہیں کہ میں نے امام ذہلی سے ان کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: "حجة".(۳)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة ورع".(۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة ثبت".(۵)

ابوحاتم نے فرمایا: "صالح الحديث، صدوق".(۶)

مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقة، مشهور من الحفاظ".(۷)

ابوعروبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ابوموسیٰ اور یحییٰ بن حکیم سے زیادہ کسی کو حدیث میں اثبت (پختہ) نہیں پایا۔(۸)

عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان من الأثبات".(۹)

---

(١) تقريب التهذيب: ٢/ ١٢٩، الثقات لابن حبان: ٩/ ١١١

(٢) الجرح والتعديل: ٨/ ١١٠، تهذيب الكمال: ٢٦/ ٣٦٢، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٢٦، ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٤

(٣) تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٢٦، سير أعلام النبلاء: ١٢/ ١٢٤، تهذيب الكمال: ٢٦/ ٣٦٢، تاريخ بغداد: ٤/ ٥٢

(٤) الكاشف: ٢/ ٢١٤

(٥) تقريب التهذيب: ٢/ ١٢٩

(٦) الجرح والتعديل: ٨/ ١١٠، تهذيب الكمال: ٢٦/ ٣٦٣، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٢٦

(٧) إكمال تهذيب الكمال لابن ماكولا: ١/ ٣٣٠

(٨) تاريخ بغداد: ٤/ ٥٣، تهذيب الكمال: ٢٦/ ٣٦٣، تذكرة الحفاظ: ٢/ ٥١٢، سير أعلام النبلاء: ١٢/ ١٢٤

(٩) تاريخ بغداد: ٤/ ٥٣، تهذيب الكمال: ٢٦/ ٣٦٣، ٣٦٤، ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٤، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٢٧

یعنی محمد بن مثنیٰ حدیث کے پختہ راویوں میں سے تھے۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثقات'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا کہ یہ صاحب کتاب تھے اور اپنی کتاب سے دیکھ کر حدیث بیان کرتے تھے۔(۱)

ابن شاہین نے بھی ''کتاب الثقات'' میں تذکرہ کیا ہے۔(۲)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: "كان ثقة ثبتاً، احتج سائر الأئمة بحديثه". (۳) یعنی یہ ثقہ اور ثبت تھے، تمام ائمہ حدیث ان کی احادیث کو قابل احتجاج گردانتے ہیں۔

خطیب نے مزید فرمایا: "كان صدوقاً ورعاً عاقلاً فاضلاً". (۴) یعنی ابوموسیٰ صدوق، پرہیزگار عاقل اور فاضل تھے۔

عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی سے محمد بن مثنیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "أحد المحدثين الثقات". (۵) یعنی ثقہ محدثین میں سے ہیں۔ مزید فرمایا کہ بندار پر ابوموسیٰ کو تقدیم حاصل ہے؛ کیوں کہ وہ زیادہ تجربہ کار اور پختہ اسانید والے ہیں۔(۶)

ابن ماکولا وغیرہ نے صاحب ''الزهرة'' سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن مثنیٰ سے ایک سو تین [۱۰۳] حدیثیں، جب کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے سات سو بہتر [۷۷۲] احادیث روایت کی ہیں۔(۷)

وفات

مشہور محدث بُندار اور محمد بن مثنیٰ ایک ہی سن میں فوت ہوئے، بعض حضرات نے ابوموسیٰ کا سنہ وفات

(۱) كتاب الثقات: ۹/۱۱۱

(۲) إكمال ابن ماكولا: ۱۰/۳۳۰، تهذيب التهذيب: ۹/۴۲۷

(۳) تاريخ بغداد: ۴/۵۱، تهذيب الكمال: ۲۶/۳۶۴

(۴) تاريخ بغداد: ۴/۵۲، تهذيب الكمال: ۲۶/۳۶۴

(۵) إكمال ابن ماكولا: ۱۰/۳۲۹، تهذيب التهذيب: ۹/۴۲۷

(۶) إكمال ابن ماكولا: ۱۰/۳۲۹، تهذيب التهذيب: ۹/۴۲۷

(۷) إكمال ابن ماكولا: ۱۰/۳۳۰، تهذيب التهذيب: ۹/۴۲۷

۲۵۰ اور ۲۵۱ ہجری نقل کیا ہے،(۱) لیکن یہ درست نہیں، ابونصر کلاباذی کہتے ہیں کہ محمد بن مثنیٰ بندار کے انتقال کے چار ماہ بعد فوت ہوئے (۲)، علامہ مزی نے لکھا ہے کہ محمد بن مثنیٰ بندار کے انتقال کے بعد نوے [۹۰] دن حیات رہے، پھر انتقال کر گئے۔(۳)

راجح بات یہ ہے کہ محمد بن مثنیٰ بصرہ میں ذی قعدہ ۲۵۲ ہجری میں فوت ہوئے، یہی قول ابن حبان، ابراہیم بن محمد کندی، ابوالقاسم، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے منقول ہے۔(۴)

أبو عاصم

یہ امام ابوعاصم النبیل ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم شیبانی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کے تفصیلی احوال كتاب العلم، باب ماجاء في العلم وقوله تعالىٰ: ﴿وقل رب زدني علماً﴾ میں گذر چکے ہیں(۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام ابوعاصم امام بخاری رحمہ اللہ کے کبار شیوخ میں سے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں، البتہ حدیث باب کی سند میں ایک واسطہ (محمد بن مثنیٰ کا) اپنے اور ان کے درمیان میں لائے ہیں۔(۶)

حنظلة(۷)

یہ مکہ مکرمہ کے مشہور محدث حنظلہ بن ابی سفیان بن عبدالرحمٰن بن صفوان بن امیہ بن خلف بن وہب بن

---

(۱) تهذيب الكمال: ٣٦٥/٢٦، تهذيب التهذيب: ٤٢٧/٩

(۲) تهذيب الكمال: ٣٦٥/٢٦

(۳) تهذيب الكمال: ٣٦٥/٢٦

(٤) كتاب الثقات: ١١١/٩، تهذيب الكمال: ٣٦٥/٢٦، تاريخ بغداد: ٥٣/٤، سير أعلام النبلاء: ١٢٥/١٢، تذكرة الحفاظ: ٥١٢/٢، الكاشف: ٢١٤/٢، تهذيب التهذيب: ٤٢٧/٩، الكامل لابن اثير: ١٨٨/٦

(٥) كشف الباري: ١٥٢/٣-١٥٤

(٦) فتح الباري: ٤٨٩/٢، عمدة القاري: ٣٠٤/٣

(۷) ان کے مختصر حالات كشف الباري: ٦٢٦/١، كتاب الإيمان، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس" کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

حذافہ ابن جمح جمحی، مکی قرشی رحمہ اللہ ہیں۔(۱)

یہ عمرو بن ابی سفیان اور عبدالرحمٰن بن ابی سفیان کے بھائی ہیں(۲) ان کی والدہ کا نام ونسب حفصہ بنت عمرو بن ابی عقرب ہے۔(۳)

اساتذہ حدیث

حنظلہ بن ابی سفیان نے جن ائمہ کبار ومحدثین عظام سے حدیث کا علم حاصل کیا ان میں سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن میناء، طاؤس بن کیسان، عبداللہ بن عروۃ بن الزبیر، عبدالرحمٰن بن سابط جمحی، عبدالعزیز بن عبداللہ عمری، عروۃ بن محمد سعدی، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ بن خالد مخزومی، عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، مجاہد بن جبر، نافع مولیٰ ابن عمر اور ان کے دو بھائی عبدالرحمٰن بن ابی سفیان اور عمرو بن ابی سفیان رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۴)

تلامذہ

ان سے حدیث نقل کرنے والوں میں اسحٰق بن سلیمان رازی، جعفر بن عون عمری، حماد بن عیسیٰ جہنی، حماد بن مسعدہ، سعید بن خثیم ہلالی، سفیان ثوری، ابو عاصم النبیل، عبداللہ بن الحارث مخزومی، عبداللہ بن داؤد واسطی، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن نمیر، عبداللہ بن وہب، عبیداللہ بن موسیٰ، عنبہ بن عبدالواحد قرشی، مخلد بن یزید حرانی، مکی بن ابراہیم بلخی، وکیع بن الجراح، الولید بن عقبہ شیبانی، الولید بن مسلم اور یحیٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۵)

---

(١) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ٤٩٣/٥، تهذيب الكمال: ٤٤٣/٧، ٤٤٤، رقم الترجمة: ١٥٦، تهذيب التهذيب: ٦٠/٣، ٦١، رقم: ١١٠، سير أعلام النبلاء: ٣٣٦/٦، رقم: ١٣٩، تذكرة الحفاظ: ١٧٦/١، رقم: ١٧٤، التاريخ الكبير: ٤٤/٣، رقم: ١٧٠، الجرح والتعديل: ٢٦٠/٣، رقم: ١٠٧١، ميزان الاعتدال: ٦٢٠/١، رقم: ٢٢٧٠، الكاشف: ٣٥٨/١، رقم: ١٢٧٦، مقدمة الفتح: ٥٦٣/١

(٢) تهذيب الكمال: ٤٤٤/٧

(٣) الطبقات الكبرىٰ: ٤٩٣/٥

(٤) تهذيب الكمال: ٤٤٤/٧، تهذيب التهذيب: ٦٠/٣، ٦١

(٥) تهذيب الكمال: ٤٤٤/٧، ٤٤٥، سير أعلام النبلاء: ٣٣٧/٦، تهذيب التهذيب: ٦١/٣

ائمہ جرح وتعدیل کے توثیقی کلمات

امام ابوداؤ، ابوزرعہ، نسائی، یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ نے فرمایا: "ثقة".(۱)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر أعلام النبلاء" میں فرمایا: "كان من أئمة الحديث بمكة". (۲) یعنی حنظلہ مکہ کے ائمہ حدیث میں سے تھے۔

ابن عدی کی جرح

ابن عدی نے "الكامل في الضعفاء" میں ان تذکرہ کیا ہے اور ائمہ سے ان کی توثیق بھی نقل کی ہے، البتہ ان کی ایک روایت نقل کر کے اس کو منکر دیا ہے اور کہا کہ اس حدیث کا متن غیر محفوظ ہے، البتہ یہ بھی کہا کہ یہ روایت حنظلہ سے مروی نہیں، بلکہ ابوقتادہ عبداللہ بن واقد حرانی کو وہم ہوا ہے، انہوں نے اس کی نسبت حنظلہ کی طرف کردی ہے، کیوں کہ حنظلہ عام طور سے مستقیم اور صالح احادیث نقل کرتے ہیں اور جب وہ کسی ثقہ سے روایت کرتے ہیں تو مستقیم الحدیث ہوتے ہیں۔ (۳)

علامہ ذہبی کا ابن عدی پر نقد

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن عدی کا ضعفاء میں ان کا تذکرہ کرنے پر مذمت کی اور میزان الاعتدال میں فرمایا: "ذكره ابن عدي وإلا لما كنت أذكره" یعنی ابن عدی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں بھی ان کا تذکرہ نہ کرتا (کیوں وہ ثقہ ہیں)۔ (۴)

سیر أعلام النبلاء میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن عدی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ ابن عدی نے "الکامل" میں ان کا ذکر کر کے اپنے آپ کو پریشانی میں ڈال دیا ہے، وہ ان کے کسی عیب کو بیان نہیں کرسکے،

---

(۱) تهذيب التهذيب: ٣/ ٦١، الجرح والتعديل: ٣/ ٢٦٠

(۲) سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٣٧

(۳) الكامل في الصعفاء: ٢/ ٤٢٠، ٤٢١، رقم: ١٦٨/ ٥٣٧

(٤) ميزان الاعتدال: ١/ ٦٢٠، رقم: ٢٣٧٠

اصل میں یہ ان کی بے جا سختی ہے۔(۵)

ابن عدی کی ذکر کردہ حدیث

ابن عدی نے اپنے شیخ احمد بن عبداللہ بن سابور کی سند سے حنظلہ بن ابی سفیان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اغسلوا قتلاکم". اس حدیث کونقل کرنے کے بعد ابن عدی نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو اپنے شیخ ابن سابور کے علاوہ کسی اور سے نہیں لکھا۔(۱)

حدیث کا صحیح محمل

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر أعلام النبلاء" میں اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھا کہ "ورواته ثقات" یعنی اس کے راوی ثقہ ہیں، (اگر متن کو درست مانا جائے تو پھر) یہ اس مقتول پر محمول ہوگی جو میدان قتال کے علاوہ مارا جائے، اس کے بعد علامہ ذہبی نے مزید لکھا شاید (متن کی) یہ غلطی ابن عدی کے شیخ یا شیخ الشیخ کی طرف سے ہے، اس لیے کہ ثقہ راوی بھی کبھی وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔(۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ "الحافظ الثبت" اور الکاشف میں "من

---

(۵) سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٣٧

(١) الكامل: ٢/ ٤٢١

(٢) سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٣٧، ٣٣٨

محشی سیر أعلام النبلاء نے ابن عدی پر علامہ ذہبی کی گرفت پر لکھا ہے کہ مؤلف (علامہ ذہبی) پر کی (ابن عدی) یہ گرفت احادیث کے متون اور ان پر نقد کے حوالہ سے ان کی سعت اطلاع اور بصیرت نافذہ کو واضح کرتی ہے، اور علامہ ذہبی کی اس طرح گرفت کی بہت سے مثالیں تراجم میں پھیلی ہوئی ہیں، جب کہ بہت سارے محدثین اس سے غافل ہیں، حالاں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خاص کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متون حدیث پر نقد کا اہتمام کرتے تھے، اگر وہ متنِ حدیث قرآن کریم، یا حس سلیم، یا ان عقلی دلائل کے خلاف ومبائن ہو جو اسلام اور اس کے اصول وکلیات کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ متون احادیث جن کے رجالِ اسانید اگرچہ ثقہ وعادل ہیں ان پر نقد وگرفت کے حوالہ سے امام زرکشی کی تالیف "مستدركات عاشة رضي الله عنها" ایک بہترین نمونہ ہے۔(تعليقات سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٣٨)

الأثبات" کے الفاظ سے کیا ہے۔(۱)

عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام وکیع حنظلہ کی حدیث نقل کرتے تو"حدثنا حنظلة بن أبي سفيان" کے بعد فرماتے:"كان ثقة ثقة".(۲)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:حنظلة بن أبي سفيان ثقة". (۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:"ثقة ثقة".(۴)

ابن ابی مریم رحمہ اللہ نے ابن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:"ثقة حجة". (۵)

یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:"كان ثقة". (٦)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا:"كان ثقة". (۷)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "ثقات" میں تذکرہ کیا ہے۔(۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔(۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:"ثقة وثقه يحيىٰ بن سعيد القطان". (۱۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:"فحنظلة إذاً ثقة بإجماع". (۱۱) حنظلہ بالاجماع ثقہ ہے۔

---

(۱) تذكرة الحفاظ: ۱۷٦/۱، الكاشف: ۳٥۸/۱

(۲) الجرح والتعديل: ۲٦۰/۳، تهذيب الكمال: ٤٤٥/۷

(۳) سير أعلام النبلاء: ۳۳۷/٦، الجرح والتعديل: ۲٦۰/۳

(٤) تهذيب التهذيب: ٦۱/۳، تذكرة الحفاظ: ۱۷٦/۱

(٥) تذكرة الحفاظ: ۱۷٦/۱، تهذيب الكمال: ٤٤٥/۷

(٦) مقدمة الفتح: ٥٦۳/۱، تهذيب التهذيب: ٦۱/۳

(۷) الطبقات: ٤۹۳/٥

(۸) تهذيب التهذيب: ٦۱/۳

(۹) مقدمة الفتح: ٥٦۳/۱، تعليقات تهذيب الكمال: ٤٤٦/۷

(۱۰) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء، تحت رقم الحديث: ۳۳۸٦

(۱۱) ميزان الاعتدال: ٦۲۰/۱

وفات

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حنظلہ بن ابی سفیان ۱۵۱ ہجری تک حیات تھے۔(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ حنظلہ بن ابی سفیان، ۱۵۱ ہجری میں انتقال کر گئے۔(۲) یہی قول (۱۵۱ھ میں وفات کا) ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، ابن حبان، ابن زبر، حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔(۳) رحمه الله رحمةً واسعةً.

القاسم

یہ مشہور محدث وفقیہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ، قرشی، تیمی، مدنی رحمہ اللہ ہیں۔(۴)

ان کی والدہ ام ولد تھیں، انہیں سودہ کہا جاتا تھا۔(۵)

ابومحمد ان کی کنیت ہے، ابوعبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے۔(۶)

ولادت

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سير أعلام النبلاء" میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ کی ولادت حضرت علی رضی اللہ

(۱) تهذيب الكمال: ٧/ ٤٤٧

(٢) تهذيب التهذيب: ٣/ ٦١، التاريخ الكبير: ٣/ ٤٤، ٤٥

(٣) الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ٤٩٣، حاشية تهذيب الكمال: ٧/ ٤٤٧، الكاشف: ١/ ٣٥٨، سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٣٨

(٤) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٧، ٣٢٨، رقم الترجمة: ١٤٣٢، الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ١٨٧، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٢٧، رقم: ٤٨١٩، التاريخ الكبير: ٧/ ١٥٧، رقم: ٧٠٥، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٣، رقم: ١٨، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٣٣، رقم: ٦٠١، تذكرة الحفاظ: ١/ ٩٦، رقم: ٨٨، حلية الأولياء: ٢/ ١٨٣، رقم: ١٧٢، كتاب الثقات: ٥/ ٣٠٢، الجرح والتعديل: ٧/ ١٥٨، رقم: ٦٧٥، تقريب التهذيب: ٢/ ٣٣، رقم: ٥٥٠٦، الكاشف: ٢/ ١٣٠، رقم الترجمة: ٤٥٢٨

(٥) الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ١٨٧، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٠

(٦) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٨، الطبقات: ٥/ ١٩٤، الثقات: ٥/ ٣٠٢، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٢٧، تهذيب =

عنہ کے دور خلافت میں ہونا نقل کی ہے، جب کہ "تاریخ الإسلام" میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہونا لکھا ہے۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے والد محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تقریباً ۳۶ ہجری میں قتل کیے گئے تو قاسم یتیم ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں آئے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں ان جیسا سوائے قاسم کے کسی اور کو نہیں پایا۔(۳)

شیوخ حدیث اور کسب علم

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ یتیم ہو کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں آئے اور ایک طویل عرصہ ان کی صحبت میں رہے، ان سے حدیث کا علم بکثرت حاصل کیا اور دینی مسائل میں تفقہ پیدا کیا۔(۴)

علامہ واقدی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت قاسم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا، حضرت قاسم رحمہ اللہ کہتے کہ میں نے اپنی بچگانہ حرکتوں کے باوجود ان کی صحبت کو لازم پکڑا تھا اور میں علم کے سمندر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا، ان کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بکثرت بیٹھا کرتا تھا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں ورع، بکثرت علم اور جن چیزوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب میں توقف ہوتا تھا۔(۵)

= التهذيب: ٨/ ٣٣٣

(١) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٤، تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٨

(٢) تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٠، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٣٤

(٣) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٥، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٠

(٤) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٤، تذكرة الحفاظ: ١/ ٩٧، تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٨

(٥) تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٠، ٤٣١، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٥

آپ رحمہ اللہ نے حدیث کا علم حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس، اپنی دادی اَسماء بنت عمیس، ابو ہریرہ، فاطمہ بنت قیس، رافع بن خدیج، عبداللہ بن خباب، عبداللہ بن عمرو، معاویہ رضی اللہ عنہم، اسلم مولی عمر بن الخطاب، صالح بن خوَّات بن جبیر، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبد بن جاریہ کے دو صاحبزادوں سے حاصل کیا۔(۱)

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔(۲)

ان کی اپنے والد محمد رحمہ اللہ اور دادا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہے۔(۳)

تلامذہ

حضرت قاسم رحمہ اللہ سے محدثین کے ایک جم غفیر نے استفادہ کیا، آپ رحمہ اللہ سے حدیث کا علم حاصل کرنے والوں میں اسامہ بن زید لیثی، افلح بن حُمید، انس بن سیرین، ایوب سختیانی، جعفر بن محمد الصادق، حُمید الطّویل، حنظلہ بن ابی سفیان، سالم بن عبداللہ بن عمر، عامر شعبی، ابوالزِّناد عبداللہ ابن ذکوان، عبداللہ بن عون، عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد، عیسیٰ بن میمون واسطی، مالک بن دینار، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، محمد بن منکدر، نافع مولیٰ ابن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور ابوعثمان رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۴)

ائمہ کے توثیقی کلمات اور جلالت شان

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ فقہائے مدینہ میں سے تھے، امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے "حلیۃ

(۱) تهذيب الكمال: ۲۳/۴۲۷، ۴۲۸، تهذيب التهذيب: ۸/۳۳۳، سير أعلام النبلاء: ۵/۵٤، تاريخ الإسلام: ۳/۳۲۸

(۲) سير أعلام النبلاء: ۵/۵٤، تهذيب الكمال: ۲۳/۴۲۷، ۴۲۸

(۳) سير أعلام النبلاء: ۵/۵٤، تعليقات الكاشف: ۲/۱۳۰

(٤) تهذيب الكمال: ۲۳/۴۲۸-۴۳۰، تهذيب التهذيب: ۸/۳۳۳، ۳۳٤، سير أعلام النبلاء: ۵/۵٤

الأولیاء“ میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: قاسم بن محمد بن ابی بکر فقیہ، پرہیزگار، شفیق، متواضع، صدیق کے فرزند، عمدہ حسب والے، غامض احکام کے بتلانے میں فائق اور اچھے اخلاق کی طرف سبقت کرنے والے تھے۔(۱)

ابن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”كان من أفضل أهل زمانه“. (۲) یعنی اپنے زمانہ کے سب سے افضل لوگوں میں تھے۔

ابو الزناد رحمہ اللہ نے فرمایا: ”میں نے قاسم سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم نہیں پایا، اور کسی کو اس وقت تک بڑا آدمی شمار نہیں کیا جاتا جب تک کہ اسے سنت کا علم نہ ہو“۔(۳)

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے (اپنے زمانہ میں) مدینہ میں کسی کو نہیں پایا کہ ہم اسے قاسم پر فضیلت دیتے۔(۴)

محمد بن سعد رحمہ اللہ نے محمد بن عمر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”كان ثقة، وكان رفيعاً عالياً فقيهاً إماماً، كثير الحديث، ورعاً“. (۵)

یعنی قاسم بن محمد ثقہ، بلند و عالی مرتبہ والے، فقیہ، امام، کثیر الحدیث اور پرہیزگار تھے۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاسم بن محمد بڑے تابعین اور علم، ادب، عقل وفقہ میں اپنے زمانہ کے افضل و بہترین لوگوں میں سے تھے اور بہت کم گو تھے۔(۶)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ”تاريخ الإسلام“ میں فرمایا: ”كان فقيهاً، إماماً، مجتهداً، ورعاً، عابداً، ثقة، حجة“. (۷) اور ”سير أعلام النبلاء“ میں فرمایا: ”الإمام القدوة، الحافظ الحجة، عالم

(۱) حلية الأولياء: ۱۸۳/۲

(۲) التاريخ الكبير: ۱۵۷/۷، الجرح والتعديل: ۱۵۸/۷

(۳) حلية الأولياء: ۱۸٤/۲، التاريخ الكبير: ۱۵۷/۷، تاريخ الإسلام: ۳۲۸/۳، سير أعلام النبلاء: ۵٦/۵

(٤) تاريخ الإسلام: ۳۲۸/۳، حلية الأولياء: ۱۸٤/۲، تهذيب الكمال: ٤۳۱/۲۳

(۵) الطبقات الكبرىٰ: ۱۹٤/۵، تذكرة الحفاظ: ۹۷/۱، سير أعلام النبلاء: ۵۵/۵

(٦) كتاب الثقات لابن حبان: ۳۰۲/۵

(۷) تاريخ الإسلام: ۳۲۸/۳

وقته بالمدينة مع سالم وعكرمة". (۱) یعنی حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ فقیہ، امام، مجتہد، پرہیزگار، عبادت گزار، ثقہ، قدوہ، حافظ، حجت اور سالم وعکرمہ کے ساتھ اپنے زمانہ میں مدینہ کے بڑے عالم تھے۔

سفیان ابن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تین اشخاص ہیں: قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن۔ (۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن مدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ کی دو سو حدیثیں ہیں۔ (۳)

امام بخاری کا نرالا اندازِ روایت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت قاسم کے بیٹے عبدالرحمٰن سے بواسطہ سفیان حدیث نقل کرنے میں ایک نرالا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

"حدثنا عبدالرحمن بن القاسم وكان أفضل أهل زمانه، أنه سمع أباه وكان أفضل أهل زمانه". (۴) ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن قاسم نے اور وہ اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں سے تھے، انہوں نے اپنے والد قاسم سے سنا اور وہ اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔

فقہائے مدینہ میں شمار

ابوالزناد نے فرمایا کہ اہل مدینہ میں سات بڑے لوگ ہیں (یعنی فقہاء) جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو لیا جاتا تھا، ان میں سے ایک قاسم ہے۔ (۵) یحییٰ بن قطان رحمہ اللہ

(۱) سير أعلام النبلاء: ٥/٥٣، ٥٤

(۲) الجرح والتعديل: ٧/١٥٩، تاريخ الإسلام: ٣/٣٢٨

(۳) تهذيب الكمال: ٢٣/٤٣٠، سير أعلام النبلاء: ٥/٥٤

(٤) كتاب الحج، باب الطيب بعد رمي الجمار والحلق قبل الإفاضة، رقم: ١٧٥٤

(٥) تاريخ الإسلام: ٣/٣٢٨

نے فرمایا کہ فقہائے مدینہ دس ہیں، پھران میں سے قاسم کا نام لیا۔(۱)

عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ وہ اس امت کے فقہاء میں سے تھے۔(۲)

ابن سیرین کا قاسم کے حالات معلوم کر کے اقتدا کرنا

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن سیرین رحمہ اللہ جب بیمار ہوئے اور حج پر نہ جاسکے، تو حج پر جانے والوں سے کہتے کہ وہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ کی سیرت، لباس وغیرہ کا جائزہ لے کر آجائیں، لوگ واپس آکران کوقاسم بن محمد رحمہ اللہ کے (حالات ومعمولات کے) بارے میں بتلاتے تو ابن سیرین قاسم کی اقتدا کیا کرتے تھے۔(۳)

خیار التابعین

احمد بن عبداللہ عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان من خيار التابعين وفقهائهم"، ایک اور جگہ فرمایا: "مدني، تابعي، ثقة، نزه، رجل، صالح". (۴)

مصعب بن عبداللہ بن زبیری رحمہ اللہ نے فرمایا: "القاسم بن محمد من خيار التابعين". (۵)

تواضع اور علمی معاملات میں حزم واحتیاط

یونس بن بکیر کہتے ہیں کہ ہم سے ابن اسحاق نے بیان کیا کہ ایک اعرابی قاسم بن محمد کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ زیادہ علم والے ہیں یا سالم؟ قاسم بن محمد نے جواب میں فرمایا: سبحان اللہ! ہم میں سے ہر ایک تمہیں اپنے علم کے مطابق جواب دے گا، یعنی تم جو بات معلوم کرنا چاہتے ہو اس کے بارے میں سوال کرو، اس نے پھر پوچھا کہ تم میں اعلم کون ہے؟ آپ نے جواب میں کہا! سبحان اللہ! اس نے پھر سوال دہرایا، تو آپ

---

(۱) تاريخ الإسلام: ۳۲۸/۳

(۲) تهذيب الكمال: ۴۳۳/۲۳، تهذيب التهذيب: ۳۳٤/۸

(۳) سير أعلام النبلاء: ۵۷/۵، تهذيب الكمال: ۴۳۳/۲۳

(٤) تهذيب التهذيب: ۳۳۵/۸، سير أعلام النبلاء: ۵۷/۵

(۵) تهذيب الكمال: ۴۳۳/۲۳، تهذيب التهذيب: ۳۳۵/۸

نے جواب میں فرمایا: وہ سالم ہیں، جاؤ! جو پوچھنا ہے ان سے پوچھو، یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گئے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ یہ کہیں کہ میں زیادہ جاننے والا ہوں، کیوں کہ یہ اپنی ہی تعریف وتزکیہ ہوتا اور یہ بھی ناپسند کیا کہ سالم کو اعلم کہیں، کیوں یہ غلط بیانی تھی، ابن اسحاق کہتے ہیں قاسم سالم سے زیادہ علم والے تھے۔(۱)

ایوب کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ کو قاسم سے کچھ پوچھتے ہوئے سنا، جواب میں قاسم کبھی لا أدري اور کبھی لا أعلم فرماتے، یحییٰ نے جب اور پوچھنا شروع کیا تو فرمایا: اللہ کی قسم! جو کچھ تم ہم سے پوچھتے ہو ہم اس میں سے ہر بات کا علم نہیں رکھتے ہیں۔(۲)

حماد بن زید نے عبید اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قاسم بن محمد قرآن کی تفسیر نہیں کرتے تھے، (یعنی احتیاط فرمایا کرتے تھے)۔(۳)

ابو الزناد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت قاسم رحمہ اللہ صرف ظاہری چیزوں سے متعلق سوال کا جواب دیا کرتے تھے۔(۴)

ابن عون رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت قاسم رحمہ اللہ نے کسی سوال کے جواب میں کچھ کہا اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری رائے ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حق ہے۔(۵)

تقدیر سے متعلق گفتگو سے ممانعت اور قدریہ پر لعن کرنا

عمران بن عبد اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ تقدیر کے بارے بات کر رہے تھے، حضرت قاسم رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ جس کو اللہ نے بیان نہیں کیا تم اس کے بارے میں گفتگو مت کرو۔(٦)

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٦، حلية الأولياء: ٢/ ١٨٤.

(٢) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٩، حلية الأولياء: ٢/ ١٨٤

(٣) الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ١٨٧، تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٩

(٤) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٩، الطبقات الكبرى: ٥/ ١٨٧

(٥) الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ١٨٧، تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٢٩

(٦) الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ١٨٨

ابن عمار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم اور سالم کو "قدریہ" پر لعن کرتے ہوئے سنا۔(۱)

احادیث کے املاء میں کثرت سے احتیاط

عبداللہ بن العلاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم رحمہ اللہ سے گذارش کی کہ وہ مجھے کچھ احادیث کا املاء لکھوائیں، تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں احادیث بہت زیادہ ہوگئیں تھیں (یعنی لوگ بغیر احتیاط کے ہر بات کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے لگے تھے،) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا اللہ کا واسطہ دیا کہ وہ اپنی لکھی ہوئی احادیث ان کے پاس لے کر آئیں، لوگ جب اپنی لکھی ہوئی احادیث ان کی خدمت میں لائے تو آپ نے ان کے جلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اہل کتاب کی کجی کی طرح کجی ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ قاسم نے اس دن کے بعد سے مجھے حدیث لکھنے سے منع کر دیا۔(۲)

یحییٰ ابن سعید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت قاسم رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی عشاء کے بعد ایک دوسرے کو حدیث سناتے تھے۔(۳)

عبدالرحمٰن ابن ابی الموال کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ صبح گھر سے مسجد تشریف لاتے اور دو رکعت نفل پڑھ کر پھر لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو لوگ آپ سے (علمی) سوال کرتے تھے۔(۴)

وصیت

افلح بن حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں قاسم رحمہ اللہ نے اپنی وصیت لکھواتے ہوئے فرمایا کہ یہ قاسم بن محمد کی وصیت ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیتے کہ اللہ کے سواہ کوئی معبود نہیں۔(۵)

سلیمان بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے (موت کے وقت) کہا:

"مجھے میرے ان کپڑوں میں کفن دینا جن میں نماز پڑھا کرتا ہوں یعنی قمیص،

---

(۱) تاریخ الإسلام: ۳۲۹/۳، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۵

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۵۹/۵، تاریخ الإسلام: ۳۲۹/۳

(۳) الطبقات الکبریٰ: ۱۸۸/۵

(٤) الطبقات الکبریٰ: ۱۸۹/۵، تاریخ الإسلام: ۳۲۹/۳

(٥) الطبقات الکبریٰ: ۱۹۳/۵

ازار اور چادر، آپ کے بیٹے نے کہا: اباجان آپ دو کپڑوں کو بھی پسند نہیں کرتے (یعنی نیا کفن لیا جائے)؟ جواب میں فرمایا: بیٹے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی اسی طرح تین کپڑوں کا کفن تھا، جب کہ میت سے زیادہ زندہ آدمی نئے کپڑوں کا محتاج ہوتا ہے"۔(۱)

خالد بن ابی بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر کوئی تعمیر نہ کی جائے۔(۲)

یزید کہتے ہیں کہ میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت موجود تھا، وہ قُدَید میں فوت ہوئے اور مُشَلَّل میں دفن ہوئے، ان دونوں جگہوں کے درمیان تین میل جتنا فاصلہ ہے، ان کے بیٹے نے چارپائی اپنے کندھے پر رکھی اور چلتے رہے یہاں تک مُشَلَّل پہنچے۔(۳)

وفات

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، متعدد اقوال پائے جاتے ہیں، چناں چہ ضمرہ نے رجاء بن جمیل ایلی سے نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد عبدالملک کے دور میں ۱۰۱ ہجری، یا ۱۰۲ ہجری میں انتقال ہوا۔(۴)

عبداللہ بن عمر عمری رحمہ اللہ سے ۱۰۵ ہجری منقول ہے۔(۵)

خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ۱۰۶ھ کے اواخر، یا ۱۰۷ ہجری کی ابتدا میں فوت ہوئے۔(۶)

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ٥/ ٦٠، الطبقات الكبرى: ٥/ ١٩٣

(۲) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٣٠، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٦٠

(۳) الطبقات الكبرى: ٥/ ١٩٣، ١٩٤

(٤) الثقات لابن حبان: ٥/ ٣٠٢، التاريخ الكبير: ٧/ ١٥٧، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٤، ٤٣٥، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٣٥

(٥) التاريخ الكبير: ٧/ ١٥٧، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٨، تهذيب الكمال: ٢٣/ ٤٣٥، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٣٥

(٦) تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٣٠، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٣٥، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٥٨، تذكرة الحفاظ: ١/ ٩٧

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التہذیب" ۱۰۶ ہجری کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

ہیثم بن عدی اور یحییٰ بن بکیر سے ۱۰۷ ہجری مروی ہے،(۲) علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "الکاشف" میں اسی کو اختیار کیا ہے۔(۳)

واقدی، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، ابوعبید اور فلاس رحمہ اللہ سے ۱۰۸ ہجری کا قول مروی ہے، واقدی نے کہا کہ ۷۰ یا ۷۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا، اس وقت قاسم بن محمد کی بینائی بھی چلی گئی تھی۔(۴)

عمر الضریر رحمہ اللہ نے کہا کہ ۱۰۹ ہجری میں فوت ہوئے۔(۵)

ابن سعد رحمہ اللہ سے ۱۱۲ ہجری منقول ہے،(٦) ابوالحسن ابن البرّاء نے ابن مدینی سے ایک قول ۱۱۲ ہجری کا بھی نقل کیا ہے،(۷) لیکن علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن سعد کے قول کو شاذ قرار دیا ہے،(۸) نوح بن حبیب سے ۱۱۷ ہجری کا قول مروی ہے،(۹) اس کے بھی شاذ ہونے میں کوئی تأمل نہیں۔

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے چند بیش بہا اقوال

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

☆- اللہ کے حق کو پہچاننے کے بعد جاہل بن کر زندگی گذارنا بہتر ہے اس سے کہ آدمی ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہ ہو۔(۱۰)

---

(١) تقريب التهذيب: ٢٣/٢

(٢) سير أعلام النبلاء: ٥٨/٥، تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣، تاريخ الإسلام: ٣٣٠/٣

(٣) الكاشف: ١٣٠/٢

(٤) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣، سير أعلام النبلاء: ٥٨/٥، تاريخ الإسلام: ٣٣٠/٣، الطبقات لابن سعد: ١٩٤/٥

(٥) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣

(٦) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣، سير أعلام النبلاء: ٥٨/٥، تهذيب التهذيب: ٣٣٥/٨

(٧) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣، سير أعلام النبلاء: ٥٨/٥

(٨) سير أعلام النبلاء: ٥٨/٥، تاريخ الإسلام: ٣٣٠/٣

(٩) تهذيب الكمال: ٤٣٥/٢٣

(١٠) الطبقات لابن سعد: ١٨٨/٥، تهذيب الكمال: ٤٣٣/٢٣، تاريخ الإسلام: ٣٢٩/٣، سير أعلام النبلاء: ٥٧/٥

☆-صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔(۱)

☆-آدمی کی اپنی عزت کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے احاطہ علم سے باہر کوئی بات نہ کرے۔(۲)

☆-بیٹے! ان چیزوں کے بارے میں حلفیہ گفتگو نہ کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو۔(۳)

☆-نئے کپڑوں کا میت سے زیادہ زندہ محتاج ہوتا ہے۔(۴)

عائشة رضي الله عنها

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی زوجہ محترمہ، اُم المؤمنین، طیبہ طاہرہ اور صدیقہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے مختصر حالات زندگی ''بدء الوحي'' کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

شرح حدیث

كان إذا اغتسل من الجنابة

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے۔

"اغتسل" سے ارادہ غسل مراد ہے،(۶) جیسا کہ امام اسماعیلی کی روایت "إذا أراد أن يغتسل" کی صراحت سے معلوم ہو چکا ہے۔(۷)

دعا بشيء نحو الحلاب

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلاب کی طرح کوئی چیز (برتن) منگواتے تھے۔

---

(۱) الطبقات: ۱۸۹/۵، سير أعلام النبلاء: ۶۰/۵، تاريخ الإسلام: ۳۲۹/۳

(۲) تهذيب الكمال: ۴۳۴/۲۳، سير أعلام النبلاء: ۵۷/۵

(۳) الطبقات لابن سعد: ۱۸۹/۵

(۴) تاريخ الإسلام: ۳۳۰/۳، الطبقات: ۱۹۳/۵

(۵) دیکھیے، كشف الباري: ۲۹۱/۱-۲۹۵

(۶) فتح الباري: ۴۸۹/۲، عمدة القاري: ۳۰۴/۳، إرشاد الساري: ۴۹۶/۱

(۷) فتح الباري: ۴۸۸/۲، عمدة القاري: ۳۰۳/۳، الكنز المتواري: ۱۹۷/۳

"دعا" بمعنی "طلب" ہے، "نحو الحلاب" یعنی حلاب کی طرح کوئی برتن منگواتے تھے۔(۱)

علامہ کشمیری کی تحقیق

"نحوالحلاب" پر علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دوسرے طرقِ روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ "حلاب" نامی برتن میں (بھی) غسل فرمایا۔(۲)

دیگر طرق میں حلاب کا ذکر

چناں چہ ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوعاصم رحمہ اللہ سے یزید بن سنان رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے: "كان يغتسل من حلاب". (۳)

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہی الفاظ نقل کیے ہیں، (۴) جب کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے "يغتسل في حلاب" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔(۵)

حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نحوالحلاب سے بلحاظ مقدار حلاب جیسا برتن مراد ہے کیوں کہ ابوعوانہ نے ابوعاصم سے نقل کیا ہے:

"وصفه أبو عاصم بأنّه أقلّ من شبر في شبر".

ابوعاصم نے اس کی مقدار ایک ایک بالشت طول وعرض سے کم قرار دی ہے۔(۶)

---

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۰٤، التوشيح: ۱/۲٤٦، إرشاد الساري: ۱/٤۹٦

(۲) فيض الباري: ۱/٤٥٦

(۳) كتاب الطهارة، باب صفة الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجنابة: ۱/۲٤۸، رقم: ۸٥۳

(٤) كتاب الوضوء، باب استحباب بدء المغتسل بإفاضة الماء على الميا من قبل المياسر: ۱/۱۲۲، رقم: ۲٤٥

(٥) صحيح ابن حبان، كتاب الطهارة، باب الغسل، ذكر وصف الغرفات الثلاث التي وصفناه للمغتسل من الجنابة، رقم: ۱۱۹۷

(٦) مسند أبي عوانة، كتاب الطهارة، باب الأواني التي كان يغتسل منها رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجنابة: ۱/۲٤۷، رقم: ۸٥۷

ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

"أشار أبو عاصم بكفيه، حكاية حلق شبريه، يصف به دوره الأعلىٰ".

ابو عاصم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کیا، گویا دونوں ہاتھوں کی بالشتوں سے حلقہ بنا کر اس کے اوپر کے گھیرے کا دور اور حلقہ کی کیفیت بتلائی یعنی حلاب یا اس جیسا برتن ایسا ہوتا تھا۔(۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے سنن کبریٰ میں حلاب کی مقدار کے بارے میں نقل کیا:

"فإذا هو كقدر كوز، يسع ثمانية أرطال".(۲)

یعنی وہ برتن (حلاب) مثل مقدار کوز تھا، جس میں آٹھ رطل پانی کی گنجائش تھی۔

روایت بیہقی سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے سلسلہ میں منقول "صاع" کی مقدار بھی آٹھ رطل ہی تھی، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ماقبل میں گزرا ہے۔(۳)

غسل کے پانی کی مقدار کا بیان

علامہ عینی رحمہ اللہ اور ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث باب کے بعض طرق میں آیا ہے:

"إنّه سئل كم يكفي من غسل الجنابة؟ فحدث بهذا الحديث".

حضرت قاسم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ غسل جنابت کے لیے کتنا پانی کافی ہوجاتا ہے؟ آپ نے جواب میں حدیثِ باب بیان کی، جیسا کہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے بقول: "فأشار إلى القدح والحلاب". یعنی آپ نے قدح اور حلاب کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں غسل کے پانی کی مقدار کا بیان ہے نہ کہ خوشبو کا۔(۴)

---

(۱) رقم الحديث: ١١٩٧

(٢) كتاب الطهار، باب استحباب البداية فيه بالشق الأيمن: ١/ ٢٨٤، رقم: ٨٧٢

(٣) فتح الملهم: ٣/ ٧٦

(٤) عمدة القاري: ٣/ ٣٠٤، ٣٠٥، فتح الباري: ١/ ١٥٤

علامہ عینی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا کہ معانی کا ذوق رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حلاب سے یہاں امام بخاری نے صرف برتن مراد لیا ہے نہ کہ اور کوئی چیز، شراح نے بغیر کسی فائدہ کے اس پر بکثرت کلام کیا ہے، حالاں کہ حدیث کے الفاظ ہماری بات کی دلیل ہیں، اس لیے کہ حدیث میں "نحو الحلاب" کے الفاظ آئے ہیں، اور "نحو" یہاں "مثل" کے معنی میں ہے اور مثلِ شئے اس کی غیر ہوتی ہے، اگر یہاں بعینہ حلاب کا طلب فرمانا ہوتا تو پھر شاید بات قابل اشکال ہوتی، جب کہ بعض الفاظ: دعا بأنا مثل الحلاب کے بھی ہیں۔(۱)

نحوالحلاب میں تشبیہ کس لحاظ سے ہے؟

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ "نحوالحلاب" میں تشبیہ بلحاظ کیفیت "ما في الانا" بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح حلاب دوہنی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل فرمانا ثابت ہے کہ اس میں پانی ڈال کر غسل کرنا باوجود دودھ کے اثرات ظاہر ہونے کے درست ہے، اسی طرح آٹا گوندھنے کے اسی لگن (برتن) سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل ثابت ہے جس میں آٹے کے اثرات موجود تھے، چناں چہ مسند احمد میں "باب في حكم الماء متغير بطاهر أجنبي عنه" کے تحت اس کے ثبوت میں دو حدیثیں ذکر ہوئی ہیں، جن پر حاشیہ میں الأحکام کے تحت لکھا کہ احادیث الباب سے جواز طہارت کا حکم ایسے پانی سے معلوم ہوا جس میں کوئی اجنبی طاہر چیز مل گئی ہو اور اس سے پانی میں تغیر بھی آ گیا ہو، بشرطیکہ وہ تغیر معمولی ہو اور اس سے پانی اپنی حدود وصف سے خارج نہ ہو جائے اور یہی مالکیہ کے سوا باقی ائمہ مجتہدین کا مذہب ہے، صرف مالکیہ اس کے قائل ہیں کہ ایسا پانی خود تو پاک ہے مگر مطہر (پاک کرنے والا) نہیں ہے۔(۲)

اس توجیہ سے "دعا بحلاب" اور "دعا بنحو حلاب" دونوں کی غرض ایک ہو جاتی ہے۔(۳)

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۵/۳

(۲) الفتح الرباني مع بلوغ الأماني: ۲۱۳/۱، ۲۱٤

(۳) أنوار الباري: ۱۸۹/۹، ۱۹۹

الحلاب وغیرہ کی لغوی تحقیق

"الحلاب" لغت میں حلب یحلب (باب نصر) سے مصدر ہے، جمع حُلُبٌ آتی ہے، دودھ اور دودھ نکالنے کے برتن کو کہتے ہیں۔(۱) مراد برتن ہی ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے علامہ جوہری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ المَحْلَبُ میم اور لام کے فتحہ کے ساتھ ایک پودا اور دوا ہے جس سے خوشبو تیار کی جاتی ہے اور الحُلبَةُ حاء کے ضمہ کے ساتھ معروف دانہ ہے یعنی میتھی جو بطور سالن بھی پکائی جاتی ہے اور بطور دوا بھی استعمال کی جاتی ہے، (اس کی جمع حُلَبٌ آتی ہے)۔(۲)

"الحُلَّب" حاء کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ ایک جڑی بوٹی ہے جسے اطباء عموماً دواء میں استعمال کرتے ہیں، ابوزید اصمعی نے کہا کہ حُلَّب زمین پر ٹیڑھی میڑھی پھیلی ہوئی سبز رنگ کی ایک بیل کو کہتے ہیں جسے توڑا جائے تو اس سے دودھ نما کوئی چیز نکلتی ہے، "سِقَاءٌ حُلَّبِيٌّ" اس سے ہے، یعنی حُلَّبِيّ مشکیزہ جسے اس پودے سے رنگا گیا ہو۔(۳)

ابن منظور افریقی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابوزیاد سے بھی حُلَّب کی وضاحت نقل کی ہے۔(۴)

حَبُّ المَحْلَب فارسی میں پیوند مریم اور ہندی میں گھیونی، کہیلا، کہیلی، دانہ مثل سٹر کابلی، نہایت خوشبودار (بیج کو کہتے ہیں)، اس بیج کو اکثر خوشبویات میں ملاتے ہیں اور اس سے تیل بھی بناتے ہیں۔(۵)

اسی سے بنی ہوئی خوشبو کو عربی میں اس کی طرف منسوب کرکے "اَلْمَحْلَبِيَّة" کہا جاتا ہے۔(۶)

فأخذ بكفه فبدأ بشق رأسه الأيمن ثم الأيسر

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ (دونوں ہاتھوں) سے چلو بھرتے اور سر کے داہنے حصہ پر ڈالنے

---

(۱) لسان العرب: ۳/۲۷۵، ۲۷۸، القاموس الوحید کامل، ص: ۳٦٦

(۲) لسان العرب: ۳/۲۸۰، لغات کشوری، ص: ۱۵۷، فیروز اللغات، ص: ۳۷٤

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۲۱، الصحاح، ص: ۲٥٤

(٤) لسان العرب: ۳/۲۸۰

(٥) خزائن الأدوية: ٤/١٥، بحواله انوار الباري: ٩/٢٠٤

(٦) لسان العرب: ۳/۲۸۰

سے ابتدا کرتے، پھر بائیں حصہ پر ڈالتے۔

"بكفه" عام نسخوں میں مفرد مروی ہے، جب کہ کشمیہنی کی روایت میں "بكفيه" تثنیہ کے ساتھ نقل ہوا ہے۔(۱) امام مسلم رحمہ اللہ اور ابوداود رحمہ اللہ نے بھی حلاب والی روایت میں "كفيه" تثنیہ ہی نقل فرمایا ہے۔(۲)

"فقال بهما" میں تثنیہ کی ضمیر بھی "كفيه" کے تثنیہ ہونے کی صحت پر دلالت کر رہی ہے۔(۳)

روایات سے تیسرا چلو لینے کا ثبوت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث حلاب میں لفظ "الأيسر" کے بعد "ثم أخذ بكفيه" کے الفاظ کی زیادتی نقل کی ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا چلو لینے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسا کہ ابوعوانہ کی روایت سے اس کی صراحت ہوتی ہے۔(۴)

فقال بهما على رأسه

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر مبارک پر پانی ڈالا۔

"فقال بهما" کا مطلب یہاں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پانی کو اپنے سر پر الٹ دیا یعنی بہایا، یہاں قول کا فعل پر اطلاق کیا گیا ہے یعنی قال (قول) کہہ کر بہانا (فعل) مراد لیا گیا ہے۔(۵)

غیر کلام پر قول کا اطلاق

علامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے، ابن منظور افریقی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ عربوں کے ہاں بڑا توسع ہے کہ وہ قول کے ذریعہ تمام افعال کی تعبیر کرتے ہیں اور غیر کلام پر بھی اس کا اطلاق

---

(١) فتح الباري: ٢/ ٤٨٩، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٥، إرشاد الساري: ١/ ٤٩٦

(٢) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم الحديث: ٧٢٥، سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ٢٤٠

(٣) عمدة القاري: ٣/ ٣٠٥، إرشاد الساري: ١/ ٤٩٦

(٤) فتح الباري: ٢/ ٤٨٩

(٥) عمدة القاري: ٣/ ٣٠٥، تحفة الباري: ١/ ٢٢٣

کرتے ہیں، چناں چہ ہاتھ سے پکڑنے کے لیے "قال بیدہ" کہیں گے اور پاؤں سے چلنے کو "قال برجلہ" کہیں گے، آنکھوں سے اشارہ کرنے کے لیے "قالت لہ العینان" کہیں گے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

قالت لہ العینان سمعاً وطاعة

یعنی آنکھوں نے اسے اشارہ کرکے لسان حال سے کہا کہ آپ کی ہر بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

ہاتھوں سے پانی الٹنے اور نہانے کے لیے کہیں گے: قال بالماء علی یدہ"، اور کپڑا اوپر اٹھانے کے لیے "قال بثوبہ" کہیں گے، "قال" کا ان سب معانی پر اطلاق بطور مجاز وتوسع کے ہوتا ہے۔(۱)

قال کا معانی کثیرہ میں استعمال

غرض قال معانی کثیرہ کے لیے آتا ہے: مثلاً قال بمعنی أقبل، مال، استراح، ذهب، غلب، أحب، حكم وغیرہ، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خاص طور سے اہل مصر کو دیکھا کہ وہ قال کو اپنے بہت سے محاورات میں استعمال کرتے ہیں، چناں چہ عصا سے مارنے کے لیے کہتے ہیں کہ "أخذ العصا وقال بہ" اور لباس زیب تن کرنے پر کہتے ہیں: "أخذ ثوبه وقال به علیه"، کلام عرب کا تتبع کرنے والا "قال" کا ان مختلف معانی میں استعمال سے واقف ہوگا۔(۲)

قال کا دیگر معانی میں استعمال کا ثبوت الفاظ حدیث سے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے قال کا دیگر معانی میں استعمال احادیث سے بھی ثابت کیا ہے، چناں چہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک حدیث میں رفع ثوب کے لیے "قال بثوبہ" (۳) کے الفاظ

---

(۱) النهاية: ۲/ ۵۰۲، لسان العرب: ۱۱/ ۳۵٤، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۵

(۲) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۵، النهاية: ۲/ ۵۰۲

(۳) الحديث أخرجه أحمد في مسنده، مسند أبي هريرة رضي الله عنه: ۱۵/ ۲۱٦، رقم: ۹۳٦٦، وأخرج ابن شيبة في مصنفه فيما نحن بصدده عن ابن سيرين، في كتاب الصلاة، [باب] من رخص أن يمسح جبهته، رقم: ٤۷۵٦

آئے ہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں آئندہ آنے والے "باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة" میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ "قال بيده الأرض" کے تحت لکھا ہے کہ یہ من قبيل إطلاق القول على الفعل ہے، کیوں کہ اسی کتاب الغسل کے اٹھارہ [۱۸] نمبر باب: نفض اليدين من الغسل عن الجنابة" میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں "فقال بيده الأرض" کی جگہ "فضرب بيده الأرض" کے الفاظ مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قال سے ضرب فعل مراد ہے۔(۲)

اسی طرح حدیث "لاحسد في اثنتين" میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کے بارے میں فرمایا: "لو أوتيت مثل ما أوتي هذا لفعلت مثل ما يفعل" (۳) یعنی: لتلوت مثل مايتلو بھی اسی قبیل میں سے ہے۔(۴)

على رأسه

بعض حضرات کی روایت میں لفظ "وسط" کا اضافہ ہے، چناں چہ ابوذر، ابوالوقت، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں "على وسط رأسه" کے الفاظ ہیں۔(۵)

لفظ وسط کی تحقیق

حاشیہ بخاری میں "حل اللغات" کے تحت لکھا ہے کہ وَسَط (بفتح السین) اس چیز کو کہا جاتا ہے جو درمیان میں ہو اور وَسْط (بسکون السین) خود درمیان کو کہتے ہیں۔(۶)

---

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۰۵

(۲) رقم الروايتين: ۲۵۹، ۲۷٦

(۳) والحديث أخرجه البخاري في صحيحه، إلا أنه قال: "ليتني" مكان "لو" و"عملت" مكان "فعلت" والمعنى واحد، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، رقم: ۵۰۲٦، ويتكرر أيضاً برقم: ۷۲۳۲، ۷۵۲۸

(٤) فتح الباري: ۲/٤۹۰

(۵) إرشاد الساري: ۱/٤۹٦، تحفة الباري: ۱/۲۲۳

(٦) ص: ٤۰، قديمي كتب خانه كراچي

علامہ جوہری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جلستُ وسْط القوم بالتسكين، لأنّه ظرفٌ، وجلستُ في وسَط الدار بالتحريك، لأنّه إسمٌ؛ وكل موضع صَلَحَ فيه "بَيْنَ" فهو وسْط، وإن لم يصلح فيه "بَيْنَ" فهو وسَط بالتحريك، ورُبّما سكّن وليس بالوجه".(۱)

پہلی مثال میں وسْط (بسکون السین) ظرف اور دوسری مثال میں وسَط (بفتح السین) اسم ہے، اور ہر وہ موضع جہاں "بین" کا آنا درست تو وہ وسْط (بالسکون) ہے اور جہاں "بین" کا آنا صحیح نہ ہو تو وہ وسَط (بالفتح) ہے، اور کبھی اسے بغیر کسی وجہ کے بھی ساکن استعمال کیا جاتا ہے۔

ابن اثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے: "الوسْط بالسكون، يقال فيما كان متفرّق الأجزاء غيرَ متّصل، كالنّاس، والدوابّ وغير ذلك".(۲) ہر وہ جو چیز غیر متصل اور متفرق الاجزا ہو تو اس کے لیے لفظ وَسْط (بالسکون) استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: النّاس، الدّواب، وغیرہ۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی متعدد مثالیں دی ہیں، مثلا: لفظ قلادہ (ہار) متفرق الاجزا ہے، تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: "انظم هذه الياقوتة وَسْط القلادة" اسی طرح لفظ حلقہ اور قوم بھی متفرق الاجزاء ہیں، تو کہا جاتا ہے: "لا تقعد وَسْط الحلقة ووَسْط القوم" اور اگر وہ چیز متصل الاجزا اور غیر متفرق ہو تو اس کے لیے وَسَط (بالفتح) استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: الدّار، الرأس وغیرہ، لہٰذا رأس (سر) کے بارے میں کہا جاتا ہے: "احتجم وَسَط رأسه" اور دار کے بارے میں کہتے ہیں: "قعد وَسَط الدار".(۳)

وَسْط اور وَسَط ہم معنی ہیں

امام فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یونس سے سنا کہ وَسْط اور وَسَط دونوں ہم معنی ہیں، اور بعض کوفیوں نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ دونوں بطور ظرف اور بطور اسم بھی استعمال ہوتے ہیں۔(۴)

---

(۱) الصحاح للجوهري، ص: ۱۱۳۸، فتح الباري: ۲/۴۸۹

(۲) النهاية: ۲/۸۴۷

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۰۵

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۰۵

علامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں، گویا یہی بات زیادہ مناسب ہے۔(۱)

حدیث میں وَسَط بفتح السین ہے

اکثر شراح نے زیر بحث حدیث میں لفظ وسَط کو مفتوح السین قرار دیا ہے،(۲) کیوں رأس غیر متفرق اور متصل الاجزا ہے۔

ابن ملقّن رحمہ اللہ نے اس قول کو ابن التین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے مفتوح ہونے کی وجہ اسم ہونا قرار دیا ہے۔(۳)

حدیث سے مستنبط شدہ امور

حدیث باب سے درج ذیل امور مستنبط ہوتے ہیں:

۱- غسل کرنے والے لیے مستحب ہے کہ وہ پہلے سے غسل کے پانی والا برتن تیار رکھے، تاکہ اس سے غسل کر سکے۔(۴)

۲- پاکی حاصل کرنے میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا مستحب ہے۔ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تیامن في التطهر کے استحباب پر ان الفاظ کے ساتھ ترجمہ قائم کیا ہے: "باب استحباب بدء المغتسل بإفاضة الماء على الميا من قبل المياسر"،(۵) جب کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے باب استحباب البداية فيه بالشق الأيمن" کے الفاظ سے ترجمہ قائم کیا ہے۔(۶)

---

(۱) النهاية: ۸٤٨/۲

(۲) فتح الباري: ٤٨٩/۲، عمدة القاري: ۳۰٥/۳، إرشاد الساري: ٤٩٦/۱

(۳) التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٥٦٧/٤

(٤) عمدة القاري: ۳۰٥/۳

(٥) صحيح ابن خزيمه: ۱۲۲/۱

(٦) السنن الكبرىٰ: ۱۸٤/۱

۳-سر کا داہنا حصہ پھر بائیں طرف اور پھر وسط راس پر پانی بہانا مستحب ہے۔(۱)

۴-حدیث کے الفاظ ”کان النبي صلی الله علیه وسلم“ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر مداومت فرمائی ہے۔(۲)

۵-اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر تین چلو پانی بہانے پر اکتفا کیا اور وہ کافی ہوجاتے ہیں۔(۳) ابن حبان نے اس کی مناسبت سے ”ذکر وصف الغرفات الثلاث التي وصفناه للمغتسل من الجنابة“ کا ترجمہ قائم کیا ہے۔(۴)

۶-غسل کے وقت خوشبو کا استعمال کرنا۔(۵)

٧ – باب : اَلْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ .

غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

مقصد ترجمہ

غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کے بارے میں اختلاف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں، چناں چہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق غسل جنابت میں واجب ہیں، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہیں۔(۶) مذاہب کی مزید تفصیل حدیث کے تحت آئے گی۔(إن شاء الله تعالیٰ.)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق غسل جنابت میں سنت ہیں، کیوں کہ یہ

---

(۱) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۵

(۲) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۵

(۳) فتح الباري: ۲/ ٤٨٩

(٤) صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: ۳/ ٥٦٩

(٥) شرح ابن بطال: ۱/ ۳۸٦، الشرح الميسر للصابوني: ۱/ ۳۲۹

(٦) أوجز المسالك: ۱/ ۵۰۳، مختصر اختلاف العلماء: ۱/ ۱۳۵

دونوں وضو کے جز ہیں اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ غسل جنابت سے پہلے وضو کرنا واجب نہیں اور جب وضو کرنا واجب نہیں تو اس کے اجزا اور توابع یعنی مضمضہ اور استنشاق بھی واجب نہیں ہوں گے اور حدیث باب میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل میں جو مضمضہ اور استنشاق نقل کیا ہے وہ سنت ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عبادات میں کمال اور افضل پر عمل کا التزام فرماتے تھے۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور ابن ملقّن رحمہ اللہ نے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ ہی کی رائے نقل کی ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ وغیرہ نے حدیث باب سے غسل جنابت میں عدم وجوب مضمضہ واستنشاق کا استنباط کیا ہے، کیوں کہ اس کے بعد آنے والے "باب: مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ" میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز والا وضو فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث باب میں بھی مضمضہ اور استنشاق وضو والا ہی تھا اور اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ غسل جنابت میں وضو واجب نہیں اور مضمضہ واستنشاق توابع وضو میں سے ہیں، جب وضو غسل میں ساقط ہو گیا تو اس کے توابع بھی ساقط ہو گئے اور حدیث باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمضہ اور استنشاق فضل وکمال پر محمول ہے۔(۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

"يعني إنهما مطلوبان في الشرع، إمّا علىٰ سبيل الوجوب وإمّا علىٰ وجه السنة".(٤)

امام بخاری یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق شریعت میں مطلوب ہیں، یا تو علی سبیل

---

(١) شرح ابن بطال: ١/٣٨٦

(٢) شرح الكرماني: ٣/١٢٢-١٢٣، التوضيح: ٤/٥٦٨

(٣) فتح الباري: ٢/٤٩٠

(٤) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ١٨

الوجوب اور یا علی سبیل السنۃ۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"إنهما ثابتان بالسنة، فمن آخذ بوجوبهما ومن ذاهب إلى سنيتهما".(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں، بعض واجب کہتے ہیں اور بعض سنیت کے قائل ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کے حکم کو بیان کرنا ہے کہ آیا وہ واجب ہیں یا سنت؟۔(۲)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ ایک مختلف فیہا مسئلہ ہے، اس لیے مستقل باب قائم فرمایا ہے۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ابن بطال وغیرہ کے قول سے استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ حدیث باب مستقل حدیث ہے، اس میں مضمضہ اور استنشاق کی صراحت ہے، آئندہ باب میں آنے والی حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو کبھی ترک نہیں فرمایا، جو دلیل مواظبت ہے اور مواظبت سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور مواظبت کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے ترک کا منقول نہ ہونا ہے۔ باقی رہی بات سقوط وضو کی تو وضو قصدی کا سقوط وضو ضمنی کے سقوط کو مستلزم نہیں ہے، بہر حال ایک تو ان کا ترک منقول نہیں اور دوسرا نص یعنی: ﴿إن كنتم جنباً فاطهروا﴾ بھی ان کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔(۴)

---

(١) لامع الدراري مع الكنز المتواري: ٢٠١/٣، الأبواب والتراجم، ص: ٦٠

(٢) عمدة القاري: ٣٠٥/٣، إرشاد الساري: ٤٩٦/١

(٣) تقرير بخاري: ٨٣/٢، سراج القاري: ١٩٧/٢

(٤) عمدة القاري: ٣٠٦/٣، حاشية السندي على الصحيح: ٥٧/١

ابن بطال کے دعویٰ اجماع کی حیثیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابن بطال نے جو اجماع کا دعویٰ کیا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو بغیر کسی نقد کے نقل کر کے سکوت فرمایا ہے وہ محل نظر ہے، اس لیے کہ ابو ثور اور داؤد ظاہری کا اس بارے میں خلاف ہے کہ انہوں نے غسل میں وضو کو واجب قرار دیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں اگر وہ عمل موجب جنابت ہونے کے ساتھ موجب حدث بھی ہو تو پھر غسل میں وضو کرنا واجب ہے۔(۱)

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ غسل کے اندر ضمناً وضو کی نیت کافی نہ ہوگی، بلکہ غسل سے پہلے یا بعد میں مستقل طور سے وضو کرنا ضروری ہوگا، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک اسی طرح ہے۔(۲)

داؤد ظاہری، ابو ثور، امام احمد اور شافعی رحمہم اللہ کی ایک روایت ابن بطال کے نقل کردہ اجماع کے خلاف ہے، اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس کو بطور استدلال پیش کرنا صحیح نہیں، حالاں کہ حافظ صاحب رحمہ اللہ "باب الوضوء قبل الغسل" کے تحت خود داؤد ظاہری اور ابو ثور کے اختلاف کی وجہ سے ابن بطال کے دعویٰ اجماع کو مردود قرار دے چکے ہیں۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان

مضمضہ اور استنشاق فی الغسل کی امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک کیا حیثیت ہے، آیا وہ ان کو سنت کہتے ہیں یا واجب؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''امام بخاری رحمہ اللہ کا صرف مضمضہ اور استنشاق کے لیے یہ ترجمہ قائم کرنا ان کے اس رجحان پر دلالت کرتا ہے کہ غسلِ جنابت میں مضمضہ واستنشاق کی جو حیثیت ہے وہ وضو میں نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کے اس رجحان کا ثبوت ان کے قائم کردہ تراجم سے بھی ملتا ہے، کتاب الغسل میں سب سے پہلا ترجمہ یہ قائم فرمایا کہ غسل کی ابتدا وضو سے

(۱) الكنز المتواري: ۲۰۲/۳، حاشية التوضيح: ۵٦۸/٤

(۲) المغني لابن قدامة: ۱۳۹/۱، الكنز المتواري: ۲۰۲/۳

(۳) فتح الباري: ٤٧٦/۲

ہونی چاہیے، اس ترجمہ میں حرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو ابتدا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے "ثم يتوضأ كما يتوضأ للصلاة" پھر وضو فرماتے جس طرح نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے اور وضو میں مضمضہ اور استنشاق کا شامل ہونا ظاہر ہے، اب امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بعد "باب المضمضة والا ستنشاق في الجنابة" جداگانہ قائم کیا ہے، اگر غسل جنابت میں بھی مضمضہ واستنشاق کی حیثیت ان کے نزدیک وہی ہے جو وضو میں ہے تو الگ ترجمہ قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی، وضو میں ان کی حیثیت سنت کی اور غسل میں یہ دونوں چیزیں واجب اور مستقلاً مطلوب ہیں"۔(۱)

غرض امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ مضمضہ واستنشاق غسل جنابت میں مطلوب ہیں۔

حدیث باب

۲۵۶ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ : حَدَّثَنِي سَالِمٌ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : حَدَّثَتْنَا مَيْمُونَةُ (۲) قَالَتْ : صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غُسْلًا . فَأَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ فَغَسَلَهُمَا ، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ ، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ . ثُمَّ غَسَلَهَا ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ، وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ، ثُمَّ تَنَحَّى ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيلٍ ، فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا . [ر : ۲٤٦]

---

(۱) فضل الباري: ۴۳۳/۲، ٤٣٤

(۲) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في نفس الكتاب، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحديث: ٢٤٩، و في باب الغسل مرّة، رقم الحديث: ٢٥٧، و في باب الغسل بالصاع و نحوه، رقم الحديث: ٢٥٣، وفي باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ، رقم الحديث: ٢٦٠، و في باب تفريق الوضوء والغسل بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٢٦٥، و في باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده و لم يعد مواضع الوضوء منه مرّة أخرىٰ، رقم الحديث: ٢٧٤، وفي باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم الحديث: ٢٧٦، و في باب التستر في الغسل عند النّاس، بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٢٨١، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم الحديث: ٧٢٢، و أبو داؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في =

(ترجمہ) ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا، کہا ہم سے میرے والد نے، ہم سے اعمش نے، کہا مجھ سے سالم بن ابی الجعد نے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی (ایک برتن میں) ڈالا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور دونوں ہاتھ دھوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر مارا اور اس کو مٹی سے رگڑا، پھر (پانی سے) اسے دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا چہرہ مبارک دھویا اور سر پر پانی بہایا، پھر آپ وہاں سے سرک گئے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رومال لایا گیا تو آپ نے (اس رومال سے اپنے اعضاء وضو کو) خشک نہیں فرمایا۔

تراجم رجال

عمر بن حفص بن غیاث

نام وسلسلہ نسب

یہ عمر بن حفص بن غِیاث (غین کے کسرہ کے ساتھ) بن طلق ابن معاویہ نخعی کوفی ہیں، ابوحفص ان کی کنیت ہے۔(۱)

= الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ٢٤٥، و الترمذي في سننه في كتاب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من الجنابة بنحوه مختصراً، و قال: هذا حديث حسن صحيح، رقم الحديث: ١٠٣، و النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم الحديث: ٢٥٢، و أيضاً في كتاب الغسل و التيمم، باب إزالة الجنب الأذىٰ عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٤١٨، و أيضاً في باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج، رقم الحديث: ٤١٩، و أيضاً في باب الاستتار عند الغسل، رقم الحديث: ٤٠٨، و أخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء، رقم الحديث: ٤٦٧، راجع جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، و تحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

(١) الطبقات الكبرىٰ: ٤١٣/٦، التاريخ الكبير: ١٥٠/٦، رقم الترجمة: ١٩٤٤، الجرح والتعديل: ١٢٦/٦، =

اساتذہ حدیث

آپ حدیث کی روایت اپنے والد حفص بن غیاث، سُکَین بن مکبّر عجلی، عبداللہ بن ادریس، عبداللہ بن خِراش حَوشَبی، عَثّام بن علی عامری اورابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ سے کرتے ہیں۔(۱)

عمر بن حفص عام طور سے اپنے والد حفص بن غیاث ہی کی روایت نقل کرتے ہیں، ائمہ حدیث نے بھی ان سے والد ہی کے واسطہ سے روایات نقل کی ہیں۔(۲)

تلامذہ

امام بخاری رحمہ اللہ وامام مسلم رحمہ اللہ تو بغیر کسی واسطہ کے ان سے روایت نقل کرتے ہیں، جب کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ بواسطہ ''محمد بن ابی الحسین سمنانی'' عمر بن حفص سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

ان کے علاوہ عمر بن حفص رحمہ اللہ سے حدیث کی روایت نقل کرنے والوں میں ابوشیبہ ابراہیم بن ابی بکر ابن ابی شیبہ، ابراہیم بن یعقوب جُوزجانی، احمد بن ابراہیم دَورقی، احمد بن یوسف سُلَمی، اسماعیل بن عبداللہ اصبہانی، سلیمان بن عبدالجبار بغدادی، عباس بن ابی طالب، ابواسامہ عبداللہ بن اسامہ کلبی، عبداللہ بن عبد الرحمٰن دارمی، ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی، ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن حسین حُنَینی، محمد بن ابی الحسین سمنانی، محمد بن عثمان بن کرامہ، محمد بن علی بن میمون رَقی، محمد بن ابی غالب قُومَسی، محمد بن یحیٰ بن فارس ذُہلی، محمد بن یحیٰ بن کثیر حَرانی، موسیٰ بن سعید دَندانی، ہارون بن عبداللہ الحمّال اور یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ

= رقم الترجمة: ٥٤٤، الثقات لابن سعد: ٨/٤٤٥، تهذيب الكمال: ٢١/٣٠٤، ٣٠٥، رقم الترجمة: ٤٢١٧، سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٣٩، رقم الترجمة: ٢٢٣، تاريخ الإسلام: ٦/١٠٦، رقم الترجمة: ٦٣٤٩، تهذيب التهذيب: ٧/ ٤٣٥، رقم الترجمة: ٧١٣، تقريب التهذيب: ١/ ٧١٤، رقم الترجمة: ٤٨٩٦، الكاشف: ٢/ ٥٦، رقم: ٤٠٣٨، تحرير تقريب التهذيب: ٣/٦٩، رقم الترجمة: ٤٨٨٠

(١) تهذيب الكمال: ٢١/ ٣٠٥، تهذيب التهذيب: ٧/ ٤٣٥، تاريخ الإسلام: ٦/١٠٦

(٢) سير أعلام النبلاء: ١٠/ ٦٣٩، تاريخ الإسلام: ٦/١٠٦

(٣) تهذيب التهذيب: ٧/٤٣٥، سير أعلام النبلاء: ١/٦٣٩، تاريخ الإسلام: ٦/١٠٦

شامل ہیں۔(۱)

ائمہ جرح وتعدیل کے توثیقی اقوال

امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا:"ثقة".(۲)

امام عجلی رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا:"ثقة".(۳)

ابن شاہین نے کتاب الثقات میں نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:"صدوق". (٤)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں عمر بن حفص (سے روایت کی غرض سے ان کے گھر تک گیا،) لیکن مجھے ان سے روایت کا موقع نہیں ملا۔(۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:"كان من العلماء الأثبات".(٦)

ابن حبان رحمہ اللہ کی جرح مبہم

ابنِ حبان نے کتاب الثقات میں تذکرہ کیا ہے اور جرح مبہم کرتے ہوئے لکھا ہے:"ربما أخطاء".(۷)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "تهذيب التهذيب"(۸) میں ابنِ حبان کا قول"ربما أخطاء" بلا تبصرہ نقل کرنے کے بعد دیگر ائمہ اکرام کے توثیقی اقوال ذکر کیے ہیں، جب کہ "تقريب التهذيب" میں لکھا ہے: "ثقة ربما وهم".(۹)

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲۱/ ۳۰۵، ۳۰٦،تهذيب التهذيب: ۷/ ٤۳۵

(۲) الجرح والتعديل ٦/ ۱۲٦ ،سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ٦۳۹

(٤) تهذيب التهذيب: ۷/ ٤۳۵،حاشيه تهذيب الكمال:۲۱/ ۳۰٦

(٤) تهذيب التهذيب: ۷/ ٤۳۵، تعليقات تهذيب الكمال:۲۱/ ۳۰٦

(۵) تاريخ الإسلام: ٦/ ۱۰٦ ،تهذيب الكمال: ۲۱/ ۳۰٦

(٦) سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ٦۳۹

(۷) كتاب الثقات: ۸/ ٤٤۵

(۸) تهذيب التهذيب: ۷/ ٤۳۵

(۹) تقريب التهذيب: ۱/ ۷۱٤

ابن حبان رحمہ اللہ وابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی حقیقت

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا یہ کلام: "ربما وهم" ابنِ حبان کے قول "ربّما أخطاء" سے ماخوذ ہے، ابنِ حبان اور حافظ صاحب کی اس جرح مبہم کا کوئی اعتبار نہیں، شیخین امام بخاری رحمہ اللہ وامام مسلم رحمہ اللہ کا ان سے روایت کرنا خود ان کی توثیق کی دلیل ہے، جب کہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ اور ابوزرعہ رحمہ اللہ جیسے ائمہ متشددین نے ان کی مطلقاً توثیق کی ہے، لہٰذا مطلقاً توثیق ہی معتمد ومعتبر ہے نہ کہ ابنِ حبان وحافظ صاحب کی جرح مبہم (ورنہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کون سا نفس بشر ہے جو خطاء ووہم سے خالی ہے)۔(۱)

وفات

ابنِ سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عمر بن حفص کا کوفہ میں ابواسحاق معتصم باللہ کے زمانہ خلافت میں ربیع الاول ۲۲۲ ہجری میں انتقال ہوا۔(۲)

رحمه الله رحمةً واسعةً.

امام بخاری رحمہ اللہ، ابن حبان، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بھی سنہ وفات ۲۲۲ ہجری ہی منقول ہے۔(۳)

حدثنا أبي حفص بن غياث

نام وسلسلہ نسب

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام ابویوسف رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد اور امام بخاری رحمہ اللہ کے معتمد ترین استاد حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن جشم بن وہبیل بن سعد بن مالک بن النخع نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(۱) تعليقات الكاشف: ٢/ ٥٧، تحرير تقريب التهذيب: ٣/ ٦٩

(٢) الطبقات الكبرىٰ: ٦/ ٤١٣

(٣) التاريخ الكبير: ٦/ ١٥٠، الثقات: ٨/ ٤٤٥، الكاشف: ٢/ ٥٧، تاريخ الإسلام: ٦/ ١٠٦، تهذيب التهذيب: ٧/ ٤٣٥، تقريب التهذيب ١: ٧١٤

(٤) تهذيب الكمال: ٧/ ٥٦، رقم الترجمة: ١٤١٥، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٥، تاريخ بغداد: ٨/ ١٥٨،=

آپ کی کنیت ابوعمر ہے۔(۱)

''حفص بن غیاث'' ہشام بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ۱۱۷ہجری میں پیدا ہوئے۔(۲)

تحصیل علوم وشیوخ حدیث

آپ نے جن محدثین کرام سے حدیث کا علم حاصل کیا ان میں اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن سُمَیع، اشعث بن سوّار، اشعث حُدّانی، اشعث حُمرانی، بُرد بن سنان شامی، ابوبُردہ یزید بن عبداللہ اشعری، جعفر بن محمد بن علی الصادق، حجاج بن ارطاۃ، خالد الحذّاء، سعد بن طارق اشجعی، سفیان ثوری، سلیمان الاعمش، سلیمان ابن جریج تیمی، عاصم الاحول، ابوشیبہ عبدالرحمٰن کوفی، عبدالعزیز بن عمر بن سعد بن کدام، عبدالعزیز بن عمر بن عبد العزیز، عبیداللہ بن عمر، ابوالعُمیس مسعودی، ابوعنبس نخعی، علاء بن خالد، علاء بن میسب، مجاہد بن سعید، محمد بن ابی یحییٰ، موسیٰ بن عمیر عنبری، میمون ورّاق، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، مصعب بن سُلَیم، ابواسحاق شیبانی، اور ابوخالد دالانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۳)

تلامذہ

حفص بن غیاث رحمہ اللہ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن مہدی، احمد بن ابراہیم دورقی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابومعمر اسماعیل ہذلی، ابوبکر اسماعیل اُبلی، امیہ بن قاسم حسن عرفہ، داؤد بن

= رقم الترجمة: ٤٣١٣، وفيات الأعيان: ١٩٧/٢، رقم الترجمة: ٢٠٢، التاريخ الكبير: ٢/ ٣٧٠، رقم الترجمة: ٢٨٠٤، الطبقات الكبرىٰ: ٦/ ٣٨٩، الجرح والتعديل: ١٩٩/٣، رقم الترجمة: ٨٠٤، كتاب الثقات: ٦/ ٢٠٠، العلل الواردة في الأحاديث النبوية للدار قطني: ١/ ٢٨٨، الكامل لابن الأثير: ٥/ ٣٧٠، تاريخ الإسلام: ٢٢٦/٥، رقم الترجمة: ٤٩١١، تذكرة الحفاظ: ٢٩٧/١، رقم الترجمة: ٢٧٩، الكاشف: ٣٤٣/١، رقم الترجمة: ١١٦٥، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٢، رقم الترجمة: ٦، تقريب التهذيب: ٢٢٩/٣١، رقم الترجمة: ١٤٣٦، تحرير تقريب التهذيب: ١/ ٣٠٥، رقم الترجمة: ١٤٣٠، مقدمة فتح الباري: ٥٦١/١

(١) كتاب الثقات: ٦/ ٢٠٠، الطبقات الكبرىٰ: ٦/ ٣٩٠، التاريخ الكبير: ٦/ ٣٧٠

(٢) الطبقات الكبرىٰ: ٦/ ٣٩٠، وفيات الأعيان: ٢/ ٢٠١، تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٦

(٣) تهذيب الكمال: ٥٦/٧–٥٨، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٥، تاريخ بغداد: ٨/ ١٨٥

رُشید، ابوخَیثمہ، سفیان، وکیع بن جراح، ابوسائب، سہل رازی، سہل عسکری، صدقہ بن فضل مروزی، ابوسعید اشجّ، ابوبکر بن ابوشیبہ، عفان بن مسلم، ابوالشَعْثَاء، علی بن خَشرم، علی بن مدینی، علی بن میمون، عمر بن حفص بن غیاث، ابوداؤد حَفَری، عمران بن میسرہ، غَنّام بن حفص بن غیاث، ابونُعَیم فضل بن دُکَین، قُتَیبہ بن سعید، محمد بن آدم، محمد بن صباح بزار، ابوکریب، محمد بن مثنیٰ، ابویحییٰ ثقفی مروزی، ابوہشام رفاعی، ہناد بن سری، یحییٰ بن سعید القطّان، یحییٰ بن مَعین، یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری، اور یعقوب بن ابراہیم دورقی رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال وحالات زندگی

اسحاق بن منصور رحمہ اللہ اور احمد بن سعد بن ابی مریم رحمہ اللہ نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حفص بن غياث ثقة".(۲)

ابومسلم صالح رحمہ اللہ نے اپنے والد احمد بن عبداللہ عجلی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حفص بن غياث ثقةٌ، مامونٌ، فقيهٌ". امام وکیع رحمہ اللہ سے جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے کہ ہمارے قاضی صاحب سے جا کر معلوم کرو، مزید فرماتے: "كان سخياً أو شيخاً عفيفاً مسلماً".(۳)

ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حفص بن غیاث رحمہ اللہ اور ابوخالد الاحمر رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: "حفص خالد کی نسبت احفظ واتقن ہے"۔(۴)

ابنِ حبان رحمہ اللہ نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۵)

علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "حفص ثبت" میں نے کہا: اسے وہم ہوتا ہے، ابنِ معین نے فرمایا: اس کی کتاب صحیح ہے، جب میں کوفہ آیا تو حزام، حفص اور ابنِ ابی زائدہ جیسا

---

(۱) تهذيب الكمال: ۷/ ۵۸، ۵۹، تهذيب التهذيب: ۶/ ۴۱۵، ۴۱۶، تاريخ الإسلام: ۵/ ۲۲۶

(۲) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹۳، الجرح والتعديل: ۳/ ۲۰۰، تهذيب الكمال: ۷/ ۶۰

(۳) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹۳، ۱۶۴، تهذيب الكمال: ۷/ ۶۰، تهذيب التهذيب ۲/ ۴۱۶، تاريخ الإسلام: ۵/ ۲۲۶

(۴) الجرح والتعديل: ۳/ ۲۰۰، تهذيب الكمال: ۷/ ۶۱

(۵) كتاب الثقات: ۶/ ۲۰۰

کسی کونہیں پایا، یہ لوگ اصحابِ حدیث تھے، ابن مدینی نے کہا: جب حفص نے اپنی کتابیں نکالیں تو وہ ایسی ہی تھیں جیسا کہ یحییٰ نے فرمایا تھا اور اس میں اخبار و الفاظ (حدیث) تھے جیسا کہ یحییٰ نے فرمایا تھا۔(۱)

علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: حفص بن غیاث اعمش کے شاگردوں میں سب سے زیادہ اوثق ہے، ابن مدینی کہتے ہیں کہ، میں نے یحییٰ کی بات تسلیم نہیں کی، لیکن جب میں کوفہ آیا تو عمر بن حفص نے مجھے اپنے والد کی کتاب دکھائی جس میں اعمش کی روایات تھیں تو میں یحییٰ بن سعید کو رحمت کی دعا دینے لگا، عمر کہنے لگے دیکھ میرے والد کی کتاب میں رہے ہو اور دعا یحییٰ کو دے رہے ہو؟ ابن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے سنا تھا کہ حفص اعمش کے اصحاب میں سب سے زیادہ اوثق ہیں، مجھے اس کا یقین اس وقت نہیں ہوا جب تک کہ میں نے ان کی کتاب دیکھ نہ لی۔(۲)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابن ادریس اور حفص بن غیاث میں کون زیادہ احفظ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ ادریس حافظ ہے اور حفص بن غیاث صاحب حدیث ہیں، انہیں حدیث کی پہچان ہے۔(۳)

ابن خراش رحمہ اللہ نے فرمایا: "حفص بن غياث كوفيٌّ ثقةٌ".(٤)

ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "هو أي: حفص أثبت من عبد الواحد بن زياد".(٥)

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: "حفص بن غياث ثقةٌ".(٦)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "الإمام الحافظ، العلامة القاضي أبو عمر الحنفي الكوفي، قاضي الكوفه ومحد ثها".(٧)

---

(١) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٣، تهذيب الكمال: ٧/ ٦١، ٦٢

(٢) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٣، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٦، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٠، ٦١

(٣) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٤، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٣

(٤) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٤، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٢

(٥) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٤، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٢، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٦

(٦) تهذيب الكمال: ٧/ ٦٢، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٥، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٦

(٧) سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٢

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقةٌ فقيهٌ عفيفٌ حافظٌ". (۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان حفص كثير الحديث، حافظاً له، ثبتاً فيه و كان أيضاً مقدماً عند المشايخ الذين سمع منهم الحديث". (۲)

یعقوب ابن شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "حفص ثقةٌ ثبتٌ إذا حدث من كتابه و يتقىٰ بعض حفظه". (۳)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقةٌ فقيهٌ، تغير حفظه قليلاً في الآخر". (٤)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان ثقةً ماموناً ثبتاً إلا أنه كان يدلس". (٥)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کے مقدمہ میں، فرمایا:

"حفص بن غياث من الائمه الأ ثبات، أجمعو علىٰ توثيقه والاحتجاج به، إلا أنه في الأخر ساء حفظه، فمن سمع من كتابه أصح ممن سمع من حفظه...... اعتمد البخاري علىٰ حفص هذا في حديث الأعمش؛ لأنه كان يميز بين ما صرح به الأعمش بالسماع وبين ما دلّسه، نبّه علىٰ ذٰلك أبو الفضل بن طاهر وهو كما قال." (٦)

یعنی حفص بن غیاث ائمہ اثبات میں سے ہیں، ان کی توثیق اور ان کی روایت سے احتجاج پر ائمہ کا اجماع ہے، البتہ آخری عمر میں حافظہ میں کچھ فرق آیا تھا، ان کے حفظ کے مقابلے میں کتاب سے سنی ہوئی روایت زیادہ صحیح ہے، مزید فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اعمش کی حدیث کے سلسلے میں حفص پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، یعنی جب تک ان سے اعمش

---

(۱) عمدة القاري: ۳/ ۳۰٦

(۲) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹۰، الجواهر المضية: ۱/ ۲۲۳

(۳) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹٤، الكاشف ۱/ ۳٤۳، تهذيب الكمال: ۷/ ٦۰

(٤) تقريب التهذيب: ۱/ ۲۲۹

(٥) الطبقات: ٦/ ۳۹۰

(٦) مقدمه فتح الباري: ۱/ ٥٦۱، تحرير تقريب التهذيب: ۱/ ۳۰٥

کی حدیث ملتی تو دوسرے سے روایت نہیں کرتے تھے، ابوالفضل بن طاہر کے مطابق حفص اعمش کی تدلیس کی ہوئی روایات اور سماع کی صراحت والی روایات میں تمیز رکھتے تھے، حافظ صاحب نے فرمایا: وهو كما قال (أي: أبو الفضل بن طاهر).

بہر حال حفص بن غیاث ائمہ جرح وتعدیل کی تصریحات کے مطابق ثقات اور اثبات میں سے ہیں (۱) اور ائمہ جرح وتعدیل کا ان کی توثیق پر اتفاق ہے، کمامر۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ

حفص بن غیاث کو امام صاحب رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، آپ امام اعظم رحمہ اللہ کے ممتاز اور کبار اصحاب وشرکائے تدوین فقہ میں تھے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی تلمذ کی سعادت حاصل رہی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے جن شاگردوں کو وجہ سرور اور دافع حزن وغم فرمایا تھا حفص بن غیاث کا شمار بھی ان میں ہوتا تھا۔ (۲)

قضا کا عہدہ

آپ کوفہ میں تیرہ سال اور بغداد میں قضا کے متولی اور قضاء کے عہدہ پر فائز رہے، احمد بن کامل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد میں شرقیہ کا قاضی مقرر کیا، پھر وہاں سے معزول کر کے کوفہ کا قاضی بنادیا۔ (۳)

عبید بن صباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حفص بن غیاث ۱۷۷ ہجری کو ساٹھ سال کی عمر میں قاضی مقرر ہوئے۔ (۴)

حمید بن ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے قضاء کا عہدہ سپرد کرنے کے لیے عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث اور وکیع بن الجراح تینوں کو طلب کیا، ابن ادریس نے تو دربار میں پہنچ کر السلام علیکم کہنے کے

---

(۱) تعليقات تهذيب الكمال: ۷/ ۶۹

(۲) مناقب الإمام أبي حنيفة للذهبي، ص: ۲۸، الجواهر المضية: ۱/ ۲۲۱، ۲۲۲، الفوائد البهية، ص: ۶۸

(۳) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸۶، ۱۸۹، تهذيب الكمال: ۷/ ۵۹، ۶۴، سير أعلام النبلاء: ۹/ ۳۰

(۴) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹۶، تهذيب الكمال: ۷/ ۶۹

بعد اپنے آپ کو ایسے گرایا کہ گویا کہ وہ مفلوج ہوں، خلیفہ نے کہا اس ضعیف بوڑھے کو لے جاؤ، یہ کام کے نہیں، وکیع نے اپنی انگلی آنکھ پر رکھ کر کہا (بطور توریہ کے انگلی مراد لے کر) کہا: اللہ کی قسم! امیر المؤمنین میں نے ایک سال سے اس سے کچھ نہیں دیکھا، خلیفہ نے انہیں معذور سمجھ کر واپس کر دیا اور حفص بن غیاث کچھ عذر نہ کر سکے اور قاضی بنا دیئے گئے۔(۱)

ابوبکر ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حفص بن غیاث نے فرمایا کہ میں نے قضاء کا عہدہ اس وقت تک اختیار نہیں کیا جب تک میرے لیے مردار کھانا حلال نہیں ہوا۔(۲)

ایک دفعہ فرمایا کہ اگر قرضوں کا بوجھ اور عیال داری کا ذمہ نہ ہوتا تو میں قضاء کا عہدہ قبول نہ کرتا۔(۳)

ابراہیم بن مہدی کہتے ہیں کہ جب حفص بن غیاث شرقیہ بغداد کا قاضی تھے تو ایک شخص جو آپ سے مسائلِ قضاء دریافت کر رہا تھا، حفص رحمہ اللہ نے فرمایا: شاید تم قاضی بننے کے متمنی ہو، تو سنو! آدمی اپنی آنکھ میں انگلی ڈال کر اسے نکال پھینکے یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ قاضی بن جائے۔(۴)

ابن ابی لیلیٰ کے فیصلوں سے مشابہت

آپ نے اپنے استاد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مشورہ کے بغیر ہی عہدہ قضاء قبول کر لیا تھا، ان کو معلوم ہوا تو یہ خیال کر کہ شاید بارِ گراں ان کے لیے قابلِ تحمل نہ ہو اور ان کا عہدہ قضاء قبول کرنا بھی ان پر گراں گزرا، چناں چہ بشر ابن الولید کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے مجھ سے اور حسن بن زیاد سے فرمایا کہ ان کے فیصلوں کا تتبع کرو، جب ہم نے ان کی تفصیلات امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے رکھیں تو آپ نے ان میں نظر کر کے فرمایا: یہ تو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے فیصلوں سے ملتے جلتے ہیں، پھر فرمایا کہ شروط وسجلات کا بھی تتبع کرو، ہم نے وہ بھی کیا، تو ان پر بھی نظر کر کے فرمایا: حفص بن غیاث ان لوگوں میں سے ہیں جن کو قیام لیل کی برکت سے حق تعالیٰ کی حفاظت و سرپرستی میسر آجاتی ہے۔(۵)

---

(۱) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸٦، وفيات االأعيان: ۲/ ۱۹۸، الجواهر المضية: ۱/ ۲۲۲

(۲) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۹۸، وفيات الأعيان: ۲/ ۲۰۰، تاريخ الإسلام: ٥/ ۲۲۷

(۳) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸٦، وفيات االأعيان: ٦/ ۱۹۸، تهذيب الكمال: ۷/ ٦٤

(٤) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸٦، تاريخ الإسلام: ٥/ ۲۲۷، سير أعلام النبلاء: ۲٦۳۹

(٥) الجواهر المضية: ۱/ ۲۲۲، تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸۹

خطیبِ بغدادی کی روایت ہے کہ جب حفص بن غیاث قاضی بنائے گئے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ آؤ حفص کے نوادر جمع کرلیں، پھر جب ان کے فیصلے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو اصحاب ابو یوسف رحمہ اللہ نے ان سے نوادر حفص کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارا بھلا ہو حفص تو توفیقِ خداوندی کے تحت چل رہے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد کی برکت سے حفص کو اپنی توفیق سے نوازا ہے۔(۱)

قضا کا حق ادا کردیا

ہاشم رفاعی کہتے ہیں کہ حفص بن غیاث ایک مرتبہ شرقیہ میں تشریف فرما لوگوں کے قضایا حل فرما رہے تھے کہ خلیفہ کا بلاوا آ گیا، تو آپ نے قاصد سے فرمایا کہ ان لوگوں کی خصومات سے فارغ ہو کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضری دوں گا کیوں کہ میں انہیں کہ مسائل سلجھانے کی اجرت لیتا ہوں اور اس وقت تک اپنی مجلس سے نہیں اٹھے جب تک تمام خصوم فارغ ہو کر چلے نہیں گئے۔(۲)

غنام بن حفص کہتے ہیں کہا ایک مرتبہ میرے والد بزرگوار بیمار ہو گئے اور پندرہ یوم بیماری میں گزر گئے اور عدالت نہ جا سکے، مہینہ پورا ہونے پر وظیفہ ملا تو مجھے سو درھم دے کر فرمایا: جاؤ گورنر کو دے آؤ اور ان سے کہو یہ ان پندرہ دنوں کا وظیفہ ہے جن میں مجھے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور ان میں میرا کوئی حق نہیں۔(۳)

عمر بن حفص کہتے ہیں کہ جب میرے والد محترم کا آخری وقت قریب آ پہنچا اور ان پر بے ہوشی طاری ہوئی، تو میں ان کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا، وہ ہوش میں آئے تو دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کی جدائی کے خیال سے اور آپ کے قاضی بننے والے معاملے پر، تو انہوں نے فرمایا: مت رو! کیوں کہ میں نے ساری زندگی پاک دامنی میں گزاری ہے (یعنی کبھی میں نے حرام نہیں کھایا ہے) کبھی مدعی و مدعی علیہ کے درمیان عدل وانصاف کرنے میں مداہنت سے کام نہیں لیا۔(۴)

---

(۱) تاريخ بغداد:۸/ ۱۸۹،الجواهر المضية: ۱/ ۲۲۳،سير أعلام النبلاء: ۹/ ۳۰

(۲) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸۷،وفيات الأعيان: ۲/ ۱۹۸

(۳) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸۷،وفيات الأعيان: ۲/ ۱۹۸، تاريخ الإسلام: ۵/ ۲۲۷

(٤) تاريخ بغداد: ۸/ ۱۸۷،وفيات الأعيان: ۲/ ۱۹۸، تاريخ الإسلام: ۵/ ۲۲۷

وکیع بن الجراح نے فرمایا کہ آج اہل کوفہ خیر و عافیت میں ہیں ان کا امیر داؤد بن عیسیٰ، قاضی حفص غیاث، اور محتسب حفص الدورقی ہے۔(۱)

ابوجعفر مسندی کہتے ہیں کہ حفص بن غیاث عرب کے سخی ترین لوگوں میں سے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے جو ہمارا پیش کیا ہوا کھانا نہیں کھاتا ہم اس سے گفتگو ہی نہیں کرتے ہیں۔(۲)

حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ جب ہم بغداد آئے تو ہمارے پاس اصحابِ حدیث آنے لگے تو ابن ادریس ان سے کہتے تھے کہ تم شعر اور عربی کو لازم پکڑو، حفص کہتے ہیں میں نے ابن ادریس سے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار واحادیث کے طالب ہیں اور تم انہیں شعر اور عربی سیکھنے کا کہہ رہے ہو، اگر دوبارہ ایسا کہا تو میں تمہارے ساتھ بری طرح پیش آؤں گا۔(۳)

حفص بن غیاث رحمہ اللہ نے قضاء میں علم و دیانت کا وہ کردار پیش کیا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ جیسے قاضی القضاۃ نے ان پر اطمینان کا اظہار کیا (کما مر) اور حفص رحمہ اللہ نے وفات کے بعد اپنے اوپر نوسو درہم کا قرضہ چھوڑا۔(۴)

وہ قضاء کا واقعی حق ادا کر گئے، یہی وجہ اس وقت عام طور سے یہ کہا جاتا تھا کہ حفص آخری قاضی تھے اور ان پر قضاء ختم ہوگئی ہے، (یعنی اب ان جیسی عادلانہ قضاء کی توقع نہ رہی)۔(۵)

وفات

ان کے سنہ وفات کے بارے میں تین قول ہیں: حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التهذیب"

---

(۱) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٠، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٦، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٥

(٢) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٠، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٧، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٥

(٣) تاريخ بغداد: ٨/ ١٦٨، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٧

(٤) وفيات الأعيان: ٢/ ٢٠٠، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٤، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٧، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٦، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٧

(٥) تهذيب الكمال: ٧/ ٦٤، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٧، تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٧، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٢٦

۱۹۴ ہجری یا ۱۹۵ ہجری میں وفات نقل کی ہے۔(۱) جب کہ ابنِ حبان نے "کتاب الثقات" میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۵ ہجری یا ۱۹۶ ہجری کو سنہ وفات قرار دیا ہے۔(۲)

۱۹۵ ہجری ابوسائب مسلم بن جنادہ کا قول ہے۔(۳) اور ۱۹۶ ہجری عمرو بن علی اور محمد بن مثنیٰ وغیرہ کا قول ہے۔(۴)

احمد بن عبدالجبار عطاردی، ابن نمیر، ابوسعید اشج، خلیفہ بن خیاط، ابن ابی الدنیا، عبید بن صباح، ابوبشر، اور ابن خلکان وغیرہ نے کہا کہ حفص بن غیاث ۱۹۴ ہجری میں دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔(۵)

ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ حفص بن غیاث کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۴ ہجری کو محمد بن ہارون کے عہدِ خلافت میں ہوا۔(۶)

ابوبشر ہارون کہتے ہیں کہ ابن ادریس کے انتقال کے وقت حفص بن غیاث فالج میں مبتلا ہوئے، پھر ۱۹۴ ہجری تک گھر میں (صاحبِ فراش) رہے اور ۱۰ یعنی ذی الحجہ ۱۹۴ ہجری کو انتقال کر گئے، امیر کوفہ فضل بن عباس نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔(۷)

علامہ مزی رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر نے ۱۹۴ ہجری میں وفات کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(۸) رحمه الله رحمةً واسعةً.

---

(١) تقريب التهذيب: ١/ ٢٢٩

(٢) كتاب الثقات: ٦/ ٢٠٠

(٣) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٦، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٨، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٩، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٣٤

(٤) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٦، وفيات الأعيان: ٢/ ٢٠١، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٩

(٥) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٥، ١٩٦، تاريخ الإسلام: ٥/ ٢٢٨، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٩، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٣٣ تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٧، وفيات الأعيان: ٢/ ٢٠٠ تذكرة الحفاظ: ١/ ٢٩٨

(٦) الطبقات الكبرىٰ: ٦/ ٣٩٠

(٧) تاريخ بغداد: ٨/ ١٩٦، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٩، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٣٣

(٨) تاريخ الاسلام: ٥/ ٢٢٨، سير أعلام النبلاء: ٩/ ٣٤، الكاشف: ١/ ٣٤٣ تهذيب التهذيب: ٢/ ٤١٧، تهذيب الكمال: ٧/ ٦٩

باقی رواۃ حدیث اعمش، سالم، کریب، ابن عباس اور میمونہ رضی اللہ عنہم کے تراجم پہلے گذر چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

غُسلاً

غُسلاً بضم الغین غسل کے پانی کو کہا جاتا ہے(۲) لفظ غسل کی لغوی تحقیق اور ائمہ لغت کے مختلف اقوال کتاب الغسل کی ابتدا میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

ثم قال بيده الأرض فمسحها بالتراب

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ زمین پر مارا اور اسے مٹی سے رگڑا۔

ابن عساکر اور ابوذر کی روایت میں "على الأرض" کے الفاظ ہیں یعنی "على" کا اضافہ ہے۔(۳)

قال بيده الأرض یا على الأرض کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا، "قال" یہاں "ضرب" کے معنی میں ہے، جیسا کہ اسی کتاب کے اٹھارہ[۱۸] نمبر باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت ہے اور اس میں "فضرب بيده الأرض" کے الفاظ ہیں۔(۴) تفصیل باب سابق میں گذر چکی ہے۔

ثم تمضمض واستنشق

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔

---

(۱) اعمش کے لئے دیکھئے، كشف الباري: ۲/ ۲۵۱، سالم کے احوال صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع کے تحت دیکھئے، کریب کے حالات كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات کے لئے دیکھئے، كشف الباري: ۱/ ۴۳۵، ۲/ ۲۰۵، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے لئے ملاحظہ کریں، كشف الباري: ۴/ ۴۲۰

(۲) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۲، التوضيح: ۴/ ۵۶۹، فتح الباري: ۲/ ۴۹۰، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۶، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۷، الكوثر الجاري: ۱/ ۴۱۶، التوشيح: ۱/ ۲۴۶، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

(۳) إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۷، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳

(۴) فتح الباري: ۲/ ۴۹۰، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۶، التوضيح: ۴/ ۵۶۹، الكوثر الجاري: ۱/ ۴۱۶

ابوذر، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں تمضمض کی جگہ مضمض کے الفاظ ہیں۔(۱)

مضمضہ اور استنشاق سے متعلق مباحث کتاب الوضوء میں آچکے ہیں، یہاں صرف غسل میں ان دونوں سے متعلق ائمہ کرام کے مذاہب اور مختصراً حنفیہ کی دلیل وخصم کی دلیل کے جواب کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کی حیثیت

حنفیہ کے نزدیک غسلِ جنابت میں مضمضہ اور استنشاق یعنی منہ اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے۔(۲)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے، یہی قول حسن بصری، امام زہری، حکم بن عتبہ، قتادہ، ربیعہ، یحییٰ بن سعید انصاری، امام اوزاعی، لیث بن سعد اور ایک روایت میں عطاء سے بھی منقول ہے،(۳) امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔(۴)

امام احمد کی ایک روایت امام شافعی کی طرح ہے یعنی وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے، جب کہ مشہور روایت کے مطابق مضمضہ اور استنشاق وضو اور غسل دونوں میں واجب ہیں، یہی ابن ابی لیلیٰ، حماد اور امام اسحاق کا مذہب ہے، ایک روایت عطاء اور ابن شہاب زہری سے اسی طرح کی منقول ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک تیسری روایت میں یہ منقول ہے کہ استنشاق تو وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے نہ کہ مضمضہ، ابوثور، ابوعبید، داؤد ظاہری اور ابن منذر کا مذہب بھی یہی ہے۔(۵)

اعضائے بدن کی اقسام

حنفیہ کے استدلال کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اعضائے بدن کی تین قسمیں ہیں:

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۷، تحفة الباري: ۱/ ۲۲۳، ۲۲۴

(۲) البحر الرائق: ۱/ ۸۶، ۸۷، الهداية: ۱/ ۴۱، ۴۲، البناية: ۱/ ۳۱۱، ۳۱۶، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۷، تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي: ۱/ ۵۹، ۶۰

(۳) المجموع شرح المهذب: ۱/ ۳۶۲، ۳۶۳، ۲/ ۱۹۷، شرح النووي: ۳/ ۱۰۲، البناية: ۱/ ۳۱۱، السعاية: ۱/ ۲۷۵

(۴) حاشية الدسوقي: ۱/ ۲۲۴، الاستذكار: ۱/ ۱۶۱، ۱۶۲، المنتقى: ۱/ ۳۹۷

(۵) المغني لابن قدامة: ۱/ ۸۳، الإنصاف للمرداوي: ۱/ ۱۵۲، البناية: ۱/ ۳۱۱، السعاية: ۱/ ۲۷۵

۱-وہ اعضا جو من کل الوجوہ داخل بدن کا حصہ ہیں۔

۲-وہ اعضا جو من کل الوجوہ خارج بدن کا حصہ ہیں۔

۳-بعض اعضاوہ ہیں جو من وجہ داخل بدن کا حصہ اور من وجہ ظاہر بدن کا حصہ ہیں، جیسے ناک اور منہ۔

لہٰذا قسم اول کا نہ غسل میں دھونا ضروری ہے اور نہ ہی وضو میں، قسم ثانی میں سے اعضائے ثلاثہ کا وضو میں دھونا اور سر کا مسح کرنا ضروری ہے اور غسل میں سب کا دھونا ضروری ہے، قسم ثالث کی دو حیثیتیں ہیں تو ہر ایک کا اعتبار کر کے حنفیہ نے کہا کہ غسل میں ان کا دھونا ضروری ہے نہ کہ وضو میں۔(۱)

حنفیہ کا مستدل

غسل کے بارے میں حنفیہ کا ایک استدلال تو قرآن مجید کی آیت ﴿وان کنتم جنباً فاطهروا﴾ (۲) (یعنی اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب مبالغہ کے ساتھ پاکی حاصل کرو) سے ہے، چناں چہ ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو میں بہ نص قرآنی چہرہ کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے مراد ظاہری چہرہ ہے؛ لہٰذا منہ وناک کا اندرونی حصہ اس میں داخل نہیں، بخلاف جنابت کے کہ اس میں بہ نص قرآنی مبالغہ کے ساتھ بدن پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور بدن کا اطلاق ظاہری اور باطنی دونوں حصوں پر ہوتا ہے، لہٰذا حتی الامکان ظاہری وباطنی حصہ کو دھونا ضروری ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق غسل جنابت میں واجب ہیں، کیوں منہ اور ناک کے اندرونی حصہ تک بلاحرج پانی پہنچانا ممکن ہے۔(۳)

مراتب کی تعیین

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کا ثبوت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل میں بلاریب ہے، البتہ مراتب کی تعیین باب اجتہاد میں سے ہے، ہماری یعنی حنفیہ کی نظر میں دونوں غسل میں واجب ہیں، کیوں کہ شارع علیہ السلام نے بہ نسبت حدث اصغر کے جنابت کے بارے میں زیادہ تاکید کی ہے، پس جنبی کو قرات قرآن سے روکا بے وضو کو نہیں، جنبی کو دخول وقیام مسجد سے روکا، بے وضو کو

---

(۱) السعاية: ۱/ ۲۷۷

(۲) المائدة: ٦

(۳) بدائع الصنائع: ۱/ ۲٦۷

نہیں) اس سے معلوم ہوا بہ نسبت حدث اصغر کے جنابت کی سرایت باطنِ جسم تک زیادہ ہے، لہٰذا ہم نے مضمضہ واستنشاق کو غسل میں فرض وواجب قرار دیا، البتہ فرض سے فرض ظنی مراد ہے اور وہ خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے، فرض قطعی قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔(۱)

حدیث سے استدلال

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"إن تحت كل شعرة جنابة، فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة". (۲) یعنی بے شک ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے، پس تم بالوں کو دھوؤ اور جلد کو پاک کرو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حنفیہ کا استدلال "تحت كل شعر جنابة" سے ہے، ناک میں چوں کہ بال ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا دھونا ضروری ہے، اور منہ ظاہر بدن میں داخل ہے، لہٰذا خطابی کا اعتراض برمحل نہیں کہ بشرہ سے حنفیہ کا استدلال درست نہیں۔(۳)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اس حدیث سے استنشاق کا وجوب ثابت ہوگیا تو مضمضہ کا وجوب بھی ثابت ہوجائے گا، کیوں کہ حنفیہ اور شوافع میں کوئی بھی ان کے درمیان فصل کا قائل نہیں ہے۔(۴)

فریق مخالف کی دلیل کا خلاصہ

باقی رہی بات قائلین عدم وجوب کے قول کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت "عشر من الفطرة". (۵)

---

(۱) فيض الباري: ۱/۴۵٦

(۲) الحديث أخرجه أبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲۴۸، والترمذي في سننه، كتاب الطهارة، باب ماجاء أن تحت كل شعرة جنابة، رقم: ۱۰٦، وابن ماجه في سننه، كتاب الطهارة، باب تحت كل شعرة جنابة، رقم: ۵۹۷

(۳) البناية شرح الهداية: ۱/۳۱۵

(۴) السعاية: ۱/۲۷۷

(۵) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، رقم: ٦۰۴، وأبوداؤد في =

میں استنشاق اور مضمضہ کو بھی شمار کیا گیا ہے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "من الفطرة المضمضة والاستنشاق والسوك". (۱) اور فطرت سے مراد سنت ہے جیسا کہ علامہ خطابی نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے اور علامہ نووی نے اس کی تصویب کی ہے، لہٰذا مضمضہ اور استنشاق کا کرنا بھی سنت ہے نہ کہ واجب۔(۲)

صاحب ہدایہ کا جواب

ایک جواب تو یہ ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ روایات حدث اصغر کی حالت پر محمول ہیں، ان احادیث کے پیش نظر جن میں مضمضہ اور استنشاق کا غسل جنابت میں وجوب کو بیان کیا گیا ہے۔(۳)

صاحب فتح القدیر کا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ فطرت سے سنت مراد ہے، کیوں کہ فطرت کے کئی معانی آتے ہیں، دین اسلام کو بھی فطرت کہا گیا ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت: "كل مولود يولد على الفطرة" (۴) میں ہے، اسی طرح اختراع، ابداع اور سنت کو بھی فطرت کہتے ہیں، پس حدیث میں سنت سے دین مراد ہے، لہٰذا اس سے وجوب مضمضہ اور استنشاق کی نفی نہیں ہوگی، کیوں دین اعم ہے، واجب اور سنت دونوں کو شامل ہے، یہ صاحب فتح القدیر کا جواب ہے۔(۵)

= سننه، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، رقم: ۵۳، والترمذي في سننه، أبواب الأدب، باب ماجاء في تقليم الأظفار، رقم: ۲۷۵۷، وابن ماجه في سننه، أبواب الطهارة، باب الفطرة، رقم: ۲۹۳

(۱) الحديث أخرجه أبوداود في سننه، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، رقم: ۵٤، وابن ماجه في سننه، أبواب الطهارة، باب الفطرة، رقم الحديث: ۲۹٤

(۲) السعاية: ۲۷٦/۱

(۳) الهداية، كتاب الطهارات، فصل في الغسل: ٤٤/۱

(٤) كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلىٰ عليه؟ وهل يعرض على الصبي الإسلام؟، رقم: ۱۳۵۸، ويتكرر أيضاً، برقم: ۱۳۵۹، ۱۳۸۵، ٤۷۷۵، ٦۵۹۹

(۵) السعاية: ۲۷٦/۱، فتح القدير: ۵۱/۱

سنت سے اصطلاحی سنت مراد نہیں

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم علامہ خطابی اور نووی کی بات کو تسلیم کر کے فطرت کو سنت کے معنی میں مان بھی لیں تو پھر بھی اس سے ہمارے استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں اس سے اصطلاحی سنت مراد نہیں، جیسا کہ امام شافعی نے ارادہ کیا ہے، بلکہ اس سے انبیاء علیہم السلام کی سنت اور ان کا طریقہ مسلوکہ مراد ہے۔(۱)

روایات سے تائید

اس کی تائید حکیم ترمذی کی "نوادر الأصول" کی روایت اور بزار کی مرفوع روایت سے ہوتی ہے کہ "خمس من سنن المرسلين الحياء والحلم والحجامة والسواك والتعطر".(۲) یعنی پانچ چیزیں مرسلین کی سنت میں سے ہیں: حیاء، حلم، حجامہ، مسواک اور خوشبو لگانا۔

ترمذی کی روایت میں ہے: أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح". (۳) چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں، حیاء، خوشبو لگانا، مسواک اور نکاح۔

الزامی جواب

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ختان اور استنجاء بالماء فرض ہیں، جب کہ ان کا استدلال میں پیش کی گئیں روایات میں ان چیزوں کو بھی شمار کیا گیا ہے، لہٰذا جو جواب ان کا ان دونوں کے فرض ہونے کے بارے میں ہوگا وہی جواب ہمارا بھی مضمضہ اور استنشاق کے واجب ہونے کے بارے میں ہوگا۔(۴)

---

(۱) السعاية: ۱/۲۷٦

(۲) الأصل الخامس والستون والمائة في سنن المرسلين: ۲/۱۵٤، الأحاد والمثاني، ۲۷۳، جد مليح بن عبدالله الأنصاري، رقم الحديث: ۲۲۰۸ (٤/۲۲۳)، كشف الأستار، كتاب الصلوة، باب السواك: ۱/۲٤٤، رقم: ۵۰۰

(۳) أطراف مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي أيوب الأنصاري: ٦/۵۹، رقم: ۷۷۳۸، وأخرجه الترمذي في سننه، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه، رقم: ۱۰۸۰، مسند الشاميين، مسند مكحول الشامي، مكحول عن ابن خباب: ٤/۳۷٤، رقم: ۳۵۹۰

(٤) البناية: ۱/۳۱۷، السعاية: ۱/۲۷٤، چوں کہ یہ مسئلہ کتاب الوضوء میں گزرا ہے، اس لئے اختصار سے کام لیا گیا ہے، =

ثم تنحىٰ فغسل قدميه

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے سرک گئے اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔

"تنحی" کا مطلب شراح نے یہ بیان کیا ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل والی جگہ سے سرک کر دوسری جگہ آئے۔(۱)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پاؤں دھونے کو مؤخر کرنا بیان جواز کے لیے تھا۔(۲)

ثم أتي بمنديل

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک رومال لایا گیا۔

لفظ مندیل کی تحقیق

مِندِيل (بكسر الميم)، بروزن، مِفعِيلْ، نَدِلَ يَنْدَلُ نَدَلاً (باب سمع) سے یا تو النَّدْل (بمعنی الوسخ یعنی میل کچیل) سے ماخوذ ہے، کیوں کہ مندیل سے اوساخ دور کیے جاتے ہیں، یا النَّدْل بمعنی تناول سے ماخوذ ہے کہ مندیل سے بدن پر موجود پانی کو صاف اور خشک کیا جاتا ہے،(۳) پہلے معنی کو علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اور دوسرے کو ابن فارس رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔(۴)

ابن منظور افریقی رحمہ اللہ کی رائے

ابن منظور افریقی رحمہ اللہ نے فرمایا "المِنْدِيْلُ والمَنْدِيْلُ نادر والمِنْدَلُ، كله: الذي يُتَمَسَّع به".

یعنی مَندِیل، مِندِیل اور مِندَل تینوں مستعمل ہیں، البتہ مَندِیل بفتح المیم نادر الاستعمال ہے، ان سب کا اطلاق

= مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، اعلاء السنن: ۱/۱۳۰-۱۳۵، البنایہ: ۱/۳۱۱-۳۱۶، السعاية: ۱/۲۷۴-۲۷۷

(۱) فتح الباري: ۲/۴۹۰، عمدة القاري: ۳/۳۰۶، إرشاد الساري: ۱/۳۹۷

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۲۲

(۳) لسان العرب: ۱۴/۹۳، الصحاح، ص: ۱۰۳۱، المنهاج: ۳/۲۲۲، ۲۲۳

(۴) شرح الكرماني: ۳/۱۲۲، عمدة القاري: ۳/۳۰۶، المنهاج: ۳/۲۲۴، الكوثر الجاري: ۱/۴۱۶

پونچھنے اور خشک کرنے والی چیز (تولیہ) پر ہوتا ہے۔(۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مِندِیل بروزن فِعْلِيل بھی مستعمل ہے اور یہ مندل سے ماخوذ ہے، علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲) اسی سے تندّل اور تمندّل بھی آتا ہے یعنی اس تقدیر پر یہ رباعی ہوگا، جب کہ امام کسائی نے اس مادہ اشتقاق کا انکار کیا ہے۔(كذا قال أبو عبيد).(۳)

علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ اور علامہ جوہری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تـنـدّلـتُ بـالـمِـنـدِيـل اور تَمَنْدَلتُ أي، تمسّحت به أثر الوضوء أ والطهور" دونوں طرح مستعمل ہیں، یعنی میں نے رومال سے وضو یا پاکی کے پانی کو پونچھا اور خشک کیا۔(۴)

فلم ينفص بها

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رومال سے اپنے اعضائے وضو کو خشک نہیں کیا۔

ينفض کی وضاحت

نَفَضَ يَنْفُضُ (نصر ينصر) نَفضاً، جھٹکنا، ہٹانا، زائل کرنے اور گرانے کو کہتے ہیں، کپڑے کو نچوڑ کر جھٹکنے، خشک کرنے اور درخت کو ہلا کر پھل اور پتے گرانے کے لیے کہا جاتا ہے: نَـفَـضْـتُ الثَّوْبَ وَالشَّجرَ وغيره أنفضه نَفْضاً: إذا حرَّكته ينتفض .(۵)

اسی سے مِنفَض بمعنی مِنسَف (چھاج، جھاڑن) بھی آتا ہے(٦)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بحوالہ جوہری النفض بمعنی النشف یعنی خشک کرنا نقل کیا ہے،(۷) اور علامہ

(١) لسان العرب: ١٤/٩٣

(٢) تحفته الباري: ١/٢٢٤

(٣) لسان العرب: ١٤/٩٣، الصحاح، ص: ١٠٣١، عمدة القاري: ٣/٣٠٦، لسان العرب: ١٣/١٩٣

(٤) لسان العرب: ١٤/٩٣، الصحاح، ص: ١٠٣١

(٥) لسان العرب: ١٤/٢٣٩، الصحاح، ص: ١٠٥٩

(٦) لسان العرب: ١٤/٢٣٩، الصحاح، ص: ١٠٥٩

(٧) عمدة القاري: ٣/٣٠٧

کرمانی رحمہ اللہ نے بحوالہ جوہری المِنفَض بمعنی المِنشَف تولیہ، رومال یا کپڑا جس سے پانی خشک کیا جائے، کے معنی میں نقل کیا ہے۔(۱)

"فلم ینفض بھا" میں ضمیر مؤنث لانے کی وجہ

"فلم ينفض بها میں" "بها" مؤنث کی ضمیر اس لیے لائے کہ مندیل سے "خرقة مخصوصة" (یعنی رومال یا کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے بدن کو خشک کیا جاتا ہے) مراد ہے اور وہ مؤنث ہے۔(۲) جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: كان لرسول صلى الله عليه وسلم خرقة ينشف بها بعدالوضوء". آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ اعضائے وضو یا بدن کو خشک فرمایا کرتے تھے۔(۳)

کریمہ کی روایت میں ہے کہ ابوعبداللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "يعني لم يمتسح". (۴)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۲/۳

(۲) فتح الباري: ۴۹۰/۲، عمدة القاري: ۳۰۷/۳، إرشاد الساري: ۳۹۷/۱

(۳) الحديث رواه الترمذي في سننه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في المنديل بعد الوضوء، رقم: ۳۵، وقال: حديث عائشة ليس بالقائم، ولا يصح عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الباب شيء، وأبو معاذ يقولون هو "سليمان بن أرقم" وهو ضعيف عند أهل الحديث". انتهى ما قال. وقال محقق سنن الترمذي الشيخ أحمد محمد شاكر: إسناد المؤلف هذا فيه، سفيان بن وكيع بن الجراح، وهو في نفسه ثقة صادق، إلا أن ورّاقة أفسد عليه حديثه، فأدخل عليه ماليس منه ونصح بتغيره فلم يقبل، فضعف حديثه باختلاط بما ليس منه، ولكن لم ينفرد برواية هذا الحديث فقد رواه الحاكم في المستدرك: ۱۵۴/۱، من طريق محمد بن عبدالله عبدالحكم، عن ابن وهب، ورواه البيهقي: (۱۸۵/۱) عن الحاكم وغيره من طريق ابن عبدالحكم وقد ضعف الترمذي هذا الحديث من أجل سليمان بن أرقم، فإنه ضعيف ولكن الترمذي لم يجزم بأن أبا معاذ هو سليمان بن أرقم بل قال: "يقولون"، والبيهقي تبع الترمذي في ذلك غير أنه جزم بأنه سليمان. وأما الحاكم فقال: أبو معاذ هذا هو الفضيل بن ميسرة، بصري، روى عنه يحيىٰ بن سعيد وأثنى عليه، وأقره الذهبي على ذلك فلم يتعقبه فيه. وبذلك يكون إسناد الحديث صحيحاً، انتهى ما قال. (حاشية سنن الترمذي: ۷۵/۱)

(۴) فتح الباري: ۴۹۰/۲، إرشاد الساري: ۳۹۷/۱، شرح الكرماني: ۱۲۲/۳

فلم ينفض بها سے راوی کی مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندیل کے ذریعہ بدن کو خشک نہیں فرمایا۔

تولیہ وغیرہ سے اعضائے طہارت خشک نہ کرنے کی حکمت

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"لأنّه أثر عبادة، فكان تركه أولىٰ".(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندیل سے وضو کی تری کو اس لیے خشک نہیں فرمایا کہ وہ عبادت کا اثر ہے، پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔

شوافع میں سے ابو حامد یعنی امام غزالی کا یہی قول ہے کہ یہ اثر عبادت ہے اسے اثر شہادت (خون وغیرہ) کی طرح برقرار رکھا جائے گا۔(۲)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وتركه صلى الله عليه وسلم للمنديل فإنّه أراد إبقاء بركة الماء والتواضع".(۳)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی برکت کو باقی رکھنے اور بطور تواضع کے مندیل کو ترک فرمایا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن كرهه إنّما كرهه من قبل أنّه قيل: إن الوضوء يوزن".(٤)

جس نے بھی وضو کے بعد مندیل کو ناپسند فرمایا وہ اس لیے ناپسند فرمایا کہ وضو کے پانی کا (اعمال نامہ میں) وزن کیا جاتا ہے۔

---

(۱) إرشاد الساري: ١/٤٩٧

(۲) شرح ابن العربي على سنن الترمذي: ١/٦٩

(۳) شرح ابن بطال: ١/٣٨٦

(٤) أبواب الطهارة، باب ماجاء في المنديل بعد الوضوء: ١/٧٧، رقم: ٥٤

ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:

"إنما أكره المنديل بعد الوضوء لأن الوضوء يوزن".(١)

یعنی میں وضو کے بعد مندیل کو اس لیے ناپسند کرتا ہوں، کیوں کہ وضو (کے پانی) کا وزن کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سعید بن میتب سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(٢)

سعید بن میتب رحمہ اللہ کی روایت

ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں حضرت سعید بن میتب کی روایت کو اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً بھی نقل کیا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

"أخبرنا علي الصواب أبو الحسن الفرضي، نا عبدالعزيز بن أحمد، أنا أبو محمد بن أبي نصر، أنا علي بن شعيب، أنا أبو عبدالملك أحمد بن إبراهيم القرشي، نا سليمان بن عبدالرحمن، نا ناشب بن عمرو الشيباني الدمشقي، نا مقاتل بن حيّان، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من توضأ فمسح بثوب نظيف فلا بأس به، ومن لم يفعل فهو أفضل، لأن الوضوء يوزن (وفي رواية: نور) يوم القيامة مع سائر الاعمال".(٣)

یعنی جس نے وضو کیا اور پاک کپڑے سے اس کو پونچھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جس نے ایسا نہیں کیا تو یہ افضل ہے، اس لیے کہ قیامت کے دن دیگر تمام اعمال کے ساتھ وضو کا وزن کیا جائے گا۔

---

(١) أبواب الطهارة، باب ماجاء في المنديل بعد الوضوء: ١/٧٧، رقم: ٥٤

(٢) حواله سابق

(٣) تاريخ مدينة دمشق، [ذكر من اسمه] ناشب بن عمرو، أبو عمرو الشيباني، الجزء الحادي والستون: ٦١/٣٨٠، رقم الترجمة: ٧٨١٢، جمع الجوامع، قسم الأقوال، حرف الميم: ٧/١٣٧، رقم الحديث: ٢١٧١٢، كنز العمال، كتاب الطهارة، قسم الأقوال، آداب متفرقة من الإكمال: ٩/١٣٠، رقم الحديث: ٢٦٣٤

تنبیہ

لیکن یہ واضح رہے کہ ابن عساکر کی دونوں مرفوع روایتیں ناشب بن عمرو شیبانی سے مروی ہیں، ناشب بن عمرو پر ائمہ نے کلام فرمایا ہے، چناں چہ امام دارقطنی نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا: "ناشب ضعيف".(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "ناشب بن عمرو الشيباني منكر الحديث".(۲)

غرض ابن عساکر کی رفع والی روایتیں ناشب بن عمرو کی وجہ سے "ضعف" سے خالی نہیں۔

ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے

ابن العربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو وجوہ سے پاکی کے پانی کو اثر عبادت کہنا درست نہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ وضو خود عبادت ہے نہ کہ عبادت کا اثر، دوسری وجہ یہ ہے کہ اثرِ عبادت شہید میں غسل کو ساقط نہیں کرتا، اسے ایک گونہ بقاء حاصل ہے، شہید کا غسل تو اس لیے ساقط ہوتا ہے کہ کفار نے اسے تلوار سے پاک کر دیا ہوتا ہے، مزید فرمایا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ تمسح بالمندیل کو ناپسند کرنے کی وجہ وضو کے پانی کا وزن کیا جانا ہے، تو یہ ایک ضعیف بات ہے، کیوں کہ وضو کے پانی کا وزن کیا جانا اس کے مسح کو منع نہیں کرتا (اسے بہر حال تولا جائے گا خواہ اعضا پر خشک ہو یا تولیہ میں جذب ہو جائے)۔(۳)

بعض حضرات کی توجیہ

بعض حضرات نے لکھا کہ اثر عبادت کا وزن تو آخرت میں ہوگا، وہاں کا میزان اور ترازو تو دنیا کے ترازوں کی طرح نہیں اور نہ ہی اسے دنیا میں محسوس کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ تو ان امور غیبیہ میں سے ہے کہ جیسا بتایا گیا ہے ویسے ان پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی یہ یقین ضروری ہے کہ وزن ہوگا۔(۴)

---

(۱) سنن الدارقطني مع التعليق المغني، باب وجوب وضع الجبهة والأنف: ۱/۳۴۸، المغني في الضعفاء: ۲/۴۴۹، رقم الترجمة: ۶۵۷۷، تراجم رجال الدارقطني في سننه الذين لم يترجم لهم في التقريب ولا في رجال الحاكم: ۱/۴۵۹، رقم الترجمة: ۱۱۹۰

(۲) ميزان الاعتدال: ۴/۲۳۹، رقم الترجمة: ۸۹۸۶، لسان الميزان: ۷/۱۵۸، رقم الترجمة: ۴/۸۸

(۳) شرح ابن العربي على سنن الترمذي: ۱/۷۰

(۴) إكمال إكمال المعلم: ۱/۷۷، حاشية الترمذي للشيخ أحمد محمد شاكر: ۱/۷۷

علامہ کرمانی وغیرہ کی توجیہ

علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ نے امام تیمی سے نقل کیا ہے:

"في الحديث دليل على أنّه صلى الله عليه وسلم كان ينشف، ولولا ذلك لم يأته بالمنديل، وإنما ردّه لأنّه يمكن أنّه كان وسخاً أو نحوه".

امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث باب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعضائے بدن کو خشک فرمایا کرتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مندیل پیش نہ کیا جاتا، باقی رہی بات رد کرنے کی تو ممکن ہے کہ آپ نے مندیل کے میلے ہونے یا اور کسی وجہ سے رد فرمایا ہو۔(۱) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے یہی توجیہ ابن التین رحمہ اللہ سے بھی نقل فرمایا ہے۔(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندیل کو رد کرنا

مسلم شریف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں ہے:"ثمّ أتيته بالمنديل فردّه".(۳) پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مندیل پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے اسے رد فرمایا۔

مندیل رد کرنے کی وجہ

شراح حدیث نے اس کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں، قاضی عیاض رحمہ اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مندیل کو اس لیے رد فرمایا کہ ترک افضل ہے،(قاله العثماني) یا یہ کہ آپ علیہ السلام کو نماز کی جلدی تھی، یا تواضعاً ترک فرمایا، یا مترفین (عیش پرست لوگوں) کی مخالفت میں رد فرمایا، یا یہ کہ گرمی کا وقت تھا اور پانی کی تری مطلوب تھی، یا پانی کی برکت کو باقی رکھنے کے لیے رد کیا، یا یہ کہ اس کپڑے پر حریر (ریشم) وغیرہ لگا ہوا تھا، یا اس خوف سے رد فرمایا کہ کہیں عادت نہ بن جائے۔(۴)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۲/۳، فتح الملهم: ۷٦/۳

(۲) إرشاد الساري: ۴۹۷/

(۳) كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۷۲۲

(٤) إكمال إكمال المعلم: ۹٤/۲، فتح الملهم: ۷٦/۳، البحر الرائق: ۹٦/۱، ۹۷

بعض حضرات کا قول

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ترک تنشیف اس وقت افضل ہے جب ٹھنڈ لگنے اور نجاست سے ملوث ہونے کا خوف نہ ہو، وگرنہ اس کا ترک مسنون نہ ہوگا، اذرعی نے کہا کہ جب وضو کے بعد ایسی جگہ سے گزرہوتا ہو جہاں ہوا چلنے کی وجہ سے نجاست سے تلویث کا خوف ہو، یا پانی کی ٹھنڈک زیادہ محسوس ہو، یا مرض بڑھ جانے کا خوف ہو یا زخم خراب ہونے کا اندیشہ وغیرہ ہو تو پھر تنشیف کی سنت اور متاکد ہو جائے گی۔(۱)

حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ کا عجیب معمول

علمائے سلف میں عبادت، پرہیزگاری، سنن ومستحبات وآداب کی رعایت کا خوب اہتمام ہوا کرتا تھا، انہیں علمائے سلف میں حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی حنبلی رحمہ اللہ تہجد کا بڑا اہتمام کرتے تھے، رات کے آخری پہر جب ہوا ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور موسم میں خنکی پیدا ہو جاتی ہے تو آپ کا معمول تھا کہ آپ تہجد کی ہر دو رکعت نئے وضو سے پڑھا کرتے، ہر رات تقریباً سات یا آٹھ مرتبہ نیا وضو کرتے اور فرمایا کرتے کہ مجھے اس وقت تک نماز میں لطف نہیں آتا جب تک اعضاء وضو کے پانی سے تر نہ ہوں، چناں چہ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدین بغدادی حنبلی رحمہ اللہ اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے ابوالحسن علی بن ابراہیم بن نجار رحمہ اللہ سے حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ کا یہ عمل ان کے دیگر معمولات کے ساتھ نقل کیا ہے، ابن نجار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ بلا فائدہ اپنا کوئی لحہ ضائع نہیں کرتے، فجر کی نماز ادا کرتے اور پھر قرآن کریم کا دور اور تلقین کرتے، بسا اوقات احادیث مبارکہ کی بھی تلقین فرماتے، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے بہت ساری احادیث آپ رحمہ اللہ کی اس تلقین سے حفظ کرلی تھیں، پھر آپ وضو فرماتے اور ظہر سے کچھ پہلے تک فاتحہ ومعوذتین کے ساتھ تین سو رکعات نفل ادا کرتے، پھر قیلولہ فرماتے اور بیدار ہو کر ظہر کی نماز ادا کرتے اور مغرب تک احادیث سنانے یا لکھنے میں مشغول رہتے، اگر روزے سے ہوتے تو (مغرب کے بعد) افطاری کھاتے اور اگر روزے سے نہ ہوتے تو پھر مغرب کے بعد سے عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے، عشاء پڑھ کر آدھی رات تک یا اس کے بعد تک سو جاتے، پھر بیدار ہو کر وضو فرماتے اور کچھ دیر تک تہجد کی نماز پڑھتے، پھر نیا وضو فرماتے اور تواضع وانکساری کے ساتھ نماز پڑھتے، فجر سے کچھ دیر قبل تک آپ رحمہ اللہ کا یہی معلوم رہتا، رات کو تہجد کے دوران سات یا آٹھ

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۱۴/ ٦٨

(یا اس سے زیادہ) مرتبہ نیا وضو کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے:

"ما تطيب لي الصلاة إلا ما دامت أعضائي رطبة".

یعنی مجھے اس وقت تک نماز میں لطف نہیں ملتا جب تک میرے اعضاو ضو کے پانی سے تر نہ ہوں، اس کے بعد نماز فجر تک تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے، یہ آپ رحمہ اللہ کا (عام) معمول تھا۔(۱)

تحدیث بالنعمت کے طور پر بتارہا ہوں کہ جب تک صحت رہی "الماء یوزن" کی وجہ سے ہم بھی ہاتھ منہ نہیں پونچھتے تھے، لیکن اب ضعف ہو گیا ہے، پانی برداشت نہیں ہوتا، اس لیے تنشیف پر عمل ہے۔

تنشیف بعد الغسل کے بارے میں فقہاء کے مذاہب

تنشیف بعد الغسل کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے کرام میں اختلاف ہے اور متعدد اقوال مروی ہیں۔

تنشیف وضو اور غسل دونوں میں مباح ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے۔(۲)

ابن منذر رحمہ اللہ نے یہی قول حضرت عثمان بن عفان، حسین بن علی رضی اللہ عنہم، بشر بن ابی مسعود، حسن بصری، ابن سیرین، علقمہ، مسروق، ضحاک اور اسحاق رحمہم اللہ سے بھی نقل کیا ہے۔(۳)

تنشیف دونوں میں مکروہ ہے، یہ ابن عمر، ابن ابی لیلیٰ، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، مجاہد اور ابو العالیہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔(۴)

---

(١) كتاب الذيل على طبقات الحنابلة لأبي الفرج عبدالرحمن الحنبلي: ٢/١٢، تاريخ الإسلام، تحت ترجمة عبدالغني بن عبدالواحد بن علي: ١٢/٥٣٩، رقم الترجمة: ٢٢٧٩٧، سير أعلام النبلاء، تحت ترجمة عبدالغني: ٢/٤٥٢، ٤٥٣، رقم الترجمة: ٢٣٥، تذكرة الحفاظ، تحت ترجمة عبدالغني: ٤/١٣٧٦، ط: ١٧، رقم الترجمة: ١١١٢

(٢) شرح النووي: ٣/٢٢٢

(٣) الموسوعة الفقهية: ١٤/٦٦، المغني لابن قدامة: ١/٩٥، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/١٨٣، المجموع: ١/٤٦٢

(٤) شرح النووي: ٣/٢٢٢، الموسوعة الفقهية: ١٤/٦٧

حسن بن صالح اور عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہما اللہ سے بھی کراہت منقول ہے۔(۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وضو میں کراہت اور غسل میں عدم کراہت منقول ہے۔(۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تنشیف سے منع فرمایا۔(۳)

تنشیف سے متعلق شوافع کے پانچ اقوال

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں حضرت میمونہ کی روایت "ثم أتيته بمنديل فرده" کے ذیل میں تنشیف بعد الغسل کے بارے میں فرمایا کہ اس بارے میں ہمارے اصحاب شوافع میں اختلاف ہے اور ان سے پانچ اقوال مروی ہیں:

۱-قول مشہور کے مطابق ترک تنشیف مستحب ہے، البتہ تنشیف کو مکروہ نہیں کہتے ہیں۔

۲-تنشیف مکروہ ہے۔

۳-تنشیف مباح ہے یعنی کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، اسی کو ہم (شوافع) نے اختیار کیا ہے، کیوں کہ منع تنشیف یا استحباب کا قول واضح دلیل کا محتاج ہے۔

۴-تنشیف مستحب ہے، کیوں یہ اوساخ سے بچنے کا سبب ہے۔

۵-موسم گرما میں تنشیف مکروہ ہے اور موسم سرما میں مباح ہے۔(۴)

شوافع کے نزدیک راجح قول

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" میں پہلے قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جمہور اہل عراق، قاضی حسین وغیرہ نے اسی کو حتمی قرار دیا ہے اور امام الحرمین نے ائمہ سے اسی کو نقل کیا ہے، جب کہ اقوال کی ترجیح پر دسترس رکھنے والے متاخرین میں سے امام رافعی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور قول ثالث کے بارے میں

---

(١) فتح الباري لابن رجب: ١/١٨٣، المغني لابن قدامة: ١/٩٥

(٢) شرح النووي: ٣/٢٢٢، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/١٨٣، الموسوعة الفقهية: ١٤/٦٦، المجموع: ١/٤٦٢

(٣) المغني لابن قدامة: ١/٩٥، الموسوعة الفقهية: ١٤/٦٨

(٤) شرح النووي: ٣/٢٢٢

فرمایا کہ یہ ابو علی طبری اور قاضی ابو الطیب کا قول ہے۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ محاملی نے عدم حرمت تنشیف پر اجماع نقل کیا ہے، البتہ خلاف کراہت میں ہے۔(۲)

حنابلہ کے اقوال

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں دو قول منقول ہیں:

۱-اعضائے غسل کو خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں یعنی مباح ہے۔

۲-مکروہ ہے۔

خلال نے کراہت والی روایت کا انکار کیا ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلا قول یعنی تنشیف کا مباح ہونا اصح ہے، اس لیے کہ اصل اباحت ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک مندیل کراہت پر دلالت نہیں کرتا، اس لیے کہ آپ علیہ السلام کبھی مباح کاموں کو ترک فرماتے تھے، جیسا کہ کبھی مباح کام کیا کرتے تھے۔(۳)

حنابلہ کے نزدیک راجح قول

علامہ ابو الحسن مرداوی رحمہ اللہ نے "الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام المبجل أحمد بن حنبل" میں تنشیف کے مباح ہونے کے بارے میں "الرعاية الكبرىٰ" کے حوالہ سے "هو المذهب" اور "هي أصح" نقل کیا ہے، جب کہ "تجريد العناية" سے اس کا قول کا اظہر ہونا نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ صاحب تجرید، اس کے شارح، ابن عبیدان اور صاحب مجمع البحرین نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور "الوجيز" "المنور" "المنتخب" میں اور ابن رزین وغیرہ نے اسی کا جزم کیا ہے۔(۴)

---

(۱) المجموع شرح المهذب: ٤٦١/١، ٤٦٢

(۲) المجموع: ٤٦٢/١

(۳) المغني لابن قدامة: ٩٥/١، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١٨٣/١، الموسوعة الفقهية: ٦٦/١٤، المجموع: ٤٦٢/١

(٤) الإنصاف: ١٦٦/١

مالکیہ کا مذہب

علامہ عبدالرحمٰن بن قاسم نے "المدونة الکبریٰ" میں امام مالک رحمہ اللہ سے تنشیف کی اباحت نقل کی ہے، ابن عبدالبر رحمہ اللہ، علامہ دردیر مالکی رحمہ اللہ اور علامہ دسوقی مالکی رحمہ اللہ وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اباحت ہی نقل کیا ہے۔(۱)

تنشیف بعد الغسل کے بارے میں حنفیہ کے اقوال

تنشیف بعد الغسل کے بارے میں حنفیہ سے چار قول منقول ہیں:

۱-استحباب۔

۲-اباحت۔

۳-کراہت۔

۴-وضو کے بعد مکروہ اور غسل کے بعد جائز۔

استحباب تنشیف

چناں چہ "صاحب منیہ" نے لکھا ہے کہ غسل کے بعد بدن کو تولیہ کے ساتھ پونچھنا مستحب ہے، منیہ کی شرح "حلبی کبیری" میں ہے (استحباب تنشیف) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی بنیاد پر ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد تنشیف کیا کرتے تھے، روایت کیا اسے ترمذی نے اور یہ ضعیف ہے، لیکن فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔(۲)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے بذل میں اسی کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے روایت ترمذی کو قوت حاصل ہے،(۳) شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے بھی صاحب بذل کے حوالہ سے

---

(١) المدونة الكبرى: ١/١٧، فتح المالك: ١/٤٢١، حاشية الدسوقي: ١/١٧٣، الموسوعة الفقهية: ١٤/٦٦

(٢) الحلبي الكبيري، ص: ٤٥

(٣) بذل المجهود: ٢/٢٦٦

استحباب ہی کا قول نقل کیا ہے۔(۱)

اباحت تنشیف

صاحب ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' نے لکھا ہے کہ متوضی اور مغتسل کے لیے بدن کا تولیہ سے پونچھنے میں کوئی حرج نہیں، یعنی مباح ہے، بعض نے اس کو مکروہ سمجھا ہے اور بعض اسے صرف متوضی کے لیے مکروہ سمجھتے ہیں نہ کہ مغتسل کے لیے، صحیح بات وہی ہے جو ہم نے کہی ہے (یعنی اباحت،) لیکن مناسب یہ ہے کہ تنشیف میں مبالغہ اور استقصیٰ نہ کرے؛ تاکہ اثر وضو اس کے اعضا پر باقی رہے۔(۲)

صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے اسے آداب میں شمار کیا ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر صاحب منیہ کا استحباب والا قول نقل کر کر لکھا ہے کہ حلیہ میں ہے کہ صاحب منیہ کے علاوہ کسی نے استحباب کا قول ذکر نہیں کیا ہے، اس کے بعد ''تاتارخانیہ'' والا قول نقل کر کے ''خزانۃ الأکمل اور خلاصہ'' کے حوالہ سے تنشیف کے بارے میں ''لابأس'' یعنی اباحت نقل کی ہے۔(۳)

صاحب بحر ابن نجیم رحمہ اللہ نے ''سراج الدرایہ'' کے حوالہ سے ''لابأس'' یعنی اباحت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صاحب منیہ کے علاوہ کسی نے استحباب کی صراحت نہیں کی ہے۔(۴)

علامہ عثانی رحمہ اللہ نے ''فتح الملہم'' میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں صاحب بحر کا مذکورہ بالا قول نقل فرمایا ہے۔(۵)

صاحب سعایہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی صاحب بحر والا قول نقل کیا ہے۔(۶)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ سے ''فيض الباري'' میں تنشیف کا عدم سنت ہونا منقول ہے اور ''العرف

---

(۱) الكنز المتواري: ۲۰۳/۳

(۲) الفتاوی التاتارخانية: ۲۲۹/۱

(۳) ردالمحتار مع الدرالمختار: ۹۷/۱

(٤) البحر الرائق: ۹۷/۱

(٥) فتح الملهم: ۷٦/۳

(٦) السعاية: ۲۹۹/۱

الشذي" میں ان سے اباحت تنشیف کا "معتمد علیہ" ہونا منقول ہے۔(۱)

اباحتِ تنشیف معتمد علیہ ہے

علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ نے اباحت کے قول کو معتمد علیہ قرار دیا ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے "باب الوضوء قبل الغسل" کے ذیل میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے حوالہ سے کراہت تنشیف نقل کرنے کے بعد پھر جواز واباحت تنشیف پر دلالت کرنے والی متعدد (ضعیف) روایات کا استقصیٰ کیا ہے، جس سے تنشیف بعد الغسل کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔(۳)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت علامہ گنگوہی رحمہ اللہ سے "الكوكب الدري" میں نقل کیا ہے کہ ہمارے نزدیک خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تولیہ سے بدن خشک کرنا بیان جواز کے لیے تھا، خواہ الگ کپڑے سے تھا، یا اس سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے تھے۔(۴)

استحباب اور مکروہ تنزیہی میں فرق

پھر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یہاں ایک اہم امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کس عمل کو مستحب کا درجہ دینا چاہیے اور کس کو مکرہ تنزیہی کا کہ جس کا ترک اولیٰ ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

"والتقصي عنه بأنّ الذي فعله النبي صلى الله عليه وسلم مرة أو مرتين، إما أن يكون بعد العلم بكونه محظوراً، أو فعله لئلا يعد محظوراً، فهو على ترك الأولىٰ وبيان الجواز، وإما أن يكون فعله تحصيلاً للمثوبة والحُسنىٰ،

---

(۱) فيض الباري: ۱/۴۵٦، العرف الشذي: ۱/۹۷

(۲) معارف السنن: ۱/۲۰۳

(۳) عمدة القاري: ۳/۲۸۸، ۲۸۹

(٤) الكوكب الدري: ۱/۷٦

وإنّما تركه شفقة علىٰ الأمة وخوفاً من أن تتأكد السنّية، أو تصل إلى حدّ الوجوب فيتشبقوا، فهو مستحب، فترك الفعل ههنا مع رغبته إليه بخلاف الأول، فإنّ الترك ثمة مرغوب فيه والفعل لعارض البيان، وهذا التميز موقوف على استقراء تام وتصفع وافر".(۱)

جو فعل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا دو بار صادر ہوا ہو، اور اس کا کرنا اس فعل کے محظور ہونے کے علم کے بعد ہوا ہے، یا اس غرض سے آپ علیہ السلام نے اس کام کو کیا ہو تا کہ لوگ اسے شرعاً محظور نہ سمجھ لیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بیان جواز پر محمول ہوگا جس کا ترک اولیٰ ہے، اور اگر وہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل ثواب کے لیے کیا اور پھر آپ علیہ السلام اس خوف سے ترک کیا کہ کہیں امت مشقت وتکلیف میں نہ پڑ جائے، یا اس خوف سے ترک کیا کہ آپ علیہ السلام کے بار بار کرنے سے وہ عمل سنت مؤکدہ یا وجوب کی حد تک نہ پہنچ جائے کہ جس سے امت مشقت میں مبتلا ہو جائے، تو آپ علیہ السلام کا یہ عمل مستحب ہوگا، کیوں کہ یہاں ترک فعل ہی مرغوب تھا اور عمل تو صرف بیان جواز کے لیے تھا، ان دونوں قسموں میں فرق استقراء تام اور تصفح وافر پر موقوف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک راجح قول

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تنشیف مباح ہے، استحباب صرف صاحب منیہ کا قول ہے، جیسا کہ ابن نجیم رحمہ اللہ وغیرہ کے حوالہ سے معلوم ہوا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے "كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس" میں لکھا ہے کہ متاخرین نے تعامل مسلمین کی وجہ سے تنشیف بعد الوضوء کو غیر مکروہ قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) الكوكب الدري: ۷۸/۱

(۲) حاشية ابن عابدين: ۲۵۲/۵

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تنشیف بعد الغسل کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ہیں، کبھی عدم ضرورت کے اظہار کے لیے استعمال نہ کرنا اور انکار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور کبھی بیان جواز کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استعمال بھی ثابت ہے، چناں چہ تمندل کے متعلق کسی نے مستحب کہا، کسی نے مکروہ، محقق قول یہ ہے کہ نہ مستحب ہے، نہ مکروہ ہے، مباح ہے اور کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہے۔(۱)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ترجمہ میں "مضمضہ اور استنشاق" کا تذکرہ ہے اور حدیث میں "ثم تمضمض واستنشق" سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔(۲)

حدیث سے مستنبط شدہ امور

حدیث باب سے درج ذیل امور مستنبط کیے گئے ہیں:

۱- غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کی تاکید۔(کما مرّ تحت ترجمة الباب)

۲- بیوی کا شوہر کے غسل کے لیے پانی رکھنا اور بیوی سے خدمت لینا، كما علم من قوله: صبت للنبي صلى الله عليه وسلم غسلاً .(۳)

۳- غسل کے بعد اعضائے غسل کو تولیہ وغیرہ سے خشک نہ کرنا، دل علیه قوله: "فلم ينفض بها".

۴- تنشیف بعد الغسل کا جواز واباحت، کما مر تحت مذاهب الفقهاء.

۵- فعل پر قول کا اطلاق کرنا، کما أطلق في قوله: "ثم قال بيده الأرض".

اس کے علاوہ دیگر امور مستنبطہ سابقہ ابواب کے ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔(۴)

واللہ أعلم بالصواب

---

(۱) فضل الباري: ۲/۴۳٤

(۲) عمدة القارى: ۲۸۸/۳

(۳) عمدة القاري: ۳۰٦/۳

(٤) عمدة القاري: ۳۰۷/۳

۸ – باب : مَسْحِ اَلْيَدِ بِالتُّرَابِ لِيَكُونَ أَنْقَى

(غسلِ جنابت سے قبل) مٹی سے ہاتھ رگڑنا تاکہ خوب صاف ہوجائے

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمہ سے غسل جنابت کرنے والے کا استنجاء کے بعد مٹی سے ہاتھ رگڑ کر خوب صاف کرنے کے حکم کو بیان کرنا ہے۔(۱)

علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے "الأبواب والتراجم" میں لکھا کہ استنجاء کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑنا تاکہ خوب صاف ہوجائے، یہ امر مستحب ہے۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تحقیق انیق

غسل جنابت کرنے والا غسل سے قبل جب استنجاء کرے اور آبدست سے فارغ ہوجائے تو اس کے ہاتھ سے کچھ دیر تک بدبو آتی رہتی ہے، یہ جو آدمی کے ہاتھ پر بدبو رہ جاتی ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ بدبو کیا چیز ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ آیا اس سے ہاتھ پاک ہوا یا نہیں؟

چناں چہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ فقہائے حنفیہ کثر اللہ تعالیٰ جمعهم وشكر سعيهم کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نجاست کے ظاہری آثار زائل ہوگئے ہیں تو ہاتھ پاک ہوجائے گا، اگر چہ اس کی بدبو باقی رہ گئی ہو، جب کہ دوسرے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس وقت تک پاکی حاصل نہیں ہوگی جب تک اس نجاست کا اثر مکمل زائل نہیں ہوتا، سوائے اس معمولی بو کے جس کا زائل کرنا متعسر ہے،(۳)

---

(۱) عمدة القاري: ۳۰۷/۳

(۲) الأبواب والتراجم، ص: ۲٦۲

(۳) قال العلامة الحصكفي: "ويشترط إزالة الرائحة عنها وعن المخرج" ونقل العلامة الشامي: "وقال بعضهم: لا يشترط بل يستعمل حتى يغلب على ظنه أنه قد طهر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء: ۲۵۳/۱

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف اس بدبو کی حقیقت میں اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا یہ بدبو اس نجاست کے اجزائے صغار کی ہے جن کا ادراک ان کے صغر پن کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، یا اس ہوا کی وجہ سے ہے جو اس نجاست سے لگ کر آئی ہے؟

چناں چہ بعض حضرات نے کہا کہ یہ بدبو نجاست کے اجزائے لطیفہ غیر مرئیہ ہیں، لہٰذا ہاتھ کا مٹی سے دھونا ضروری ہے، کیوں کہ یہ ازالہ نجاست کے قبیل سے ہے اور اس کا زائل کرنا ضروری ہے، جب کہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ بدبو وہ ہوا ہے جو ہاتھ کے پانی اور نجاست کے اتصال کے وقت ہاتھ سے لگی ہوئی تھی اور نجاست کے اتصال سے مکیف بکیفیۃ النجاستہ ہوگئی تو وہ ہوا پانی بن کر ہاتھوں کو لگ گئی، یہی وجہ ہے کہ ہاتھ خشک ہوجانے کے بعد یہ بدبو جاتی رہتی ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اس کا ازالہ ضروری نہیں، ہاتھ بغیر ازالہ کے بھی پاک ہے، باقی جہاں تک بات ہے اجزائے صغیرہ لطیفہ غیر مرئیہ کی تو شریعت نے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا، اس کا وجود بھی عدم کے حکم میں ہے، جیسا کہ اگر کسی گیلی شلوار والے کی ریح خارج ہوجائے، یا کوڑے کرکٹ وغیرہ گندگی کی جگہ سے ملوث ہوکر آنے والی ہوا سے بالاتفاق گیلے کپڑے نجس نہیں ہوتے ہیں، اگر بالفرض ان اجزائے لطیفہ غیر مرئیہ کا شریعت میں کوئی اعتبار ہوتا تو لازمی طور سے گیلے کپڑے نجس ٹھہرتے، (حالاں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں) باقی رہی بات خروج ریح سے انتقاض طہارت کی تو وہ اجزائے نجاست کو متضمن ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ تصریح نص کی وجہ سے ہے۔(۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق نقل کرنے کے لکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ سے مذکورہ اختلاف پر تنبیہ فرمارہے ہیں اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹی سے ہاتھ رگڑنا بغرض تطہیر نہیں، بلکہ بغرض تنظیف (صفائی) تھا، جیسا کہ ترجمہ میں لفظ "أنقى" دلالت کررہا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ "أنقى" لاکر ان لوگوں کی تائید

(۱) بذل المجهود: ۱/۳۱۱، ۳۱۲، الكنز المتواري: ۳/۲۰۳، ۲۰۴، الأبواب والتراجم، ص: ٦١، تقرير بخاري: ۱/۸۳، سراج القاري: ۲/۱۹۹

فرمائی جن کے نزدیک اس بدبو کا ازالہ واجب نہیں، بلکہ صرف اولیٰ ہے۔(۱)

مٹی سے ہاتھ مانجھنا مورث فقر نہیں

بعض علماء نے لکھا ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ مٹی سے ہاتھ مانجھنا مورث فقر ہے، ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات سے ان لوگوں کی تردید فرمارہے ہوں کہ یہ بے اصل بات ہے، کیوں کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹی سے ہاتھ مانجھنا ثابت ہے۔(۲)

مٹی سے ہاتھ مانجھنے میں ہندوؤں سے تشبہ کا کوئی اعتبار نہیں

مولانا محمد حسن مکی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ (بعض لوگوں نے کہا کہ) مٹی کے ساتھ ہاتھ مانجھنا تو ثابت ہے، لیکن اس زمانہ میں ہندوں سے مشابہت کی وجہ سے ترک اولیٰ ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس تشبہ کا کوئی اعتبار نہیں، (لہٰذا اس کا کرنا اولیٰ ہوگا)۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ ترجمہ کیوں قائم کیا؟

ترجمہ مسح الید بالتراب تو باب سابق کی حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے "باب المضمضة والاستنشاق من الجنابة" میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا: "وترجم له (أي: الإمام البخاري): باب مسح اليد بالتراب ليكون أنقى" اور دوبارہ اس باب کا عنوان لکھ کر اس کی وضاحت نہیں فرمائی، بلکہ صرف "ترجم له" کے جملہ پر اکتفا فرمایا۔(۴) جب یہ ترجمہ باب سابق کی حدیث سے معلوم ہو چکا تو پھر اس تکرار کا کیا فائدہ ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کا جواب

علامہ کرمانی، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی

---

(۱) الأبواب والتراجم، ص: ٦١، الكنز المتواري: ٢٠٤/٣، تقرير بخاري: ٨٣/١، سراج القاري: ١٩٩/٢

(۲) حاشية البذل: ٣١١/١، الدر المنضود: ١٥٠/١

(۳) الكنز المتواري: ٢٠٣/٣، الأبواب والتراجم، ص: ٦١

(٤) شرح ابن بطال: ٣٨٦/١

غرض ان اموریعنی تکرار ابواب حدیث سے شیوخ واکابر کے استخراج واستنباط میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ہے، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ عمر بن حفص نے حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کو غسل جنابت میں مضمضہ واستنشاق کے ذیل میں روایت کیا ہے، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے دوسرے شیخ محدث حمیدی نے یہی حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے مسح الید بالتراب کے تحت ذکر کیا ہے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تکرار ترجمہ سے دونوں روایات کے الگ الگ سیاق اور شیوخ کے جدا جدا استنباط کی طرف بھی اشارہ کردیا اور دونوں روایتوں کو ایک دوسرے سے تقویت وتائید بھی حاصل ہوگئی۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا مذکورہ جواب نقل کرنے کے لکھا کہ یہاں اس کا ایک اور فائدہ بھی ہے کہ پہلے باب میں "دلك اليد على التراب" ہاتھ کو مٹی پر مارنے اور رگڑنے کا ذکر تھا اور اس باب میں "دلك اليد على الحائط" ہاتھ کو دیوار پر رگڑنے کا بیان ہے اور ان دونوں میں فرق ہے۔(۲)

علامہ کورانی کی توجیہ اور علامہ کرمانی وغیرہ پر رد

علامہ کورانی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کی توجیہ نقل کرکے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا: "هذا كلامه وليس بشيء" یعنی ان لوگوں اس توجیہ کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث "إنما الأعمال بالنيات" کو اپنی صحیح میں سات مختلف مقامات میں نقل کیا ہے،(۳) اس بارے میں تو یہ

---

(۱) شرح الكرماني: ۳/۱۲۳، ۱۲٤، إرشاد الساري: ۱/٤۹۸، تحفة الباري: ۱/۲۲٤

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۷

(۳) الحديث أخرجه البخاري في كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ......، رقم: ۱، وكتاب الإيمان، باب ماجاء: أن الأعمال بالنية والحسبة، رقم: ٥٤، وكتاب العتق، باب الخطاء والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه، ولا عتاقة إلا لوجه الله تعالىٰ، رقم: ۲٥۲۹، وفي كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، رقم: ۳۸۹۸، وفي كتاب النكاح، باب من هاجر أو عمل خيراً لتزويج امرأة فله مانوىٰ، رقم: ٥۰۷۰، وفي كتاب الأيمان والنذور، باب النية في الأيمان، رقم: ٦٦۸۹، وفي كتاب الحيل، باب في ترك الحيل وأن لكل امرئٍ مانوى في الأيمان وغيرها، رقم: ٦۹٥۳

توجیہ ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو سات مختلف ابواب کے تحت شیوخ کے اختلاف، استخراج واستنباط کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ذکر کیا ہے، بلکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض استنباط احکام ہے، اس وجہ سے تمام ابواب کسی نہ کسی حکم کو بیان کرنے کے لیے قائم کیے ہیں اور پھر اس پر حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ ادنیٰ مناسبت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

چناں چہ یہاں "مسح الید بالتراب" کا باب قائم کیا اور وہ حدیث لے کر آئے جس میں دیوار پر ہاتھ مارنے اور رگڑنے کا ذکر ہے اور اس سے پہلے مضمضہ (واستنشاق) کا باب قائم کیا اور اس میں وہ حدیث لائے جس میں مٹی سے ہاتھ ملنے کی صراحت ہے اور دونوں روایات میں فرق یہ ہے کہ حدیثِ باب میں وضو کا تذکرہ ہے جب کہ باب سابق کی روایت اس سے خالی ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کے الفاظ کی وضاحت

مسح الید

یعنی غسل جنابت کرنے والے کا مٹی سے ہاتھ کو رگڑنا۔(۲)

لیکون

ابن عساکر اور اصیلی کی روایت میں "لتکون" کے الفاظ ہیں،(۳) أي: الید .(۴) یعنی ید کے مؤنث ہونے کی وجہ سے تکون لے کر آئے۔

أنقیٰ

أنقیٰ "نقاوۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں نظافت۔(۵)

"أنقی" صیغہ اسم تفضیل ہے، عام طور سے تین طرح سے استعمال ہوتا ہے، اضافت، مِن اور لام کے

---

(۱) الكوثر الجاري: ۱/۴۱۷، ۴۱۸

(۲) إرشاد الساري: ۱/۴۹۸، عمدة القاري: ۳/۳۰۷

(۳) إرشاد الساري: ۱/۴۹۸

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۲۳

(٥) لسان العرب: ١٤/٢٧٣

ساتھ، شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہاں یہ "من" کے ساتھ مستعمل ہے اور وہ محذوف ہے، "يعني أنقیٰ من غير الممسوحة، غیر ممسوحہ سے یا مسح سے پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اور خوب صاف ہوجائے۔(۱)

تکون والی روایت پر اعتراض

ابن عساکر اور اصیلی کی روایت میں "یکون" کی جگہ "تکون" کے الفاظ آئے ہیں، تو اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس کے اسم اور خبر میں مطابقت نہیں، حالاں کہ ان میں مطابقت ضروری ہے، کیوں کہ "تکون" میں هي ضمیر جو لفظ "ید" کی طرف راجع ہے وہ اس کا اسم ہے اور "أنقیٰ" اس کی خبر ہے اور وہ مذکر ہے۔

جواب

اس اعتراض کا علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اسم تفضیل جب "من" کے ساتھ آئے یعنی بغیر الف لام واضافت کے ہو) تو اس کا تمام احوال میں مفرد مذکر لانا ضروری ہے۔(۲) لہٰذا عدم مطابقت والی بات ہی غلط ہے۔(۳)

علامہ برماوی کا علامہ کرمانی وعینی پر نقد

علامہ برماوی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ کے کلام کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان حضرات کے نزدیک فعل ناقص کا اسم لفظ "ید" کی طرف لوٹنے والی ضمیر یعنی "هي" ہے تو پھر ان

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۳/۳، عمدة القاري: ۳۰۷/۳، إرشاد الساري: ۴۹۸/۱، فتح الباري: ۴۹۱/۲

(۲) قال الشيخ مصطفىٰ الغلاييني في "جامع الدروس العربية" (۱۴۷/۱:) تحت "أحوال إسم التفضيل" مانصه: "إذا تجرّد (إسم التفضيل) من "أل"، و "الإضافة" فلا بدّ من إفراده وتذكيره في جميع الأحوال، وأن تتصل به، "مِنْ" الجارّة جارّةً للمفضّل عليه، تقول: "خالد أفضل من سعيد، وفاطمة أفضل من سعاد، وهذان أفضل من هذا. وهاتان أفضل من هاتين، والمجاهدون أفضل من القاعدين والمتعلمات أفضل من الجاهلات، وقد تكون "مِنْ" مقدرة، كقوله تعالىٰ: ﴿والاخرة خير وأبقى﴾ [الأعلى: ۱۷] أي خير من الحياة الدنيا وأبقى منها وقد اجتمع إثباتها وحذفها في قوله سبحانه: ﴿أنا اكثر منك مالاً وأعز نفراً﴾ [الكهف: ۳۴]، أي: أعزّمنك". انتهى.

(۳) شرح الكرماني: ۱۲۳/۳، عمدة القاري: ۳۰۷/۳، إرشاد الساري: ۴۹۸/۱

حضرات کی بات درست ہوگی، جب کہ ظاہر یہ ہے کہ فعل ناقص (یکون) کا اسم یہاں پر لفظ ''مسح'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر ''ھو'' مذکر ہے تو دونوں میں مطابقت پائی جارہی ہے۔(۱)

گویا علامہ برماوی نے ابن عساکر اور اصیلی کے علاوہ باقی حضرات کی روایت کو ترجیح دی ہے، جس میں ''یکون'' آیا ہے، جب کہ بنیادی طور سے یہ اعتراض ہی غلط ہے اس لیے کہ اسم تفضیل جب ''من'' کے ساتھ مستعمل ہو تو پھر اس کا مفرد مذکر لانا واجب اور ضروری ہے، کما مرّ۔

حدیث باب

۲۵۷ : حدّثنا ٱلْحُمَيْدِيُّ قَالَ : حَدَّثنا سُفْيَانُ قَالَ : حَدَّثنا ٱلْأَعْمَشُ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي ٱلْجَعْدِ ، عَنْ كُرَيْبٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ(۲) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ ٱغْتَسَلَ مِنَ ٱلْجَنَابَةِ ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ ، ثُمَّ دَلَكَ بِهَا ٱلْحَائِطَ ، ثُمَّ غَسَلَهَا ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ . [ر : ۲٤٦]

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/٤۹۸

(۲) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في نفس الكتاب، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحديث: ۲٤۹، و في باب الغسل مرّة، رقم الحديث: ۲٥۷، و في باب الغسل بالصاع و نحوه، رقم الحديث: ۲٥۳، وفي باب المضمة والاستنشاق في الجنابة، رقم الحديث: ۲٥۹، و في باب تفريق الوضوء والغسل بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ۲٦٥، و في باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده و لم يعد مواضع الوضوء منه مرّة أخرىٰ، رقم الحديث: ۲۷٤، وفي باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم الحديث: ۲۷٦، و في باب التستر في الغسل عند النّاس، بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ۲۸۱، وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم الحديث: ۷۲۲، و أبو داؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ۲٤٥، و الترمذي في سننه في كتاب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من الجنابة بنحوه مختصراً، و قال: هذا حديث حسن صحيح، رقم الحديث: ۱۰۳، و النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم الحديث: ۲٥۲، و أيضاً في كتاب الغسل و التيمم، باب إزالة الجنب الأذىٰ عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٤۱۸، و أيضاً في باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج، رقم الحديث: ٤۱۹، و أيضاً في باب الاستتار عند الغسل، رقم الحديث: ٤۰۸، و أخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء، رقم الحديث: =

(ترجمہ) ہم سے حمیدی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے، کہا ہم سے سلیمان بن مہران اعمش نے، انہوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غسل جنابت کا (ارادہ) فرمایا تو (سب سے پہلے) اپنے (بائیں) ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اس ہاتھ کو دیوار پر رگڑا، پھر اسے (پانی سے) دھویا، پھر وضو کیا نماز والے وضو کی طرح، پھر جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے دونوں پیر دھوئے۔

تراجم رجال

الحُمَيدي

یہ امام بخاری کے استاذ، امام شافعی کے معاصر، ہم سبق اور شاگرد ابو بکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حمید بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ قرشی، اسدی حُمیدی مکی رحمہ اللہ ہیں۔(۱)

ان کے مختصر حالات، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۲) اور تفصیلی احوال، کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا کے تحت بیان کیے جاچکے ہیں۔(۳)

سفیان

یہ مشہور محدث ابو محمد سفیان بن عیینہ ابن ابی عمران ہلالی کوفی ہیں،(۴) ان کے بہت مختصر احوال بدء

= ٤٦٧، راجع جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، و تحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

(١) دیکھیے، تهذيب الكمال: ٥١٢/١٤

(٢) دیکھیے، كشف الباري: ٢٣٧/١، ٢٣٨

(٣) دیکھیے، كشف الباري: ٩٩/٣-١٠٢

(٤) دیکھیے، تهذيب الكمال: ١٧٧/١١، ١٧٨

الوحي، باب کیف کان الوحي الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) اور تفصیلی حالات، کتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

باقی رجالِ حدیث أعمش، سالم بن ابی الجعد، کریب، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے احوال سے پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔ (۳)

شرح حدیث

فغسل فرجه

توسب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شرمگاہ کو دھویا۔

فاء برائے تفصیل ہے یا تعقیب؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "فغسل" میں "فاء" برائے تعقیب نہیں کہ دلک ید، وضو اور غسل کا شرمگاہ کے دھونے سے مقدم ہونا لازم آئے، بلکہ یہاں "فاء" برائے تفصیل ہے، "اغتسل من الجنابة" میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اجمال کے بعد تفصیل لائی جاتی ہے۔ (۴)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ اور علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی "فاء" کو تفصیلیہ قرار دیا ہے۔ (۵)

فاء برائے تفسیر

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "فاء" کے عدم تعقیب کے لیے ہونے پر علامہ کرمانی رحمہ اللہ سے متفق ہیں، البتہ

---

(۱) كشف الباري: ۲۳۸/۱

(۲) كشف الباري: ۱۰۲/۳-۱۰۶

(۳) اعمش کے حالات کے لئے دیکھئے، كشف الباري: ۲۵۱/۲، سالم بن ابی الجعد کے احوال کے لئے دیکھئے، کتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع، ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دیکھیے: كشف الباري: ۴۳۵/۱، ۲۰۵/۲، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیں، كشف الباري: ۴۲۰/۴

(٤) شرح الكرماني: ۱۲۳/۳

(٥) إرشاد الساري: ٤٩٨/١، تحفة الباري: ٢٢٤/١، الكوثر الجاري: ٤١٧/١

حافظ صاحب رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''فاء'' کو تفسیر یہ قرار دیا ہے۔(۱)

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے مزید لکھا کہ اس حدیث میں ترتیب پر دلالت کرنے والا حرف ''ثم'' لایا گیا ہے جو غسل جنابت کی ترتیب پر دلالت کررہا ہے۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک فاء تعقیبیہ عاطفہ ہے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر نقد کرتے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے یہاں ''فاء'' کو تفسیر یہ قرار دیا ہے تو یہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کے کلام سے ماخوذ ہے، پھر علامہ عینی رحمہ اللہ نے ''فاء'' کو تعقیبیہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اسرار عربیت سے واقفیت رکھتا ہو اور دقت نظر سے غور کرے گا تو وہ کہے گا یہاں ''فاء'' عاطفہ ہے جو ترتیب کے لیے ہے، اور حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غسل کی ترتیب اس طرح فرمائی کہ پہلے شرمگاہ کو دھویا، (پھر ہاتھ کو مٹی سے رگڑا اور اسے پانی سے دھویا) اور پھر وضو فرمایا، اس کے بعد علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں ''فاء'' کا ترتیب کے لیے ہونا اس کو عاطفہ ہونے سے خارج نہیں کرتا۔(۳)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے علامہ عینی رحمہ اللہ کے قول کہ فاء عاطفہ برائے ترتیب ہے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فاء برائے عطف ہے اس ترتیب کو بیان کرنے کے لیے ہے جو ترتیب پر دلالت کرنے والے حرف ''ثم'' سے مستفاد ہے۔(۴)

واضح اور بے غبار بات

لیکن زیادہ واضح اور بے غبار بات وہی ہے جو علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ اکثر شراح حدیث سے منقول ہے، البتہ علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ کو بے غبار بنانے کے لیے یہ کہا جاسکتا کہ "اغتسل من الجنابة" کا معنی "أراد الاغتسال" یا "شرع في الاغتسال" کے لیے جائیں، جیسا کہ شراح حدیث نے

(۱) فتح الباري: ۲/۴۹۱، التوشيح: ۱/۲٤٦

(۲) فتح الباري: ۲/۴۹۱

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۰۷، ۳۰۸

(٤) إرشاد الساري: ۱/۴۹۸

دیگر طرقِ حدیث "إذا اغتسل من الجنابة" سے یہی معنی مراد لیا ہے، اب "فاء" کو برائے تعقیب مانا جائے تو پھر بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غسل جنابت کا ارادہ فرمایا، یا غسل جنابت شروع فرمایا تو اس کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے شرمگاہ کو دھویا پھر مٹی سے اپنے ہاتھ کو رگڑا۔ واللہ أعلم بالصواب

حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے منی اور رطوبت فرج کی ناپاکی پر استدلال

ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ذیل میں [۱۳] احکام ذکر کیے ہیں، "الرابعة" میں لکھا کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے منی کی پاکی اور عورت کی رطوبت فرج کی طہارت کے قول پر رد ہے، اس لیے کہ اگر یہ طاہر ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل کی ابتدا ان کے دھونے سے نہ فرماتے یا ان کو باقی سارے بدن کی تطہیر میں داخل کرتے۔(۱)

حافظ صاحب کا ابن العربی پر نقد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن العربی کے اس استدلال کو بعید قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ غسل ازالہ نجاست پر مقصور نہیں یعنی غسل کے لیے نجاست ضروری نہیں، (بسا اوقات ازالہ نجاست کے علاوہ دیگر مقاصد تنظیف، تنشیط اور تبرید وغیرہ کے لیے بھی غسل کیا جاتا ہے)۔(۲)

رطوبت فرج اور منی کی طہارت ونجاست

حنفیہ میں سے صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک رطوبت فرج نجس ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طاہر ہے(۳) اور منی حنفیہ کے ہاں بالاتفاق نجس ہے۔

علامہ عینی کا حافظ صاحب پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ابن العربی مالکی کے قول کو بعید قرار دینے پر نقد کرتے

(۱) شرح الترمذي لابن العربي: ۱/۱۵۵، ۱۵۶

(۲) فتح الباري: ۲/۴۷۸

(۳) تعليقات البذل: ۲/۲۵۷

ہوئے لکھا کہ انہوں نے ابن العربی کے قول کو بعید کہا ہے حالاں کہ ان کا یہ کہنا خود ہی بعید ہے کیوں کہ منی اور رطوبت فرج کی نجاست پر استدلال کرنے والوں نے صرف حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر اکتفا نہیں کیا، پہلے ہم اس مسئلہ کو استقصی دلائل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔(۱)

رطوبت فرج سے متعلق مزید بحث، کتاب الغسل ہی کے آخری باب: غسل ما يصيب من رطوبة فرج المرأة" میں آئے گی، جب کہ منی اور رطوبت فرج سے متعلق بحث "كتاب الوضوء، باب غسل المني وفركه وغسل ما يصيب من المرأة" میں گذر چکی ہے۔

تنبیہ

ابن العربی کا استدلال اس حدیث سے صحیح ہے یا نہیں؟ یہ بات واقع میں قابل تأمل ہے، اس لیے کہ غسل کے لیے ناپاکی ضروری نہیں، لیکن عام طور سے ایسے مواقع میں جو غسل ہوتا ہے وہ نجاست ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منی کے ازالہ پر دائمی اہتمام اس کے ناپاک ہونے کی طرف مشیر ہے، بہرحال ابن العربی نے منی کی ناپاکی پر استدلال کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث باب میں "دلك" کو نظافت پر محمول کیا ہے۔

ثم دلك بها الحائط

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنا بایاں) ہاتھ دیوار پر رگڑا۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو اپنی "صحیح" میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نو[۹] مرتبہ لائے ہیں، جب کہ صحاح ستہ کے باقی ائمہ نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے، حدیث باب کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی بہایا اور بائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو دھویا، بعض روایات میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے پھر اپنے بائیں ہاتھ کو دیوار پر رگڑا، بعض روایات میں زمین یا مٹی پر رگڑنے کا ذکر ہے، بخاری کی ایک روایت میں دو یا تین مرتبہ رگڑنے کا ذکر ہے، جب کہ امام مسلم اور نسائی کی روایت میں "فدلكها دلكاً شديداً" کے الفاظ آئے ہیں اور ابوداؤد

(۱) عمدة القاري: ۲۸۸/۳

ونسائی کی روایت میں مٹی سے ملنے کے بعد پانی سے دھونے کا ذکر بھی ہے۔(۱) ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں ان تمام طرق حدیث کی تخریج کی ہے۔(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار یا مٹی سے ہاتھ کیوں ملا؟

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا:

"فمسحها بالتراب، يدل أنّه كان فيها أذى، وإلا فلو لم يكن فيها أذى، لاكتفىٰ بصب الماء وحده عليها، كما فعل غير مرة".(۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹی سے ہاتھ ملنا اور رگڑنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر کچھ نجاست لگی تھی، وگرنہ آپ علیہ السلام صرف پانی سے دھونے پر اکتفا فرماتے، جیسا کہ کئی مرتبہ ایسا کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس حدیث سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ آپ علیہ السلام نے ازالہ نجاست کے لیے ایسا کیا ہوا، بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ ایک مرتبہ دھونا بھی برائے تنظیف ہو جو عدم اکتفاء بمرة پر دلالت کرتا ہے اور زمین پر ہاتھ رگڑنا صفائی میں مبالغہ کے لیے تھا، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا۔(۴)

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ابن بطال پر نقد

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ کا کلام نقل کر کے ان پر نقد کرتے ہوئے فرمایا: "وأنت خبير بما فيه" یعنی ابن بطال کے کلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارک کا نجس ہونا لازم آئے گا، جو کہ تحقیق کے خلاف ہے۔(۵)

---

(۱) قد مرّ تخريج هذه الطرق كلها في الباب السابق

(۲) ۱۵۶/۱، ۱۵۷

(۳) شرح ابن بطال: ۳۸٦/۱

(٤) فتح الباري: ٤٧٨/٢

(٥) تعليقات البذل: ٢٦٣/٢

حضرت گنگوہی کی تحقیق

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے "دلك اليد بالحائط والأرض" پر فرمایا کہ ہاتھ کو مٹی پر رگڑ کر اور مل کر دھونا تنظیف میں مبالغہ کے لیے تھا؛ کہ ازالہ عین نجاست کے بعد اگر چکنائی یا بو وغیرہ کا کوئی اثر رہ جائے تو اس کو دور کیا جائے، تا کہ اس ہاتھ سے باقی اعضائے بدن دھونے، خاص کر مضمضہ اور استنشاق میں کراہت وتنفر باقی نہ رہے۔(۱)

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل یعنی مٹی سے ہاتھ رگڑ کر پانی سے دھونا امت کی تعلیم کے لیے تھا کہ کوئی امتی استنجاء کرے اور اس کا ہاتھ نجاست سے آلودہ ہو جائے، یا نجاست کا اثر ہاتھ پر باقی رہ جائے، تو وہ اس طرح پانی سے استنجاء کے بعد مٹی سے رگڑ کر ہاتھ کو صاف کرلے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے بارے میں علماء کی تحقیق یہ ہے کہ وہ طاہر اور پاک تھے، تو یہ محال ہے کہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر استنجاء کے بعد رائحہ کریہہ کا کوئی اثر ہو، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دنیا میں اور یہاں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی طیب و پاکیزہ ہیں۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ

فضلات بول وبراز اور خون کے بارے میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدان مقدسہ واجسام مطہرہ کو دیگر عام انسانوں کے ابدان واجسام پر قیاس کرنا درست نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت ساری مخلوقات میں بے شمار ایسی عجائبات پیدا فرمائی ہیں جن کا ادراک ہم لوگوں کے لیے بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دیکھیں کہ وہ مکھی کے فضلات کو شہد جیسی بیش بہا نعمت میں بدل دیتا ہے اور ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم تخلیق فرماتا ہے اور پہاڑی بکرے کے خون کو اس کے نافہ میں جمع فرما کر اس سے بہترین خوشبو پیدا کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح اس قدیر ذات نے انبیاء کرام خاص کر حضور اکرم صلی

---

(۱) الكوكب الدري: ۱/ ۱۳۹، ۱۴۰.

(۲) بذل المجهود: ۱/ ۳۱۱

اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو یہ خصوصیت عطاء فرمائی ہے کہ غذا وغیرہ ان کے ابدان طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد نجس نہیں ہوتیں، بلکہ ان سے جو فضلات بول و براز اور خون وغیرہ بنتے ہیں وہ بھی پاک اور طاہر ہوتے ہیں، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الخصائص الکبریٰ" میں ان تمام امتیازی خصوصیات کو یکجا فرمایا ہے، اور اس میں باقاعدہ ایک عنوان "باب اختصاصه صلى الله عليه وسلم بطهارة دمه وبوله وغائطه" کا قائم فرما کر غطریف، طبرانی، ابونعیم، ابن حبان، دارقطنی، بزار، ابویعلیٰ، ابن ابی خیثمہ، بیہقی، حاکم اور امام بخاری رحمہم اللہ کے حوالہ سے مختلف روایات نقل کی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون اور بول و براز وغیرہ کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔(۱)

فضلات نبوی کی پاکی اور مذاہب اربعہ

علامہ بنوری رحمہ اللہ نے "معارف السنن" میں لکھا ہے کہ مذاہب اربعہ کے علماء نے فضلات انبیاء علیہم السلام کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔(۲)

امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع شرح المهذب" میں اس حوالہ سے شافعیہ کے دو قول نقل کیے ہیں اور فرمایا کہ قاضی حسین رحمہ اللہ نے تمام فضلات کے طاہر ہونے کو اصح قرار دیا ہے۔(۳)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض ائمہ شافعیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بول اور باقی تمام فضلات کی طہارت کے قول کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۴)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ماجاء في تعطر رسول الله صلى الله عليه وسلم" میں تمام فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔(۵)

---

(۱) الخصائص الكبرى: ۲/۲۵۲، ۲۵۳

(۲) معارف السنن: ۱/۹۸

(۳) المجموع: ۱/۲۳٤

(٤) ردالمحتار: ۱/۲۳۳

(٥) جمع الوسائل: ۲/۲، ۳

علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری، کتاب الوضوء باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان" میں بعض شافعیہ کا فضلات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نجس ہونے کے قول پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس مسئلہ کو عام لوگوں پر قیاس کرنا بعید از عقل ہے۔(۱)

فضلات کی پاکی پر تکاثر ادلہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان" کے تحت فرمایا:

"وقد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته وعدّ الأئمة ذلك في خصائصه، فلا يلتفت إلىٰ ما وقع في كتب كثير من الشافعية مما يخالف ذلك، فقد استقر الأمر بين أئمتهم على القول بالطهارة". (۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے پاک ہونے کے دلائل حد کثرت تک پہنچے ہوئے ہیں اور ائمہ کرام نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، لہٰذا بہت سے شوافع کی کتابوں میں جو اس کے خلاف (نجاست کا قول) پایا جاتا ہے وہ قابل التفاف نہیں، تحقیق یہ ہے کہ ان کے ائمہ کے درمیان معاملہ طہارت کے قول پر (ہی) آٹھہرا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر دلائل و تفصیلی بحث کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

ثم غسلها ثم توضأ وضوء ه للصلاة

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ کو دیوار پر رگڑا، پھر اسے دھویا، پھر نماز والے وضو کی طرح وضو فرمایا۔

---

(۱) عمدة القاري: ۵۲/۳

(۲) فتح الباري: ۳۶۱/۲، ۳۶۲

حنابلہ کے نزدیک مس فرج غسل جنابت میں غیر مؤثر ہے

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ استنجاء کے بعد تین دفعہ ہاتھوں کے دھونے کا اعادہ کیا جائے گا، لیکن یہ غسل جنابت کے علاوہ کسی اور غسل کے وضوء کا حکم ہے، کیوں کہ حدث اصغر سے کیا ہوا وضو مس فرج سے ٹوٹ جاتا ہے، غسل جنابت میں تو جب ایک مرتبہ تین دفعہ ہاتھ دھولے، پھر شرمگاہ دھولے، تو پھر اسے ہاتھ دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ مس فرج غسل جنابت میں غیر مؤثر ہے یعنی ناقض وضو نہیں، اس لیے کہ جب آدمی نے غسل جنابت کی نیت کی، بسم اللہ پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھویا تو یقیناً اس نے غسل جنابت شروع کرلیا ہے، یہی وجہ ہے کہ غسل جنابت میں بدن کو دھوتے ہوئے دوبارہ سے شرمگاہ کا دھونا ضروری نہیں، بلکہ استنجاء کرتے وقت دھویا تھا تو وہی کافی ہے۔(۱)

جعفر بن محمد نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر جنبی نے سونے سے پہلے وضو کیا، پھر نیند سے بیدار ہوکر غسل کیا، دوبارہ وضوء نہیں کیا تو اس کا غسل درست ہوگا، ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاید امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ اعضائے وضو کا ایک مرتبہ دھونا کافی ہے، غسل جنابت میں انہیں دوبارہ نہیں دھویا جائے گا، یا امام احمد رحمہ اللہ کی یہ مراد ہوسکتی ہے کہ غسل جنابت بغیر وضو کے بھی درست ہوجائے گا (اگر پہلے استنجاء کیا ہوا ہو تو) اس سے حدث اصغر و اکبر دونوں زائل ہوجائیں گے۔(۲)

غسل جنابت کے دوران حدث اصغر لاحق ہونے کا حکم

اگر دوران غسل جنابت کسی کو حدث اصغر لاحق ہوجائے تو ابن سیرین اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ دوبارہ سے وضو کرے گا اور نئے سرے سے غسل کرے گا تاکہ غسل کی سنت کو علی وجہ الکمال ادا کیا جاسکے، امام حسن رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک اس غسل کی تکمیل کی جائے گی، البتہ نماز وغیرہ کی حاجت ہو تو دوبارہ سے وضو کیا جائے گا، ابن منذر رحمہ اللہ نے عطاء رحمہ اللہ اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے اسی کے مثل نقل کیا ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۸

(۲) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۸، ۱۵۹.

(۳) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۸، ۱۵۹.

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ نے "کتاب الأم" کتاب الطهارة، باب من نسي المضمة والاستنشاق في غسل الجنابة" میں فرمایا کہ اگر جنبی نے وضو کیا پھر غسل جنابت شروع کیا اور اس دوران اسے حدث لاحق ہوا تو وہ اس غسل کو اسی حالت میں پورا کرے گا، البتہ بعد میں نماز کے لیے وضو کرے گا۔ (۱)

علامہ شامی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر دوران غسل حدث لاحق ہو جائے تو وضو کا اعادہ کرنا بہتر ہے، لیکن ضروری نہیں ہے۔ (۲)

مالکیہ کی رائے

مالکیہ کے نزدیک اگر دوران غسل حدث لاحق ہوا یا غسل کرنے والے نے اپنی شرمگاہ کو چھوا تو دوبارہ نئے سرے سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اسی غسل کا اتمام کیا جائے گا، کیوں کہ معتمد قول کے مطابق ہر عضو کا حدث اس کو دھونے کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے، ہر عضو کے حدث کو زائل کرنے کے لیے کمال طہارت ضروری نہیں، اگر اس غسل کے بعد نماز کا ارادہ ہو تو پھر اعضائے وضو کا وضو کی نیت سے ایک ایک مرتبہ دوبارہ دھونا ضروری ہوگا۔ (۳)

دورانِ غسل جنابت حدث لاحق ہونے پر اعادہ غسل کا حکم

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف مناسب نہیں، کیوں کہ دوران غسل حدث لاحق ہونے پر اعادہ غسل کا جس نے بھی حکم دیا ہے وہ استحباباً ہے، تاکہ وضو غسل سے پہلے واقع ہو جائے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حائضہ کے بارے میں فرمایا کہ جس نے صرف پانی سے غسل کیا پھر سدر پایا تو اسے چاہیے کہ پانی اور سدر کے ساتھ اس غسل کا اعادہ کرے، تاکہ وہ علی وجہ الکمال غسل کرنے والی ہو۔ (۴)

---

(۱) كتاب الأم، موسوعة الإمام الشافعي: ١/١٦٧

(۲) ردالمحتار: ١/١١٧

(۳) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ١/٢٣٠

(٤) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/١٥٩

خروج من الخلاف مستحب ہے

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے حدیث حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے تحت لکھا کہ شرمگاہ (قبل ہو یا دبر) کا غسل سے پہلے دھونا مستحب ہے، جیسا کہ وضو کو باقی غسل پر مقدم کرنا مستحب ہے، خواہ اسے حدث لاحق ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ شرمگاہ کے دھونے کو مقدم کرنا اس کا نجاست والی ہونے میں منحصر نہیں، بلکہ کبھی نجاست کی وجہ سے اور کبھی اس لیے بھی پہلے دھونا مستحب ہے کہ اگر اثنائے غسل دھویا جائے تو مس فرج سے نقض وضو کے قائلین کے نزدیک طہارت منتقض ہو جائے گی، جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا، اور ہمارے نزدیک خروج من الخلاف مستحب ہے، لہذا ائمہ کے اس اختلاف سے بچنے کے لیے شرمگاہ کے دھونے کو مقدم کرنا مستحب ہوگا۔(۱)

تاخیر وتقدیم غسل رجلین وغیرہ سے متعلق باقی مباحث پہلے گذر چکے ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمہ سے مناسبت ومطابقت "ثم دلك بها الحائط" کے الفاظ سے ثابت ہو رہی ہے کہ ترجمہ میں ہاتھ کا مٹی سے رگڑنے کا تذکرہ ہے تاکہ خوب صاف ہو جائے اور حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرمگاہ کو دھونے کے بعد اپنے ہاتھ کو دیوار سے رگڑا، (اس زمانہ میں دیوار کا مٹی سے ہونا ظاہر ہے)۔(۲)

حدیث باب سے مستنبط شدہ امور

حدیث باب سے علماء نے درج ذیل امور کو مستنبط فرمایا ہے:

۱- استنجاء کے بعد دیوار یا مٹی (اشنان یا صابون) سے ہاتھ کو رگڑنا اور ملنا پھر پانی سے دھونا مستحب ہے۔(۳)

۲- اگر پانی لوٹا وغیرہ کسی برتن میں ہو تو شرمگاہ کے دھونے کو ہاتھوں کے دھونے پر مقدم کرنا اولیٰ ہے،

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۹۳، ۹۴

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۷

(۳) فتح الباري: ۲/۴۷۸، عمدة القاري: ۳/۲۸۸، شرح النووي: ۳/۲۲۱

تاکہ اعضائے وضو کو پے در پے دھویا جاسکے۔(۱)

۴-ضرورت کے وقت فرج (شرمگاہ) کا تذکرہ کرنا جائز ہے، جیسا کہ ضرورت کے وقت شرمگاہ کی طرف نگاہ کرنا جائز ہے، بوقت ضرورت فرج کا تذکرہ فحش گوئی سے مستثنیٰ ہے۔(۲)

حدیث سے مستنبط دیگر احکام وامور پہلے گذر چکے ہیں۔(۳)

۹ - باب : هَلْ يُدْخِلُ ٱلْجُنُبُ يَدَهُ فِي ٱلْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ ٱلْجَنَابَةِ .

کیا جنبی شخص اپنے ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں داخل سکتا ہے، جب کہ اس کے ہاتھ پر جنابت کے علاوہ کوئی گندگی نہ لگی ہو؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ "جنابت" اور "قذر" کے الفاظ لائے ہیں، قذر کے معنی نجاست اور ناپاکی کے ہیں اور یہ نجاست حسی اور حقیقی ہے، جب کہ جنابت میں جو نجاست ہے وہ حکمی اور معنوی ہے، اس تمہید کے بعد سمجھیے کہ امام بخاری کی غرض اور مقصد ترجمہ سے کیا ہے؟، اس میں مختلف اقوال ہیں، چناں چہ ابن بطال رحمہ اللہ نے مہلب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصد ترجمہ سے یہ بتلانا ہے کہ اگر جنبی کا ہاتھ نظیف ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے پانی کے برتن میں ڈال سکتا ہے، (اس سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا، کیوں کہ جنبی ہونے کی وجہ سے اس کے اعضا ناپاک نہیں ہوتے، (اس لیے کہ نجاستِ جنابت حکمی اور معنوی ہے، حسی اور حقیقی نہیں،) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "المؤمن لا ينجس". (۴)

---

(۱) فتح الباري: ۲/ ۴۷۹

(۲) شرح ابن العربي على الترمذي: ۱/ ۱۵۵

(۳) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۷

(٤) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، رقم: ۲۸۳، وباب الجنب يخرج ويمشي في السوق، رقم: ۲۵۸، ومسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب الدليل على أن =

یعنی مومن ناپاک نہیں ہوتا"۔(۱) ابن رجب حنبلی کی بھی یہی رائے ہے۔(۲)

علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ، علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ بالا توجیہ ہی ذکر کی ہے۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک امام بخاری کی غرض اس مسئلہ کا حکم بیان کرنا ہے۔(۴)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس مسئلہ کا جواز بیان کرنا ہے۔(۵) متأخرین میں سے مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۶)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے جنبی کے ہاتھ پر جنابت کے علاوہ نجاست نہ لگی ہو تو بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں ڈالنے کے جواز کو بیان کرنا، اگرچہ سنت یہ ہے کہ دھونے کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالے۔(۷)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد جواز کو بیان کرنا ہے، اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ پہلے دھولے۔(۸)

= المسلم لاینجس، رقم: ۳۷۱، وأبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب في الجنب يصافح، رقم: ۲۳۱، والترمذي في جامعه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في مصافحة الجنب، رقم: ۱۲۱، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، باب مماسة الجنب ومجالسته، رقم: ۲۶۹، ۲۷۰، راجع جامع الأصول، رقم: ۵۳۵۲

(۱) شرح ابن بطال: ۱/۳۸۸

(۲) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۹

(۳) التوضيح: ۴/۵۷۲، شرح الكرماني: ۳/۱۲۶، فتح الباري: ۲/۴۹۱

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۰۸

(۵) إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۶) الأبواب والتراجم لمولانا إدريس الكاندهلوي، ص: ۲۶۳

(۷) شرح تراجم أبواب البخاري، ص: ۱۸، الأبواب والتراجم، ص: ۶۱، الكنز المتواري: ۳/۲۰۵

(۸) الكنز المتواري مع اللامع: ۳/۲۰۴، الأبواب والتراجم، ص: ۶۱

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب میں منی کے نجس ہونے کی صراحت کی ہے اور اسے قذر (نجاست) میں سے شمار کیا ہے اور اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہوتا ہے، اسی کی طرف جمہور ائمہ گئے ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ماء مستعمل طاہر ہونے کے ساتھ مطہر بھی ہوتا ہے۔(۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے اس ترجمۃ الباب کی تین توجیہات منقول ہیں:

پہلی توجیہ

۱-پہلی توجیہ جس کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ''اوجہ'' قرار دیا ہے، وہ یہ ہے:

"أن غرض المصنف بيان جواز إدخال اليد رداً علىٰ ما روي عن ابن عمر –رضي الله عنهما– أنّه قال: من اغترف من ماء وهو جنب فما بقي فهو نجس، أخرجه ابن أبي شيبة".

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈالنے کے جواز کو بیان کر کے مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر پر رد کر رہے ہیں، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے جنابت کی حالت میں پانی سے چلو بھرا تو باقی ماندہ ناپاک ہے۔(۲)

دوسری توجیہ

۲-دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر کسی جنبی شخص کے ہاتھ پر نجاست حقیقی (بول و براز وغیرہ) لگی ہوئی ہو اور وہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو سب کے نزدیک بالاتفاق وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور اگر نجاست حقیقی نہ لگی ہو اور صرف نجاست حکمیہ ہو تو وہ پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ظاہر یہ کے نزدیک ناپاک ہو جاتا ہے

---

(۱) فيض الباري: ۱/۴٦۰

(۲) الأبواب والتراجم، ص: ٦۱، الكنز المتواري: ۳/۲۰۴

اور جمہور کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتا، تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں لفظ "ھل" لاکر اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا، چوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ روایات عدم غسل ید کے بارے میں صریح نہیں، اس وجہ سے لفظ "ھل" کے ذریعہ اس اختلاف پر تنبیہ کی، عام طور سے شراح اور مشائخ نے لفظ "ھل" سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔(۱)

تیسری توجیہ

۳-تیسری توجیہ یہ ہے کہ ترجمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بتلانا بھی ہے ادخال ید سے پہلے ہاتھوں کا دھونا ایجابی نہیں، بلکہ استحبابی ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کے الفاظ کی وضاحت

بابٌ

بابٌ تنوین کے ساتھ، مبتدا محذوف "ھذا" کے لیے خبر ہے۔(۳)

ھل

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ "ھل" جو تردد پر دلالت کرتا ہے کیوں ذکر فرمایا؟

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شراح اور مشائخ نے لفظ "ھل" کے بارے میں تعرض نہیں فرمایا، چوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو آثار وروایات ذکر کی ہیں وہ عدم غسل ید کے بارے میں صریح نہیں، بلکہ محتمل ہیں، تو اس پر تنبیہ کرنے کے لیے ترجمہ میں لفظ "ھل" ذکر فرمایا۔(۴)

---

(۱) الأبواب والتراجم، ص: ٦١، الكنز المتواري: ٣/٢٠٥، تقرير بخاري: ٢/٨٤، سراج القاري: ٢/٢٠٠، ٢٠١، والأثر أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُدخل يده في الماء وهو جنب: ١/٥٠٥، رقم: ٨٩٧، ولفظه: "من اغترف من ماءٍ وهو جنب فما بقي منه نجس".

(٢) تقرير بخاري: ٢/٨٤، سراج القاري: ٢/٢٠١

(٣) إرشاد الساري: ١/٤٩٩

(٤) الكنز المتواري: ٣/٢٠٥، الأبواب والتراجم، ص: ٦١

اس اعتراض کے تین جواب اور بھی ہیں:

پہلا جواب

ا-ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ ''ھل'' استفہامیہ ہے، تردد کے لیے نہیں، اس استفہام کا جواب روایات الباب میں معلوم ہو گیا کہ ہاں داخل کر سکتا، کیوں کہ اکثر روایات میں ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں ہے۔

دوسرا جواب

۲-دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ ''ھل'' اس لیے ذکر کیا کہ اس باب میں چار روایات لائے ہیں، ان میں سے صرف حدیث ثانی میں غسل کی تصریح ہے اور باقی سے بظاہر عدم غسل معلوم ہوتا ہے، تو گویا روایات میں اختلاف ہو گیا، اس اختلاف پر تنبیہ کرنے کے لیے لفظ ''ھل'' ذکر فرمایا۔

تیسرا جواب

۳-تیسرا جواب یہ ہے کہ لفظ ''ھل'' سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے بارے میں تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر ہاتھ نظیف ہوں، ان پر کوئی گندگی اور نجاست نہ ہو اور نہ نجاست کا شبہ ہو تو دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں داخل کر سکتا ہے اور اگر اس پر گندگی اور نجاست ہو یا نجاست کا شبہ ہو تو بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں نہ ڈالے، لہٰذا حدیث ثانی کو نجاست یا شبہ نجاست پر محمول کیا جائے گا اور عدم تصریحِ غسل والی روایات کو نظافت ید پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن یہ توجیہ قابل تأمل ہے، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ترجمہ میں "إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة" کی قید لگائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر اس تفصیل پر نہیں، ورنہ وہ یہ قید نہ لگاتے۔

هل يدخل الجنب يده في الإناء

"الإناء" سے مراد وہ برتن ہے جس میں غسل کا پانی رکھا ہو۔(۱)

(۱) فتح الباري: ۲/۴۹۱، عمدة القاري: ۳/۳۰۸، إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

قبل أن يغسلها، أي: خارج الإناء

یعنی غسل کے پانی والے برتن سے باہر ہاتھ دھوئے بغیر ہاتھ اس برتن داخل کرنا۔(۱)

إذا لم يكن على يده قذر

قَذَرٌ بروزن حَسَنٌ صیغہ صفت مشبہ ہے، نظافت کی ضد، مَیل، گندگی، بول و براز اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے ناپسند کیا جائے اور طبیعت جس سے گھن کھائے، اس کی جمع اَقْذَارٌ آتی ہے۔(۲)

حدیث میں "قَذَرٌ" سے کیا مراد ہے؟

اکثر شراح نے لکھا کہ "قَذَرٌ" سے شيء مستكره من نجاسة وغيره مراد ہے، یعنی مراد ہر وہ چیز ہے جس سے کراہت آئے اور جسے ناپسند کیا جائے، خواہ نجاست (بول و براز اور منی وغیرہ) کے قبیل سے ہو یا غیر نجاست (میل کچیل) کے قبیل سے ہو،(۳) یہاں اس سے مراد نجاست حقیقی اور حسّی یعنی بول و براز وغیرہ ہے، کیوں کہ جنابت کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے جو کہ نجاست معنوی اور حکمی ہے۔(۴)

غير الجنابة

حدیث میں جنابت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شراحِ حدیث کی آرا میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنابت سے مراد حکم جنابت ہے، کیوں کہ اس کے اثر میں اختلاف ہے اور وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول "قذر" میں داخل ہے۔(۵)

---

(۱) فتح الباري: ۲/ ۴۹۱، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۹

(۲) لسان العرب: ۱۱/ ۳۷، الصحاح، ص: ۸۴۳، النهاية: ۲/ ۴۲۷، شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۴

(۳) فتح الباري: ۲/ ۴۹۱، عمدة القاري: ۳/ ۳۰۸، إرشاد الساري: ۱/ ۴۹۹، تحفة الباري: ۱/ ۲۶۵

(۴) الكوثر الجاري: ۱/ ۴۱۸، تقرير بخاري: ۲/ ۸۴

(۵) فتح الباري: ۲/ ۴۹۱

علامہ عینی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنابت نجس ہے، حالاں کہ ایسا نہیں، اس لیے کہ بخاری ہی کی روایت سے ثابت ہے کہ مومن نجس نہیں ہوتا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر نقد

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ پر نقد کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنابت اصل میں قذر میں داخل ہی نہیں، کیوں کہ جنابت امر معنوی (نجاست معنوی وحکمی) ہے، حقیقت میں اسے قذر سے تعبیر نہیں کیا جاتا (کیوں کہ قذر تو نجاست حسی اور حقیقی کے لیے استعمال ہوتا ہے،) حافظ صاحب نے جنابت کی وضاحت "حكمها" سے کی ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کی مراد حکم جنابت سے اغتسال ہے تو اس کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، اگر اس سے نجاست مراد ہے تو ہم بتا چکے ہیں کہ مومن نجس نہیں ہوتا اور اگر اس سے مراد منی ہے تو وہ ان کے زعم کے مطابق تو طاہر ہے، وہ قذر میں کیسے داخل ہوگی؟۔(۲)

تعلیق

وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ ، يَدَهُ فِي الطَّهُورِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ، ثُمَّ تَوَضَّأَ . وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ ، وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ .

(ترجمہ) اور عبداللہ بن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے ہاتھ دھوئے بغیر (غسل کے) پانی میں ہاتھ ڈال دیا، پھر وضو کیا۔

(۱) الحديث أخرجه البخاري في كتاب الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، رقم: ۲۸۳، وباب الجنب يخرج ويمشي في السوق، رقم: ۲۵۸، ومسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب الدليل على أن المسلم لاينجس، رقم: ۳۷۱، وأبوداود في سننه، كتاب الطهارة، باب في الجنب يصافح، رقم: ۲۳۱، والترمذي في سننه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في مصافحة الجنب، رقم: ۱۲۱، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، باب مماسة الجنب ومجالسته، رقم: ۲۶۹، ۲۷۰، راجع جامع الأصول، رقم: ۵۳۵۲

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۰۸

تراجم رجال تعلیق

ابن عمر رضي الله عنهما

یہ خلیفہ ثانی حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادے، اور اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی والدہ کا نام زینب بن مظعون رضی اللہ عنہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے حالات، كتاب الإيمان، باب الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: (بني الإسلام على خمس) کے ذیل میں لکھے گئے ہیں۔(۱)

البراء بن عازب رضي الله عنه

یہ مشہور صحابی حضرات براء بن عازب بن الحارث بن عدی انصاری، حارثی، اوسی رضی اللہ عنہ ہیں، ابو عمارہ، ابوعمرو یا ابوالطفیل ان کی کنیت ہے، ان کے احوال، كتاب الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔(۲)

تخریج تعلیق

اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ اثر کو ترجمۃ الباب کے لیے بطور تعلیق کے ذکر فرمایا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، (۳) علامہ عینی رحمہ اللہ (۴) اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (۵) نے فرمایا کہ امام سعید بن منصور نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے ہم معنی اثر کو موصولاً نقل فرمایا ہے۔(٦)

---

(١) دیکھیے، كشف الباري: ١/٦٣٧، ٦٣٨

(٢) دیکھیے، كشف الباري: ٢/٣٤٥، ٣٤٦

(٣) تغليق التعليق: ٢/١٤٥، فتح الباري: ٢/٤٩١

(٤) عمدة القاري: ٣/٣٠٨

(٥) إرشاد الساري: ١/٤٩٩

(٦) قال الحافظ في تغليق التعليق (٢/١٥٤): "أما أثر ابن عمر، فقال سعيد بن منصور، حدثنا سفيان، ثنا =

اس کے ہم معنی اثر کو ابن ابی شیبہ نے بھی ''مصنف'' میں موصولاً ذکر فرمایا ہے۔(۱)

اثر براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی تخریج

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے اثر کو ترجمہ کے لیے بطور تعلیق کے نقل فرمایا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی (۲) نے فرمایا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں موصولاً نقل کیا ہے۔(۳)

غرضِ تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس تعلیق یعنی حضرت ابن عمر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم کے اثر سے ترجمہ کو مؤید کرنا ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا اس اثر اور ترجمہ میں علیٰ وجہ الکمال مطابقت نہیں پائی جارہی ہے، بایں طور کہ ترجمہ مقید ہے کہ ہاتھ پر ''قذر'' نہ ہو، جب کہ اثر مطلق ہے، اس میں یہ قید مذکور نہیں۔(۴)

امام بخاری رحمہ اللہ کی دقتِ نظر

تراجم کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی دقتِ نظر معروف و مشہور ہے، ترجمہ منعقد کرنے میں ان کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے، چناں چہ کبھی ترجمہ مقید لاتے ہیں اور روایت مطلق ہوتی ہے، مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ روایت میں ترجمہ کی قید ملحوظ ہے، اس کا اطلاق مراد نہیں، جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ

= إبراهيم بن ميسرة، سمع طاوساً، يقول: رأيت ابن عمرو ابن عباس، إذ اخرجا من الغائط، يلتقيان بتور فيه ماء، فيغسلان وجوههما، وأيديهما".

(۱) الأثر أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الطهارة، باب في الرجل يكون في أرض الفلاة فيحدث: ۲/۴۳، رقم: ۱۱۳۱، ولفظه: "حدثنا ابن عيينة، عن إبراهيم بن ميسرة، عن طاوس قال: كلاهما رأيت: ابن عمرو ابن عباس، إذا خرجا من الغائط تُلقِيا بتورٍ، فيغسلان وجوهها وأيديهما".

(۲) تغليق التعليق: ۲/۱۴۵، فتح الباري: ۲/۴۹۱، عمدة القاري: ۳/۳۰۸، إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۳) الأثر وصله ابن أبي شيبة، في كتاب الطهارة [باب] في الرجل يخرج من المخرج فيدخل يده في الإناء: ۲/۲۹، رقم الحديث: ۱۰۶۵، ولفظه: "حدثنا ابن نمير، عن الأعمش، عن إسماعيل بن رجاء، عن أبيه عن البراء: أنه أدخل يده في المِطْهَرَةِ قبل أن يغسلها"، وقال الأعمش: "هذا حرف أستحسنه". انتهى.

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۰۸

نے امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عادت کو مقدمہ لامع اور لأبواب والتراجم(۱) میں بیان فرمایا ہے، جس کی وضاحت ''کشف الباری'' مقدمۃ الکتاب میں آچکی ہے،(۲) غرض زیر بحث ترجمہ بھی اسی قبیل سے ہے، مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ترجمہ میں موجود "إذالم یکن علی یدہ قذر" کی قید اثر میں بھی ملحوظ ہے۔

شرح اثر

وأدخل ابن عمر والبراء بن عازب

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "وأدخل" میں ''واؤ'' استفتاحیہ یعنی ابتدائیہ ہے، جس سے کلام کی ابتدا کی جاتی ہے۔(۳)

یدہ

"یدہ" کی ضمیر ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم دونوں کی طرف لوٹ رہی ہے، بایں تاویل کہ "أدخل کل واحد منهما یدہ" یعنی ان دونوں نے حضرات نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ ابوالوقت کی روایت میں "یدیهما" کے الفاظ آئے ہیں، اس میں تاویل کی حاجت نہیں۔(۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ برماوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض نسخوں میں "یدهما"، "لم یغسلهما" اور "توضا" تینوں تثنیہ مروی ہیں۔(۵)

الطهور

لفظ ''طہور'' دو طرح سے پڑھا جاتا ہے، طاء کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح سے پڑھنا درست ہے، "الطُّهور" (بضم الطاء) تطہر یعنی پاکی کے معنی میں آتا ہے اور "الطَّهور" (بفتح الطاء) فَعُول کے وزن پر

---

(۱) مقدمة لامع الدراري: ۱/۳۲۵، الأبواب والتراجم، ص: ۱۰

(۲) دیکھیے، کشف الباري: ۱/۱۷۵

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۰۸

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۲٤، فتح الباري: ۲/٤۹۱، عمدة القاري: ۳/۳۰۸

(٥) شرح الكرماني: ۳/۱۲٤، إرشاد الساري: ۱/٤۹۹

مبالغہ کا صیغہ ہے، ہر اس پاک پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت حاصل کی جائے۔(۱)

حدیث میں الطَّهور ''بفتح الطاء'' ہے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں ''الطَّهور'' مشہور لغت کے مطابق طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس پانی کو کہتے ہیں جس سے تطہر یعنی پاکی حاصل کی جائے۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ مراد غسل کے لیے تیار کیا ہوا پانی ہے(۳) جب کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مراد وہ پانی ہے جس سے وضو اور غسل میں پاکی حاصل کی جاتی ہے۔(۴)

ولم يغسلها ثم توضأ

یعنی ان دونوں حضرات نے ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دیا، پھر وضو کیا، (۵) تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے ضمناً وضو اور حدث اصغر کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی آثار میں باہم تعارض

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر تو وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ بطور تعلیق کے لائے ہیں کہ انہوں نے ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دیا، جب کہ ایک اثر ان سے ابن ابی شیبہ نے محمد بن فضيل عن أبي سنانٍ ضرارٍ عن محارب کے طریق سے نقل کیا ہے، جس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''من اغترف من ماءٍ وهو جنب، فما بقي منه نجس''. (۶) یعنی جس نے جنابت کی حالت میں کسی پانی

(۱) لسان العرب: ۸/۲۱۰، النهاية: ۲/۱۳۰، الصحاح، ص: ۶۵۰، مجمع بحار الأنوار: ۳/۴۷۳

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۲۴، تحفة الباري: ۱/۲۲۵، إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۳) فتح الباري: ۲/۴۹۱

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۰۸

(۵) إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۶) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُدخل يده في الماء وهو جُنب: ۱/۵۰۵، رقم: ۸۹۷

سے چلو بھرا تو اس کا باقی ماندہ پانی نجس (ناپاک) ہوگا۔

اسی طرح امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی ''مصنف'' میں نافع سے بواسطہ ابن جریج کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غسل جنابت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دھوتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے چلو بھر کر اپنی شرمگاہ پر بہاتے، پھر اپنے بائیں ہاتھ سے اسے دھوتے تھے......''۔(۱)

ان آثار میں باہم تعارض ہے امام بخاری رحمہ اللہ والے اثر میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دیا، جب کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ دھونے کے بعد پانی میں ڈالتے تھے اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں انہوں نے جنبی کے ہاتھ ڈالے ہوئے باقی ماندہ پانی کے نجس ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

آثار میں تطبیق

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے ان باہم متعارض آثار میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا:

”ولا تعارض بينهما عندي؛ لأن أثر ابن أبي شيبة نص في الجنابة، وأثر البخاري ظاهر في الحدث الأصغر“.(۲)

میرے نزدیک ان آثار میں کوئی تعارض نہیں، اس لیے کہ ابن ابی شیبہ کا روایت کردہ اثر جنابت کے بارے میں صریح ہے، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا نقل کردہ اثر حدث اصغر کے بارے میں ظاہر ہے۔

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اثر کے بارے میں ”هذا في الوضوء“ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ اثر حدث اصغر سے متعلق ہے اور ابن ابی شیبہ والا اثر جنابت سے متعلق ہے۔(۳)

---

(۱) كتاب الطهارة، باب اغتسال الجنب: ۱/۲۵۸، ۲۵۹، رقم: ۹۹۰، ولفظه: ”عبد الرزاق عن ابن جريج قال: أخبرني نافع عن اغتسال عبد الله بن عمر من الجنابة قال: كان يفرغ على يديه فيغسلهما، ثم يغرف بيده اليمنىٰ فيصب على فرجه فيغسله بيده الشمال ...... الخ“.

(۲) الكنز المتواري: ۳/۲۰۵، ۲۰۶، الأبواب والتراجم، ص: ٦١

(۳) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱۵۹

رفع تعارض

اگر اثر باب کا تعلق بھی حدث اکبر سے مان لیا جائے اور "ثم توضأ" سے مراد "ثم توضأ قبل الغسل" لیا جائے، جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غسل جنابت میں ہاتھ دھونے کے بعد پھر پانی میں ڈالا کرتے تھے، تو اس صورت میں پھر رفع تعارض کی ضرورت پڑے گی۔

علامہ ابن بطال، ابن ملقن اور عینی کی توجیہ

چناں چہ ابن بطال رحمہ اللہ، ابن ملقن رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن ابی شیبہ کا نقل کردہ اثر: "فما بقي منه نجس" اس صورت پر محمول ہے کہ جب پانی میں ہاتھ داخل کرنے والے کے ہاتھ پر کوئی نجاست (منی، بول و براز) وغیرہ لگی ہوئی ہو۔(۱)

حافظ صاحب کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ان مختلف آثار کو دو مختلف حالتوں پر محمول کریں گے اور یوں کہیں گے کہ جب ہاتھ نظیف تھا اور انہیں یقین تھا کہ اس پر کوئی نجاست نہیں لگی تو اسے بغیر دھوئے پانی میں داخل کر دیا اور جب یہ گمان یا یقین ہو کہ ہاتھ پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو اس کو دھویا، پھر پانی میں ڈالا اور بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ ڈالنے والے کے بارے میں فرمایا کہ اس کا باقی ماندہ پانی ناپاک ہے۔(۲)

فائدہ

اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی مطلب و مقصد تھا جو شراح حدیث نے بیان فرمایا ہے، تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منی کو نجس سمجھتے تھے۔

حافظ صاحب کی دوسری توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور توجیہ بھی ذکر فرمائی ہے، وہ یہ کہ پانی میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ کا دھونا

(۱) شرح ابن بطال: ۳۸۸/۱، التوضيح: ۵۷۳/۴، عمدة القاري: ۳۰۸/۳

(۲) فتح الباري: ۴۹۱/۲

ندب پر محمول ہے، (جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے،) اور جہاں دھونے کو ترک کیا وہ بیان جواز پر محمول ہے، (جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ذکر کردہ اثر میں ہے)۔(۱)

علامہ عینی کا حافظ صاحب پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس توجیہ پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس توجیہ سے ان مختلف آثار میں توفیق حاصل نہیں ہوتی، کیوں کہ اگر ہاتھ پر نجاست (منی، بول و براز وغیرہ) لگی ہو تو پھر بیان جواز کے لیے ترک غسل کا کیا معنی؟ اور اگر ہاتھ نظیف ہو اور اس پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی تو پھر کوئی حرج نہیں (یعنی دھونا اور نہ دھونا برابر ہوں گے)۔(۲)

ماء مستعمل کی طہارت و نجاست کی بحث

جمہور ائمہ اربعہ کا مختار و مفتیٰ بہ مسلک "ماء مستعمل" کے بارے میں یہ ہے کہ وہ طاہر ہے، لیکن غیر مطہر ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ "ماء مستعمل" کے مطہر ہونے کے بھی قائل ہیں۔(۳)

فقہاء حنفیہ رحمہ اللہ کا اگرچہ مفتی بہ قول اور صحیح روایت کے مطابق "ماء مستعمل" کے بارے میں وہی مسلک ہے جو جمہور ائمہ کا ہے،(۴) لیکن بعض فقہاء سے اس کے نجاست کا قول بھی مروی ہے،(۵) تاہم نجاست والی روایت بھی بے بنیاد اور بے دلیل نہیں، دیگر دلائل کے علاوہ ایک دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہ اثر ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا اور ان کے حوالہ سے علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمایا کہ جو شخص حالت جنابت میں پانی سے چلو بھرے گا تو باقی پانی نجس ہو جائے گا۔(۶)

---

(۱) فتح الباري: ٤٩١/٢

(٢) عمدة القاري: ٣٠٨/٣

(٣) المجموع شرح المهذب: ١٥١/١، الشرح الكبير للقزويني: ١٠/١، ١١، حاشية الدسوقي: ٧٠/١، ٧١، بداية المجتهد: ٤٥٩/١، المنتقى: ٣١٢/١، ٣١٣، المغني لابن قدامة: ٢٨/١، ٢٩

(٤) ردالمحتار: ١٤٧/١، ١٤٨، البحر الرائق: ١٦٩/١-١٧٤، فتح القدير مع الهداية: ٧٤/١-٧٨، انظر لتفصيل المذاهب: الموسوعة الفقهية، تحت مادة مياه: ٣٥٩/٣٩-٣٦٣

(٥) ردالمحتار: ١٤٧/١، ١٤٨، البحر الرائق: ١٦٩/١-١٧٤، فتح القدير مع الهداية: ٧٤/١-٧٨

(٦) مرّ تخريج الأثر آنفاً، عمدة القاري: ٣٠٨/٣

نجاست والا قول حنفیہ کا تفرد نہیں

فقہائے حنفیہ میں سے جن ائمہ نے نجاست ماء مستعمل کا قول اختیار کیا ہے وہ اس میں متفرد نہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت مروی ہے کہ جنبی کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی نجس ہو جاتا ہے۔(۱)

نجاست والے قول کی بنیاد

اس کے بعد حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں مسئلے (ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول) ماء مستعمل کی نجاست پر دلالت کرتے ہیں، گویا یہ دونوں نجاست ماء مستعمل کے لیے (دیگر دلائل کے علاوہ) ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے

لامع الدراری میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ان آثار واحادیث سے یہاں ماء مستعمل کی طہارت وطہوریت دونوں کو بیان کرنا ہے، اور یہ غرض اس لیے ثابت نہیں ہوسکتی کہ جمہور کے نزدیک پانی کا استعمال اس وقت مانا جاتا ہے جب اس سے کسی قربت کی ادائیگی ہوئی ہو، یا کسی حدث کو زائل کیا گیا ہو اور امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہاں ان دوصورتوں میں عدم فرق پر مبنی ہے کہ ایک استعمال غسل میں ازالہ حدث کے لیے ہوا کرتا ہے اور ایک استعمال بغیر ازلہ حدث کے بھی ہوتا ہے، اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے طاہر وطہور میں بھی فرق کا خیال نہیں رکھا۔(۳)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض ان احادیث سے ایک تو پانی میں ہاتھ

---

(۱) فيض الباري: ۱/ ٤٦٠، الأبواب والتراجم، ص: ٦١، وقد روى مثله ابن رجب الحنبلي في فتح الباري: ۱/ ١٦٠، وإن قال: "وهو قول شاذ".

(۲) فيض الباري: ۱/ ٤٦٠

(۳) لامع الدراري مع الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۵

ڈالنے سے قبل ہاتھ دھونے کو ثابت کرتا ہے اور یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ بوقت ضرورت ہاتھ دھوئے بغیر بھی پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھرا جا سکتا ہے، اگرچہ شرعاً اس سے بچنا مطلوب ہے اور غرض اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی ماء مستعمل کی طہارت کو ثابت کرنا ہے۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ اور جمہور کی رائے میں توافق

اس توجیہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور جمہور ائمہ کی رائے ایک ہو جاتی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے ائمہ حنفیہ کی رائے کے موافق ہو جاتی ہے، اس لیے مذکورہ توجیہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے، کیوں کہ اس توجیہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جمہور کی طرح ماء مستعمل طاہر سمجھا جائے گا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

تعلیق بخاری رحمہ اللہ سے مستفاد حکم

امام بخاری رحمہ اللہ نے بطور تعلیق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا جو اثر ذکر فرمایا ہے، اس سے شراح حدیث نے اس حکم کا استنباط کیا ہے کہ جب جنبی کے ہاتھ پر کوئی نجاست حقیقیہ میں سے نہ لگی ہوئی ہو تو وہ اپنا ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے(۲)

امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے معمر عن جابر کے طریق سے جب کہ امام ابن ابی شیبہ کوفی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری عن جابر کے طریق سے حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے:

"كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلون أيديهم في الإناء(۳) وهم جنب، والنساء وهن حيض، لايرون بذلك بأساً،(٤) يعني قبل أن يغسلوها".(٥)

---

(۱) فيض الباري: ١/٤٦٠

(۲) عمدة القاري: ٣/٣٠٩، إرشاد الساري: ١/٤٩٩

(۳) وفي مصنف عبد الرزاق لفظ "الماء" مكان "الإناء".

(٤) وفيه: "لا يُفسد ذلك عليهم" مكان "لايرون بذلك بأساً".

(٥) مصنف عبدالرزاق، كتاب الطهارة، باب الماء يمسه الجنب أو يدخله: ١/٩١، ٩٢، رقم: ٣١٠، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُدخل يده في الماء وهو جُنبٌ: ١/٥٠٦، رقم: ٩٠١

حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم حالت جنابت میں اور عورتیں (صحابیات) حالت حیض میں ہاتھ دھوئے بغیر برتن (یا پانی) میں ڈال دیا کرتے تھے اور وہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایسا کرنے سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ بنت سعد فرماتی ہیں:

"كان سعد يأمر جاريته فتناوله الطَّهور من الجرّة، فتغمِسُ يدها فيها، فيقال: إنها حائض! فيقول: إن حيضتها ليست في يدها". (۱)

یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی باندی کو حکم دیتے تو وہ انہیں مٹکے میں ہاتھ ڈال کر پانی مہیا کرتی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ وہ تو حائضہ ہے، آپ نے فرمایا: باندی کا حیض اس کے ہاتھ میں نہیں۔

اس کے علاوہ سلف میں سے تابعین کی ایک جماعت سے اس کا جواز منقول ہے، جن میں ابن سیرین، عطاء، سالم، سعید بن جبیر اور سعید بن مسیب رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ (۲)

چناں چہ ہشام نے ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ بیت الخلا سے نکلتے، پھر اپنا ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ڈال دیتے تھے۔ (۳)

یہی بات ابن سیرین نے عبیدہ کے بارے میں نقل کی ہے۔ (۴)

اعمش کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم (نخعی) کو دیکھا کہ انہوں نے پیشاب کیا، پھر ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں داخل کر دیا۔ (۵)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُدخل يده في الماء وهو جُنبٌ: ۱/۵۰٦، رقم: ۹۰۰

(۲) التوضيح: ٤/٥٧٣، عمدة القاري: ۳/۳۰۹، شرح ابن بطال: ۱/۳۸۸، ۳۸۹

(۳) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يخرج المخرج فيدخل يده في الإناء: ۲/۲۸، رقم: ۱۰٦۰

(٤) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يخرج المخرج فيدخل يده في الإناء: ۲/۲۸، رقم: ۱۰۵۹

(٥) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يخرج المخرج فيدخل يده في الإناء: ۲/۲۸،=

حضرت شعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"فأدخلهما في الماء، وهو جنب قبل أن يغسلها، فلا بأس".(١)

اگر آدمی حالت جنابت میں ہو اور اس نے ہاتھ دھونے سے قبل انہیں پانی میں ڈال دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لا بأس أن يَغمِسَ الجنب يده في الإناء قبل أن يغسلها".(٢)

اگر جنبی نے ہاتھ دھونے سے قبل اسے پانی میں ڈال دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ولم ير ابن عمر، وابن عباس بأساً بما ينتضح من غسل الجنابة

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اس پانی سے غسل میں جس میں غسل جنابت کی چھینٹیں ٹپک پڑیں۔

تخریج تعلیق

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر جسے امام بخاری رحمہ اللہ ترجمۃ الباب کے لیے بطور تعلیق لائے ہیں، ان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے ہم معنیٰ اثر کو عبدالرزاق صنعانی نے مصنف میں بواسطہ ابن جریج حضرت نافع سے (۳) اور بواسطہ عبداللہ بن عمر نافع سے (۴) موصولاً

= رقم: ١٠٦١، وأخرج ابن أبي شيبة مثله عن سعيد بن جبير، رقم: ١٠٦٢، عن سالم، رقم: ١٠٦٣، وعن إبراهيم، رقم: ١٠٦٤ .

(١) مصنف عبدالرزاق، كتاب الطهارة، باب الماء يمسه الجنب أو يدخله: ١/٩١، رقم: ٣٠٩

(٢) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُدخل يده في الماء وهو جُنبٌ: ١/٥٠٥، رقم: ٨٩٩

(٣) كتاب الطهارة، باب ماينتضح في الإناء من الوضوء والغسل: ١/٩٢، رقم: ٣١٤، ولفظه: "عن ابن جُريج قال: قلت لنافع: أين كان ابن عمر يجعل إناءه الذي يتوضأ فيه؟ قال: إلى جنبه. انتهى.

(٤) كتاب الطهارة، باب قطر البول، ونضح الفرج إذا وجد بللاً: ١/١٥١، رقم: ٥٨٨، ولفظه: "كان ابن عمر إذا توضأ لايغسل أثر البول ولكنه كان ينضح". اه. وأخرج مثله عن الثوري عن الحسن بن عبيد الله عن =

نقل فرمایا ہے(۱) جب کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اسے بطریق عبداللہ بن عمر، نافع سے موصولاً ذکر کیا ہے۔(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر جسے امام بخاری رحمہ اللہ بطور تعلیق لائے ہیں وہ روایت بالمعنی ہے، امام عبدالرزاق صنعانی نے اپنی مصنف میں سفیان عن العلاء بن المسیب عن رجل عن إبراهیم کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو پانی سے غسل یا وضو کر رہا ہو اور اس پانی میں چھینٹیں ٹپک کر گر رہی ہوں، (تو اس کا کیا حکم ہے؟) ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔(۳)

امام ابن ابی شیبہ نے اسی روایت کو اپنی مصنف میں حفص عن العلاء بن المسیب، عن حماد عن إبراهیم کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "لا بأس به". یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۴)

ابن ملقّن رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذکورہ اثر کو منقطع قرار دیتے ہوئے فرمایا: "وهو منقطع فیما بین إبراهیم وابن عباس رضي الله عنهما". (۵) یعنی اس اثر میں

= أبي الضحیٰ، رقم: ۵۸۹، وكذلك عن ابن عيينه عن الحسن بن عبيد الله عن مسلم بن صبيح، رقم: ۵۹۰

(۱) تغليق التعليق: ۱/۱۵۵، فتح الباري: ۲/۴۹۱، عمدة القاري: ۳/۳۰۹، إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۲) كتاب الطهارة، [باب] من كان إذا توضأ نضح فرجه: ۲/۲۰۲، رقم: ۱۷۸۶، ولفظه: "كان ابن عمر إذا توضأ نضح فرجه، قال عبيد الله، وكان أبي يفعل ذلك". اهـ. وعنه بمعناه عن وكيع عن ابن أبي ذئب عن مولى لابن أزهر، رقم: ۱۷۸۸

(۳) كتاب الطهارة، باب ما ينتضح في الإناء من الوضوء والغسل: ۱/۹۲، رقم: ۳۱۵، ولفظه: "عن إبراهيم عن ابن عباس: أنه سئل عن رجل يغتسل أو يتوضأ من الماء وينتضح فيه، قال: فلم ير به بأساً". اهـ.

(٤) كتاب الطهارة، [باب] في [الرجل] الجنب يغتسل وينضح من غُسله في إنائه: ۱/۴۸۲، رقم: ۷۸۹، انظر تغليق التعليق: ۱/۱۵۵، فتح الباري: ۲/۴۹۱، عمدة القاري: ۳/۳۰۹، إرشاد الساري: ۱/۴۹۹

(۵) التوضيح: ٤/۵۷٤، عمدة القاري: ۳/۳۰۹، والظاهر أن إبراهيم هو النخعي، لأن حماد لم يرو إلا عنه، راجع: تهذيب الكمال: ۷/۲۷۰، رقم الترجمة: ۱٤۸۳، والرواية منقطع لأنه لم يثبت لإبراهيم رواية عن ابن =

ابراہیم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

شرح تعلیق

بما ينتضح من غسل الجنابة

لغت میں "ینتضح" پانی کے ٹپکنے اور چھینٹوں کے اڑ کر پڑنے کو کہتے ہیں۔(۱)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غسل جنابت کرنے والے کے بدن سے جو چھینٹیں اڑ کر غسل کے پانی میں پڑ جاتی تھیں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، کیوں ان چھینٹوں سے احتراز انتہائی دشوار اور مشقت میں ڈالنے والا کام ہے۔(۲)

غرض تعلیق

اس اثر سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ غسل جنابت کرنے والے نے اپنا نظیف ہاتھ دھوئے بغیر غسل کے پانی ڈال دیا تو اس سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا مدعیٰ اس طرح ثابت کیا کہ جب غسل جنابت کرنے والے کے بدن سے اڑنے والی چھینٹیں پانی پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں اور اسے نجس نہیں کر سکتیں، تو اسی طرح سے مغتسل اگر ہاتھ دھونے سے قبل ہاتھ کو پانی میں ڈال دے تو اس سے بھی پانی نجس و ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے کہ غسل مکمل ہونے سے پہلے آدمی کا بدن جنب ہوتا ہے، اور جنابت نجاست حکمیہ ہوتی ہے، اگر مغتسل کے بدن سے اڑنے والی چھینٹیں پانی کو ناپاک کرتیں تو اس پانی سے غسل کرنا منع ہوتا، لیکن اس سے جب ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا تو پھر مغتسل اگر پاک ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں ڈال دیتا ہے تو اس سے بھی پانی پر کوئی اثر نہیں ہوگا، یعنی ناپاک نہیں ہوگا۔(۳)

= عباس رضي الله عنهما ولا لقاء هما". انظر ترجمة ابن عباس رضي الله عنهما في تهذيب الكمال: ١٥/١٥٤، رقم: ٣٣٥٨، وترجمة إبراهيم النخعي فيه: ٢/١٠٤، رقم: ١٨١.

(١) لسان العرب، تحت مادة: نضح: ١٤/١٧٤، النهاية: ٢/٧٥٤، الصحاح، ص: ١٠٤٧، شرح الكرماني: ٣/١٢٤

(٢) إرشاد الساري: ١/٤٩٩، تحفة الباري: ١/٢٢٥

(٣) فتح الباري: ٢/٤٩١، عمدة القاري: ٣/٣٠٩

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ترجمہ واثر کے درمیان اسی تطبیق کوتعسف قرار دیا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس لیے حرج نہیں سمجھا کہ ان سے بچنا بہت دشوار اور مشقت کا کام ہے، تو اس وجہ سے گویا وہ شرعاً معفو ہیں، جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"ومن يملك انتشار الماء، إنا لنرجو من رحمة الله ما هو أوسع من هذا". یعنی پانی کے (ان) چھینٹوں سے بچنے کی کون طاقت رکھتا ہے، ہم تو اللہ کی رحمت سے اس سے بھی زیادہ وسعت کی امید رکھتے ہیں۔(۲)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ، علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور ان سے نقل کرتے ہوئے محشی بخاری علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ نے "إنا لنرجو من رحمة الله ماهو أوسع من هذا" کو حسن بصری رحمہ اللہ کا مقولہ شمار کیا ہے۔(۳) حالاں کہ اس قول کی نسبت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف درست نہیں؛ اس لیے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کا وہ نسخہ جو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد، محقق اور محدث عصر شیخ محمد عوامہ شامی حفظہ اللہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ طبع ہوا ہے اس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ "ومن يملك انتشار الماء" حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے اور "إنا نالنرجو من رحمة ربنا ما هو أوسع من هذا" ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے۔(۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح کا قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن سیرین رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی منقول ہے، جیسا کہ ابن بطال رحمہ اللہ اور ابن التین رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر فرمایا۔(۵)

---

(۱) عمدة القاري: ٣/ ٣٠٩

(٢) فتح الباري: ٢/ ٤٩١

(٣) شرح ابن بطال: ١/ ٢٨٩، التوضيح: ٤/ ٥٧٤، فتح الباري: ٢/ ٤٩١، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٩، صحيح البخاري، ص: ٤٠

(٤) كتاب الطهارة، [باب] في الجنب يغتسل وينضح من غسله في إنائه: ١/ ٤٨٢، رقم: ٧٩٦، راجع حاشية التوضيح: ٤/ ٥٧٤

(٥) شرح ابن بطال: ١/ ٢٨٩، التوضيح: ٤/ ٥٧٤، عمدة القاري: ٣/ ٣٠٩، فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ١/ ١٦٢

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ان سب حضرات کے آثار کی تخریج فرمائی ہے، (۱) جب کہ امام عبدالرزاق صنعانی نے اپنی مصنف میں ان کے علاوہ عطاء بن ابی رباح اور انس بن مالک سے تعلیق بخاری کی طرح کا قول نقل کیا ہے۔(۲)

احتیاطی پہلو

معمر نے جعفر بن برقان سے نقل کیا ہے کہ جب میمون بن مہران رحمہ اللہ غسل کرتے تو برتن بلند جگہ پر رکھا کرتے تھے؛ تا کہ اس میں بدن سے غسل کے پانی کی چھینٹیں نہ ٹپک پڑیں۔(۳) ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل انتہائی درجہ کی احتیاط پر مبنی تھا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تعلیق بخاری کے قریب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا وہ قول بھی جس میں انہوں نے اس نمازی کے بارے میں فرمایا جس کے اوپر ایک درہم سے زیادہ مقدار میں پیشاب کی چھینٹیں اڑ کر پڑی ہوں، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ جائے اور متاثرہ کو جگہ کو دھوئے اور واپس آ کر اپنی نماز پر بناء کرے۔(۴)

حدیث باب (پہلی حدیث)

۲۵۸ : حدّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ : أَخْبَرَنَا أَفْلَحُ ، عَنِ ٱلقاسِمِ ، عَنْ عَائِشَةَ(۵) قالَتْ : كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَٱلنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ ، تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ . [۲٦۰ ، وانظر : ۲٤۷] =

---

(۱) دیکھیے، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الجنب يغتسل وينضح من غسله في إنائه: ۱/۴۸۲–۴۸۴، رقم: ۷۸۹، إلى ۷۹٦

(۲) كتاب الطهارة، باب ماينتضح في الإناء من الوضوء والغسل: ۱/۹۲، ۹۳، رقم: ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱٦

(۳) كتاب الطهارة، باب ماينتضح في الإناء من الوضوء والغسل: ۱/۹۲، ۹۳، رقم: ۳۱۷

(٤) عمدة القاري: ۳/۳۰۹

(٥) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امرأته، رقم الحديث: ۲۵۰، وفي باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه، رقم: ۲۷۳، وفي كتاب الحيض، باب =

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، کہا ہم سے افلح نے، انہوں نے قاسم بن محمد سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں مل کر) ایک برتن سے اس طرح غسل کرتے تھے کہ ہماری ہاتھ باری باری اس میں پڑتے تھے۔

تراجم رجال

عبدالله بن مسلمة

یہ مؤطا امام مالک کے راوی عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب قعنبی، حارثی، بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اوران کی جلالت شان وتوثیق پر تمام ائمہ متفق ہیں ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، باب من الدین الفرار من الفتن" کی پہلی حدیث کے ذیل میں بیان کیے جاچکے ہیں۔(۱)

أفلح

یہ صحیحین اورسنن ابی داؤدونسائی کے راوی افلح بن حمید بن نافع، مدنی، انصاری، نجاری رحمہ اللہ ہیں۔(۲)

= مباشرة الحائض، رقم: ۲۹۹، وفي كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، رقم: ۵۹۵۶، وفي كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ماذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم وما اجتمع عليه الحرمان: مكة والمدينة وماكان بهما من مشاهد النبي صلى الله عليه وسلم والمهاجرين والأنصار، ومصلى النبي صلى الله عليه وسلم والمنبر والمقبر، رقم: ۷۳۳۹، وأخرجه مسلم في سننه في كتاب الحيض، في باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ۳۱۹، وأبوداود في الطهارة في باب مقدار الماء الذي يجزئ به الغسل، رقم: ۲۳۸، والترمذي في سننه في كتاب اللباس ماجاء في الجمة واتخاذ الشعر، رقم: ۱۷۵۵، والنسائي في الطهارة في باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل، رقم: ۲۲۹، وأيضاً فيه، باب ذكر الدلالة على أنه لاوقت في ذلك، رقم: ۲۳۲، وأخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، رقم: ۳۷۶، وانظر جامع الأصول في أحاديث الرسول، رقم: ۵۳۳۳

(۱) دیکھیے، كشف الباري: ۸۰/۲

(۲) دیکھیے، الإصابة: ۱۱۰/۱، الطبقات: ۸۶/۵، كتاب الثقات لابن حبان: ۸۳/۶، الجرح والتعديل: =

ابوعبدالرحمٰن ان کی کنیت ہے، یہی معروف ہے۔(۱)

جب کہ علامہ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ نے ابومحمد کنیت نقل کی ہے(۲) علامہ مزی رحمہ اللہ نے علامہ عبدالغنی مقدسی پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ ابومحمد تو ان کے بعد جس راوی کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے ان کی کنیت ہے اور وہ افلح بن سعید انصاری رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہی ہے۔(۳)

ان کو ابن صفیرا بھی کہا جاتا ہے، صفون بن اوس کے موالی میں سے ہیں۔(۴)

شیوخ حدیث

افلح بن حمید رحمہ اللہ نے جن شیوخ ومحدثین کرام سے احادیث مبارکہ کی روایت کی ہے ان میں ان کے والد ماجد حمید بن نافع، سلیمان بن عبدالرحمٰن بن جندب انصاری، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور ابوبکر ابن محمد بن عمرو بن حزم رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۵)

تلامذہ

آپ رحمہ اللہ سے حدیث مبارک نقل کرنے والوں میں اسحاق بن سلیمان رازی، حاتم بن اسماعیل، حماد بن خالد الخیاط، حماد بن زید، خالد بن عبداللہ واسطی، سفیان ثوری، عبداللہ بن نمیر، عبداللہ بن وہب، عبدالکبیر بن عبدالمجید حنفی، عبدالملک بن عمرو عقدی، عثمان بن عمر بن فارس، عمر بن ایوب موصلی، ابونعیم فصل بن دکین، قاسم بن یزید جرمی، محمد بن اسماعیل بن ابوفدیک، محمد بن عمر واقدی، معافیٰ بن عمران موصلی، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن

= ۲/ ۲۵۰، تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱، تاريخ الإسلام: ۲/ ۳۹۷، ميزان الاعتدال: ۱/ ۲۷٤، التاريخ الكبير: ۲/ ۵۲، تهذيب التهذيب: ۱/ ۳٦۷

(۱) تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱، ميزان الاعتدال: ۱/ ۲۷٤

(۲) تهذيب التهذيب: ۱/ ۳٦۷، تعليقات تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱

(۳) تعليقات تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱

(٤) تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱، تهذيب التهذيب: ۱/ ۳٦۷

(۵) تهذيب الكمال: ۳/ ۳۲۱، تهذيب التهذيب: ۱/ ۳٦۷، الجرح والتعديل: ۲/ ۲۵۰

از ہر مصری، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ اور ابو القاسم بن ابو زنا درحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

علامہ مزی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبداللہ ابن مسلمہ قعنبی رحمہ اللہ آپ کے وہ شاگرد ہیں جنہوں) نے سب سے آخر میں آپ سے حدیث کی روایت کی ہے، یعنی قعنبی رحمہ اللہ آپ کے آخری شاگرد ہیں۔(۲)

ائمہ جرح وتعدیل کے توثیقی اقوال

ابن حبان رحمہ اللہ نے ''ثقات'' میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔(۳) جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ "التاریخ الکبیر" میں تذکرہ کیا ہے۔(۴)

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے افلح بن حمید کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "صالح". (۵)

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام ابو حاتم رحمہ اللہ سے افلح بن حمید کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا: "ثقة لا بأس به". (٦)

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لیس به بأس". (۷)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: "کان ثقة قلیل الحدیث". (۸)

ابو احمد بن عدی نے یحییٰ بن محمد بن ساعد سے نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ افلح بن حمید کی روایت کے

(۱) تهذیب الکمال: ۳/۳۲۱، ۳۲۲، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷، الجرح والتعدیل: ۲/۲۵۰

(۲) تهذیب الکمال: ۳/۳۲۱، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷

(۳) کتاب الثقات: ٦/۸۳

(٤) التاریخ الکبیر: ۲/۵۲

(۵) الجرح والتعدیل: ۲/۲۵۰، تهذیب الکمال: ۳/۳۲۲، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷

(٦) الجرح والتعدیل: ۲/۲۵۰، تهذیب الکمال: ۳/۳۲۲، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷

(۷) تهذیب الکمال: ۳/۳۲۲، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷

(۸) الطبقات الکبریٰ: ۵/۸٦، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "قلیل" کی جگہ "کثیر الحدیث" نقل کیا ہے، تهذیب التهذیب: ۱/۳٦۷

ان الفاظ: لأهل العراق ذات عرق "کومنکر قرار دیتے تھے۔(۱)

ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ افلح بن حمید سے ثقہ لوگ روایت کرتے ہیں، وہ میرے نزدیک صالح الحدیث، ہے، مجھے امید ہے کہ ان کی تمام احادیث مستقیم ہیں، البتہ مذکورہ حدیث معافی بن عمران کا تفرد ہے۔(۲)

ابن عدی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے افلح بن حمید کی مذکورہ روایت کے صرف اس لفظ:"ولأهل العراق ذات عرق" کو منکر قرار دیا ہے، جب کہ اس حدیث کے باقی متن اور سند پر کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ہی اسے منکر قرار دیا۔(۳)

معافی بن عمران ثقہ راوی ہیں، جیسا کہ خود امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے،(۴) اور معروف قاعدہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے،(۵) اس لیے ان الفاظ کو منکر قرار دینے کے بجائے ثقہ کی زیادتی کے پیش نظر مقبول سمجھا جائے گا، چناں چہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان الاعتدال" میں ابن عدی رحمہ اللہ کے معافی بن عمران رحمہ اللہ کے تفرد والے قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:"هو صحيح غريب" یعنی مذکورہ روایت صحیح غریب ہے۔(٦) امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی معافی بن عمران کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس زیادتی کو نقل فرمایا ہے۔(۷) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں "باب: ذات عِرق لأهل العراق"

---

(١) تهذيب الكمال: ٣/٣٢٢، تهذيب التهذيب: ١/٣٦٧، ميزان الاعتدال: ١/٢٧٤

(٢) تهذيب الكمال: ٣/٣٢٢، ٣٢٣، تهذيب التهذيب: ١/٣٦٧

(٣) تهذيب الكمال: ٣/٣٢٣، تهذيب التهذيب: ١/٣٦٧

إليك نص الحديث: "وقّت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام ومصر الجحفة ولأهل اليمن يلملم ولأهل العراق ذات عرق".

(٤) تعليقات تهذيب الكمال: ٣/٣٢٢

(٥) تفصیل کے لئے دیکھیے، النكت على كتاب ابن الصلاح: ٢/٦٨٦-٧٠١

(٦) ميزان الاعتدال: ١/٢٧٤

(٧) وقد أخرج أبوداؤد في سننه بسنده عن المعافى بن عمران عن أفلح، يعني ابن حُميد، عن القاسم بن محمد، عن عائشة: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقّت لأهل العراق ذات عرق". (كتاب المناسك،=

کے الفاظ سے ترجمہ قائم فرما کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اہل عراق کے لیے "ذات عرق" کا میقات مقرر کرنا نقل کیا ہے، جس سے معافی بن عمران کی اس زیادتی کی تائید ہوتی ہے۔(۱)

وفات

ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ افلح بن حمید رحمہ اللہ نابینا ہو گئے تھے، ۸۰ سال کی عمر میں ۱۶۰ ہجری کو انتقال ہوا۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے ابن حبان رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے سن وفات ۱۶۵ ہجری نقل کیا ہے۔(۳)

علامہ واقدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۵۸ ہجری کو انتقال ہوا،(۴) جب کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے ۱۵۸ ہجری والے قول کو "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۵)

علامہ مزی رحمہ اللہ نے ۱۵۶ ہجری کا بھی ایک قول نقل کیا ہے۔(۶)

القاسم

یہ مشہور محدث وفقیہ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحمہ اللہ ہیں۔

آپ رحمہ اللہ کے تفصیلی احوال "باب من بدأ بالحلاب أو الطيب" کی پہلی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔(۷)

= باب في المواقيت، رقم الحديث: ۱۷۳۹

(۱) كتاب الحج، باب: ذات عرق لأهل العراق، رقم الحديث: ۱۵۳۱

(۲) كتاب الثقات: ۸۳/۶

(۳) تهذيب التهذيب: ۳۶۷/۱، تعليقات تهذيب الكمال: ۳۲۳/۳

(٤) تهذيب الكمال: ۳۲۳/۳، تهذيب التهذيب: ۳٦۷/۱

(٥) كتاب الثقات: ۸۳/٦

(٦) تهذيب الكمال: ۳۲۳/۳

(۷) دیکھیے، ص: ۴۳۹

عائشة رضي الله عنها

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین، طیبہ طاہر اور صدیقہ کائنات، سیدہ عائشہ صدیقہ بنت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالاتِ زندگی بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔(۱)

شرح حدیث

كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مل کر غسل کرتے تھے۔

لفظ "النبي" کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے،(۲) مرفوع ہونے کی صورت میں اس کا عطف "كنت" کی ضمیر مرفوع پر ہوگا، صحت عطف کے لیے "أنا" ضمیر منفصل لائی گئی ہے، نصب کی صورت میں مفعول ہوگا اور "واؤ" برائے مصاحبت ہوگا،(۳) معنی یہ ہوگا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں غسل کیا کرتی تھی۔(۴) من إناء واحد یعنی ہم دونوں ایک ہی برتن سے چلو بھرا کرتے تھے۔(۵)

تختلف أيدينا فيه

یعنی ہمارے ہاتھ باری باری اس برتن میں پڑتے تھے۔

"تختلف أيدينا فيه" یہ جملہ محلاً منصوب ہے، اس لیے کہ یہ "إناء واحد" سے حال واقعہ ہو رہا ہے، نحوی قاعدہ ہے کہ جملہ "معرفہ" کے بعد واقع ہو تو حال بنتا ہے اور "نکرہ" کے بعد واقع ہو تو صفت بنتا ہے، جب کہ لفظ "إناء" یہاں پر موصوف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے، اس لیے مابعد کا جملہ اس سے حال بنے گا۔(۶)

---

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۱

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۲٤

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۱۰، إرشاد الساري: ۱/٤۹۹

(٤) إرشاد الساري: ۱/٤۹۹

(٥) إرشاد الساري: ۱/٤۹۹

(٦) عمدة القاري: ۳/۳۱۰، إرشاد الساري: ۱/٤۹۹

اختلاف ایدی سے مراد ادخال واخراج ہے یعنی کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا ہاتھ برتن میں ڈالتیں پانی کا چلو بھرنے کے لیے، جب وہ اپنا ہاتھ باہر نکال لیتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے تھے برتن میں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا تھا۔(۱)

حدیث باب کے مختلف طرق کی وضاحت

حدیث باب کا متن زہری عن عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے "باب غسل الرجل مع امرأته" کی پہلی حدیث میں گذر چکا ہے، البتہ اس کے آخر میں "مِنْ قَدَحٍ يقال له الفرق" کا اضافہ ہے اور "تختلف أيدينا فيه" اس میں مروی نہیں۔(۲)

امام مسلم رحمہ اللہ نے "کتاب الحیض" میں افلح بن حمید عن القاسم بن محمد عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے طریق سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کے آخر میں "من الجنابة" کے الفاظ کی زیادتی نقل کی ہے۔(۳)

امام مسلم رحمہ اللہ نے معاذۃ عن عائشہ رضي الله عنها کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "فيبادرني حتى أقول: دعْ لي، دعْ لي". (۴) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی لینے میں مجھ پر سبقت فرماتے تو میں ان کہتی کہ مجھے پہلے لینے دیجئے۔

امام نسائی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: "يبادرني وأبادره، حتى يقول: دعي لي". (۵)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سبقت لے جانے کی کوشش فرماتے اور میں ان سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرماتے کہ مجھے پہلے پانی لینے دو۔

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲٤/۳، فتح الباري: ٤۹۲/۲، عمدة القاري: ۳۱۰/۳، الكوثر الجاري: ٤۱۸/۱

(۲) رقم الحديث: ۲٥۰

(۳) باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم الحديث: ۷۳۱

(٤) باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم: ۷۳۲

(٥) كتاب الطهارة، باب الرخصة في ذلك، رقم: ۲٤۰، وكتاب الغسل والتيمم، باب الرخصة في ذلك، رقم: ٤۱٤

"وتلتقي" ادراجِ راوی ہے

ابوعوانہ اور ابن حبان نے حدیث باب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "ابن وهب عن أفلح أنه سمع القاسم" کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں "تختلف أيدينا فيه" کے بعد "تلتقي" کا اضافہ ہے، یعنی جب ہم باری باری پانی لینے کے لیے برتن میں ہاتھ ڈالتے تو کبھی ہمارے ہاتھ باہم ٹکرا جاتے تھے۔(۱)

واضح رہے کہ "تلتقي" کے الفاظ حدیث کا حصہ نہیں، بلکہ راوی کی طرف سے ادراج ہے، گویا راوی نے "وتلتقي" سے "تختلف أيدينا فيه" کی تفسیر اور وضاحت کی ہے، چناں چہ امام اسماعیلی نے یہی روایت افلح سے اسحاق بن سلیمان کے واسطہ سے نقل کی ہے اس میں "وتختلف أيدينا فيه" کے بعد "يعني" کہہ کر "حتی تلتقي" کے الفاظ لائے ہیں، یعنی ہمارے ہاتھ باہم ٹکرا بھی جاتے تھے۔(۲)

اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث باب کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: رواه ابن وهب عن أفلح وزادفي الحديث: "وتلتقي" وقال إسحاق بن سليمان الرازي عن أفلح يعني وتلتقي".(۳)

یعنی اس حدیث کو ابن وہب نے افلح سے نقل کیا ہے اور اس میں "وتلتقي" کا اضافہ بھی کیا ہے، جب کہ اسحاق بن سلیمان رازی افلح سے روایت کرتے ہوئے "يعني" کہہ کر "وتلتقي" کے الفاظ کا اضافہ نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان طرق حدیث پر بحث کر کے لکھا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "وتلتقي" راوی کی طرف سے ادراج ہے۔(۴)

---

(۱) مسند أبي عوانة، كتاب الطهارة، باب الإباحة للرجل أن يغتسل بفضل المرأة: ۱/۳۲۹، رقم: ۸۱۲، صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان، باب نواقض الوضوء، ذكر خبر فيه كالدليل على أن الملامسة للرجل من امرأته لايوجب الوضوء عليها، رقم: ۱۱۱۱

(۲) فتح الباري: ۲/۴۹۲، عمدة القاري: ۳/۳۱۰

(۳) السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب الدليل على طهارة عرق الحائض والجنب، رقم: ۸۸۵

(۴) فتح الباري: ۲/۴۹۲، عمدة القاري: ۳/۳۱۰

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بایں طور ہے کہ ترجمۃ الباب میں آیا ہے کہ جنبی کے ہاتھوں پر اگر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو وہ دھونے سے پہلے انہیں غسل کے پانی والے برتن میں ڈال سکتا ہے، اس پر حدیث باب کے الفاظ "تختلف أيدينافيه" دلالت کرتے ہیں، ظاہری بات ہے کہ اختلاف الأيدي تو ادخال یعنی ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے ہی متحقق ہوسکتا ہے، اس سے معلوم ہو کہ یہ عمل پانی کو مفسد نہیں کرتا ہے، یہ علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ ہے، (۱) جب کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بعینہ یہی توجیہ ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ پانی کو مفسد نہ کرنا اس وقت ہوگا جب غسل کرنے والے کے ہاتھ پر یقینی طور سے کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔ (۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب جنبی کے لیے دوران غسل تمامیت غسل کے ذریعہ رفع حدث سے پہلے برتن میں ہاتھ ڈال کر چلو بھرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث باب سے معلوم ہوا، تو غسل جنابت کی ابتدا میں بھی ایسا کرنا جائز ہوگا۔ باقی رہی بات ان احادیث کی جن میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھونے کا حکم وارد ہوا تو وہ جنابت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ طہارت حاصل کرنے والے کے ہاتھ پر نجاست کا یقین یا گمان ہو۔ (۳)

ایک اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث باب مطلق ہے جب کہ اس کے بعد ہشام کی جو روایت ہے اس میں تو غسل جنابت سے قبل ہاتھ کا دھونا مذکور ہے، تو دونوں روایتوں میں موافقت کیسے ہوگی؟۔ (۴)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کا جواب

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ حدیث ہشام ندب پر

---

(۱) عمدة القاري: ۳/ ۳۰۹

(۲) إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۰

(۳) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲۵، ۱۲٦، فتح الباري: ۲/ ٤۹۲

(٤) شرح الكرماني: ۳/ ۱۲٦، فتح الباري: ۲/ ٤۹۳، إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۰

محمول ہے اور حدیث باب جواز پر، یا یہ کہ حدیث باب مطلق ہے اور حدیث ہشام مقید ہے، مطلق کو مقید پر محمول کر کے دونوں جگہ ندب کا حکم لگایا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غسل جنابت سے قبل ہاتھوں کو دھویا کرتے تھے۔(۱)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ترجمۃ الباب میں تو "إذا لم یکن علی یدہ قذر" کے ساتھ مقید ہے، جب کہ حدیث باب مطلق ہے، لہٰذا دونوں میں مطابقت نہ رہی۔(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں جو قید مذکور ہے حدیث باب میں بھی اس کی رعایت رکھی جائے گی، حدیث باب میں ترجمہ والی قید کی رعایت پر قرینہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ دھونے سے پہلے اپنے ہاتھ برتن میں داخل کریں، جب کہ ان کے ہاتھ پر کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہو جو پانی کو نجس کر دے، اس پر قوی ترین قرینہ حضرت ہشام کی آگے آنے والی روایت ہے، جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت سے قبل ہاتھ مبارک کو دھولیا کرتے تھے، یہی اس مقام پر تحقیقی بات ہے، جب کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ کا ایک کو ندب اور دوسری کو جواز پر محمول کرنا بعید از تحقیق ہے۔(۳)

حدیث باب سے مستنبط شدہ امور

حدیثِ باب سے درج ذیل امور مستنبط کیے گئے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی غسل والے برتن کے پانی سے چلو بھر سکتا ہے، اس سے اور باقی ماندہ پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔(۴)

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۶/۳

(۲) عمدة القاري: ۳۰۹/۳

(۳) عمدة القاري: ۳۰۹/۳

(۴) عمدة القاري: ۳۱۰/۳

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا استنباط

حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حدیث باب سے یہ معلوم ہوا کہ جنبی ماء قلیل سے چلو بھر سکتا ہے اور اس پانی اور باقی ماندہ سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، تو پھر یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنبی کے لیے ماء دائم میں غوطہ لگانے کی نہی پانی کو میلا ہونے سے بچانے کے لیے ہے، اس وجہ سے نہیں کہ جنبی کے غوطہ لگانے سے وہ پانی نجس ہو جائے گا، کیوں کہ جنبی کے پورے بدن اور ہاتھ میں کوئی فرق نہیں، جب صرف ہاتھ داخل کرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا ہے تو پھر غوطہ لگانے سے بھی نجس نہیں ہوگا۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ صاحب پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا توجیہ پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض لوگوں کا یہ کلام علی الاطلاق صحیح نہیں، اس لیے کہ جب نے اگر ماء دائم میں غوطہ لگایا تو وہ پانی دو حال سے خالی نہ ہوگا، یا تو وہ ماء کثیر ہوگا یا قلیل، اگر ماء کثیر ہے بایں طور کہ وہ ایسا بڑا تالاب تھا جس کے ایک طرف کے پانی کو حرکت دینے سے دوسری طرف میں حرکت نہیں ہوتی، تو جنبی کا ایسے ماء دائم کثیر میں غوطہ لگانا مفسد نہیں، البتہ اگر پانی قلیل ہو اور وہ غدیر عظیم کی مقدار تک نہ پہنچتا ہو تو پھر جنبی کا ایسے ماء دائم قلیل میں غوطہ لگانا مفسد للماء ہوگا، باقی یہ کہ اس سے جنبی کو پاکی حاصل ہوگی یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔(۲)

حدیث باب (دوسری حدیث)

۲۵۹ : حدَّثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثنا حَمَّادٌ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ[۳] قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ إِذَا ٱغْتَسَلَ مِنَ ٱلْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ . [ر : ۲٤٥]

---

(۱) فتح الباري: ۲/۴۹۲

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۱۰

(۳) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، رقم: ۲٤۸، وأيضاً في باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه، رقم: ۲۷۲، ومسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب صفة الغسل من الجنابة، رقم: ۳۱٦، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲٤۲، وأخرجه الترمذي في جامعه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، رقم: =

ترجمہ: ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد سے، انہوں نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرنے لگتے تو (پہلے) اپنا ہاتھ دھوتے تھے۔

تراجم رجال

حدثنا مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل بن ارندل بن سرندل بن غرندل بن ماسک بن مستورد اسدی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز ہے اور مسدد لقب ہے۔

ان کے مختصر احوال كتاب الإيمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه اور تفصیلی حالات كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم كراهية أن لايفقهوا کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔(۱)

حدثنا حماد

یہ حماد بن زید بن درہم ازدی بصری رحمہ اللہ ہیں، اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حماد بن سلمہ سے روایت نقل نہیں کی ہے۔(۲)

ان کے حالات كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ فسماهم المؤمنين کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں۔(۳)

عن هشام

یہ جلیل القدر تابعی عروہ بن زبیر کے صاحبزادے ابوالمنذر ہشام بن عروہ اسدی مدنی ہیں۔

= ۱۰٤، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، ذكر وضوء الجنب قبل الغسل، رقم: ۲٤۸، راجع تحفة الأشراف، مسند عائشة، رقم: ۱۷۱٦٤، وكذلك جامع الأصول، كيفية الغسل، رقم: ۵۳۱۹

(۱) كشف الباري: ٤/٤۸۸-۵۹۰

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۱۱

(۳) كشف الباري: ۲/۲۱۹

ان کے مختصر حالات بدء الوحي کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب الإیمان کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔(۱)

عن أبيه

یہ ہشام کے والد بزرگوار حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے احوال بدء الوحي کی دوسری حدیث کے تحت مختصراً اور کتاب الإیمان، باب أحب الدین إلی اللہ کے ذیل میں مفصلاً بیان ہو چکے ہیں۔(۲)

عن عائشة

یہ حرم نبوت، أم المؤمنین، حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا ہے۔(۳)

شرح حدیث

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اغتسل من الجنابة غسل يده

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرنے لگتے تو (پہلے) اپنا ہاتھ دھوتے تھے۔

حدیثِ سابق کی تفسیر

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث یعنی حدیث ہشام سابقہ حدیث کی تفسیر کرتی ہے، اس لیے کہ حدیث سابق میں "اختلاف الأیدی في الإناء" کا تذکرہ تھا جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے دو طرح کا احتمال رکھتی ہے، "أیدینا" میں "ید" سے پاک ہاتھ بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور وہ ہاتھ بھی جس پر جنابت کے علاوہ کوئی نجاست لگی ہوئی ہو جس سے پانی ناپاک ہو سکتا ہو، جب کہ حدیث ہشام میں یہ صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے ہاتھوں کو دھو لیتے تھے، پھر برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا کرتے تھے، ظاہری بات ہے کہ ہاتھ کو دھونے کے بعد محض جنابت حکمی کی وجہ سے اس کا برتن میں ڈالنا مفسد للماء نہیں، یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب حدیث سابق کو نجاست ظاہری کے نہ لگے ہونے کے یقین پر محمول کر لیں اور

(۱) كشف الباري: ۱/۲۹۱، ۲/۴۳۲-۴۳۶

(۲) كشف الباري: ۱/۲۹۱، ۲/۴۳۶

(۳) آپ رضی اللہ عنہا کے حالات کشف الباري: ۱/۲۹۱-۲۹۵، بدء الوحي کی دوسری حدیث کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔

حدیث ہشام کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے قبل ہاتھ مبارک اس لیے دھو لیے تھے کہ آپ کو ان کی طہارت کا تیقن نہ تھا۔(۱)

امام مہلب کی توجیہ

امام مہلب رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں میں ظاہری تعارض کو ختم کرنے اور دونوں میں جمع کی یہ توجیہ بیان کی ہے:

"حمل البخاري أحاديث الباب التي لم يذكر فيها غسل اليدين قبل إدخالهما على حال تيقن نظافة اليد، وحديث هشام -يعني هذا- علىٰ ما إذا خشي أن يكون علق بها شيء".(۲)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے جن احادیث میں ادخال الید فی الاناء سے پہلے ہاتھوں کے دھونے کا تذکرہ نہیں فرمایا ان کو نظافت ید کی حالتِ یقین پر محمول کیا ہے اور حدیث ہشام یعنی حدیث باب کو نجاست وغیرہ کسی چیز کے لگنے کے خوف سے دھونے پر محمول کیا ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔(۳)

طرق حدیث پر بحث

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، جب کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے "كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة" میں مسدد اور سلیمان بن حرب دونوں کے طریق سے حماد بن زید سے مفصلاً نقل کیا ہے، امام ابوداود کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"حدثنا سليمان بن حرب الواشحي؛ ح: وحدثنا مسدد قال: أخبرنا

---

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۱۱

(۲) فتح الباري: ۲/۴۹۲، ۴۹۳

(۳) إرشاد الساري: ۱/۵۰۰

حماد عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اغتسل من الجنابة —قال سليمان— يبدأ فيفرغ بيمينه، وقال مسدد: غسل يديه، يصب الإناء على يده اليمنى، ثم اتفقا: فيغسل فرجه وقال مسدد: يفرغ على شماله —وربما كنت عن الفرج— ثم يتوضأ وضوءه للصلاة ثم يدخل يديه في الاناء فيخلل شعره، حتى إذا رأى أنه قدأصاب البشرة أوأنقى البشرة، أفرغ على رأسه ثلاثاً، فإذا فضل فضلة صبها عليه".(۱)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کرنے لگتے تو (بقول سلیمان) اپنے دائیں ہاتھ سے پانی ڈالتے، مسدد کہتے ہیں کہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتے، برتن (سے پانی) کو اپنے بائیں ہاتھ پر بہاتے، پھر سلیمان اور مسدد متفق ہو کر نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنی شرمگاہ دھوتے، مسدد کہتے ہیں کہ اپنے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے، شاید ان کی مراد یہ ہے کہ شرمگاہ دھونے کے لیے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز والے وضو کی طرح وضو فرمایا کرتے، پھر دونوں ہاتھ برتن میں داخل فرماتے اور اپنے بالوں کا خلال فرماتے، یہاں تک جب انہیں یقین ہو جاتا کہ جلد کو تر کرلیا ہے، یا جلد کو پاک کرلیا ہے، تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے، پھر اگر کچھ پانی بچ جاتا تو اسے سر پر بہا لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد کی طرح امام اسماعیلی نے بھی بہ طرق متعددہ حماد بن زید سے اس روایت کو نقل کیا ہے، جب کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بطریق ہشام دوسرے مختلف وجوہ سے اس طرح کی روایت باب تخلیل الشعر میں نقل کی ہے۔(۲)

حدیث باب (تیسری حدیث)

٢٦٠ : حدَّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ

(۱) كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ٢٤٢

(۲) فتح الباري: ٢/٤٩٢

عَائِشَةَ قَالَتْ : كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ .

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ : مِثْلَهُ . [ر : ۲۵۸]

ترجمہ: ہم سے بیان کیا ابوالولید نے، کہا ہم سے بیان کیا شعبہ نے، انہوں نے ابوبکر بن حفص سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں مل کر) ایک برتن سے غسل جنابت کرتے تھے۔

اور عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

تراجم رجال

حدثنا أبو الوليد

یہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی باہلی بصری رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے مختصر احوال کتاب الإیمان، باب علامة الإیمان حب الأنصار کے تحت اور تفصیلی حالات کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت لکھے گئے ہیں۔(۲)

حدثنا شعبة

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج بن ورد عتکی بصری رحمہ اللہ ہیں۔

---

(۱) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، رقم: ۲٤۸، وأيضاً في باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه، رقم: ۲۷۲، ومسلم في صحيحه، كتاب الحيض، باب صفة الغسل من الجنابة، رقم: ۳۱٦، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲٤۲، وأخرجه الترمذي في جامعه، أبواب الطهارة، باب ماجاء في الغسل من الجنابة، رقم: ۱۰٤، والنسائي في سننه، كتاب الطهارة، ذكر وضوء الجنب قبل الغسل، رقم: ۲٤۸، راجع تحفة الأشراف، مسند عائشة، رقم: ۱۷۱٦٤، وكذلك جامع الأصول، كيفية الغسل، رقم: ۵۳۱۹

(۲) كشف الباري: ۳۸/۲، ٤/۱۵۹-۱٦۱

ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔(۱)

عن أبي بكر بن حفص

یہ ابوبکر عبداللہ بن حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص قرشی، زہری، مدنی رحمہ اللہ ہیں۔(۲)

عروة عن عائشة

حضرت عروہ رحمہ اللہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال بھی پہلے گذر چکے ہیں۔(۳)

شرح حدیث

اکثر الفاظ حدیث کی شرح پہلے گذر چکی ہے۔

من جنابة

کشمیہنی کی روایت میں "من الجنابة" لفظ "الجنابة" الف لام کے ساتھ معرفہ وارد ہوا ہے،(۴) یہی امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ ہیں، جو انہوں نے افلح بن حمید کی سند سے روایت کیے ہیں۔(۵)

لفظ "مِنْ" سے متعلق بحث

اس حدیث میں لفظ "مِنْ" دو دفعہ آیا ہے، ایک "من إناء واحد" میں اور دوسرا "من جنابة" میں، پہلے والے کے لیے متعلق محذوف نکالیں گے، تقدیری عبارت یوں ہوگی: آخذين الماء من إناء واحد" یعنی

(۱) كشف الباري: ۱/ ۶۷۸

(۲) ان کے حالات، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ کی پہلی حدیث کے ذیل میں لکھے جا چکے ہیں۔

(۳) حضرت عروہ کے مختصر حالات بدء الوحی کی دوسری حدیث کے تحت، کشف الباري: ۱/۲۹۱، اور تفصیلی حالات کتاب الإیمان، باب أحب الدين إلى الله کے ذیل میں کشف الباري: ۲/۴۳۶ میں ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے احوال بدء الوحي کی دوسری حدیث کے تحت کشف الباري: ۱/۲۹۱-۲۹۵ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(٤) فتح الباري: ٢/ ٤٩٣، عمدة القاري: ٣/ ٣١١، إرشاد الساري: ١/ ٥٠٠

(٥) كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة وغسل أحدهما بفضل الآخر، رقم الحديث: ٧٣١

ایک برتن سے پانی لیتے ہوئے۔ یا پہلا ظرف مستقر ہو اور دوسرا لغو ہو، اور دونوں حروف جارہ کو ایک فعل یعنی "اغتسل" کے متعلق بھی کر سکتے ہیں، کیوں کہ جب دونوں مختلف معانی کے لیے آئیں تو پھر ایک ہی فعل کے متعلق کرنا جائز ہے، چناں چہ یہاں پہلا من محض ابتدا کے لیے ہے اور دوسرا بمعنی لام تعلیل کے ہے یعنی "لأجل الجنابة" کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے جنابت کا غسل کرتے تھے۔(۱)

عن عبدالرحمن بن القاسم عن أبيه عن عائشة مثله

یعنی عبدالرحمٰن بن قاسم نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

تراجم رجال

عن عبدالرحمن بن القاسم

یہ خانوادہ صدیقی کے چشم و چراغ مشہور فقیہ و محدث عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، قرشی، تیمی، بکری، مدنی رحمہ اللہ ہیں۔(۲)

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔(۳)

ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کی والدہ کا نام قریبہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق لکھا ہے،(۴) علامہ مزی رحمہ اللہ نے بھی ابن سعد اور مصعب بن عبداللہ زبیری کے حوالہ سے یہی نام نقل کیا ہے،(۵) جب کہ علامہ

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۵/۳، عمدة القاري: ۳۱۱/۳

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: تهذيب الكمال: ۳۴۷/۱۷، رقم الترجمة: ۳۹۳۱، التاريخ الكبير: ۳۳۹/۵، رقم: ۱۰۸۶، الجرح والتعديل: ۳۳۹/۵، رقم: ۱۳۲٤، كتاب الثقات: ٦۲/۷، تهذيب الأسماء واللغات: ۳۰۳/۱، سير أعلام النبلاء: ٥/٦، تذكرة الحفاظ: ۱۲٦/۱، الكاشف: ۱۷۲/۲، تهذيب التهذيب ۲٥٤/٦، رقم: ٥۰۱

(۳) تهذيب الكمال: ۳٤۸/۱۷، تهذيب التهذيب: ۲٥٤/٦، تذكرة الحفاظ: ۱۲٦/۱

(٤) كتاب الثقات: ٦۲/۷

(٥) تهذيب الكمال: ۳٤۹/۱۷

نووی رحمہ اللہ نے اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لکھا ہے،(۱) یہی قول علامہ مزی رحمہ اللہ نے خلیفہ بن خیاط اور حاکم ابواحمد سے نقل کیا ہے۔(۲)

شیوخ حدیث

آپ کے شیوخ حدیث میں آپ کے والد ماجد قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، محمد بن جعفر بن زبیر، نافع مولیٰ ابن عمر اور اسلم مولیٰ عمر بن خطاب رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۳)

آپ سے روایت کرنے والے محدثین

آپ سے حدیث نقل کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: اسامہ بن زید لیثی، ایوب سختیانی، علی بن مدینی کے دادا جعفر بن نجیح، حجاج بن حجاج، حمید الطویل، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، سماک بن حرب، شعبہ بن حجاج، عبداللہ بن عمر عمری، عبدالعزیز عبداللہ ماجشون، عمرو بن حارث مصری، لیث بن سعد، مالک بن انس، محمد بن عجلان، ابن شہاب زہری، منصور بن زاذان، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن عبداللہ بن الہاد رحمہم اللہ اجمعین۔(۴)

حالاتِ زندگی

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے۔(۵)

---

(۱) تهذيب الأسماء واللغات: ۱/ ۳۰۲

(۲) تهذيب الكمال ۱۷/: ۳۵۰

(۳) تهذيب الكمال: ۱۷/ ۳٤۸، تهذيب التهذيب: ٦/ ۲٥٤، سير أعلام النبلاء: ٦/ ٥، الجرح والتعديل: ٥/ ۳۳۹

(٤) تهذيب الكمال: ۱۷/ ۲٤۸، ۲٤۹، سير أعلام النبلاء: ٦/ ٥، تهذيب التهذيب: ٦/ ۲٥٤، تذكرة الحفاظ: ۱/ ۱۲٦

(٥) سير أعلام النبلاء: ٦/ ٥، تهذيب الكمال: ۱۷/ ۳٤۸، تهذيب التهذيب: ٦/ ۲٥٤

آپ رحمہ اللہ کا حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ساتھ ماموں کا رشتہ ہے۔(۱)

حضرت عبدالرحمٰن کا شمار اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سادات میں ہوا کرتا تھا، چناں چہ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، علم، دیانت، فضیلت اور حدیث کے حفظ واتقان میں اہل مدینہ کے سادات (سرداروں) میں سے تھے۔(۲)

مصعب بن زبیری کہتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے بہترین اہل ایمان میں سے تھے، اہلِ مشرق کے ہاں آپ کا بڑا مقام تھا۔(۳)

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ علی بن مدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے سنا ہے، یا یہ بات ان سے مجھ تک پہنچی ہے کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ سے کوئی حدیث نقل کی جو انہوں نے اپنے والد قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے سنی تھی، تو عروہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث میں نے ایسے شخص سے سنی ہے جو علم وتقویٰ سے بھرا ہوا ہے اور وہ ایسے شخص سے روایت کرتا ہے جو علم وتقویٰ سے بھرا ہوا ہے، یعنی عبدالرحمٰن سے جو اپنے والد قاسم سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

ابن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن قاسم نے اور وہ اپنے زمانہ کے سب سے افضل شخص تھے، یا یہ فرمایا کہ اس دن ان سے زیادہ فضیلت والا مدینہ میں کوئی اور نہ تھا۔(۵)

یا یہ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں عبدالرحمٰن بن قاسم سے زیادہ پسندیدہ کوئی اور نہ تھا۔(۶)

امام بخاری کا نرالا انداز روایت

امام بخاری رحمہ اللہ جب عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے تو عام معمول سے اسلوب

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ٦/٥، تذكرة الحفاظ: ١/١٢٦

(٢) كتاب الثقات: ٧/٦٢

(٣) تهذيب الكمال: ١٧/٣٥٠، تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٤

(٤) الجرح والتعديل: ٥/٣٤٠، تهذيب الكمال: ١٧/٣٥٠

(٥) تهذيب الكمال: ١٧/٣٥٠، تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٤

(٦) الجرح والتعديل: ٥/٣٤٠، تهذيب الأسماء واللغات: ١/٣٠٣

بدل کر یوں فرماتے:

"حدثنا عبدالرحمن بن القاسم، وكان أفضل أهل زمانه أنه سمع أباه، وكان أفضل أهل زمانه".(١)

ہارون بن موسیٰ فروی نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم مالک بن انس رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، جب کہ ان کے بیٹے یحییٰ آتے جاتے رہتے تھے مگر ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا کرتے تھے، امام مالک بن انس ہماری طرف متوجہ ہوکر ایسی گفتگو کرتے کہ گویا ان کے بیٹے کا کوئی مقام نہ ہو، پھر وہ فرماتے کہ علم اور مسند علم ایسی چیز ہے کہ یہ میراث میں کسی کو نہیں ملتی، کوئی بھی اپنے والد کے علمی مجلس کا خلف رشید نہیں بن سکا، سوائے عبدالرحمٰن بن قاسم کے۔(٢)

ائمہ جرح وتعدیل کے توثیقی اقوال

ابو طالب کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن "ثقہ" ہیں، میں نے پوچھا "ثقہ" ہیں؟ انہوں نے جواب میں دو دفعہ فرمایا: "ثقة، ثقة".(٣)

امام احمد بن عبداللہ عجلی رحمہ اللہ، امام ابوحاتم رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا: "ثقة".(٤)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی سے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے: "كان ورعاً، كثير الحديث".(٥)

ابن طہمان رحمہ اللہ نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ثقة لا يسأل عنه"، ابن شاہین رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ قول نقل کیا ہے۔(٦)

---

(١) كتاب الحج، باب الطيب بعد رمي الجمار والحلق قبل الإفاضة وتمامه، رقم:١٧٥٤ التاريخ الكبير: ٣٤٠/٥

(٢) تهذيب الكمال: ٣٥١/١٧

(٣) الجرح والتعديل: ٣٤٠/٥، تهذيب التهذيب: ٢٥٤/٦، تهذيب الكمال: ٣٥١/١٧

(٤) تهذيب الكمال: ٣٥١/١٧، الجرح والتعديل: ٣٤٠/٥، تهذيب التهذيب: ٢٥٤/٦

(٥) تهذيب التهذيب: ٢٥٥/٦

(٦) تعليقات تهذيب الكمال: ٣٥٢/١٧

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التهذیب" میں فرمایا: "ثقة جليل".(۱)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سير أعلام النبلاء" میں فرمایا: "كان إماماً، حجة، ورعاً، فقيه النفس، كبير الشأن"،(۲) اور "تذكرة الحفاظ" میں فرمایا: "الفقيه الحجة"، (۳) اور "الكاشف" میں فرمایا: الفقيه ابن الفقيه".(۴)

جلالت شان پر ائمہ کا اتفاق

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اتفقوا على جلالته وإمامته وفضيلته وصلاحه". یعنی تمام ائمہ عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ کی جلالت شان، امامت، فضیلت اور ان کی بزرگی پر متفق ہیں۔(۵)

وفات

عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ کے سنہ وفات اور مقام وفات کے بارے میں اختلاف ہے، سنہ وفات کے بارے میں دو قول ہیں:

۱- محمد بن سعد، ابوعبید قاسم بن سلّام، خلیفہ بن خیاط، ابن حبان، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ سے ۱۲٦ ہجری میں انتقال ہونا منقول ہے۔(٦)

علامہ مزی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی قول کو "اصح" قرار دیا ہے۔(۷)

۲- عمرو بن علی، ہیثم بن عدی، ابن نافع، اور ایک قول خلیفہ بن خیاط کا ۱۳۱ ہجری میں انتقال کا ہے۔(۸)

---

(١) تقريب التهذيب: ١/٥٨٧

(٢) سير أعلام النبلاء: ٦/٥

(٣) تذكرة الحفاظ: ١/١٢٦

(٤) الكاشف: ٢/١٧٦

(٥) تهذيب الأسماء واللغات: ١/٣٠٣

(٦) تهذيب الكمال: ١٧/٣٥١، الثقات: ٧/٦٢، سير أعلام النبلاء: ٦/٥، تذكرة الحفاظ: ١/١٢٦، تقريب التهذيب: ١/٥٨٧، تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٤، تهذيب الأسماء واللغات: ١/٣٠٣

(٧) تهذيب الكمال: ١٧/٣٥٢، تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٥

(٨) تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٥، تهذيب الكمال: ١٧/٣٥٠، تهذيب الأسماء واللغات: ١/٣٠٣

علامہ مزی رحمہ اللہ نے اس قول کو وہم قرار دیا ہے۔(۱)

عمرو بن علی سے مروی ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا انتقال بنو امیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کے عہد حکومت میں ہوا اور وہ چار سال دس ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۳۱ ہجری میں فوت ہوئے تھے، لیکن یہ قول بھی وہم جیسا کہ علامہ مزی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، مشہور معروف قول کے مطابق مروان بوصیر کے علاقہ میں پانچ سال دس ماہ دس دن حکومت کرنے کے بعد ذی الحجہ کے آخر میں ۱۳۱ ہجری میں قتل کردیے گئے تھے۔(۲)

مقام وفات

مقام وفات کے بارے میں چار اقوال مروی ہیں:

۱- علامہ نووی رحمہ اللہ نے ابن سعد سے مقام وفات ''بیت المقدس'' نقل کیا ہے۔(۳)

۲- علامہ مزی رحمہ اللہ نے خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ سے جائے انتقال ''مدینہ منورہ'' نقل کیا ہے۔(۴) اسی کو ابن حبان رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔(۵)

۳- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ واقدی کے حوالہ سے ابو الزناد سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ ولید بن یزید سے ملاقات کی غرض سے جاتے ہوئے دوران سفر شام کے علاقہ ''فدین'' میں فوت ہوئے۔(۶)

۴- علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ولید بن یزید نے آپ رحمہ اللہ کو شام طلب کرلیا تھا، تو ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف سفر کرتے ہوئے ''حوران'' کے مقام پر اجل نے انہیں آلیا۔(۷)

عن أبيه

یہ حضرت عبدالرحمٰن کے والد مشہور فقیہ ومحدث حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق تیمی مدنی

(۱) تهذيب الكمال: ۳۵۱/۱۷

(۲) تهذيب الكمال وتعليقاته: ۳۵۰/۱۷، ۳۵۱

(۳) تهذيب الأسماء واللغات: ۳۰۳/۱

(٤) تهذيب الكمال: ۳۵۱/۱۷

(٥) كتاب الثقات: ٦٢/٧

(٦) تهذيب التهذيب: ٢٥٥/٦

(٧) سير أعلام النبلاء: ٦/٥، ٦

رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کتاب الغسل، باب من بدأ بالحلاب أو الطیب عند الغسل کی پہلی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔(۱)

عن عبدالرحمن بن القاسم عن أبیه عن عائشة: مثله

مذکورہ عبارت تعلیق ہے یا مسند روایت؟

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف سے تعلیق ہے یا مسند و متصل روایت؟ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لفظ اگرچہ تعلیق کا احتمال رکھتا ہے، مگر یہ تعلیق نہیں، بلکہ یہ مسند و متصل روایت ہے، اس کا عطف (تیسری حدیث کی سند میں مذکور) ابوبکر بن حفص پر ہے، تو گویا ابوالولید نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے نقل کیا ہے۔(۲)

جمہور شراح حدیث کی رائے

شراح حدیث میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سند کو تعلیق سمجھنا وہم ہے، یہ تعلیق نہیں، بلکہ مسند و متصل روایت ہے، عن عبدالرحمٰن کا عطف عن أبي بکر بن حفص پر ہے، امام شعبہ رحمہ اللہ نے دو سندوں کے ساتھ اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، ایک سند میں ان کے شیخ ابوبکر بن حفص رحمہ اللہ ہیں اور دوسری سند میں ان کے شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم ہیں۔ ابونعیم رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابوالولید کے طریق سے دونوں سندوں کی موصولاً تخریج کرنے کے بعد فرمایا: "أخرجه (رواه) البخاری (في الصحیح) عن أبي الولید بالإسنادین جمیعاً". (۳) یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوالولید کے طریق سے ان دونوں سندوں کی تخریج فرمائی ہے۔

---

(۱) دیکھیے، ص: ۴۳۹

(۲) شرح الکرماني: ۳/ ۱۲۵

(۳) رواه البیهقي في السنن الکبری، کتاب الطهارة، باب في فضل الجنب: ۱/ ۲۸۹، رقم الحدیث: ۸۹۲، ولفظه: "وأخبرنا أبو عبد الله، نا أبوبکر أحمد بن إسحاق، أنا أبوالمثنیٰ، ثنا الولید، ثنا شعبة، عن عبد الرحمن بن القاسم عن أبیه عن عائشة: بمثله". رواه البخاري في الصحیح عن أبي الولید بالإسنادین جمیعاً. =

ابومسعود وغیرہ نے اطراف میں اسی طرح فرمایا ہے۔(۱)

مثله

مثله کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، مطلب یہ ہے کہ شعبہ کی ابوبکر بن حفص سے روایت کی طرح یہ روایت بھی ہے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے نقل کی ہے۔(۲)

امام اصیلی نے "بمثله" ابتدا میں باء موحدہ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے،(۳) امام بیہقی کی روایت میں بھی "مثله" کی جگہ "بمثله" آیا ہے۔(۴)

حدیث باب (چوتھی حدیث)

٢٦١ : حدّثنا أَبُو ٱلْوَلِيدِ قَالَ : حدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ عَبْدِ ٱللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مالِكٍ يَقُولُ : كَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ وَٱلْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ ، يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ . زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبٌ ، عَنْ شُعْبَةَ : مِنَ ٱلْجَنَابَةِ .

ترجمہ: ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے، انہوں نے عبداللہ بن عبداللہ بن جبر سے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی بیوی آپ کی بیویوں میں سے دونوں مل کر ایک برتن سے غسل کرتے تھے۔ مسلم بن ابراہیم اور وہب بن جریر نے شعبہ سے روایت میں "من الجنابة" کا اضافہ نقل کیا ہے۔

تخریج حدیث

علامہ ابن ملقّن رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام

= فتح الباري: ٤٩٣/٢، عمدة القاري: ٣١١/٣، إرشاد الساري: ٥٠٠/١

(١) التوضيح: ٥٧٦/٤، فتح الباري: ٤٩٣/٢، عمدة القاري: ٣١١/٣

(٢) عمدة القاري: ٣١١/٣، إرشاد الساري: ٥٠٠/١

(٣) عمدة القاري: ٣١١/٣، إرشاد الساري: ٥٠٠/١

(٤) وقد مرّ تخريجه آنفاً.

بخاری رحمہ اللہ کے ''افراد'' میں سے ہے،(۱) امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔(۲)

تراجم رواۃ

أبو الوليد، شعبة

ان دونوں حضرات کے احوال پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔(۳)

عبدالله بن عبدالله بن جَبْر

یہ صحیح بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی کے راوی عبداللہ بن عبداللہ بن جَبْر یا جابر رحمہ اللہ ہیں۔(۴)

أنس بن مالك

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص اور مشہور صحابی حضرت انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر خزرجی، انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

مسلم

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ مسلم بن ابراہیم القصاب، ازدی، فراہیدی، بصری ہیں، شحام کے نام

(۱) التوضيح لشرح الجامع الصحيح: ٤/٥٧٧، عمدة القاري: ٣/٣١٢، إرشاد الساري: ١/٥٠١

(۲) التوضيح: ٤/٥٧٧

(۳) ابوالولید کے حالات كشف الباري: ٢/٣٨، كتاب الإيمان، باب علامة الإيمان حب الأنصار کے ذیل میں اور كشف الباري: ٤/١٥٩-١٦١، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم کے تحت ملاحظہ فرمالیں۔ امام شعبہ رحمہ اللہ کے حالات كشف الباري: ١/٦٨٧، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۴) ان کے مختصر حالات كشف الباري: ٢/٣٩، كتاب الإيمان، باب: علامه الإيمان حب الأنصار کی پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

(۵) آپ رضي الله عنہ کے حالات كشف الباري: ٢/٤، ٥، كتاب الإيمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه کی پہلی حدیث کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔

سے بھی معروف ہیں۔(۱)

وهب

یہ وہب بن جریر بن حازم بن زید بن عبداللہ ابن شجاع ازدی بصری رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ابو العباس ہے۔(۲)

شرح حدیث

كان النبي صلى الله عليه وسلم والمرأة من نسائه يغتسلان من إناء واحد

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں میں سے کوئی بیوی دونوں مل کر ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

"والمرأة" کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مرفوع پڑھنے کی صورت میں ماقبل لفظ "النبي" پر عطف ہوگا اور منصوب پڑھنے کی صورت میں مفعول معہ بنے گا۔(۳)

"المرأة" میں لام برائے جنس ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کو شامل ہوگا۔(۴)

زاد مسلم ووهب بن جرير عن شعبة: من الجنابة

مسلم بن ابراہیم اور وہب بن جریر نے امام شعبہ سے "من الجنابة" کا اضافہ نقل فرمایا ہے۔

حدیث باب کی تعلیق

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی

---

(۱) ان کے حالات کشف الباري: ۲/۴۵۵، ۴۵۶، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه کی پہلی روایت کے تحت ذکر ہو چکے ہیں۔

(۲) تهذيب الكمال: ۳۱/۱۲۱، ان کے احوال كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين القبل والدبر وقول الله تعالىٰ: ﴿أو جاء أحد منكم من الغائط﴾ کی پانچویں حدیث کے تحت گزر چکے ہیں۔

(۳) فتح الباري: ۲/۴۹۳، إرشاد الساري: ۱/۵۰۱

(۴) إرشاد الساري: ۱/۵۰۱، فتح الباري: ۲/۴۹۳

طرف سے حدیث باب کی تعلیق ہے، اس لیے کہ وہب بن جریر رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت امام بخاری رحمہ اللہ کی عمر بارہ سال تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت ان سے سنی ہو، وہب بن جریر کو مسلم بن ابراہیم کے ساتھ ملا کر لانا اس کی تائید کرتا ہے، اس صورت میں امام شعبہ کے شیخ سندِ سابق میں مذکور عبداللہ بن عبداللہ بن جبر رحمہ اللہ ہوں گے۔(۱) اسی کو علامہ عینی نے بھی ذکر کیا ہے۔(۲)

وھب

اصیلی اور ابوالوقت کی روایت میں وہب کے بعد ابن جریر بن حازم کا اضافہ ہے ابونعیم وغیرہ نے اسی کا جزم کیا ہے، جب کہ ابوذر کی روایت میں وہب کی جگہ وہیب تصغیر کے ساتھ آیا ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوذر رحمہ اللہ کی روایت میں جو "وھیب" آیا ہے میرے خیال میں وہ وہم ہے، اس لیے کہ تتبع کثیر کے بعد اس حدیث کا وہب بن جریر سے ہونا پایا گیا ہے، (تلاش کے باوجود) ہم نے اسے وہیب بن خالد سے نہیں پایا، اس کے علاوہ وہب بن جریر امام شعبہ سے روایت کرنے والوں میں سے ہے، جب کہ وہیب ان کے "اقران" (ہم عصروں) میں سے ہے۔(۴)

علامہ عینی کی توجیہ اور حافظ صاحب پر نقد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے "وہیب" کو کاتب کی غلطی قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض لوگوں نے وہب کی جگہ وہیب کو وہم قرار دیا اور اس کے اثبات میں یہ دلیل دی کہ وہب شعبہ سے روایت کرتے ہیں اور وہیب ان کے اقران میں سے ہے، حالاں کہ کسی کے اقران میں سے ہونا اس سے روایت میں مانع نہیں، یہ الگ بات ہے کہ یہاں روایت وہب کی ہے وہیب کی نہیں)۔(۵)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۵/۳، إرشاد الساري: ۵۰۱/۱

(۲) عمدة القاري: ۳۱۲/۳

(۳) فتح الباري: ۴۹۳/۲، عمدة القاري: ۳۱۲/۳، إرشاد الساري: ۵۰۱/۱

(٤) فتح الباري: ۴۹۳/۲، ٤٩٤

(٥) عمدة القاري: ۳۱۲/۳

علامہ ابن ملقّن رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابومسعود اور خلف نے اطراف میں مسلم بن ابراہیم کو سند سے ساقط کر کے صرف وہب پر اقتصار کیا ہے یعنی یہ روایت صرف وہب سے نقل کی ہے۔(۱)

غرض تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس تعلیق سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جس طرح ابوالولید نے امام شعبہ سے اس سند کے ساتھ مذکورہ روایت کو نقل کیا ہے، اسی طرح مسلم بن ابراہیم اور وہب بن جریر نے بھی امام شعبہ سے اسی سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں "من الجنابة" کے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے۔(۲)

محدث اسماعیلی کی روایت میں "من الجنابة" کا اضافہ نہیں

محدث اسماعیلی نے وہب بن جریر کی روایت کی تخریج کی ہے، لیکن اس میں "من الجنابة" کا اضافہ نہیں، ان کی سند یہ ہے: "قال: أخبرني ابن ناجية، حدثنا زيد بن أحزم، حدثنا وهب بن جرير، حدثنا شعبة". (۳) امام اسماعیلی نے ابن مہدی اور بہز کے طریق سے بھی اس روایت کی "من الجنابة" کے اضافہ کے بغیر تخریج فرمائی ہے۔(۴)

احادیث باب کی ترجمہ سے مناسبت

اس حوالہ سے کچھ گفتگو باب کی حدیث اول وثانی کے تحت گزر چکی ہیں، اب یہاں مزید کچھ بحث پیش خدمت ہے۔

ایک اعتراض

اگر کوئی یہ کہے سوائے حدیث ہشام کے باقی احادیثِ باب میں برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے غسل ید کا کوئی ذکر نہیں؟

---

(١) التوضيح: ٤/٥٧٧

(٢) فتح الباري: ٢/٤٩٤، عمدة القاري: ٣/٣١٢

(٣) التوضيح: ٤/٥٧٧، عمدة القاري: ٣/٣١٢، فتح الباري: ٢/٤٩٤

(٤) التوضيح: ٤/٥٧٧، عمدة القاري: ٣/٣١٢

ابن بطال رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حدیث ہشام اور ترجمۃ الباب میں مناسبت موجود ہے کہ اس سے ترجمۃ الباب کے معنی کی وضاحت بھی ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ہشام جس میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل غسل الأیدی کا ذکر ہے اس کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ جب ہاتھ پر منی نجاست کے لگنے کا خوف ہو اور دیگر روایات جن میں غسل ید مذکور نہیں ان کو ہاتھوں کی یقینی طہارت کی حالت پر محمول کیا ہے۔(۱)

امام مہلب رحمہ اللہ کی توجیہ

ابن بطال رحمہ اللہ نے امام مہلب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا: هل يدخل الجنب يده في الإناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يديه قذر غير الجنابة، اس سے مراد اس جنبی کا ہاتھ ہے جو منی وغیرہ تمام نجاسات سے پاک ہو تو پھر اس جنبی کے لیے اپنا ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں داخل کرنا جائز ہے، اس لیے محض جنابت حکمی کی وجہ سے آدمی کا کوئی عضو بھی نجس نہیں ہوتا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن نجس نہیں ہوتا ہے''۔(۲)

اسی توجیہ کو علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور ابن ملقّن رحمہ اللہ نے ابن بطال رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔(۳)

ابن مُنَیِّر اسکندرانی کی توجیہ

علامہ ناصر الدین احمد بن محمد المعروف ابن المُنَیِّر اسکندرانی رحمہ اللہ نے شارح بخاری ابن بطال رحمہ اللہ کی توجیہ کو بعید قرار دیا اور احادیث وترجمۃ الباب میں مناسبت کے حوالہ سے فرمایا کہ ہاتھ کا دھونا یا حدث حکمی کی وجہ سے ہوگا یا حدث عینی کی وجہ سے، اور ترجمہ میں یہ مان لیا گیا ہے کہ یہاں گفتگو اس شخص کے بارے میں ہو رہی جس کے ہاتھ پر کسی طرح کا قذر ونجاست حقیقی نہ لگی ہوئی ہو، تو اب یہ احتمال باقی رہا کہ غسل کرنے والے

(۱) شرح ابن بطال: ۱/۳۸۸

(۲) شرح ابن بطال: ۱/۳۸۸، وقد مرّ تخریج الحدیث.

(۳) شرح الکرماني: ۳/۱۲۶، التوضیح: ۴/۵۷۷

کے ہاتھ پر نجاست حکمی ہو جو برتن میں دخول ید سے مانع ہو، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ نجاست حکمی مانع نہیں، اس لیے کہ اگر نجاست حکمی کا اثر پانی میں ظاہر ہوتا تو پھر جنبی کے لیے تکمیل غسل سے قبل برتن میں ہاتھ ڈالنا جائز نہ ہوتا، لیکن اثنائے غسل دخول ید جائز ہے، تو یہ معلوم ہوا کہ پانی میں ہاتھ لگانے سے جنابت یعنی نجاست حکمی کا اثر اس میں ظاہر نہیں ہوتا، لہٰذا ابتدائے غسل میں بھی ہاتھ برتن میں ڈالنے سے کوئی مانع نہیں، جیسا کہ دوران غسل ایسا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جنبی کے بدن سے پانی کی جو چھینٹیں ٹپکتی ہیں وہ پاک ہیں، ان کا غسل والے برتن میں گرنے سے غسل کے پانی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا یعنی وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔(۱)

ابن ملقّن رحمہ اللہ کی توجیہات

ابن ملقّن رحمہ اللہ نے پانچ توجیہات ذکر کی ہیں:

پہلی اور دوسری توجیہ

ایک ابن بطال رحمہ اللہ کی اور دوسری ابن المنیّر کی، وہ دونوں گزر چکی ہیں۔

تیسری توجیہ

ابن ملقّن رحمہ اللہ نے تیسری توجیہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث ثانی اور ترجمہ میں مناسبت ظاہر ہے، باقی رہی بات حدیث اول کی تو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہاتھ دھولیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "تختلف أيدينا فيه" کی جگہ "تختلف أيدينا منه" فرماتیں، یا یہ کہ انہوں کبھی "تختلف أيدينا فيه" فرمایا ہو اور کبھی "منه" فرمایا ہو اور باقی احادیث بھی اسی پر محمول ہیں۔(۲)

چوتھی توجیہ

چوتھی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ نے اکثر احادیث وہ ذکر فرمائی ہیں جن میں غسل ید مذکور نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ بغیر دھوئے بھی برتن میں ہاتھ ڈالنا غسل جنابت

---

(۱) المتواري على تراجم أبواب البخاري، ص: ٧٦

(۲) التوضيح: ٥٧٨/٤

میں جائز ہے، اس لیے کہ اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو پھر تمام احادیث میں دھونے کو ذکر کر دیتے۔(۱)

پانچویں توجیہ

پانچویں توجیہ یہ ذکر کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق بعض طرق میں غسل ید کو ذکر فرمایا اور باقی میں معنی مقصودی مستنبط ہونے والے لفظ کو ترک کر دیا، تاکہ قاری دیگر طرق حدیث کے ذریعہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مقصود کا استخراج کر سکے، چناں چہ امام مسلم نے رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل شروع فرماتے تو اپنے دائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولیا کرتے تھے، اس روایت کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "کنت أغتسل أنا وھو من إناء واحد" تو اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں غسل ید مذکور نہیں وہاں بھی ہاتھوں کا دھونا مراد ہے، جیسا کہ دیگر طرق حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔(۲)

۱۰ – باب : تَفْرِيقِ ٱلْغُسْلِ وَٱلْوُضُوءِ .

غسل اور وضو کے درمیان فصل کرنا

کشف الباری کے متن کے لیے منتخب نسخہ (۳) مصری نسخہ، شرح الکرمانی، فتح الباری، عمدۃ القاری، فتح الباري لابن رجب حنبلی، ارشاد الساری، الکوثر الجاری اور التوشیح میں "باب: تفریق الغسل والوضوء" کو مقدم کیا گیا ہے اور اس سے اگلا باب "باب من أفرغ بیمینه علی شماله" کو مؤخر کیا گیا ہے، جب کہ ہندوستانی نسخہ، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت، شرح ابن بطال، التوضیح اور تحفۃ الباری میں اس کے برعکس باب من أفرغ بیمینه علیٰ شماله کو مقدم اور مذکورہ باب کو مؤخر کیا گیا ہے، یہاں ترتیب میں کشف الباری کے متن والے نسخے کی رعایت رکھی گئی ہے۔

---

(۱) التوضیح لابن الملقن: ٤/٥٧٩

(۲) التوضیح: ٤/٥٧٩

(۳) یہ نسخہ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغاء صاحب کی تحقیق وتخریج کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں ابواب میں مناسبت اس حیثیت سے ہے کہ دونوں ایک فعل جائز کے بیان پر مشتمل ہیں، اس سے ماقبل باب (هل يدخل الجنب يده في الإناء قبل أن يغسل إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة) میں ہاتھ جب پاک ہوتو دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ڈالنے کے جواز کو بیان کیا گیا تھا، جب کہ اس باب میں غسل اور وضو میں تفریق کے جواز کو بیان کیا جا رہا ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی رائے

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس ترجمہ سے وجوب موالات فی الوضوء والغسل پر رد کرنا ہے، تمام شراح حدیث کا کلام اسی پر مبنی ہے۔(۲) یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس ترجمہ سے یہ ثابت کرنا ہے وضو اور غسل میں پے در پے دھونا واجب نہیں، بلکہ پہلے دھوئے ہوئے اعضا کے خشک ہونے کے بعد بھی باقی اعضا کو دھولیا جائے اور تر کرلیا جائے تو وہ وضو اور غسل صحیح ہوگا، اس تفریق سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس ترجمہ کی غرض میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ عدم وجوب موالات کو بیان کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ غسل میں وضو کے داخل نہ ہونے کو بیان کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کو دونوں حدث لاحق ہوں تو اسے طہارت کے لیے صرف غسل کافی نہ ہوگا۔(۳)

ان دونوں احتمالات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے پہلے احتمال کو ظاہر قرار دیا ہے۔(۴)

یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے کہ وضو اور غسل میں موالات واجب ہے یا نہیں؟ مسئلہ غسل کو تو امام بخاری

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۱۳

(۲) الكنز المتواري: ۳/۲۰۷، الأبواب والتراجم، ص: ۶۱، حاشية اللامع: ۲/۲۲۱

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۲۷

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۲۷

رحمہ اللہ نے اصالتاً ذکر کیا ہے اور وضو کو تبعاً ذکر کیا ہے۔

موالات فی الوضوء

چناں چہ وضو میں موالات ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ،(۱) امام شافعی رحمہ اللہ قول جدید کے مطابق (۲) اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ (۳) اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو میں موالات واجب نہیں، سنت ہے۔(۴)

امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ اپنے مشہور قول کے مطابق جو ان سے متعدد اشخاص نے نقل کیا ہے، موالات کے وجوب کے قائل ہیں۔(۵)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی وجوب موالات کا ہے۔(٦) یہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔(۷)

موالات کی وضاحت

عام حالات میں جب مزاج وموسم معتدل ہوں تو ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کا دھونا موالات کہلاتا ہے، چناں چہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إن كان ترك ذلك ناسياً بنىٰ على وضوءه، وإن تطاول ذلك، قال: وإن كان ترك ذلك عامداً استأنف الوضوء“.

اگر کوئی عمداً موالات کو ترک کردے گا تو اس کے ذمہ وضو کا استیناف واعادہ واجب ہے، اگر عمداً ترک

---

(۱) ردالمحتار مع الدر المختار: ۱/ ۹۰، بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۱، البحر الرائق: ۱/ ۵۵

(۲) المجموع شرح المهذب: ۱/ ۴۵۳، الشرح الكبير: ۱/ ۱۳۱، السراج الوهاج، ص: ۱۹

(۳) حاشية الدسوقي: ۱/ ۱۵٤

(٤) الإنصاف: ۱/ ۱۳۹

(٥) المدونة الكبرىٰ: ۱/ ۱۵، حاشية الدسوقي: ۱/ ۱۵۱، المغني لابن قدامة: ۱/ ۹۲، الإنصاف: ۱/ ۱۳۹

(٦) المجموع: ۱/ ٤٥٣، السراج الوهاج، ص: ۱۹

(۷) الأوسط لابن منذر: ۱/ ٤۲۰

نہیں کیا، بلکہ بھول گیا تو استیناف واعادہ واجب نہیں، صرف متروکہ عضو کو دھوئے گا، اگرچہ اس میں زیادہ مدت گذری ہو، یہی قول لیث بن سعد کا بھی ہے۔(۱)

امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر فصل یسیر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر فصل کثیر ہو تو پھر اس صورت میں اعادہ واجب ہوگا۔(۲)

فصل یسیر اور کثیر کا حکم

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شیخ ابوحامد اور محاملی نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ اعضائے وضو کو دھونے میں تفریق یسیر مضر نہیں۔(۳)

تفریق کثیر کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں، ان میں صحیح قول جس پر تمام اصحاب شوافع کا اتفاق ہے کہ تفریق کثیر بھی مضر نہیں، اسی پر امام شافعی رحمہ اللہ نے قول جدید میں نص فرمائی ہے۔(۴) یہی قول سیدنا عمر، ابن عمر رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، نخعی، سفیان ثوری، ابن المنذر رحمہم اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے۔(۵)

فصل یسیر اور فصل کثیر کیا چیز ہے؟

حنفیہ، حنابلہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول صحیح اور مشہور کا حاصل یہ ہے کہ زمان ومکان اور متوضی کے مزاج میں اعتدال کے باوجود اگر خود خشک ہوجائے تو یہ فصل طویل وکثیر ہے اور اگر خود خشک نہیں ہوتا تو یہ فصل یسیر ہے۔(٦)

---

(۱) المدونة الکبری: ۱/۱۵، حاشیة الدسوقي: ۱/۱۵۱، الأوسط: ۱/۴۲۰

(۲) حاشیة الدسوقي: ۱/۱۵۱

(۳) المجموع شرح المهذب: ۱/۴۵۲

(٤) المجموع: ۱/۴۵۲

(٥) المجموع: ۱/٤٥٤

(٦) ردالمحتار مع الدر المختار: ۱/۹۰، البحر الرائق: ۱/۵۵، بدائع الصنائع: ۱/۲۱۱، المغني: ۱/۹٤، الإنصاف: ۱/۱٤۰، المجموع: ۱/٤٥٣

اگر وضو کرنے والے کے مزاج کی گرمی یا سردی اور غیر معتدل موسم میں خشک ہوا چلنے کی وجہ سے کوئی عضو خشک ہوگیا تو اس کا اعتبار نہیں۔(۱)

بعض حضرات شافعیہ کہتے ہیں کہ تفریق کثیر سے مراد طویل متفاحش ہے۔(۲)

شوافع کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یسیر و کثیر کا دارومدار عرف وعادت پر ہے،(۳) اسی طرح کا قول ابن عقیل نے حنابلہ سے بھی نقل کیا ہے۔(۴)

علامہ رافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اگر اتنا وقت گذر جائے جس میں دوبارہ پوری طہارت حاصل کی جاسکتی ہو یہ فصل طویل ہے، ورنہ یسیر و قلیل ہے۔(۵)

مدت تفریق کا اعتبار افعالِ وضو میں سے آخری فعل سے کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی نے چہرہ اور ہاتھ دھولئے پھر فصل واقع ہوگئی اور ہاتھوں کے خشک ہونے سے قبل سر کا مسح کرلیا تو یہ فصل مضر نہیں، اگرچہ چہرہ خشک ہوچکا ہو، اگر اعضا کو تین دفعہ دھویا تو آخری دفعہ دھونے کا اعتبار ہوگا۔(۶)

قائلین وجوب کے دلائل

پہلی دلیل

قائلین وجوبِ موالات فی الوضوء کی ایک دلیل یہ ہے کہ ﴿فاغسلوا وجوهكم وأيديكم﴾ (۷) میں اللہ تعالیٰ کا مطلق وضو کا حکم تعجیل اور پے در پے وضو کا تقاضا کرتا ہے، یہی امر تاجیل

(۱) المجموع: ۱/۴۵۳، الشرح الكبير: ۱/۱۳۲

(۲) المجموع: ۱/۴۵۳

(۳) المجموع شرح المهذب: ۱/۴۵۳

(۴) المغني لابن قدامة: ۱/۹۴، الإنصاف: ۱/۱۴۰

(۵) الشرح الكبير: ۱/۱۳۲، المجموع: ۱/۴۵۳

(۶) الشرح الكبير: ۱/۱۳۲

(۷) المائدہ: ۶

وتفریق کے لیے مانع ہے۔(۱)

دوسری دلیل

دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے وضو کیا، پھر ارشاد فرمایا: هذا وضوء لا يقبل الله الصلاة إلا به". (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح پے در پے وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتے۔(۳)

تیسری دلیل

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کر کے آیا، اس حال میں کہ اس نے پاؤں میں ناخن کے برابر جگہ نہیں دھوئی ہوئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: "ارجع فأحسن وضوءك". (۴) جاؤ اور وضو اچھی طرح سے کرو۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب کہ اس کے پاؤں کا کچھ حصہ بقدر درہم خشک رہ گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو وضو اور نماز دونوں کے اعادہ کا حکم فرمایا۔(۵)

---

(۱) الحاوي الكبير: ۱/۱٦٥

(۲) الحديث رواه ابن ماجه في سننه، كتاب الطهارة، باب الوضوء ثلاثا ثلاثاً، رقم: ٤١٩، والبيهقي في سننه، كتاب الطهارة، باب فضل التكرار في الوضوء، رقم: ۳۷۹، ۳۸۰

(۳) الحاوي الكبير: ۱/۱٦٥

(٤) رواه مسلم في صحيحه في كتاب الطهارة، باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة، رقم: ۲٤۳، وأبوداؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، رقم: ۱۷۳، وقال أبوداؤد: "هذا الحديث ليس بمعروف عن جرير بن حازم ولم يروه إلا ابن وهب وحده وقد روي عن معقل بن عبيد الله الجزري عن أبي الزبير عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه قال: "ارجع فأحسن وضوءك". انظر جامع الأصول، رقم: ٥١٥٥، ٥١٥٦

(٥) الحديث رواه أبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، رقم: ۱۷٤، راجع جامع الأصول، رقم: ٥١٥٧

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر

اسی طرح کا ایک اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

چناں چہ ابوسفیان نے جابر سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"رأى عمر بن الخطاب رضي الله عنه رجلاً يتوضأ، فبقي في رجله لمعة، فقال: أعد الوضوء".(۱)

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ وضو کر رہا تھا، (پھر جب اس نے وضو کرلیا) تو اس کے پاؤں کا کچھ حصہ خشک رہ گیا کہ وہاں وضو کا پانی نہیں پہنچا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے فرمایا کہ وضو کا اعادہ کرو، یعنی نئے سرے سے دوبارہ وضو کرو۔

قائلین عدم وجوب کے دلائل

پہلی دلیل

قائلین عدم وجوب موالات کی ایک دلیل تو وہی سورہ مائدہ کی آیت ﴿فاغسلوا وجوهم وأيديكم﴾ (۲) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں (مطلقاً) اعضائے وضو کے دھونے کا حکم دیا ہے، پس جس نے ان اعضا کو دھولیا اس نے مامور بہ پر عمل کرلیا، چاہے دھونے میں تفریق کرے، یا پے در پے دھوئے۔(۳)

دوسری دلیل

دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے پاؤں وضو کے خشک ہونے کے بعد دھوئے۔

---

(۱) الأثر أخرجه البيهقي في السنن الكبرىٰ في كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء: ۱۳۶/۱، رقم الحديث: ۳۹۵

(۲) المائدة: ٦

(۳) الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ۴۲۱/۱

تیسری دلیل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کا اثر ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے:

"أن عبد اللّٰه بن عمر بال في السوق، ثمّ توضأ، فغسل وجهه، ويديه، ومسح رأسه، ثمّ دُعِيَ لجنازة ليُصلّي عليها حين دخل المسجد؛ فمسح علىٰ خُفه، ثمّ صلّى عليها".(١)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں (قضائے حاجت کے لیے بنی ہوئی کسی جگہ) پیشاب کیا، انہوں نے وضو کیا جس میں چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر پر مسح کیا، پھر انہیں ایک جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہما مسجد میں تشریف لائے اور موزوں پر مسح فرمایا اور جنازہ پڑھایا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی اثر نقل کیا ہے اور اس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موزوں پر مسح کرنا وضو کے خشک ہوجانے کے بعد تھا چناں چہ امام بیہقی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فمسح علىٰ خفيه بعد ما جف وضوء ه، وصلى".(٢)

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وضو خشک ہوجانے کے بعد موزوں پر مسح فرمایا اور نماز پڑھائی۔

روایت نقل کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا کہ "هذا صحيح عن ابن عمر و مشهور عن قتيبة بهذا اللفظ".(٣)

امام نووی کا اس دلیل کو حسن قرار دینا

امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "هذا دليل حسن". اس لیے کہ

---

(١) أخرجه الإمام مالك في المؤطأ، كتاب الطهارة، باب ماجاء في المسح على الخفين: ١/٣٦، ٣٧، رقم الحديث: ٤٣، والإمام الشافعي في الأم، كتاب الطهارة، باب تقديم الوضوء ومتابعته، رقم: ٤٢٣

(٢) السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، رقم: ٣٩٧

(٣) السنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، رقم الحديث: ٣٩٧

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ عمل جنازہ کے لیے آنے والوں کے سامنے کیا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔(۱)

دلیلِ عقلی

امام طحاوی رحمہ اللہ نے موالات کے عدم وجوب پر عقلی دلیل دیتے ہوئے فرمایا:

"جفاف الوضوء ليس بحدث فلا ينقضه، كما أن جفاف سائر الأعضاء لايبطل الطهارة".(۲)

وضو خشک ہوجانا یہ حدث نہیں کہ اس سے وضو ٹوٹ جائے، جیسا کہ تمام اعضائے وضو کا خشک ہوجانا طہارت کو باطل نہیں کرتا۔

قائلین وجوب کے دلائل کا جواب

قائلین وجوب کے دلائل کا جواب، تو پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب تفریق وفصل فی الوضوء اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فاغسلوا وجوهكم﴾ میں دیئے گئے امر کے امتثال سے مانع نہیں تو یہ ضروری ہے کہ پھر یہ آیت عدم موالات کے لیے بھی مانع نہ ہو۔(۳)

دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل: "هذا وضوء لا يقبل الله الصلاة إلا به" کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت أبي بن کعب اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے، امام ابوبکر حازمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ایک سے زائد صحابہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اور وہ سب طرق ضعیف ہیں...... خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل احتجاج واستدلال نہیں۔(۴)

---

(۱) المجموع: ۱/۴۵۵، الحاوي الكبير: ۱/۱۶۵، البحر الرائق: ۱/۵۵

(۲) مختصر اختلاف العلماء: ۱/۱۵۳، عمدة القاري: ۳/۳۱۳، فتح الباري: ۲/۴۹۴،

(۳) الحاوي الكبير: ۱/۱۶۵

(۴) المجموع شرح المهذب: ۱/۴۳۰، ۴۵۵

حدیث کے طرق پر تفصیلی کلام کے لئے دیکھئے، تلخيص الحبير، كتاب الطهارة: ۱/۲۶۶-۲۶۸، رقم: ۸۱، وانظر: السعاية: ۱/۱۵۹

مواظبت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موالات پر مواظبت اختیار کرنا وجوب کو ثابت نہیں کرتا، اس لیے کہ بسا اوقات مواظبت بیان سنت کے لیے ہوتی ہے۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ "فأحسن وضوء ك" سے وجوب موالات پر استدلال درست نہیں، کیوں کہ اس میں استیناف کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اتمام واحسان کا حکم ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس سے اعادہ مراد ہے تو پھر بھی اتمام اور احسان تو اس خشک عضو کے دھونے سے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے وجوب اعادہ پر کوئی دلالت نہیں ہوتی، البتہ اعضائے وضو کے دھونے میں تفریق کا جواز اور عدم وجوب موالات اس سے ثابت ہوتے ہیں(۲) مزید برآں خود امام ابوداؤد کا "باب فی تفریق الوضوء" قائم کر کے اس کے ذیل میں سے یہ حدیث لانا جواز تفریق اور عدم موالات کے بارے میں زیادہ صریح ہے۔(۳) لہٰذا اس حدیث میں امر برائے وجوب نہیں، بلکہ یہ امر استحبابی ہے، اسی طرح امام ابوداؤد کی خالد بن معدان کی روایت کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ضعیف الاسناد ہے،(۴) جب کہ امام بیہقی رحمہ اللہ اور ابن قطان رحمہ اللہ نے اسے مرسل قرار دیا ہے۔(۵)

بعض حضرات نے اس روایت کو مرسل قرار دینے پر رد بھی کیا ہے،(۶) لیکن علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق، امام بیہقی رحمہ اللہ اور ابن قطان رحمہ اللہ کا خالد بن معدان کی روایت کو مرسل قرار دینا درست ہے، کیوں کہ خالد بن معدان بعض صحابہ کرام سے عنعنہ کے ساتھ

---

(۱) المبسوط: ۱/۱۷۱

(۲) بذل المجهود: ۲/۲۶

(۳) بذل المجهود: ۲/۲۶

(٤) المجموع شرح المهذب: ۱/٤٥٥

(٥) السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء، رقم: ۳۹۲ (۱/۱۳٥)

(٦) دیکھیے، تلخيص الحبير: ۱/۲۹۱، ۲۹۲

روایت کررہے ہیں اوران سے لقاء بھی ثابت نہیں، لہذا یقینی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ خالد کی ان بعض صحابہ سے بالمشافہہ روایت ہے، اس احتمال کی وجہ سے اسے موصول نہیں قرار دے سکتے، البتہ اگر "حدثني رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم" کہتے تو پھر حدیث موصول ہوتی، البتہ امام مسلم اور جمہور کے نزدیک یہ روایت متصل ہے۔(۱)

خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں (۲)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت خبر واحد ہے، اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً غسل ومسح کا حکم دیا ہے اورانہیں تفریق کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، اس کے علاوہ اعادہ کے حکم میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ اکمال کے لیے ہو، جیسا کہ بعض روایات میں غیبت کرنے والوں کو اعادہ وضو ونماز کا حکم دیا گیا ہے۔(۳)

اس حدیث کو ضعف کے باوجود استحباب پر محمول کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو استحباب پر محمول کیا ہے، (سیأتي) یا اس کی یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ اعادہ کا حکم کسی ناقض وضو کے پائے جانے کی وجہ سے تھا نہ کہ صرف خشک جگہ کی وجہ سے۔(۴)

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارجع فأتمم وضوء ك، ففعل". (۵) یعنی جاؤ اوراپنے وضو کو مکمل کرآؤ، تو اس نے ایسا کرلیا۔

---

(۱) بذل المجهود: ۲/۳۲

(۲) قال الإمام نظام الدين الشاشي رحمه الله: "وحكم الخاص من الكتاب وجوب العمل به لا محالة، فإن قابله خبر الواحد، أو القياس، فإن أمكن الجمع بينهما بدون تغيير في حكم الخاص، يعمل بهما، وإلا يعمل بالكتاب ويترك ما يقابله". (فصل في الخاص والعام، ص: ۱۱، وراجع للتفصيل والمزيد: مبادي علم الحديث وأصوله لمحقق العصر المحدث الشيخ شبير أحمد العثماني مع تعليقات الشيخ عبد الفتاح أبو غدة، ص: ۱۶۱-۱۹۴)

(۳) السعاية: ۱/۱۶۱

(٤) بذل المجهود: ۲/۳۲

(٥) سنن الدارقطني مع التعليق المغني، كتاب الطهارة، باب في فضل الوضوء واستعياب جميع القدم في =

اس حدیث میں أتمم وضوء ك اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے استیناف کا حکم نہیں فرمایا،(۱) اور نہ ہی گذری ہوئی مدت کے بارے میں پوچھا،صرف اس جگہ کے دھونے کا حکم دیا جو خشک رہ گئی تھی۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے جوابات

علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے مختلف جوابات دیے ہیں:

اعادہ وضو کا حکم تغلیظ پر محمول ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا ایک جواب علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے صاحب کشاف سے یہ نقل کیا ہے کہ أنه محمول علی التغلیظ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعادہ وضو کا حکم دینا تغلیظ پر محمول ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد:"أعد الوضوء" اطلاق الکل وارادة الجزء کے قبیل سے ہے،مراد اس سے فقط پاؤں کا خشک حصہ دھونا ہے۔(۴)

امام نووی رحمہ اللہ کی توجیہ

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعادہ وضو کا امر استحباب، یا جواز پر محمول ہے،(۵) واجب صرف خشک حصہ کا دھونا ہے، کیوں کہ عبید بن عمر لیثی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح کا واقعہ نقل کیا ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف پاؤں کا خشک حصہ دھونے کا امر دیتے ہوئے

= الوضوء بالماء: ١/ ١٠٩، رقم: ٦

(١) تلخيص الحبير، كتاب الطهارة: ١/ ٢٩١، رقم: ١٠٢، التعليق المغني على سنن الدارقطني: ١/ ١٠٩

(٢) الشرح الكبير: ١/ ١٣١، حاشية بذل المجهود: ٢/ ٢٨

(٣) السعاية: ١/ ١٦١

(٤) السعاية: ١/ ١٦١

(٥) المجموع شرح المهذب: ١/ ٤٥٥

فرمایا:"اغسل ما ترکت من قدمك". (۱)

افضلیت وسنیتِ موالات

یہ ساری بحث تو وجوب وعدم وجوب کی ہے، اس میں موجود اختلاف بمع دلائل بیان کیا جا چکا ہے، راجح یہ ہے کہ موالات فی الوضو واجب نہیں، لیکن موالات کے سنت اور افضل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، چناں چہ امام ماوردی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو میں تعجیل کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے پیش نظر موالات فی الوضو اور اعضا کو کامل طور سے پے در پے دھونا افضل ہے۔ (۲)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أحب أن يتابع الوضوء ولا يفرقه؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء به متتابعاً". (۳)

یعنی میں وضو میں متابعت اور عدم تفرق کو پسند کرتا ہوں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے وضو فرمایا ہے۔

اور اگر متوضی ایسا نہ کرے تو پسندیدہ یہ ہے کہ وہ وضو پھر سے کرے، تفریق کرنے والے پر وضو کے استیناف کا ضروری ہونا مجھ پر واضح نہیں۔ (۴)

موالات فی الغسل

غسل میں موالات واجب ہے، یا نہیں، اس میں بھی اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، (۵) امام شافعی رحمہ اللہ (۶) اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۷) فرماتے ہیں کہ غسل میں موالات

---

(۱) السنن الكبرى، كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء: ١/١٣٦، رقم: ٣٩٦

(۲) الحاوی الكبير: ١/١٦٤، كتاب الأم: ١/١٢٥، رقم: ٤١٦

(۳) كتاب الام: ١/١٢٥، رقم: ٤١٦

(٤) التوضيح: ٤/٥٨١، عمدة القاري: ٣/٣١٣

(٥) ردالمحتار: ١/٩٠، بدائع الصنائع: ١/٩٧، المبسوط: ١/١٧٠، الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: ١/٤٢١ .... =

واجب نہیں، سنت ہے، یہی امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول ہے۔(۱)

ابن حامد اور ابوالخطاب نے ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے وجوب موالات فی الغسل کی بھی نقل کی ہے، لیکن علامہ مرداوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عدم وجوب موالات ہی امام احمد کا صحیح قول اور مذہب ہے اور اسی پر اکثر حنابلہ کا اتفاق ہے۔(۲)

امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وضو کی طرح غسل میں بھی موالات ضروری ہے۔(۳)

امام ربیعہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غسل میں تفریق ناپسندیدہ امور میں سے ہے، اور اس وقت تک اس عمل کو غسل نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ پے درپے اعضائے بدن کو دھویا نہ جائے، باقی رہی بات اس آدمی کی جو صبح سے شام تک کے درمیانی مدت میں جان بوجھ کر غسل میں تفریق کرتا ہے یعنی بدن کا کچھ حصہ صبح دھولیا، پھر وقفہ کر کے کچھ شام کو دھولیا، تو یہ غسل نہیں ہے، یہی امام مالک رحمہ اللہ اور امام لیث رحمہ اللہ کا بھی قول ہے(۴)

ابن قاسم کہتے ہیں کہ اگر تفریق نسیان کی وجہ سے ہو تو جائز ہے، امام مالک سے ایک روایت میں منقول ہے کہ ممسوح میں جواز ہے نہ کہ مغسول میں، ابن ابی زید کہتے ہیں جواز سر کے ساتھ خاص ہے، ابن مسلمہ نے مبسوط میں کہا کہ ممسوح میں جواز ہے، ممسوح خواہ سر ہو یا موزہ۔(۵)

ائمہ اربعہ کے علاوہ امام نخعی، سعید بن مسیب، طاؤس، امام حسن، سفیان بن سعید ثوری اور محمد بن عبداللہ بن حکم رحمہم اللہ وغیرہ بھی عدم وجوب موالات فی الغسل کے قائل ہیں۔(۶)

عدم وجوب موالات فی الغسل کے دلائل

قائلین عدم وجوب موالات فی الغسل کی ایک دلیل تو زیر بحث باب کی حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا ہے،

= (٦) المجموع: ١/ ٤٥٣، الحاوي الكبير: ١/ ١٦٦، كتاب الأم: ١/ ١٢٧

(٧) المغني لابن قدامة: ١/ ١٤٠، الإنصاف للمرداوي: ١/ ١٤١، ٢٥٧

(١) المدونة الكبرىٰ: ١/ ١٥، شرح الكرماني: ٣/ ١٢٧

(٢) الإنصاف للمرداوي: ١/ ٢٥٧

(٣) حاشية الدسوقي: ١/ ٢١٩

(٤) المدونة الكبرىٰ: ١/ ١٥، الأوسط: ١/ ٤٢٠

(٥) عمدة القاري: ٣/ ٣١٣، التوضيح: ٤/ ٥٨٢

(٦) الأوسط: ١/ ٤٢١، شرح ابن بطال: ١/ ٣٨٩، عمدة القاري: ٣/ ٣١٣

جس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تفریق فی الغسل پر استدلال کیا ہے، وجہ استدلال حدیث کی ترجمہ سے مطابقت ومناسبت کے ذیل میں آئے گی۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل امام طبرانی رحمہ اللہ کی روایت ہے، جسے جابر بن سیلان نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

"أنّ رجلاً جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فسأله عن الرجل يغتسل من الجنابة فيخطيء بعض جسده الماء، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يغسل ذلك المكان، ثم يصلّي". (۱)

یعنی ایک شخص رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو غسل جنابت کرے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ پانی سے تر نہ ہوا ہو (بلکہ خشک رہ گیا ہو،) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: "یغسل ذلك المكان ثم يصلي" یعنی اس خشک جگہ کو دھولے پھر نماز پڑھے۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، چناں چہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون". (۲)

تیسری دلیل

اس کے علاوہ علاء بن زیاد سے بسند جید مرسل روایت مروی ہے:

"اغتسل رسول الله صلى الله عليه وسلم من جنابة، فخرج فأبصر لُمعة بمَنْكِبِه لم يُصبها الماء، فأخذ بجُمتّه فبلّها به". (۳)

---

(۱) المعجم الكبير، مسند عبدالله بن مسعود رضي الله عنه: ۱۰/۲۳۱، رقم الحديث: ۱۰۵۶۱

(۲) كتاب الطهارة، باب فيمن نسي بعض جسده ولم يغسله: ۱/۲۰۹، رقم: ۱۴۸۰

(۳) الحديث أخرجه عبدالرزاق في مصنفه عن هشام بن حسان عن العلاء بن زياد، كتاب الطهارة، باب =

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت فرمایا، غسل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاندھے پر کچھ حصہ خشک پایا تو بالوں پر موجود پانی سے اسے تر فرمایا۔

عدم وجوب موالات کے بارے میں ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' (۱) میں، علامہ عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے ''مصنف'' (۲) میں اور علامہ ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' (۳) میں مختلف روایات، آثار صحابہ وتابعین نقل کئے ہیں، جو تفریق فی الغسل پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں۔

چناں چہ ابن وہب نے یحییٰ بن ایوب سے، انہوں نے ابن حرملہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص سعید بن مسیّب کی خدمت میں آیا اور کہا:

* "إنـي اغتسلت الجنابة ونسيت أن أغسل رأسي، قال: فأمر رجلاً من أهل المجلس أن يقوم معه إلى المطهرة، فيصبّ علىٰ رأسه دلواً من ماء". (٤)

اس شخص نے کہا کہ میں نے غسل جنابت کیا ہے اور سر دھونا بھول گیا ہوں، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے اہل مجلس میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ پانی کے ظرف (کنواں، تالاب وغیرہ) کی طرف جائے اور اس کے سر پر ایک ڈول پانی بہادے۔

اعمش رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "لا بـأس أن يفرّق غسله

= الرجل يترك شيئاً من جسده في غسل الجنابة: ١/ ٢٦٥، رقم: ١٠١٥، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه عن إسحاق بن سويد العدوي عنه، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يتوضأ أو يغتسل فينسىٰ اللمعة من جسده: ١/ ٣٧٤، ٣٧٥، رقم: ٤٤٧.

وقال الشيخ المحقق الفاضل العلامة محمد عوامه حفظه الله: "هذا مرسل بإسناد جيد". (تعليقات مصنف ابن أبي شيبة: ١/ ٢٧٤)

(١) فتح الباري: ١/ ١٦٤

(٢) ١/ ٢٦٤، ٢٦٥

(٣) ١/ ٣٧٤-٣٧٨

(٤) المدونة الكبرى: ١/ ١٥، والقصة روىٰ نحوها ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يفرق غسله من الجنابة: ١/ ٤٧٩، رقم: ٧٧٤

من الجنابة"۔ یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی غسل جنابت میں تفریق کرے۔(۱)

امام حسن رحمہ اللہ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ جنبی اپنے سر کو دھولے اور پھر باقی جسم کے دھونے کو مؤخر کرے۔(۲)

امام لیث رحمہ اللہ نے امام طاؤس رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو آدمی غسل جنابت کرے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ خشک رہ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صرف خشک جگہ کو تر کرلے۔(۳)

موالات کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے اور مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ موالات نہ وضو میں واجب ہے اور نہ ہی غسل میں، امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں مکمل طور سے حنفیہ اور شافعیہ کے ہم خیال ہیں، آپ رحمہ اللہ نے عدم موالات فی الوضوء پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کیا ہے اور عدم موالات فی الغسل پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔(۴)

تعلیق

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ : أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَمَا جَفَّ وَضُوؤُهُ .

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دونوں پاؤں وضو کا پانی خشک ہو جانے کے بعد دھوئے۔

---

(۱) دیکھیے، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يُفرّق غسله من الجنابة: ۱/۴۷۸، ۴۷۹، رقم: ۷۷۲

(۲) الأوسط لابن المنذر: ۱/۴۲۱، وقد مر تخريج أثر النخعي وأما أثر الحسن أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه في كتاب الطهارة، [باب] في الرجل يفرق غسله من الجنابة: ۱/۴۷۹، رقم: ۷۷۳، ولفظه: "أنه لايرىٰ بأساً أن يغسل الجنب رأسه قبل جسده، أو جسده قبل رأسه".

(۳) أخرجه عبد الرزاق في مصنفه في كتاب الطهارة، باب الرجل يترك شيئاً من جسده في غسل الجنابة: ۱/۲۶۵، رقم: ۱۰۱۶

(۴) عمدة القاري: ۳/۳۱۲

تخریج تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو یہاں صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے، اسے امام مالک رحمہ اللہ نے ''مؤطاً'' میں حضرت نافع رحمہ اللہ سے موصولاً نقل کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"أن عبدالله بن عمر بال في السوق، ثم توضأ فغسل وجهه، ويديه، ومسح رأسه، ثم دُعي لجنازةٍ ليُصلي عليها حين دخل المسجد؛ فمسح على خفيه، ثم صلىٰ عليها". (۱)

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (بازار میں تھے) وہاں پیشاب کیا، پھر وضو کیا اس طرح کہ چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا، پھر جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ کی نماز پڑھانے کے لیے بلائے گئے (تو آپ نے (وہاں) خفین پر مسح کیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔

علامہ سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد شافعی المعروف بابن الملقّن رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۴ھ) نے "البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير" میں اس اثر کی مؤطاً امام مالک کے حوالہ سے تخریج کے بعد اسے اصح الاسانید قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وهذا الإسناد لايشتبه على أحد صحته، ويسمىٰ هذا الإسناد: سلسلة الذهب، مالك عن نافع عن ابن عمر؛ بل هو أصح الأسانيد (مطلقاً على قول إمام هذا الفن –البخاري رحمه الله– هذا أصح الأسانيد)". (۲)

---

(۱) كتاب الطهارة، باب ماجاء في المسح على الخفين: ۱/۳٦، ۳۷، رقم: ٤۳، راجع جامع الأصول، رقم: ٥۲۷۱

(۲) كتاب الطهارة، باب الوضوء، تحت الحديث: الثامن والخمسون: ۲/۲٦۸، ت: مصطفى أبو الغيط وعبد الله بن سليمان وياسر بن كمال، دارالهجرة للنشر والتوزيع، الرياض السعودية، الطبعة الأولى: ١٤٢٥هـ– ٢٠٠٤م

یعنی اس سند کی صحت کسی پر بھی مشتبہ نہیں، مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند کو سلسلہ الذہب کہا جاتا ہے، بلکہ یہ سند تو اس فن کے امام، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کے بمطابق مطلقاً أصح الأسانید میں سے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی "کتاب الأم" میں مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند سے اس اثر کو موصولاً نقل کیا ہے، البتہ انہوں نے "ثم دعي لجنازة ليصلي عليها حين دخل المسجد" کے الفاظ کی جگہ "ثم دعي لجنازة فدخل المسجد ليصلي عليها" کے الفاظ نقل کیے ہیں اور اس کے شروع میں "بال في السوق" کا تذکرہ بھی نہیں، باقی الفاظ وہی ہیں۔(۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "السنن الکبریٰ" میں اس اثر کو اپنی سند کے ساتھ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ کے واسطہ سے امام مالک رحمہ اللہ سے موصولاً نقل کیا ہے البتہ انہوں نے بھی ابتدا میں "بال في السوق" کے الفاظ نقل نہیں کیے، جب کہ فغسل يديه ووجهه کے بعد "وزراعيه ثلاثا" اور "فمسح على خفيه" کے بعد "بعد ماجف وضوءه" کی زیادتی بھی نقل کی ہے اور اس اثر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: "وهذا صحيح عن ابن عمر ومشهور عن قتيبة بهذا اللفظ".(۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تغليق التعليق" میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت نقل کر کے "فيما يقال" کے الفاظ سے قتیبہ کا امام مالک سے تفرد قرار دینا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ بعد ماجف وضوءه قتیبہ کا تفرد نہیں) اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کی متابعت کی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے "معرفة السنن والأثار" میں اس کی تخریج کی ہے۔(۳)

تغلیق التعلیق کے "محقق" نے "فتح الباری" اور "کتاب الأم" میں مذکور اثر نقل کر کے اسے امام شافعی کی متابعت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: وإلى متابعة الشافعي هذه أشار الحافظ في الفتح". اهـ.(۴)

(۱) كتاب الطهارة، باب تقديم الوضو ومتابعته: ۱/۱۲۷، رقم: ٤٢٣، انظر كذلك، مسند الشافعي، كتاب الوضوء: ۱/۱٤، رقم: ٥١، دار الكتب العلمية.

(۲) كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء: ۱/۱۳٦، رقم: ۳۹۷

(۳) تغليق التعليق: ۲/۱۵۷

(٤) تعليقات تغليق التعليق: ۲/۱۵۷

واضح رہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے قتیبہ ابن سعید رحمہ اللہ کی متابعت "بعد ما جف وضوء ہ" کے الفاظ میں نہیں کی ہے، یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ (بعد ماجف وضوء ہ) نہیں ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول "قد تابعہ الشافعي" کا مطلب یہ ہوگا کہ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ سے نفس روایت نقل کرنے میں متفق ہیں، اسی کو اصول حدیث کی اصطلاح میں متابعت کہا جاتا ہے، (۱) قطع نظر اس سے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی متابعت پورے الفاظ حدیث میں ہے یا بعض میں۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نے قتیبہ کے اس تفرد کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ اثر کو نقل کرنے کے بعد ان الفاظ سے کی ہے: "ولعله قد جف وضوء ہ، وقد يجف في ماأقل مما بين السوق والمسجد". (۲)

یعنی ہوسکتا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خفین پر مسح وضو کے خشک ہوجانے کے بعد ہو، اس لیے کہ بازار سے مسجد تک جتنی مسافت ہے اس سے بھی کم وقت میں وضو خشک ہوجاتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "معرفة السنن والآثار" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو درج ذیل سند کے ساتھ موصولاً نقل کیا ہے: "أخبرنا أبوزكريا، وأبو سعيد، وأبوبكر؛ قالوا: حدثنا أبو العباس قال: أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمر......". (۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی "عمدة القاری" میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی "معرفة السنن والآثار" والی روایت کی تخریج فرمائی ہے۔ (۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی صحیح سند کے ساتھ ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم ثقفی کے واسطہ سے قتیبہ بن سعید سے اثر مذکور کا موصولاً مروی ہونا نقل کیا ہے۔ (۵)

---

(۱) معرفة أنواع علم الحديث، ص: ۱۷۳، ۱۷٤

(۲) كتاب الأم، كتاب الطهارة، باب تقديم الوضوء ومتابعته: ۱/۱۲۷، رقم: ٤۲٤

(۳) كتاب الطهارة، باب متابعة الوضوء: ۱/۱۸۲، رقم: ۹۹

(٤) عمدة القاري: ۳/۳۱۳

(۵) تغليق التعليق: ۲/۱۵۷

اس اثر کو امام ابو احمد بن محمد بن اسحاق نیشاپوری، کرابیسی، المعروف بالحاکم الکبیر (المتوفی ۳۷۸ھ) نے قتیبہ بن سعید ہی کے مذکورہ بالا طریق سے "بعد ما جف وضوء ہ" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۱)

تنبیہ

واضح رہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ "یُذکر" صیغہ مجہول کے ساتھ بطور تعلیق کے لائے ہیں، حالاں کہ تخریج تعلیق سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ اثر صحیح سند کے ساتھ موصولاً مروی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ (۲) اور علامہ عینی رحمہ اللہ (۳) نے لکھا ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ صیغہ تمریض کی بجائے معروف کے صیغہ کے ساتھ "ذکر ابن عمر" کہتے تو زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوتا، کیوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا جزم کیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف مسح خفین کی بجائے غسل قدمین کی نسبت کی ہے، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی موصول روایات میں مسح خفین وارد ہوا ہے، نہ کہ غسل قدمین۔(۴)

امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" (۵) اور "تغلیق التعلیق" (۶) میں، جب علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے "إرشاد الساري" (۷) میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس صنیع کی یہ توجیہ کی ہے کہ انہوں نے اس اثر کو روایت بالمعنی کے طور سے بیان کیا ہے، اس لیے جزم کے ساتھ ذکر نہیں، بلکہ صیغہ تمریض کے ساتھ لے کر آئے ہیں۔

---

(۱) عوالي مالك رواية أبي أحمد الحاكم ضمن مجموعة من عوالي الإمام مالك: ۱/۲۲۵، رقم: ۲۴۸، ت: محمد الحاج الناصر، دار الغرب الإسلامي، الطبعة الثانية: ۱۹۹۸م

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۲٦

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۱۳

(٤) الكنز المتواري: ۳/۲۰۸

(٥) فتح الباري: ۲/٤٩٤

(٦) تغليق التعليق: ۲/۱۵۷

(۷) إرشاد الساري: ۱/۵۰۱

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں امام احمد کے حوالہ سے فرمایا کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس اثر کو نقل کیا ہے، اس میں غسل رجلین وارد ہوا ہے، چناں چہ ان کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عمر: أنه توضأ، ثم غسل رجليه في مكان آخر". (۱)

فائدہ

یہاں ایک بات تو یہ ذہن میں رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الجامع الصحيح" میں تمام صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ بہت ساری صحیح احادیث ''بخاری شریف'' میں نہیں جو دیگر کتب صحاح میں بکثرت مروی ہیں، چناں چہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ انہوں نے بخوف طوالت بہت سی صحیح روایت کو بھی ترک کیا ہے، اپنی صحیح میں ذکر نہیں کیا ہے۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تمام صحیح احادیث کو ذکر کرنے کا التزام نہیں کیا ہے۔ (۳)

صحیح بخاری کو اصح الکتب کہنے کی وجہ

دوسری بات یہ ذہن نشین رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب کو جو "أصح الكتب بعد كتاب الله" کہا گیا ہے، وہ اس میں موجود روایاتِ مرفوعہ مسندہ کی مجموعی حالت کے اعتبار سے ہے، جزئی طور پر ہر ہر حدیث سے متعلق یہ حکم نہیں لگایا گیا ہے، اس کے علاوہ تراجمِ ابواب اور آثار وتعلیقات چوں کہ اصل مضمون اور مقصود کتاب میں داخل نہیں، اس لیے ''اصحیت'' کا یہ اطلاق ان پر نہیں کیا گیا ہے، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان تعلیقات سے فقط کسی مسئلہ پر استشہاد واستیناس ہوتا ہے۔ (۴)

---

(۱) كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء: ۱/۱٦٤، ولم أجده في مسند أحمد

(۲) علوم الحديث لابن الصلاح، ص: ۲٤

(۳) اختصار علوم الحديث مع الباعث الحثيث، ص: ۲٥

(۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: معرفة أنواع علم الحديث، ص: ۹٥، ت: الشيخ ماهر ياسين الفحل، دار الكتب العلمية، قواعد في علوم الحديث للعلامة المحقق المحدث الشيخ ظفر أحمد العثماني، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح والتحين من قواعد مهمة وأصول، ص: ٦٣-٦٦ .... =

نقلِ آثار میں امام بخاری رحمہ اللہ کا درجہ

ان تصریحات کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا تثبت نقل آثار صحابہ میں اس درجہ کا نہیں جو احادیث صحیح بخاری کے نقل کرنے میں ہے، چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زیر بحث اثر اگرچہ "یذکر" صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کرنے، یا روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے ان کی ذمہ داری کم ہوگئی ہے، لیکن دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معمولی بات نہیں، جب کہ اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ وشرکائے تدوین فقہ نے احادیث کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ کا نہایت اہتمام کے ساتھ تتبع کیا ہے، فقہائے حنیفہ کی کتب سے واقف کوئی طالب علم بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا ہے۔

غرض تعلیق

امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اس تعلیق سے تفریق فی الوضو کے جواز کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل وعمل سے مؤید کرنا ہے۔(۱)

شرح تعلیق

وضوءہ

"وَضــوء ہ" واؤ کے فتح کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے وضو کیا ہو، (مراد اعضاء پر لگا ہوا وضو کا پانی ہے)۔(۲)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرع الیونینیہ کے حوالہ سے واؤ کے ضمہ کے ساتھ "وُضوء ہ" بھی نقل کیا ہے، (مراد اس سے عمل وضو ہوگا)۔(۳)

= هـدي الساري للحافظ ابن حجر، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، ت: عبدالعزيز بن باز، قديمی كتب خانه، تدريب الراوي: ۱/۱۳۳، دار طيبه، توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأفكار: ۱/۱۳۲، ت: صلاح محمد بن عويضه، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.

(۱) فتح الباري: ۲/۴۹۴، عمدة القاري: ۳/۳۱۲، شرح الكرماني: ۳/۱۲۷

(۲) شرح الكرماني: ۳/۱۲۶، فتح الباري: ۲/۴۹۴، عمدة القاري: ۳/۳۱۲، تحفة الباري: ۱/۲۲۶

(۳) إرشاد الساري: ۱/۵۰۱

تعلیق سے متعلق اکثر مباحث بیان ہو چکے ہیں، البتہ تخریج تعلیق کے دوران موصول روایات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خفین پر مسح فرمایا تھا، اس سے متعلق کچھ وضاحت مطلوب تھی، تو ذیل میں وہ بیان کی جارہی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خفین پر مسح مسجد (نبوی) کے اندر کیا تھا یا باہر؟، اگر باہر کیا تھا تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، اگر اندر کیا تھا تو تقاطر ماء کے نہ ہونے کی وجہ سے جائز سمجھ کر کیا ہوگا۔

باقی رہی بات مسجد کے اندر وضو کی تو علامہ ابوالولید باجی رحمہ اللہ نے اس بارے میں مالکیہ کا اختلاف نقل کیا ہے، موسیٰ بن معاویہ کی روایت کے مطابق ابن قاسم رحمہ اللہ نے اسے جائز قرار دیا ہے، جب امام سحنون رحمہ اللہ نے تلویث مسجد کی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)

ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسجد کے اندر تو وضو کرنا ممنوع ہے، لیکن مسجد کے صحن (جو مسجد شرعی سے خارج ہو) اور دروازے کے پاس جس سے لوگوں کی آمد و رفت متاثر نہ ہوتی ہو وضو کرنا جائز ہے۔(۲)

حنفیہ میں صاحب درمختار نے مسجد کے اندر وضو کرنے کو منہیات وضو میں شمار کیا ہے، ہاں البتہ مسجد کے اندر کسی برتن میں (اسی طور سے کہ چھینٹیں باہر نہ گریں) یا وضو خانہ اگر بنا ہوا ہے تو اس میں وضو کرنا جائز ہے۔(۳)

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر صرف خفین پر مسح کرنا کراہت میں داخل نہیں۔(۴)

چوں کہ امام مالک رحمہ اللہ مشہور قول کے مطابق وجوب موالات فی الوضو کے قائل ہیں (کما مر) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر اس کے برعکس جواز تفریق فی الوضو پر دلالت کرتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے اسے "مؤطا" میں نقل تو کیا ہے، مگر اس کو جواز تفریق کے سلسلے میں لیا نہیں، چناں چہ ابن القاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے تاخیر مسح کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو نہیں لیا ہے۔(۵)

---

(۱) المنتقی شرح مؤطأ مالك: ۱/۳٦۳، أوجز المسالك: ۱/٤٤۸

(۲) المنتقیٰ: ۱/۳٦٤

(۳) الدرالمختار، ص: ۲۳، أوجز المسالك: ۱/٤٤۸، ٤٤۹

(٤) أوجز المسالك إلی مؤطأ مالك: ۲/٤٤۹

(٥) المنتقی: ۱/۳٦٤، أوجز المسالك: ۱/٤٤۹

یہ اثر چوں کہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، اس لیے مالکیہ نے اس کی مختلف تاویلات بیان کی ہیں، مگر وہ زیادہ قوی نہیں، شیخ الحدیث مولانا زکریا نے ان توجیہات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "وأنت خبير بما في هذه التوجيهات".(١)

حدیث باب

٢٦٢ : حدّثنا مُحمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ قَالَ : حَدَّثنا عَبْدُ ٱلْوَاحِدِ قَالَ : حَدَّثنا ٱلْأَعْمَشُ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي ٱلْجَعْدِ ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ٱبْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : قَالَتْ مَيْمُونَةُ(٢): وَضَعْتُ لِرَسُولِ ٱللهِ ﷺ مَاءً يَغْتَسِلُ بِهِ ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ، فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ، ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ ، فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَٱسْتَنْشَقَ ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى جَسَدِهِ ، ثُمَّ تَنَحَّى مِنْ مَقَامِهِ ، فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ . [ر : ٢٤٦]

---

(١) أوجز المسالك إلى موطأ مالك: ٢/ ٤٤٩

(٢) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في نفس الكتاب، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحديث: ٢٤٩، و في باب الغسل مرّة، رقم الحديث: ٢٥٧، و في باب الغسل بالصاع و نحوه، رقم الحديث: ٢٥٣، وفي باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ، رقم الحديث: ٢٦٠، وفي باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة، رقم الحديث: ٢٥٩، و في باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده و لم يعد مواضع الوضوء منه مرّة أخرىٰ، رقم الحديث: ٢٧٤، وفي باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم الحديث: ٢٧٦، و في باب التستر في الغسل عند النّاس، بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٢٨١، وأخرجه مسلم في صحيحه فى كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم الحديث: ٧٢٢، و أبو داؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ٢٤٥، و الترمذي في سننه في كتاب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من الجنابة بنحوه مختصراً، و قال: هذا حديث حسن صحيح، رقم الحديث: ١٠٣، و النسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم الحديث: ٢٥٢، و أيضاً في كتاب الغسل و التيمم، باب إزالة الجنب الأذىٰ عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٤١٨، و أيضاً في باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج، رقم الحديث: ٤١٩، و أيضاً في باب الاستتار عند الغسل، رقم الحديث: ٤٠٨، و أخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء، رقم الحديث: =

ترجمہ: ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوعوانہ نے، کہا ہم سے اعمش نے، انہوں نے سالم بن ابی الجعد سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (غسل کے) لیے پانی رکھ دیا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غسل فرمائیں، آپ علیہ السلام نے (پہلے) اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اوران کو دوبار یا تین بار دھویا، پھر آپ علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور (بائیں ہاتھ سے) اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑا، پھر آپ علیہ السلام نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرہ (مبارک) اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، پھر اپنا سر تین بار دھویا، پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہایا، پھر وہاں سے سرک گئے اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

تراجم رجال

حدثنا محمد بن محبوب

یہ مشہور محدث محمد بن محبوب، بنانی، بصری رحمہ اللہ ہیں۔(۱)

ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے۔(۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے کہ محبوب ان کا لقب ہے اور نام حسن ہے۔(۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے ان کے ترجمہ کو محمد بن حسن شیبانی رحمہ

= ٤٦٧، راجع جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، و تحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

(۱) دیکھیے: التاريخ الكبير: ٢٤٥/١، رقم الترجمة: ٧٧٥، كتاب الثقات: ٨٠/٩، الجرح والتعديل: ١١٨/٨، رقم الترجمة: ٤٤٠، تهذيب الكمال: ٣٧٠/٢٦، رقم الترجمة: ٥٥٨٢، تاريخ الإسلام: ١٣٩/٦، رقم الترجمة: ٦٤٥٣، ميزان الاعتدال: ٢٥/٤، رقم الترجمة: ٨١١٩، الكاشف: ٧٥/٣ رقم الترجمة: ٥١٩٨، تهذيب التهذيب: ٤٢٩/٩، رقم الترجمة: ٧٠٠، تقريب التهذيب: ١٢٩/٢، رقم: ٦٢٨٦

(۲) حوالہ سابق، إكمال تهذيب الكمال: ٣٣١/١

اللہ کے ترجمہ کے ساتھ خلط کردیا ہے، اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ محمد بن حسن کا لقب "محبوب" ہے اور بعض روایات میں حدثنا محمد بن الحسن آیا ہے، تو ان لوگوں نے محمد کو حسن کا لقب گمان کر کے محمد بن محبوب کے ترجمہ کو محمد بن حسن سے خلط کردیا، حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں، محمد بن حسن، محمد بن محبوب سے زیادہ مشہور بھی ہیں اور عمر میں بھی بڑے ہیں۔ (۱)

شیوخ حدیث

آپ رحمہ اللہ نے جن محدثین عظام سے حدیث کی روایت کی ان میں حرب بن میمون، حفص بن غیاث، حماد ابن زید، حماد بن سلمہ، سرار بن مُجَشَّر، سلام بن ابی مطیع، عبدالعزیز بن مسلم، عبدالواحد بن زیاد، محمد بن دینار، ابوحفص الابّار اور ابوعوانہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ (۲)

تلامذہ

آپ رحمہ اللہ سے حدیث پاک کی روایت کرنے والوں میں اصحاب کتب ستہ میں سے امام بخاری رحمہ اللہ، امام ابوداؤد رحمہ اللہ، ابراہیم بن ابی الجحیم، احمد بن محمد مقدّمی، احمد بن مہدی اصبہانی، احمد بن یوسف سُلَمی، احمد ابن علی ورّاق، عباس بن عبدالعظیم عنبری، عبداللہ بن احمد دورقی، عمرو بن منصور نسائی، عیسیٰ بن شاذان، محمد بن یحییٰ ذہلی، محمد بن یونس کدیمی، نصر بن داؤد خَلَنجی، یحییٰ بن مُطَرّف اصبہانی، یعقوب بن سفیان اور یعقوب بن شیبہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ (۳)

ان کے علاوہ صاحب سنن امام نسائی نے محمد بن محبوب رحمہ اللہ سے عمرو بن منصور رحمہ اللہ کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے۔ (۴)

---

(۱) تهذيب التهذيب: ۹/ ۴۶۹، رقم الترجمة: ۷۰۰، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاحکام میں جب محمد بن محبوب سے روایت نقل کی تو محمد کی جگہ محبوب بن الحسن کہا۔اھ، تلاش کے باوجود کتاب الاحکام میں اس نام کا راوی نہیں ملا۔۱۲ع م

(۲) تهذيب الكمال: ۲۶/ ۳۷۰، ۳۷۱، تهذيب التهذيب: ۹/ ۴۲۹

(۳) تهذيب الكمال: ۲۶/ ۳۷۱، تهذيب التهذيب: ۹/ ۴۲۹، تاريخ الإسلام: ۶/ ۱۳۹

(۴) تهذيب التهذيب: ۹/ ۴۲۹، تاريخ الإسلام: ۶/ ۱۳۹، تهذيب الكمال: ۲۶/ ۳۷۲

ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو محمد بن محبوب رحمہ اللہ کی تعریف کرتے ہوئے سنا، ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "هو كيّس، صادقٌ، كثيرُ الحديث". (۱)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان محمد بن محبوب أكيس في الحديث من مسدد، ومسدد كان خيراً منه". (۲)

ابن محرز نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ليس به بأس". (۳)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "الثقات" میں تذکرہ کیا ہے۔ (۴)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "الكاشف"، (۵) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقريب التهذيب" میں فرمایا: "ثقة". (٦)

وفات

محمد بن محبوب رحمہ اللہ کے سنہ وفات کے بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات نے کہا دوسو بائیس [۲۲۲] ہجری میں انتقال ہوا۔ (۷)

۲- ابن ابی عاصم، ابن قانع، (۸) علامہ ذہبیؒ (۹) علامہ کرمانی رحمہ اللہ، (۱۰) علامہ قسطلانی

---

(۱) تهذيب الكمال: ۲٦/۳۷۱، تاريخ الإسلام: ٦/۱۳۹، تهذيب التهذيب: ۹/٤۲۹

(۲) تهذيب التهذيب: ۹/٤۲۹، تهذيب الكمال: ۲٦/۳۷۱، ميزان الاعتدال: ٤/۲٥

(۳) تعليقات تهذيب الكمال: ۲٦/۳۷۱

(٤) كتاب الثقات: ۹/۸۰

(٥) الكاشف: ۳/۷٥

(٦) تقريب التهذيب: ۲/۱۲۹

(۷) تهذيب الكمال: ۲٦/۳۷۲، تهذيب التهذيب: ۹/٤۲۹، تاريخ الإسلام: ٦/۱۳۹

(۸) تهذيب التهذيب: ۹/٤۲۹، إكمال تهذيب الكمال: ۱/۳۳۱

(۹) الكاشف: ۳/۷٥، تاريخ الإسلام: ٦/۱۳۹

(۱۰) شرح الكرماني: ۳/۱۲٦

رحمہ اللہ(۱) علامہ عینی رحمہ اللہ (۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۳) نے جزم کے ساتھ فرمایا کہ دوسوتیئس [۲۲۳ہجری] میں انتقال ہوا۔

علامہ مزی رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے یہی قول امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا ہے۔(۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ مغلطائی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری نے ۲۲۳ہجری کا جزم نہیں فرمایا، بلکہ یوں کہا کہ دوسوتیئس [۲۲۳] ہجری کے قریب انتقال ہوا۔(۵)

قال: حدثنا عبدالواحد

یہ عبدالواحد بن زیاد عبدی، بصری رحمہ اللہ ہیں۔(٦)

قال: حدثنا الأعمش

یہ ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی رحمہ اللہ ہیں، جو اعمش کے لقب سے معروف ہیں۔(۷)

عن سالم بن أبي الجعد

یہ مشہور محدث سالم بن ابی الجعد رافع اشجعی کوفی رحمہ اللہ ہیں۔(۸)

---

(١) إرشاد الساري: ٥٠٢/١

(٢) عمدة القاري: ٣١٤/٣

(٣) تقريب التهذيب: ١٢٩/٢

(٤) تهذيب الكمال: ٣٧٢/٢٦، تاريخ الإسلام: ١٣٩/٦

(٥) تهذيب التهذيب: ٤٢٩/٩، إكمال تهذيب الكمال: ٣٣١/١

(٦) تهذيب الكمال: ٤٥٠/١٨-٤٥٢، ، ان کے حالات کشف الباری، کتاب الإيمان، باب الجهاد من الإيمان: ٣٠١/٢ میں گزر چکے ہیں۔

(٧) تهذيب الكمال: ٧٦/١٢-٩٢، ان کے احوال کشف الباری، کتاب الإيمان، باب ظلم دون ظلم: ۲۵۱/۲-۲۵۳ میں بیان ہو چکے ہیں۔

(٨) تهذيب الكمال: ١٣٠/١٠-١٣٣، ان کے احوال زندگی صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

عن کریب مولیٰ ابن عباس

یہ کریب بن ابی مسلم قریشی، ہاشمی، حجازی مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، ابو رِشدِین ان کی کنیت ہے۔(۱)

عن ابن عباس

یہ ترجمان القرآن، صحابی جلیل اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہما ہیں۔(۲)

آپ رضی اللہ عنہما کے حالات بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور کتاب الإیمان، باب کفران العشیر، وکفر بعد کفر میں گزر چکے ہیں۔(۳)

قالت: میمونة رضي الله عنها

یہ حرمِ نبوی، زوجہ رسول، اُم المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں۔(۴)

آپ رضی اللہ عنہا کے احوال کتاب العلم، باب السمر في العلم کے ذیل میں بیان کیے جا چکے ہیں۔(۵)

شرح حدیث

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الغسل'' میں زیرِ بحث باب کے علاوہ سات دیگر ابواب میں مختلف شیوخ سے اختصار وتفصیل اور الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔(٦)

---

(١) تهذيب الكمال: ٢٤/١٧٢-١٧٤ ان کے حالات بخاری شریف، کتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(٢) سير أعلام النبلاء: ٣/٣٣١-٣٥٩

(٣) كشف الباري، : ١/٤٣٥-٤٣٧، : ٢/٢٠٥

(٤) دیکھیے الإصابة: ٤/١١، ١٢، الطبقات الكبرىٰ: ٨/١٣٢

(٥) كشف الباري: ٤/٤٢٠-٤٢٢

(٦) الحديث أخرجه الإمام البخاري رحمه الله عن محمد بن يوسف في باب الوضوء قبل الغسل، وعن =

"باب الغسل مرة واحدة" میں موسیٰ بن اسماعیل رحمہ اللہ کے طریق سے اس روایت کا پورا متن گذر چکا ہے، البتہ بعض الفاظ میں اختلاف ہے جو عن قریب بیان ہوگا، باقی شرح حدیث سے متعلق مباحث سابقہ ابواب کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔فلیراجع.

الفاظ کا اختلاف

وضعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم

ابوذر، اصیلی اور ابن عساکر کے نسخوں میں "لرسول اللّٰہ" کی جگہ "للنبي" کے الفاظ مروی ہیں۔(۱)

ماءً يغتسل به

"باب الغسل مرة واحدة" میں موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں "ماءً يغتسل به" کی جگہ "ماءً للغسل" کے الفاظ آئے ہیں۔

فأفرغ على يديه

یہ الفاظ موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں نہیں ہیں۔

فغسلهما مرتين

"مرتين" بغیر تکرار کے ہے، جب کہ ابوذر، اصیلی، ابن عساکر اور ابوالوقت کی روایت میں "مرتين، مرتين" تکرار کے ساتھ آیا ہے۔(۲)

= موسیٰ بن إسماعيل في باب الغسل مرة واحدة، وعن عمر بن حفص بن غياث في باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة، وعن الحميدي في باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ، وعن موسىٰ بن إسماعيل في باب من أفرغ بيمينه على شماله في الغسل، وعن يوسف بن عيسىٰ في باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده ولم يعده غسل مواضع الوضوء منه مرة أخرى، وعن عبدان في باب نفض اليدين من الغسل عن النجاسة وعنه في باب التستر في الغسل عند الناس.

(۱) إرشاد الساري: ۱/۵۰۲، تحفة الباري: ۱/۲۲۶

(۲) إرشاد الساري: ۱/۵۰۲

موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں "هما" ضمیر کی جگہ "يديه" کی تصریح ہے۔

أو ثلاثاً

یہ راوی کی طرف سے شک ہے یعنی دو دفعہ دھویا تین دفعہ دھویا، اس میں شک ہے۔(۱)

ثم أفرغ بيمينه على شماله

موسیٰ بن اسماعیل کی سابقہ روایت میں "بيمينه" کے الفاظ نہیں۔

ثم دلك يده بالأرض

موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں "دلك" کی جگہ "مسح" مذکور ہے۔

ثم مضمض واستنشق

سابقہ روایت میں "مضمض" کی جگہ "تمضمض" آیا ہے، جب کہ ابوذر، ابوالوقت، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں یہاں بھی "تمضمض" کے الفاظ ہی منقول ہیں۔(۲)

ثم غسل وجهه ويديه وغسل رأسه ثلاثاً

ماقبل کی روایت میں "ثم" کی جگہ "واؤ" ہے، جب کہ ابوذر، ابوالوقت، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت میں یہاں بھی "وغسل" مذکور ہے۔(۳) اور "وغسل رأسه ثلاثاً" کی جگہ "ثم أفاض على جسده" کے الفاظ ہیں۔

ثلاثاً میں موجود احتمالات

''ثلاثاً'' میں دو احتمال ہیں، پہلا یہ کہ ''ثلاثاً'' کی قید سابقہ تمام افعال کی طرف راجع ہو، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اعضائے وضو کو تین تین مرتبہ دھویا، اسی کو شوافع نے اختیار کیا ہے۔(۴)

---

(۱) إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۲

(۲) إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۲، تحفة الباري: ۱/ ۲۲٦

(۳) إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۲

(٤) إرشاد الساري: ۱/ ۵۰۲، شرح الكرماني: ۳/ ۱۲٦، تحفة الباري: ۱/ ۲۲٦

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''ثلاثا'' کی قید صرف آخری فعل ''غسل رأس'' کی طرف راجع ہو، یہی حنفیہ کا قول ہے، کیوں کہ یہ اصول اور قاعدہ ہے: "إن القيد المتعقب لجمل يعود على الأخيرة". (۱) یعنی کئی جملوں کے بعد آنے والی قید آخری کی طرف لوٹتی ہے۔

ثم أفرغ على جسده

سابقہ روایت میں "أفرغ" کی جگہ "أفاض" آیا ہے۔

ثم تنحیٰ من مقامه

موسیٰ بن اسماعیل کی روایت میں "ثم تحول من مكانه" کے الفاظ مروی ہیں۔

لفظ ''مقام'' کی وضاحت

لفظ ''مَقام'' میم کے فتح کے ساتھ ''مکان القیام'' یعنی کھڑے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں، اگر کوئی یہ کہے کہ اس سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر غسل فرمایا تھا۔ (۲)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لفظ ''مقام'' کے اصلی اور حقیقی معنی کے اعتبار سے کھڑے ہو کر غسل کرنا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے آپ علیہ السلام کے کھڑے ہو کر غسل کرنے پر استدلال درست نہیں، کیوں عرف میں اس کا استعمال مطلق مکان (جگہ) کے لیے مشہور ہے، خواہ کھڑے ہونے کی جگہ ہو یا بیٹھنے کی۔ (۳)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ترجمہ میں موجود تفریق فی الغسل سے بایں طور سے ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ علیہ السلام جسم مبارک پر پانی بہانے کے بعد اپنی جگہ سے سرک گئے (پھر پاؤں دھوئے تو اس سے تفریق ثابت ہوگئی)۔ (۴)

---

(١) إرشاد الساري: ١/٥٠٢، شرح الكرماني: ٣/١٢٦

(٢) شرح الكرماني: ٣/١٢٧، عمدة القاري: ٣/٣١٤

(٣) شرح الكرماني: ٣/١٢٧، تحفة الباري: ١/٢٢٦، عمدة القاري: ٣/٣١٤

(٤) عمدة القاري: ٣/٣١٣

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں: "ثم تنحیٰ من مقامه فغسل قدميه" یہ عدم موالات فی الغسل ہوگئی، پاؤں باہر نکال کر دھوئے تو موالات کہاں باقی رہی۔(۱)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی حدیث کی ترجمہ سے مطابقت کے سلسلہ "ثم تنحی من مقامه" سے استدلال کیا اور فرمایا کہ کسی بھی چیز کا مطلق تخلل وجوب موالات کے منافی ہے، اگر موالات واجب ہوتی تو آپ علیہ السلام غسل کی جگہ سے سرکنے سے قبل ہی پاؤں دھولیتے، پھر مٹی وغیرہ کو دور کرنے کے لیے دوبارہ دھوتے، یا کسی چیز سے رگڑ کر صاف کر لیتے۔(۲)

ایک اعتراض

علامہ عینی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا میں اپنی جگہ سے سرک جانا تفریق فی الغسل پر دلالت کرتا ہے تو تفریق فی الوضو پر کون سی چیز دلالت کرتی ہے؟۔

اعتراض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا میں آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے پاؤں کے علاوہ دیگر اعضائے وضو کو پہلے دھولیا تھا، پاؤں دھونے سے پہلے غسل کا کافی وقفہ پیش آیا، اعضائے وضو اگرچہ غسل کی وجہ سے خشک نہ ہوئے ہوں مگر تفریق ثابت ہوگئی اور موالات باقی نہ رہی، اس پر حدیث میں وارد لفظ "ثم" دلالت کرتا ہے، جس سے مطلقاً تراخی معلوم ہوتی ہے۔(۳)

کیا حدیث وضو اور غسل دونوں میں تفریق پر دلالت کرتی ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ ترجمہ میں تو وضو اور غسل دونوں کے درمیان فصل کا ذکر ہے، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ جو اثر اور حدیث لائے ہیں اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں موالات کی ضرورت نہیں، حالاں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود دونوں میں عدم موالات کو ثابت کرنا ہے۔(۴)

(۱) تقرير بخاري: ۲/۸٤، ۸۵

(۲) لامع الدراري: ۲/۲۲۲، ۲۲۳، الكنز المتواري مع اللامع: ۳/۲۰۹

(۳) عمدة القاري: ۳/۳۱۳، فضل الباري: ۲/٤۳۸

(٤) الكنز المتواري: ۳/۲۰۹، ۲۰۸، حاشية اللامع: ۲/۲۲۲، فضل الباري: ۲/٤۳۸

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب حدیث باب سے تفریق فی الوضو ثابت ہوگئی تو غسل کو وضو پر قیاس کیا جائے گا، کیوں کہ فی الجملہ دونوں میں ارکان وآداب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اسی طرح ائمہ میں سے کوئی بھی دونوں کے درمیان فصل کا قائل نہیں یعنی جو موالات کو واجب سمجھتے ہیں وہ وضو اور غسل دونوں میں اس کے قائل ہیں اور جو عدم وجوب کے قائل ہیں وہ بھی دونوں میں عدم وجوب کا قول کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں وضو اور غسل دونوں کو ملا کر بیان کیا ہے، حالاں کہ حدیث سے تو صرف تفریق فی الوضو ہی ثابت ہوتی ہے، تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے غسل کو وضو پر قیاس کیا ہے۔(۱)

یہ استدلال مخدوش ہے

لیکن حضرت شاہ صاحب کا یہ استدلال دو وجہ سے مخدوش ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس استدلال کا دارومدار قیاس پر ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ قیاس کے قائل ہیں، یہ بات خود قابل غور اور محل نظر ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ قائلین فصل موجود ہیں، امام احمد رحمہ اللہ اور امام نخعی رحمہ اللہ وغیرہ وضو اور غسل میں فرق کرتے ہیں، جیسا کہ بیان مذاہب میں گذر چکا ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی یہ استدلال مخدوش ہے۔

صحیح جواب

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جس طرح علامہ عینی رحمہ اللہ نے لفظ ''ثم'' سے تفریق فی الوضو پر استدلال کیا ہے، تو لفظ ''ثم'' حدیث میں وضو اور غسل دونوں میں موجود ہے، لہٰذا اس سے دونوں میں تفریق ثابت ہوجائے گی، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا محمد حسن مکی رحمہ اللہ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حدیث میں مطلقاً ''ثم تنحی'' کا لفظ آیا ہے، اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ آپ علیہ السلام نے پاؤں مبارک جفاف سے قبل دھوئے یا بعد میں، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام کا یہ دھونا جفاف کے بعد ہو بایں طور سے کہ آپ علیہ السلام نے پاؤں کے دھونے کو غسل سے ایک یا دو گھنٹے مؤخر کیا ہو، غرض اس تقریر سے ترجمہ ثابت ہوجاتا ہے۔(۲)

---

(۱) شرح تراجم الأبواب البخاري، ص: ۱۸، الأبواب والتراجم، ص: ٦١، الكنز المتواري: ۲۰۸/۳، ۲۰۹

(۲) الكنز المتواري: ۲۰۹/۳، حاشية اللامع: ۲۲۳/۲

حدیث واثر سے مستنبط شدہ امور

١-وضو میں موالات واجب نہیں، تفریق جائز ہے۔

٢-غسل میں موالات واجب نہیں، تفریق جائز ہے۔

٣-روایت بالمعنی جائز ہے۔

١١ : باب : مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ.

غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہانا

ماقبل سے ربط ومناسبت

سابقہ باب کے ذیل میں یہ بات آگئی تھی کہ زیر بحث باب بعض نسخوں میں مقدم اور بعض میں مؤخر ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن عساکر اور اصیلی کی روایت میں یہ باب سابق باب سے مقدم ہے، بہر حال ہر دو صورت میں دونوں میں مناسبت ظاہر ہے بایں طور سے کہ دونوں کا تعلق وضو سے ہے۔(١)

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس باب کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل میں پانی بہانے کی کیفیت کو بیان کرنا ہے۔(٢)

علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ باب اس شخص کے بیان میں (ہے) کہ جو غسل کے وقت دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے، جس نے ایسا کیا اس نے سنت کا اتباع کیا۔(٣)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

”ردّ بذلك ما اشتهر أن الإفراغ باليمين على الشمال من صنيع

---

(٣) الأبواب والتراجم، ص: ٢٦٣

(٢) تحفة الباري: ١/٢٢٦

(٣) الأبواب والتراجم، ص: ٢٦٣

النساء". (۱)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس بات پر رد کرنا ہے کہ یہ مشہور ہوگیا ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا عورتوں کی عادت ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اوجہ بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ کے ذریعہ ایک دقیق نکتہ پر متنبہ فرمانے چاہتے ہیں، وہ یہ کہ غسل میں دو چیزیں ہوا کرتی ہیں، ایک پانی ڈالنا اور دوسرے اعضا کو ملنا، یہ بھی معلوم ہے کہ افعال شریفہ دائیں ہاتھ سے انجام دیے جاتے ہیں، تو اب امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں جو افضل ہوگا وہ دائیں ہاتھ سے کیا جائے گا، چوں کہ پانی ڈالنا ملنے سے افضل ہے اس لیے دائیں ہاتھ سے پانی ڈالا جائے گا اور بائیں ہاتھ سے اعضا کو ملا جائے گا۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی دوسری توجیہ

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ایک دوسری توجیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بعید نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب سے "ترجيح صب الماء باليمنىٰ علىٰ اليسرىٰ" پر تنبیہ کی ہو، کیوں کہ بعض روایات ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "يصب الإناء على يده اليمنىٰ"(۳) اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "فأكفأ الإناء على يده اليمنىٰ"(۴) یعنی برتن دائیں ہاتھ پر جھکانا مذکور ہوا ہے۔(۵)

علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

ترجمۃ الباب کے مقصد کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس باب میں شرافت

---

(۱) لامع الدراري: ۲/ ۲۲۰، ۲۲۱، الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، ص: ٦١

(۲) الأبواب والتراجم، ص: ٦١، الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۹، تعليقات اللامع: ۲/ ۲۲۰

(۳) الحديث أخرجه أبوداؤد في سننه، كتاب الطهارة، باب مقدار الماء الذي يجزئ به الغسل، رقم الحديث: ٢٤٢

(٤) سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب مقدار الماء الذي يجزئ به الغسل، رقم: ٢٥٤

(٥) الكنز المتواري: ۳/ ۲۰۹، ۲۱۰، الأبواب والتراجم، ص: ٦١، تعليقات اللامع: ۲/ ۲۲۰

یمین کی رعایت بتلائی گئی ہے، پانی ڈالنا اور ازالہ نجاست دوالگ الگ کام ہیں، نجاست کا ازالہ ایک ادنیٰ کام ہے جو بائیں ہاتھ سے متعلق ہے اور پانی دائیں ہاتھ سے ڈالا جاتا ہے، استنجے وغیرہ میں دائیں ہاتھ کا استعمال اس کی شرافت کے خلاف ہے۔(۱)

بعض حضرات کی رائے

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس موقع پر تیامن والی بات درمیان میں لے آنا برمحل نہیں ہے اور جن حضرات نے استنجا اور اور ضرورت کی صورتوں سے ہٹ کر یہاں غلط خلط مبحث کیا ہے وہ سب ہی موضوع بحث سے دور ہو گئے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ تیامن والی بات کا ترجمۃ الباب یا حدیث الباب سے کوئی تعلق ہی نہیں اور خود امام بخاری رحمہ اللہ بھی پہلے مستقل "باب التيمن في الوضوء والغسل" لا چکے ہیں اور اس سے قبل "باب النهي عن الاستنجاء باليمين" اور "باب لايمسك ذكره بيمينه إذا بال" بھی قائم کر چکے ہیں، جن سے استنجا کے وقت افراغ الماء بالیمین علی الشمال والی بات ضمناً متعین ہو چکی تھی۔

اب چوں کہ احوال وصفات غسل نبوی کے تحت اسی کی مزید صراحت ووضاحت آ رہی ہے تو اس کو مستقل باب قائم کر کے بتلا رہے ہیں اور ہمیشہ بائیں ہاتھ سے دائیں کو پہلے دھونا اور اسی طرح شرافت والے کام کو دائیں جانب سے شروع کرنا اور ہر خسیس کام کو بائیں جانب سے، سب امور تو پہلے سے طے شدہ ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے یمین کو یسار پر مطلقاً شرف واعزاز بخشا ہے اور اس لیے اس کو تمام امور بر وخیر پر مقدم کیا اور امور خسیسہ ودنیئہ میں یسار کو مقدم رکھا ہے۔(۲)

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کی تراجم میں دقیقہ رسی کے باعث شارحین کی بیان کردہ تمام توجیہات بعید از امکان نہیں، البتہ حدیثی ذوق کی بناء پر کسی ترجیح کو اوجہ قرار دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے والأ وجہ سے اسی صنیع کو اختیار فرمایا ہے۔

حدیث باب

۲۶۳ : حَدَّثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ : حَدَّثنا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثنا الْأَعْمَشُ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ

---

(۱) فضل الباري: ۲/۴۳۹

(۲) أنوار الباري: ۹/۲۲۵

أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ : وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ غُسْلًا وَسَتَرْتُهُ ، فَصَبَّ عَلَى يَدِهِ ، فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ – قَالَ سُلَيْمَانُ : لَا أَدْرِي ، أَذَكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لَا – ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ بِالْحَائِطِ ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى جَسَدِهِ ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ، فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً ، فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا ، وَلَمْ يُرِدْهَا . [ر : ٢٤٦]

ترجمہ: (أم المؤمنین) حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور (ایک کپڑے سے) آپ علیہ السلام کے لیے پردہ کردیا، (یا اس پانی کے برتن کو ڈھانپ دیا) آپ علیہ السلام نے (پہلے) اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اسے ایک یا دو مرتبہ دھویا، سلیمان اعمش نے کہا کہ میں نہیں جانتا (یعنی مجھے یاد نہیں) کہ سالم بن ابی الجعد نے ہاتھ کا تیسری بار دھونا بیان کیا یا نہیں، پھر آپ علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا اور اپنی شرم گاہ

(١) الحديث أخرجه البخاري أيضاً في نفس الكتاب، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحديث: ٢٤٩، و في باب الغسل مرّة، رقم الحديث: ٢٥٧، و في باب الغسل بالصاع و نحوه، رقم الحديث: ٢٥٣، وفي باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقىٰ، رقم الحديث: ٢٦٠، و في باب تفريق الوضوء والغسل بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٢٦٥، و في باب من توضأ في الجنابة ثم غسل سائر جسده و لم يعد مواضع الوضوء منه مرّة أخرىٰ، رقم الحديث: ٢٧٤، وفي باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، رقم الحديث: ٢٧٦، و في باب التستر في الغسل عند النّاس، بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٢٨١، و أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم الحديث: ٧٢٢، و أبو داؤد في سننه في كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم الحديث: ٢٤٥، و الترمذي في سننه في كتاب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من الجنابة بنحوه مختصراً، و قال: هذا حديث حسن صحيح، رقم الحديث: ١٠٣، و النسائي في سننه في كتاب االطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه، رقم الحديث: ٢٥٢، و أيضاً في كتاب الغسل و التيمم، باب إزالة الجنب الأذىٰ عنه قبل إفاضة الماء عليه بنحوه مختصراً، رقم الحديث: ٤١٨، و أيضاً في باب مسح اليد بالأرض بعد غسل الفرج، رقم الحديث: ٤١٩، و أيضاً في باب الاستتار عند الغسل، رقم الحديث: ٤٠٨، و أخرجه ابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء، رقم الحديث: ٤٦٧، راجع جامع الأصول، رقم: ٥٣٢١، و تحفة الأشراف، رقم: ١٨٠٦٤

دھوئی، پھر اپنے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر کو دھویا، پھر اپنے (سارے) بدن پر پانی بہایا، پھر ایک طرف ہو کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پس میں نے آپ علیہ السلام کو (پونچھنے) کے لیے ایک کپڑا دیا تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا (ہٹاؤ مجھے نہیں لینا) اور اس کو نہیں لیا۔

تراجم رجال

حدثنا موسیٰ بن إسماعيل

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی، بصری رحمہ اللہ ہیں۔(۱)

ان کے مختصر حالات، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی حدیث کے تحت (۲) اور مفصل حالات، کتاب العلم، باب من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: حدثنا أبوعوانة

یہ وضّاح بن عبداللہ یشکری، واسطی رحمہ اللہ ہیں، ابوعوانہ ان کی کنیت ہے، (نام کی بنسبت اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں)۔(۴)

---

(۱) تهذيب الكمال: ٢٩/٢١-٢٦، تقريب التهذيب: ٢/٢٨٣

(۲) دیکھیے، كشف الباري: ١/٤٣٣، ٤٣٤

(۳) دیکھیے، كشف الباري: ٣/٤٧٧-٤٧٩

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال: ٣٠/٤٤١، رقم الترجمة: ٦٦٨٨، طبقات ابن سعد: ٧/٢٨٧، الجرح والتعديل: ٩/٥١، رقم الترجمة: ١٧٣، كتاب الثقات: ٧/٥٦٢، سير أعلام النبلاء: ٨/٢١٧، رقم الترجمة: ٣٩، تذكرة الحفاظ: ١/٢٣٦، رقم الترجمة: ٢٢٣، ميزان الاعتدال: ٤/٣٣٤، رقم الترجمة: ٩٣٥٠، المغني في الضعفاء: ٢/٤٩٣، رقم الترجمة: ٦٨٣٩، التاريخ الكبير: ٨/١٨١، رقم الترجمة: ٢٦٢٨، تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٤، رقم الترجمة: ٧٣٣٠، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، رقم الترجمة: ٤٤٠٢، الكاشف: ٣/٢٢٤، رقم الترجمة: ٦١٣٠، تقريب التهذيب: ٢/٢٨٢، رقم الترجمة: ٧٤٣٤

ان کے مختصر حالات "باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے ذیل میں گذر چکے ہیں،(۱) یہاں ان کا مفصل تذکرہ پیش خدمت ہے۔

پیدائش

آپ کی پیدائش نوے اور سو ہجری کے درمیان بتلائی گئی ہے،(۲) ابن حبان رحمہ اللہ نے ۱۲۲ ہجری کو سنہ میلاد قرار دیا ہے۔(۳)

بظاہر یہ قول درست نہیں، کیوں کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ابو عوانہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ کو دیکھا ہے، جب کہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا ۱۲۲ ہجری سے کافی عرصہ قبل انتقال ہو چکا تھا،(۴) بعض حضرات نے کہا کہ آپ جرجان سے قیدی بنا کر لائے گئے تھے۔(۵)

آپ یزید بن عطاء بن یزید کے موالی میں سے تھے،(۶) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یزید کے والد عطا بن یزید کے غلام تھے۔(۷)

دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ عطاء بن یزید نے اپنے بیٹے یزید کے لیے انہیں خریدا تھا۔(۸)

ابو عوانہ رحمہ اللہ نے حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی زیارت کی اور انہیں دیکھا تھا۔(۹)

شیوخ حدیث

آپ رحمہ اللہ کے شیوخ حدیث میں ابراہیم بن محمد بن منتشر، ابراہیم ابن مہاجر بجلی، ابراہیم بن میسرہ

(۱) كشف الباري: ١/٤٣٤

(٢) تهذيب التهذيب: ١١/١١٨

(٣) الثقات: ٧/٥٦٢

(٤) سير أعلام النبلاء: ٨/٢١٧

(٥) تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٤، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، تهذيب الكمال: ٣٠/٤٤٢

(٦) التاريخ الكبير: ٨/١٨١، طبقات ابن سعد: ٧/٢٨٧، الجرح والتعديل: ٩/٥١

(٧) تهذيب الكمال: ٣٠/٤٤٢

(٨) تاريخ بغداد: ٣/٤٦٥

(٩) التاريخ الكبير: ٨/١٨١، تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٤، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١

طائفی، اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدّی، اسود بن قیس، اشعث بن ابی الشعثاء، ایوب سختیانی، بکیر بن اخنس، جابر بن یزید جعفی، ابوعثمان بصری، ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ، حر بن مسکین، حصین بن عبدالرحمٰن، حکم بن عتیبہ، خالد بن علقمہ، داؤد بن عبداللہ اودی، زیاد بن علاقہ، زید بن جُبیر، سعید بن مسروق ثوری، سلیمان اعمش، سماک بن حرب، سہیل بن ابی صالح، عاصم بن سلیمان الاحول، عاصم بن کلیب، عبدالرحمٰن ابن الاصبہانی، عبدالعزیز بن صہیب، عبدالملک بن عمیر، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عثمان بن مغیرہ ثقفی، عمر بن سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عمرو بن دینار، فراس بن یحییٰ ہمدانی، قتادہ بن دعامہ، محمد بن منکدر، مُخَوَّل بن راشد، معاویہ بن قرہ مزنی، مغیرہ بن مقسم ضَبّی، منصور ابن زاذان، منصور بن معتمر، موسیٰ بن ابی عائشہ، ہلال الوزّان، یزید بن ابی زیاد، یعلیٰ بن عطاء عامری، ابو اسحاق شیبانی، ابوجعفر رازی، ابوحصین اسدی، ابوحمزہ القصّاب، ابوزبیر مکی، ابو مالک اشجعی اور ابو یعفور عبدی رحمہم اللہ شامل ہیں۔(۱)

تلامذہ

آپ سے حدیث مبارک کی روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن حجاج نیلی، احمد بن اسحاق حضرمی، اسماعیل بن عُلَیّہ، بشر بن معاذ عقدی، حامد بن عمر بکراوی، حَبان بن ہلال، حجاج ابن منہال، سعید بن منصور، سہل بن بکار، شعبہ بن حجاج (ومات قبله) شیبان بن فرّوخ، صالح بن عبداللہ ترمذی، ابوہمام صلت بن محمد خارکی، عبدالرحمٰن بن عمرو بجلی، عبدالرحمٰن بن مبارک عیشی، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبیداللہ بن عمر قواریری، عفان بن مسلم، علی بن حکم مروزی، عمرو بن عون واسطی، ابونعیم فضل بن دکین، فضل بن مساور، قتیبہ بن سعید بلخی، محمد بن ابی بکر مقدّمی، محمد بن عبدالمطلب بن ابی الشوارب، محمد بن فضل بن عارم، محمد بن محبوب بُنانی، مسدد بن مسرہد، معقل بن مالک باہلی، ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیل، ہیثم بن سہل تسری (وهو آخر من روىٰ عنه) وکیع بن جراح، یحییٰ بن حماد شیبانی، ابوداؤد طیالسی، ابوربیع زہرانی، ابوکامل جحدری، ابوہشام مخزومی اور ابوالولید طیالسی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(۲)

ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال

ہشام بن عبیداللہ نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا: "من أروىٰ الناس وأحسن الناس رواية عن

(۱) تهذيب الكمال: ۳۰/۴۴۲-۴۴۴، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۶، ۱۱۷، تاريخ بغداد: ۱۳/۴۶۵

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰/۴۴۴، تاريخ بغداد: ۱۳/۴۶۵، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۷

المغيرة، أجرير؟. یعنی کیا جریر مغیرہ سے زیادہ اور احسن روایت کرنے والوں میں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوعوانہ۔(۱)

احمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "كتاب أبي عوانة أثبت من حفظ هشيم". (۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابوعوانہ "أثبت" ہیں یا شریک؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ابوعوانہ اپنی کتاب سے حدیث بیان کرے تو وہ "أثبت" ہے، البتہ اگر وہ کتاب کے علاوہ حدیث بیان کرے تو بعض اوقات انہیں وہم ہو جاتا ہے۔(۳)

مسدد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوعوانہ کی حدیث سفیان اور شعبہ کی روایت کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔(۴)

عفان فرماتے ہیں کہ ابوعوانہ کی کتاب والی روایت صحیح ہے، (ان پر عجمیت غالب تھی) وہ اعراب اور نقطوں کا بکثرت اہتمام کرتے تھے، مزید فرمایا: "كان ثبت وأبو عوانة أصح حديثاً عندنا من هشيم".(۵)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "حديث أبی عوانة جائز،...... ثبت أبوعوانة". (۶)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: "أبوعوانة قريب من حماد...... كتبه صحيحة...... وهو صدوق، ثقة، وهوأحب إلي من أبي الأحوص ومن جرير بن عبدالحميد، وهو (أي أبوعوانة) أحفظ من حماد". (۷)

---

(۱) الجرح والتعديل: ۹/۵۲، تاريخ بغداد: ۱۳/٤٦۸، تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤٥

(۲) تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤٦، الجرح والتعديل: ۹/۵۲، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١

(۳) تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤٦، تاريخ بغداد: ۱۳/٤٦۸، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، الجرح والتعديل: ۹/۵۲

(٤) الجرح والتعديل: ۹/۵۲، تاريخ بغداد: ۱۳/٤٦٦، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤٦

(۵) الجرح والتعديل: ۹/۵۲، تاريخ بغداد: ۱۳/٤٦۸، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، بعض حضرات نے ہشیم کی جگہ شعبہ نقل کیا ہے، ہشیم ہی درست ہے۔ تهذيب الكمال وحاشية: ۳/٤٤٦، حاشية تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۷

(٦) تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤۷، الجرح والتعديل: ۹/۵۲، ۵۳، تاريخ بغداد: ۱۳/٤٦۹

(۷) الجرح والتعديل: ۹/۵۳، تهذيب الكمال: ۳۰/٤٤۷، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۸

ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "بصري ثقة إذا حدث من كتابه". (۱)

امام احمد رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان أميناً ثقة". (۲)

عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابوعوانہ اُمّی تھے (لکھنا نہیں جانتے تھے) کسی دوسرے سے لکھواتے تھے اور (اس لکھوائی ہوئی) کتاب سے پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

احمد بن بشر بن ایوب طیالسی کہتے ہیں کہ کسی نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے زائدہ اور ابوعوانہ کے بارے میں پوچھا کہ ان میں سے کون "أثبت" ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: "كلا هما ثبت، صدوقين، سائل نے دوبارہ سوال دہرایا تو انہوں نے وہی جواب دیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ گویا یحییٰ بن معین ابوعوانہ کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ (۴)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ابوعوانہ اور شریک میں اختلاف ہو جائے تو ابوعوانہ کا قول معتبر ہے۔ (۵)

حجاج بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: "الزم أبا عوانة". (۶) یعنی تم ابوعوانہ کو لازم پکڑو۔

ابوسہل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب ابوعوانہ تم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرے تو اس کی تصدیق کیا کرو۔ (۷)

احمد بن زہیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: "أبو عوانة

---

(۱) تهذيب الكمال: ٣٠/٤٤٧، تهذيب التهذيب: ١١/١١٨، الجرح والتعديل: ٩/٥٣

(۲) تهذيب الكمال: ٣٠/٤٤٨، تهذيب التهذيب: ١١/١١٨

(۳) الجرح والتعديل: ٩/٥٣، تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٦، سير أعلام النبلاء: ٨/٢٢٠، تذكرة الحفاظ: ١/٢٣٧

(٤) تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٧

(٥) تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٧

(٦) تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٦، سير أعلام النبلاء: ٨/٢٢٠، تذكرة الحفاظ: ١/٢٣٧

(٧) تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، تاريخ بغداد: ١٣/٤٦٦، تهذيب التهذيب: ١١/١١٩

الوضاح ثقة". (١)

جعفر ابن ابی عثمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "كان أبو عوانة ثقة". (٢)

محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے دادا (یعقوب بن شیبہ) نے فرمایا:

"أبو عوانة ثبت، صحيح الكتاب وحفظه صالح". (٣)

عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش رحمہ اللہ نے فرمایا: "أبو عوانة صدوق في الحديث". (٤)

ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة و كتبه صحيحة"، البتہ اگر اپنے حفظ کی بنیاد پر روایت بیان کرے تو غلطی کر جاتے ہیں اور ابوعوانہ حماد بن سلمہ سے "احفظ" ہیں۔ (٥)

امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: "أبو عوانة بصري، ثقة". (٦)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: "أجمعوا علىٰ أنه ثقة، ثبت، حجة فيما حدث من كتابه، وقال إذا حدث من حفظه ربما غلط". (٧)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "ثقة، ثبت". (٨)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان الاعتدال" میں فرمایا: "مجمع علىٰ ثقة وكتابه متقن بالمرة". (٩)

---

(١) تاريخ بغداد: ٤٦٨/١٣

(٢) تاريخ بغداد: ٤٦٩/١٣

(٣) تاريخ بغداد: ٤٦٩/١٣، تهذيب التهذيب: ١١٩/١١

(٤) تاريخ بغداد: ٤٦٩/١٣، تهذيب التهذيب: ١١/١١٩، ١٢٠

(٥) تاريخ الإسلام: ٦٥١/٤، تهذيب التهذيب: ١١٨/١١

(٦) تاريخ بغداد: ٤٦٩/١٣، تهذيب التهذيب: ١١٩/١١

(٧) تهذيب التهذيب: ١٢٠/١١

(٨) تقريب التهذيب: ٢٨٣/٢

(٩) ميزان الاعتدال: ٣٣٤/٤

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "الکاشف" میں فرمایا: ثقة متقن لكتابه". (۱)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "المغني في الضعفاء" میں فرمایا "ثقة حجة، ولا سيما إذا حدث من كتابه". (۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "سير أعلام النبلاء" میں فرمایا: "هو الإمام الحافظ، الثبت، محدث البصرة". (۳)

ابن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: "كان ثقة صدوقاً". (٤)

ابن حبان رحمہ اللہ نے "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذكرة الحفاظ" میں فرمایا: "الحافظ، أحد الثقات". (٦)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ائمہ جرح وتعدیل کے متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد ابوعوانہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا: "استقر الحال على أن أباعوانة ثقة"، مزید فرمایا کہ ابوعوانہ حماد بن زید کی طرح (متقن) ہے، بلکہ محدثین کے نزدیک ابوعوانہ اسرائیل اور حماد بن سلمہ سے زیادہ پسندیدہ ہے اور فلیح ابن سلیمان سے "اوثق" ہے، اور ابوعوانہ کے بعض اوہام بھی ہیں جن کی تخریج سے شیخین (امام بخاری و مسلم) نے پہلوتہی کی ہے۔ (۷)

تنبیہ

ابن عدی رحمہ اللہ نے "الكامل في الغعفاء" میں سلام بن ابی مطیع رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مجلس میں ابوعوانہ رحمہ اللہ کا تذکرہ ہوا، تو انہوں نے ابوعوانہ کے بارے میں "ذاك

---

(١) الكاشف: ٣/٢٢٤، رقم الترجمة: ٦١٣٠

(٢) ٢/٤٩٣

(٣) ٨/٢١٧

(٤) الطبقات الكبرى: ٧/٢٨٧

(٥) كتاب الثقات: ٧/٥٦٢

(٦) تذكرة الحفاظ: ١/٢٣٦

(٧) سير أعلام النبلاء: ٨/٢٢١

العبد" کے الفاظ کہے۔(۱)

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوعوانہ نے ایک کتاب وضع کی تھی جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (مزعومہ) عیوب درج کیے گئے تھے، سلام بن ابی مطیع نے ان سے وہ کتاب لے کر جلا دیا تھا۔(۲)

بعض حضرات نے سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل کے اقوال کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شاید اسی وجہ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ ابوعوانہ کو ناپسند کرتے تھے، اور حیرت اس بات پر ہے کہ علامہ مزی رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کے عقیدے سے متعلق کوئی بحث نہیں فرمائی ہے۔(۳)

سفیان ثوری وامام احمد وغیرہ کے کلام کی حقیقت

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ابوعوانہ رحمہ اللہ کو "ذاك العبد" کہنا کلمات جرح میں سے نہیں اور اگر اسے کلمہ جرح مان بھی لیا جائے تو یہ جرح مبہم ہے، کبار ائمہ کی توثیق کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، باقی رہی بات امام احمد کا یہ کہنا "وضع کتابا" یعنی ابوعوانہ نے کوئی کتاب وضع کی تھی، اس بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ اگر "وضع" سے مراد خود لکھنا ہے تو یہ خلاف حقیقت ہے، کیوں کہ ابوعوانہ رحمہ اللہ "امی" تھے، لکھنا نہیں جانتے تھے، (کمامر) اور اگر اس سے مراد کسی اور کی لکھی ہوئی کتاب ہے، تو صرف اس نوعیت کی کتاب کا کسی کے پاس ہونا اس کے عقیدہ کو مستلزم نہیں۔

بعض حضرات نے کہا (کہ اگر کتاب کی نسبت ابوعوانہ رحمہ اللہ کی طرف درست مان بھی لی جائے تو پھر) اس سے مراد مشاجرات صحابہ ہیں (نہ کہ مطلقاً عیوب)۔(۴)

بہر حال امام ابوعوانہ ثقہ راوی ہیں، ان کی ثقاہت پر کبار ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے، خود امام احمد بن حنبل سے ان کی توثیق مروی ہے، ان کے بارے میں وہی بات فیصلہ کن ہے جو گذشتہ سطور میں علامہ ذہبی رحمہ

---

(۱) الكامل في ضعفاء الرجال: ٣٠٦/٣

(٢) كتاب العلل ومعرفة الرجال: ٣٥٤/١

(٣) الكاشف مع تعليقات الشيخ محمد عوامه: ٣٤٩/٢، رقم: ٦٠٤٩

(٤) تعليقات كتاب العلل ومعرفة الرجال: ٣٥٤/١

اللہ سے منقول ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

وفات

ابوعوانہ رحمہ اللہ کے سنہ وفات کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل اور مؤرخین سے دو قول منقول ہیں:

۱-محمد بن عیسیٰ، یعقوب بن سفیان، محمد بن محبوب، یحییٰ بن حماد، احمد بن حنبل، عبداللہ بن ابوالاسود، اور علامہ ذہبی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ابوعوانہ کا ۱۷۶ ہجری میں انتقال ہوا۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن محبوب سے وفات کا دن اتوار اور مہینہ ربیع الآخر نقل کیا ہے،(۲) جب کہ علامہ مزی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، محمد بن محبوب سے ربیع الأول کا مہینہ نقل کیا ہے۔(۳) ابن حبان نے بھی اتوار کا دن اور ربیع الأول کا مہینہ ذکر کیا ہے۔(۴) یہی علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔(۵)

ابن حبان، محمد بن محبوب، یحییٰ بن حماد اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوعوانہ بصرہ میں فوت ہوئے۔(۶) جب کہ ابن سعد نے یحییٰ بن حماد سے نقل کیا ہے کہ ابوعوانہ ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں جب بصرہ کا گورنر جعفر بن سلیمان تھا تو ۱۷۶ ہجری میں انتقال کر گئے۔(۷)

۲-احمد بن اسحاق بندار، ابوغالب علی بن محمد اور علی بن مدینی رحمہم اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ ابوعوانہ ۱۷۵

---

(۱) تاریخ بغداد: ۱۳/۴۶۹، ۴۷۰، التاريخ الكبير: ۸/۱۸۱، طبقات ابن سعد: ۷/۲۸۸، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۸، تهذيب الكمال: ۳۰/۴۴۸، تاريخ الإسلام: ۴/۶۵۱، الكاشف: ۳/۲۲۴، سير أعلام النبلاء: ۸/۲۲۱، تذكرة الحفاظ: ۱/۲۳۷

(۲) التاريخ الكبير: ۸/۱۸۱

(۳) تهذيب الكمال: ۳۰/۴۴۸، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۸

(٤) كتاب الثقات: ۷/۵۶۳

(٥) تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، سير أعلام النبلاء: ۸/۲۲۱، تذكرة الحفاظ: ۱/۲۳۷

(٦) كتاب الثقات: ۷/۵۶۳، التاريخ الكبير: ۸/۱۸۱، تاريخ الإسلام: ٤/٦٥١، سير أعلام النبلاء: ۸/۲۲۱، تذكرة الحفاظ: ۱/۲۳۷

(۷) الطبقات الكبرى: ۷/۲۸۸

ہجری میں انتقال کر گئے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تـقريب التهذيب" میں لفظ ''أو'' کے ۱۷۵ ہجری اور ۱۷۶ ہجری دونوں کو نقل کیا ہے۔(۲)

چوں کہ اکثر ائمہ جرح وتعدیل اور مؤرخین نے ۱۷۶ ہجری نقل کیا ہے، اس لیے وہی راجح معلوم ہوتا ہے۔واللہ أعلم بالصواب۔

حدثنا الأعمش

یہ امام اعمش کے لقب سے معروف، ابو محمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی رحمہ اللہ ہیں۔(۳)

ان کے احوال ''کتاب العلم، باب ظلم دون ظلم'' کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔(۴)

عن سالم بن أبي الجعد

یہ سالم بن ابی الجعد رافع اشجعی کوفی رحمہ اللہ ہیں۔(۵)

ان کے حالات صحیح البخاری ''کتاب الوضوء باب التسمیۃ علیٰ کل حال وعند الوقاع کے تحت ملاحظہ فرمالیں۔

عن کریب مولیٰ ابن عباس

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام ابو رِشْدِین کریب بن ابی مسلم قرشی، ہاشمی، حجازی رحمہ اللہ ہیں۔(۶)

ان کے حالات زندگی صحيح البخاري "كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء" کے تحت ملاحظہ کیجیے۔

---

(۱) تاريخ بغداد: ۱۳/۴۷۰، تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۱۸

(۲) تقريب التهذيب: ۲/۲۸۳

(۳) تهذيب الكمال: ۱۲/۷۶-۹۲

(٤) دیکھیے، كشف الباري: ۲/۲۵۱-۲۵۳

(٥) تهذيب الكمال: ۱۰/۱۳۰-۱۳۳

(٦) تهذيب الكمال: ۲٤/۱۷۲-۱۷٤

عن ابن عباسی رضي الله عنهما

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف رضی اللہ عنہما ہیں۔(۱)

آپ رضی اللہ عنہما کے حالات، بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) اور کتاب الإیمان باب کفران العشیر، وکفر بعد کفر کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔(۳)

عن میمونة بنت الحارث رضي الله عنها

یہ أم المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں۔(۴)

آپ رضی اللہ عنہا کے احوال، "کتاب العلم، باب السمر في العلم" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

شرح حدیث

وضعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غسلاً

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے (غسل کا) پانی رکھا۔

لفظ غسلاً کی وضاحت

لفظ "غسل"، اگر غین کے ضمہ کے ساتھ ہو تو غسل کے پانی کو کہتے ہیں، اگر غین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوگا، غسل کرنے کو کہتے ہیں اور اگر غین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو مراد وہ جڑی بوٹیاں (صابون، اشنان اور بیری وغیرہ) ہیں جن کو پانی میں ڈال کر یا بدن پر مل کر غسل کیا جاتا ہے۔(۶)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۳۳۱-۳۵۹

(۲) کشف الباري: ۱/۴۳۵-۴۳۷

(۳) دیکھیے، کشف الباري: ۲/۲۰۵

(٤) الإصابة: ٤/۱۱، ۱۲، الطبقات الکبری: ۸/۱۳۲

(٥) دیکھیے، کشف الباري: ٤/٤۲۰-٤۲۲

(٦) شرح الکرماني: ۳/۱۲۸، عمدة القاري: ۳/۳۱۵، إرشاد الساري: ۱/۵۰۳

سترته

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وسترته کے ''واؤ'' کو حالیہ قرار دیا ہے۔(۱)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے حافظ صاحب پر رد کرتے ہوئے لکھا کہ ''واؤ'' کو حالیہ قرار دینا درست نہیں، یہاں ''واؤ'' حالیہ نہیں، بلکہ عاطفہ ہے اور اس کا عطف "وضعت" پر ہے۔(۲)

"بثوب" کا اضافہ

ابن فضیل نے اعمش سے "بثوب" کی زیادتی اور اضافہ نقل کیا ہے، یعنی "سترته بثوب". (۳)

خود امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابة" میں عبدان سے بواسطہ ابوحمزہ عن الاعمش حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے "سترته بثوب" کی صراحت نقل فرمائی ہے۔(۴)

سترته کی ضمیر کا مرجع

سترته کی ضمیر مفعول میں دو احتمال ہیں:

پہلا احتمال

ایک یہ کہ ضمیر مفعول "غسلاً" کی طرف راجع ہو، جیسا کہ ظاہر ہے اور شراح حدیث نے بھی اسی احتمال کو لے کر شرح حدیث کی ہے، یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور اس پانی (کے برتن) کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا، (تاکہ گرد وغبار اور مٹی وغیرہ سے محفوظ رہ سکے) پھر جب آپ علیہ السلام نے غسل کا ارادہ فرمایا تو اس پانی کے برتن سے کپڑے کو ہٹایا اور پانی لیا۔(۵)

---

(۱) فتح الباري: ٤٥٩/٢

(٢) عمدة القاري: ٣١٥/٣

(٣) فتح الباري: ٤٥٩/٢، عمدة القاري: ٣١٥/٣

(٤) إرشاد الساري: ٥٠٣/١

(٥) شرح الكرماني: ١٢٨/٣، عمدة القاري: ٣١٥/٣، إرشاد الساري: ٥٠٣/١، تحفة الباري: ٢٢٦/١

دوسرا احتمال

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ستر تہ" کی ضمیر مفعول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو، یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے سے پردہ کروایا، اس کی تائید امام بخاری رحمہ اللہ کی "باب التستر في الغسل عندالناس" میں سفیان عن الاعمش کے طریق سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہی کی رویات سے ہوتی ہے، جس میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے صراحت سے فرمایا: "سترت النبي صلى الله عليه وسلم وهو يغتسل من الجنابة".

فصبّ علی یده

علامہ کرمانی رحمہ اللہ، علامہ زکریا انصاری رحمہ اللہ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ فصب کا عطف "فأراد رسول الله صلى الله عليه وسلم الغسل فكشف رأسه فأخذه" محذوف پر ہے یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا اور اسے ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا ارادہ سے تشریف لائے اور برتن سے کپڑا اٹھایا اور پانی لے کر اپنے ہاتھوں پر ڈالا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کی اس رائے کو "قیل" کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ محذوف پر عطف والا احتمال ہی متعین نہیں، بلکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ "فصبّ" کا عطف "وضعت" پر ہو، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے، یعنی میں نے آپ علیہ السلام کے لیے غسل کا پانی رکھا تو آپ علیہ السلام نے غسل شروع فرمادیا اور یہ ممکن ہے کپڑے بھی پہلے اتارے ہوں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پانی رکھتے ہی غسل فرمالیا ہو، اور پانی لینے کا معنی "فصب" میں بعینہ موجود ہے، (ظاہر ہے کہ پانی لے کر ہی اسے ہاتھوں پر بہانہ ممکن ہے)۔(۲)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۸/۳، تحفة الباري: ۲۲٦/۱، إرشاد الساري: ۵۰۳/۱

(۲) فتح الباري: ۴۵۹/۲

علامہ عینی رحمہ اللہ کا حافظ صاحب پر رد

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ وغیرہ کی توجیہ اختیار کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر رد کرتے ہوئے لکھا کہ بعض لوگوں کا "فصبّ" کا عطف "وضعت" پر قرار دینا گویا ان لوگوں کے تصرف کی طرح ہے جو معانی تراکیب کا کوئی ذوق صحیح نہیں رکھتے ہیں، اور صب ماء کو وضع ماء پر کیسے مرتب کر سکتے ہیں جب کہ ان دونوں کے درمیان دوسرے افعال بھی ہیں، پھر "صب" کی تفسیر "شرع" کے ساتھ کرنا بھی درست نہیں۔(۱) (ظاہری بات ہے غسل کی ابتدا ہاتھوں پر پانی بہانے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس پہلے بھی کئی مراحل ہیں، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔)(۲)

يده

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حدیث میں لفظ "ید" اگرچہ مفرد ہے، مگر اس سے دونوں ہاتھ مراد ہیں، کیوں لفظ "ید" سے اسم جنس مراد ہے، لہٰذا دونوں ہاتھوں کا مراد لینا درست ہے۔(۳)

قال سليمان

یہ ابوعوانہ کا مقولہ ہے اور سلیمان سے مراد سند میں مذکور ابوعوانہ کے شیخ سلیمان بن مہران ہیں، جو اعمش کے لقب سے معروف ہیں۔(۴)

لاأدري أذكر الثالثة أم لا

أذكر کا فاعل سالم بن ابی الجعد ہے، اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ابوعوانہ نے کہا سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں میرے شیخ سالم بن ابی الجعد نے فغسلهما مرة أو مرتين کے بعد "ثلاثاً" کا لفظ

---

(۱) عمدة القاري: ۳/۳۱۵

(۲) عمدة القاري: ۳/۳۱۵

(۳) شرح الكرماني: ۳/۱۲۸، عمدة القاري: ۳/۵۱۳، إرشاد الساري: ۱/۵۰۳، تحفة الباري: ۱/۲۲۶

(٤) شرح الكرماني: ۳/۱۲۸، فتح الباري: ۲/٤٥۹، عمدة القاري: ۳/۵۱۳، إرشاد الساري: ۱/۵۰۳، تحفة الباري: ۱/۲۲٦

ذکر کیا یا نہیں؟۔(۱)

امام اعمش کی روایات میں تعارض

یہاں ابوعوانہ کی روایت میں امام اعمش لا أدري أذكر الثالثة أم لا؟ کہہ رہے ہیں، اور باب الغسل مرة واحدة میں عبدالواحد کی روایت میں انہوں نے اپنے استاذ سے "مرتين أوثلاثا" شک کے ساتھ نقل کیا ہے، جب کہ ابوعوانہ اسفرائینی نے اپنی مستخرج میں محمد بن فضیل عن الاعمش عن سالم بن ابی الجعد یہ روایت نقل کی ہے، اس میں امام اعمش نے اپنے استاذ شیخ سالم بن ابی الجعد سے بغیر کسی شک کے جزم کے ساتھ "فصب علی یدیه ثلاثاً" کے الفاظ نقل کیے ہیں، تو گویا امام اعمش کی یہ دونوں روایتیں باہم متعارض ہیں، ایک میں شک ہے اور ایک میں جزم فرمایا ہے۔(۲)

اعمش کی روایات میں تطبیق

امام اعمش کی ان دونوں روایتوں میں جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امام اعمش کو پہلے اس بات میں شک تھا کہ ان کے شیخ نے "ثلاثاً" فرمایا یا نہیں، چناں چہ انہوں نے شک کے ساتھ روایت بیان کی، عبدالواحد اور ابوعوانہ نے اپنے شیخ امام اعمش سے اس روایت کو شک کے ساتھ نقل کیا، بعد میں امام اعمش کو یاد آیا کہ ان کے شیخ سالم بن ابی الجعد نے "ثلاثاً" کے الفاظ ذکر کیے تھے تو ان کا شک دور ہو گیا اور انہوں نے اس کا جزم فرمایا، چوں کہ ابن فضیل کا امام اعمش سے سماع عبدالواحد اور ابوعوانہ سے متاخر ہے، اس لیے محمد بن فضیل نے امام اعمش سے جزم کے ساتھ "فصبّ على يديه ثلاثا" کے الفاظ نقل کیے ہیں۔(۳)

---

(۱) شرح الكرماني: ۱۲۸/۳، فتح الباري: ۴۵۹/۲، عمدة القاري: ۵۱۳/۳

(۲) إرشاد الساري: ۵۰۳/۱

(۳) فتح الباري: ۴۹۵/۲، عمدة القاري: ۵۱۳/۳، إرشاد الساري: ۵۰۳/۱، تحفة الباري: ۲۲۶/۱، وأما رواية ابن فضيل عن الأعمش أخرجه أبوعوانة الإسفرائيني في مسنده (۲۵۰/۱)، في كتاب الطهارة، [باب] بيان دلك الشمال بالأرض بعد غسل الفرج، وغسل الرجلين في الوضوء بعد غسل الجسد بعد أن تنحى مقامه، والدليل على إباحة القيام من مقعده بين وضوءه وقعوده في مكان آخر لإتمام وضوءه، والترغيب في ترك المسح بالمنديل بعد الغسل، وبيان الابتداء بغسل يمينه عليه بشماله: [۸۶۴] حدثنا أحمد بن عبدالجبار =

ثم أفرغ بيمينه على شماله

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا (ڈالا)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی روایت "باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة" میں ابوحمزۃ عن الاعمش کے طریق سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "وصب على يديه فغسلهما، ثم صب بيمينه على شماله" یعنی آپ علیہ السلام نے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا اور انہیں دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہایا۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے واضح ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں دایاں ہاتھ ڈالنے سے قبل دونوں ہاتھ دھو لیے تھے۔(۱)

اسی طرح "باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة" میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حفص بن غیاث عن أبیہ عن الاعمش کے طریق سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے: "صببت للنبي صلى الله عليه وسلم غسلاً، فأفرغ بيمينه على يساره فغسلها ثم غسل فرجه". ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے لکھا کہ ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے برتن لیا اور اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا۔(۲)

علامہ ابن بطال کی رائے

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هذا الحديث محمول عند البخاري علىٰ أنّه كان في يده أو في

= قال: ثنا محمد بن فضيل عن الأعمش، عن سالم بن أبي الجعد عن كريب، عن ابن عباس، عن ميمونة قالت: "قرّبت لرسول الله صلى الله عليه وسلم غُسلاً من الجنابة وسترته بالثوب، قالت: فصَب على يديه ثلاثاً من الإناء فغسل يديه، ثم صب بيمينه على شماله فغسل فرجه، ثم مسح يديه بالأرض أو الحائط، ثم مضمض واستنشق وغسل وجهه وذراعيه، ثم أفاض الماء على رأسه وعلى سائر جسده، ثم تنحىٰ فغسل قدميه، ثم ناولته المنديل ينشف وجعل ينفض عنه الماء". انتهى.

(۱) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٦۷

(۲) فتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱/۱٦۷

فرجه جنابة أو أذى، فلذلك دلك يده بالأرض وغسلها قبل إدخالها في وضوئه".(١)

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث باب اس بات پر محمول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ یا شرمگاہ پر جنابت یا کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا اور پانی کے برتن میں ڈالنے سے پہلے اسے دھویا۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔(٢)

امام خطابی کی توجیہ

امام خطابی رحمہ اللہ نے "أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري" میں لکھا ہے کہ استنجا میں تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، یہی ایک صورت جواز کی ہے، اس کے علاوہ (بلاضرورت) جائز نہیں، باقی رہی بات اطراف کے دھونے کی تو اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر برتن چوڑے منہ والا ہو تو پھر اسے دائیں طرف رکھ کر دائیں ہاتھ سے پانی لے گا اور پھر اسے بائیں ہاتھ پر ڈالے گا، البتہ اگر برتن تنگ منہ والا ہو یعنی صراحی نما ہو، جیسا کہ تنگ منہ والی بوتل یا گھڑا وغیرہ، تو پھر اس کو بائیں طرف رکھ کر اس دائیں پر پانی ڈالے گا۔(٣)

امام خطابی رحمہ اللہ کا یہ قول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ دونوں نے نقل کیا ہے۔(٤)

یہی بات ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے بعض فقہائے حنابلہ وشوافع وغیرہ سے نقل کی ہے اور اس کی دلیل میں امام طبرانی رحمہ اللہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے:

"أنه أراهم الوضوء، فأخذ ركوة فوضعها عن يساره، وصبّ علىٰ يده

---

(١) شرح ابن بطال: ١/٣٨٩

(٢) إرشاد الساري: ١/٥٠٣

(٣) أعلام الحديث: ١/٣٠٣، ٣٠٤

(٤) فتح الباري: ٢/٤٩٥، عمدة القاري: ٣/٣١٤

اليمنىٰ منها ثلاثاً —وذكر بقية الوضوء—، ثمّ قال: هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ".(۱)

انہوں نے بعض لوگوں کو وضو کر کے دکھلایا بایں طور سے کہ ایک تنگ منہ والا برتن (چھوٹا ڈول یا پانی پینے کا چمڑے والا ڈونگا وغیرہ) لے کر اسے اپنی بائیں طرف رکھا اور اپنے دائیں ہاتھ پر اس سے تین مرتبہ پانی ڈالا، وضو مکمل کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

شریعت کا ایک قاعدہ مستمرہ

علامہ نووی رحمہ اللہ نے "باب التيمن في الطهور وغيره" کے تحت لکھا ہے کہ شریعت میں یہ قاعدہ مستمرہ ہے کہ جو امور باب تکریم وتشریف میں سے ہیں، جیسا کہ کپڑا، شلوار اور موزہ وغیرہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کاٹنا، مونچھیں تراشنا، بالوں میں کنگھی کرنا، بغل کے بال نوچنا، سر کے بالوں کا حلق کروانا، نماز کا سلام پھیرنا، اعضائے طہارت کا دھونا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا، پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کا استلام کرنا وغیرہ اور اس طرح کے دیگر امور جو باب تکریم وتشریف میں سے ہیں، ان سب میں تیامن مستحب ہے، باقی جو باتیں ان کی ضد ہیں، جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، ناک صاف کرنا، استنجا کرنا، کپڑے اور موزہ جوتا وغیرہ اُتارنا، ان سب امور میں تیاسر مستحب ہے، یہ سب دائیں جانب کی شرافت وکرامت کی وجہ سے ہے۔(۲) علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں شیخ محی الدین رحمہ اللہ کے حوالہ سے اسی قاعدہ کو نقل فرمایا ہے۔(۳) اور یہی بات علامہ محمد بن اسماعیل کحلانی نے بھی لکھی ہے۔(۴)

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب التيمن في شأنه كله، في نَعْلَيْهِ وترجّله وطهوره"(۵) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) فتح الباری لابن رجب الحنبلی: ۱/۱۶۸

(۲) شرح النووي: ۱۵۲/۳

(۳) عمدة القاري: ۴۶/۳، ۴۷

(۴) سبل السلام: ۱/۵۰، ۵۱

(۵) الحديث أخرجه مسلم في صحيحه واللفظ له في كتاب الطهارة، باب التيمن في الطهور وغيره، رقم =

قابل شرف وتکریم امور جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور پاکی حاصل کرنے میں تیمن کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں "في شانه كله" بظاہر عام ہے، لیکن شراح حدیث کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ اعمال داخل ہیں جن کو ایک ساتھ کرنا متعارف نہ ہو اور وہ قابل تکریم ہونے کے ساتھ مقصود بھی ہوں، چناں چہ علامہ سندی رحمہ اللہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"يحب التيمن، أي: الابتداء باليمين، أي فيما لم يعهد فيه المقارنة ويكون من باب التشريف".(۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اعمال) میں دائیں سے آغاز کرنا پسند فرماتے تھے یعنی ایسے اعمال میں جن کو ایک ساتھ کرنا متعارف نہ ہو اور وہ قابلِ تکریم ہوں۔

وہ اعمال جو بذات خود مطلوب نہیں ہوتے، بلکہ کسی کی بنا پر ان کی اجازت دی گئی ہو تو ان اعمال میں تیامن نہیں، تیاسر مستحب ہوتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں:

"وما يستحب فيه التياسر ليس من الأفعال المقصودة، بل هي إما تروك وإما غير مقصودة".(۲)

یعنی جن اعمال کو بائیں سے شروع کرنا مستحب ہے وہ افعال بذات خود مقصود نہیں ہوتے، بلکہ وہ یا تو تروک کے قبیل سے ہیں، یا وہ بذاتِ خود غیر مقصود ہیں۔

باقی رہی بات حدیث میں مذکور تنعل، ترجل اور طہور کی، تو علامہ ابن امیر حاج مالکی رحمہ اللہ، (المتوفی ۷۳۷ھ) نے حدیث میں ان تینوں کے ذکر کو علامتی قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے جائز اعمال یا تو واجب ہوں گے، یا مستحب، یا مباح، حدیث میں طہور سے جنس واجبات کی طرف، ترجل سے جنس مندوبات کی

= الحديث: ۶۱۷، والبخاري في صحيحه، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل، رقم الحديث: ۱۶۸

(۱) حاشية الإمام السندي على سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب التيمن في الوضوء، ص: ۲۲۷، تحت رقم الحديث: ۴۰۱.

(۲) عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل: ۴۷/۳

طرف اور تنعّل سے جنس مباحات کی طرف اشارہ ہے، یعنی واجبات، مستحبات اور مباحات تمام میں دائیں سے ابتدا کرنا پسندیدہ نبوی میں داخل ہے۔(۱)

شارحِ بخاری ابو محمد اندلسی رحمہ اللہ کا قول

شارحِ بخاری علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی حمزہ اندلسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۹۹ ہجری) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیاسر فی الاعمال کے بارے میں فرمایا:

"كان على ذلك الشأن في جميع المفروضات والمستحبات والمباحات".(۲)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مفروضات، مستحبات اور مباحات میں تیامن کو پسند فرمایا کرتے تھے۔

غرض اعمال میں استحباب تیامن کے لیے درج ذیل اُمور کا پایا جانا ضروری ہے:

۱-عمل قابلِ تکریم وتشریف ہو۔

۲-عمل بذاتِ خود مطلوب ہو، یا عبادات کے قبیل میں سے ہو۔

۳-ان اعمال کو دائیں اور بائیں طرف سے بیک وقت انجام دینا ممکن نہ ہو۔(۳)

واللہ اعلم بالصواب۔

ثم دلك يده بالأرض أو الحائط

راوی کو شک ہے کہ آپ علیہ السلام نے زمین پر ہاتھ رگڑا، یا دیوار کے ساتھ،(۴) بعض روایات میں زمین کے ساتھ رگڑنے اور بعض میں دیوار پر ہاتھ رگڑنا مذکور ہے، (کمامر)۔

---

(۱) المدخل: ۲۸۰/۲

(۲) بهجة النفوس وتحليها بمعرفة ما لها وما عليها شرح مختصر صحيح البخاري، المسمى: جمع النهاية في بدء الخير والغاية، الحكمة في أن النبي صلى الله عليه وسلم يحب التمين: ۱۸۸/۱

(۳) عمدة القاري: ۴۷/۳

(۴) إرشاد الساري: ۵۰۳/۱

ثم تمضمض

یہ ابوذر، ابوالوقت، اصیلی اور ابن عساکر کی روایت ہے،(۱) جب کہ اصیلی ہی کی ایک روایت میں مضمض بغیر "تاء" کے بھی آیا ہے۔(۲)

استنشق وغسل وجهه ويديه وغسل رأسه ثم صب علی جسده ثم تنحیٰ

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ و ہاتھ دھوئے اور سر دھویا، پھر اپنے (پورے) جسم پر پانی بہایا اور غسل والی جگہ سے ہٹ گئے۔(۳)

فغسل قدميه

یہ اکثر حضرات کی روایت ہے، جب کہ ابوذر کی روایت میں "فاء" کی جگہ "وَغسل قدميه" آیا ہے۔(۴)

فناولته خرقه فقال بيده: هكذا

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں کپڑے کا ٹکڑا یعنی تولیہ پیش کیا تا کہ جسم مبارک کو خشک فرمالیں، تو آپ علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارہ سے منع فرمایا۔

اس بات کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ قول کا اطلاق فعل پر ہوتا ہے۔(۵)

ولم يُرِدْهَا

"يُرِدْهَا" یاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ اصل میں أراد، يريد، إرادةً سے "يُرِيْدُهَا" تھا، لم کی وجہ سے حالت جزمی میں یاء کے حذف ہونے سے "يُرِدْهَا" ہوگیا ہے۔(۶)

---

(١) كما مر في رواية الباب السابق، راجع: إرشاد الساري: ١/٥٠٢

(٢) فتح الباري: ٢/٤٩٥، إرشاد الساري: ١/٥٠٣، تحفة الباري: ١/٢٢٦

(٣) إرشاد الساري: ١/٥٠٣.

(٤) فتح الباري: ٢/٤٩٥، عمدة القاري: ٣/٣١٥، إرشاد الساري: ١/٥٠٣، تحفة الباري: ١/٢٢٦

(٥) شرح الكرماني: ٣/١٢٨، إرشاد الساري: ١/٥٠٣، فتح الباري: ٢/٤٩٥، عمدة القاري: ٣/٣١٥

(٦) فتح الباري: ٢/٤٩٥، إرشاد الساري: ١/٥٠٣، شرح الكرماني: ٣/١٢٨

بعض حضرات ابن السکن وغیرہ نے اسے یاء کے فتحہ اور دال کی تشدید کے ساتھ "یَرُدُّھَا" (رد کرنا) نقل کیا ہے، جیسا کہ صاحب مطالع نے ذکر کیا ہے، لیکن صاحب مطالع اور دیگر شراح حدیث نے فرمایا کہ یہ ارادہ سے ہے، رد سے نہیں، رد والی روایت ابن السکن کا وہم ہے، کیوں کہ اس سے معنی میں فساد پیدا ہوجاتا ہے، "لم یردھا" (ارادہ سے) ہی صحیح ہے، اس کی تائید امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی عفان عن ابی عوانہ کے طریق سے اسی سند کے ساتھ نقل کردہ روایت سے ہوتی ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: فقال هكذا وأشار بيده أن لا أريدها". (۱) اس کی مزید تائید امام بخاری رحمہ اللہ کی "باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة" میں ابوحمزہ عن الاعمش کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "فناولته ثوباً فلم ياخذه، فانطلق وهو ينفض يديه". (۲)

اس کے علاوہ "باب من توضأ في الجنابة، ثم غسل سائر جسده، ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرى" میں الفضل بن موسیٰ عن الاعمش کے طریق سے یہی روایت مروی ہے، جس میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فأتيته بخرقة فلم يردها، فجعل ينفض بيده".

ابوحمزہ عن الاعمش اور الفضل بن موسیٰ عن الاعمش کی روایت میں فلم یاخذہ اور فلم یردھا کے بعد ینفض یدیه اور فجعل ینفض بیدہ کا مذکور ہونا بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مراد عدم ارادہ ہے، عدم رد نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر ہے (بایں طور سے کہ ترجمہ میں غسل کے دوران دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالنا مذکور ہے، اور حدیث باب میں "فأفرغ بيمينه على شماله" کی صراحت آئی ہے)۔ (۳)

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، مسند ميمونة رضي الله عنها: ٤٤/٤٢٧، ٤٢٨، رقم الحديث: ٢٦٨٥٦

(۲) عمدة القاري: ٣/٣١٥، فتح الباري: ٢/٤٩٦، إرشاد الساري: ١/٥٠٣، التوشيح: ١/٢٤٨

(۳) عمدة القاري: ٣/٣١٥

ایک اشکال

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ دعویٰ یعنی ترجمۃ الباب اعم ہے کہ اس میں غسل میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنے کا ذکر ہے اور دلیل یعنی حدیث خاص ہے کہ اس میں استنجا کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالنا مروی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا جواب

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ شرمگاہ دھوتے ہوئے "إفراغ باليمين على الشمال" تو حدیث سے ثابت ہے، اس کے علاوہ غسل وغیرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت شریفہ سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام ہر کام میں تیامن کو پسند فرمایا کرتے تھے۔کما تقدم(۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں مراد: "إفراغ الماء بيمينه على شماله في الاستنجاء في الغسل" ہے۔(۳)

یعنی إفراغ باليمين على الشمال مطلقاً استنجا میں نہیں، بلکہ اس استنجا میں ہے جو غسل جنابت سے متصل پہلے کیا گیا ہو، گویا وہ بھی غسل جنابت میں داخل ہے، اگر علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ کو لیا جائے تو پھر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے جواب کی کوئی حاجت باقی رہتی ہے۔

بعض علماء کا جواب

بعض حضرات علماء نے اس اعتراض کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے غسل فرج میں افراغ بالیمین علی الشمال کو نصاً ثابت کیا ہے اور باقی اعضا میں قیاساً، یعنی باقی اعضا کو غسل فرج پر قیاس کیا جائے گا کہ جس طرح غسل فرج میں افراغ بالیمین علی الشمال پایا گیا، اسی طرح باقی اعضا میں افراغ بالیمین علی

(۱) فتح الباري: ٢/٤٩٦، الكوثر الجاري: ١/٤٢١

(۲) فتح الباري: ٢/٤٩٥

(۳) عمدة القاري: ٣/٣١٤

الشمال سے کام لیا ہوگا۔(۱)

بعض حضرات کی توجیہ پرایک نظر

بعض حضرات علماء کا یہ جواب ان لوگوں کے مسلک ورائے کے مطابق تو درست قرار پا سکتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کو قائلین قیاس میں شمار کرتے ہیں، لیکن جو حضرات امام بخاری رحمہ اللہ کو قائلین قیاس میں شمار نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ تقریر ضعیف ہو جائے گی اور تحقیق بھی یہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں، تو پھر اثبات ترجمہ کے لیے قیاس کا سہارا لینا چہ معنی دارد!۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تشحید اذہان کی خاطر روایت الباب کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہی روایت "باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة" میں حفص بن غیاث کے طریق سے گذری ہے، اس میں "فأفرغ بيمينه على يساره فغسلهما ثم غسل فرجه" وارد ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھوتے ہوئے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا تھا، تو غسل فرج سے متجاوز ہو کر ہاتھ دھونے کی طرف افراغ بالیمین علی الیسار متعدی ہو گیا، امام بخاری رحمہ اللہ کی نگاہ چوں کہ تمام روایات پر ہوتی ہے، اس لیے تشحید اذہان کی خاطر انہیں غیر مظان میں بھی ذکر کرتے ہیں۔(۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت کی طرف اشارہ والا جواب علامہ کورانی رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت کے مطابق اسے استدلال بالخفی قرار دیا ہے۔(۳)

فائدہ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا کہ حدیث باب جو موسیٰ بن اسماعیل کے طریق سے ہے، اس سے پہلے "باب الغسل مرة واحدة" میں گذر چکی ہے، البتہ وہاں موسیٰ بن اسماعیل کے شیخ عبدالواحد تھے اور یہاں ابو

(۱) الكوثر الجاري: ۴۲۱/۱

(۲) حاشية اللامع: ۲۲۱/۳، الكنز المتواري: ۲۱۰/۳

(۳) الكوثر الجاري: ۴۲۲/۱

عوانہ ہے اور بعض الفاظ کا فرق ہے چناں چہ یہاں وضعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم سے اور وہاں وضعت للنبي صلى الله عليه وسلم تھا، یہاں غسلاً ہے اور وہاں ماء للغسل تھا، یہاں اس کے بعد سترته فصب على يده فغسلهما مرة أومرتين ہے، وہاں فغسل يده مرتين أو ثلاثاً تھا، یہاں اس کے بعد قال سليمان: لا أدري أذكر الثالثة أم لا ثم أفرغ بيمينه على شماله، فغسل فرجه ثم دلك يده بالأرض أوبالحائط ہے اور وہاں ثم أفرغ على شماله، فغسل مذاكيره، ثم مسح يده بالأرض تھا، یہاں مضمض ہے اور وہاں تمضمض تھا، یہاں ثم صب على جسده ثم تنحیٰ فغسل قدميه ہے اور وہاں ثم أفاض على جسده، ثم تحول من مكانه فغسل قدميه تھا، یہاں فناولته خرقة فقال بيده هكذا، ولم يردها کے الفاظ کا اضافہ ہے۔(۱)

امور مستنبطہ

حدیث الباب سے درج ذیل امور کو مستنبط کیا گیا ہے:

۱- غسل کرتے وقت محارم جن کا دیکھنا جائز ہے، ان سے بھی پردہ کر کے غسل کرنا مستحب ہے۔(۲)

۲- بیوی کا شوہر کی خدمت کرنا۔(۳)

۳- غسل کے لیے رکھے گئے پانی کو ڈھانپنا۔(۴)

۴- ہاتھ کا زمین یا دیوار پر رگڑنا۔(۵)

۵- تقدیم استنجاء(۶)

۶- تقديم الوضوء على الغسل۔(۷)

---

(۱) عمدة القاري: ٣/٣١٤، ٣١٥

(٢) الكوثر الجاري: ١/٤٢٢

(٣) تحفة الباري: ١/٢٢٦، الكوثر الجاري: ١/٤٢١

(٤) تحفة الباري: ١/٢٢٦

(٥) الكوثر الجاري: ١/٤٢١

(٦) تحفة الباري: ١/٢٢٦

(٧) الكوثر الجاري: ١/٤٢١

۷- برتن میں ہاتھ ڈالے بغیر ہاتھ پر پانی ڈالنا۔(۱)

۸- دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی بہانا۔

۹- پاؤں دھونے کو مؤخر کر کے آخر میں دھونا۔

۱۰- اعضائے غسل کو تولیہ وغیرہ سے خشک نہ کرنا۔(۲)

واللہ أعلم بالصواب۔

هـذا آخـر ما أردنا إيراده من شرح أبواب كتاب الغسل، من الجامع الـصحيح للإمام البخاري رحـمه الله تعالىٰ في ضوء ما أفاده الشيخ المحدّث، سـمـاحة الأستـاذ سليـم الله خان المؤقر حفظه الله ورعاه، ومتعنا الله بطول حياته بصحةٍ وعافيةٍ.

رتّبـه وراجـع نـصـوصه وحققه وعلق عليه أبو الخير عارف محمود —عـضـو قسـم التـحـقـيـق والتـصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقيه بكراتشي— ووفـقـه الله تعالىٰ لإتمام باقي الأبواب والكتب، كما يحب ويرضىٰ وهو علىٰ كل شيء قدير، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم.

ويـليـه إن شـاء الله تـعـالىٰ في المجلد الثاني منه: "باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار علىٰ نسائه في غسل واحد".

والـحـمـدلله الـذي بـنـعـمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام علىٰ رسولـه مـحـمـد أفضل الموجودات وأكرم المخلوقات، وعلىٰ آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان مادامت الأرض والسماوات.

---

(١) تحفة الباري: ٢٢٦/١

(٢) تحفة الباري: ٢٢٦/١

مصادر ومراجع

١- القرآن الكريم

٢- احكام اسلام عقل كى نظر ميں، للشيخ حكيم الأمة مولانا أشرف علي التهانوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٣٦٢هـ، دارالاشاعت كراچى.

٣- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار فيما تضمنه الموطأ من معاني الرأي والآثار وشرح ذلك كله بالإيجاز والاختصار، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمري القرطبي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٤٦٣هـ، تحقيق: عبد الرزاق المهدي، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢هـ-٢٠٠١م.

٤- الاستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٦٣هـ، دار الفكر، بيروت.ط: ١٤٠٩هـ-١٩٨٩م.

٥- الاحتجاج، لأبي منصور علي بن أبي طالب الطبرسي الشيعي، تحقيق: محمد باقر الخراساني، طبع في مطبع النعمان، النجف الأشرف، حسن إبراهيم الكبتي، ط: ١٣٨٦هـ.

٦- الآحاد و المثاني، للإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن ضحاك الشيباني(ابن أبي عاصم)المتوفىٰ: ٢٨٧هـ، تحقيق: الدكتور باسم فيصل أحمد الجوابرة، دار الراية، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤١١هـ-١٩٩١م.

٧- الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، للشيخ العلامة المحدث محمد زكريا بن محمد يحيىٰ الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٤٠٢، الموافق سنة ١٩٨٢ء، ايج، ايم،

سعید، کمپنی کراچی.

٨- الأبواب والتراجم اردو شرح بخاری شریف، شیخ الحدیث مولانا محمد إدريس الكاندهلوي رحمه الله، المتوفى: ١٣٩٤هـ، کتب خانه جمیلی، لاهور.

٩- الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، للعلامة محمد عبد الحيي اللكنوي، رحمه الله، المتوفیٰ: ١٣٠٤هـ، تعليق: الشيخ عبد الفتاح أبو غدة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعةالسادسة: ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م.

١٠- الأدب المفرد للإمام أبي عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن بردزبه البخاري رحمه الله، (١٩٤هـ- ٢٥٦هـ)، دار السلام، بيروت، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٠٩هـ-١٩٨٩م/الصدف ببلشرز، كراتشي.

١١- الأسماء المبهمة في الأنباء المحكمة، لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي رحمه الله، بتحقيق الدكتور عز الدين علي السيد، مكتبة الخانجي، القاهرة، الطبعة الثانية ١٤١٧هـ. ... ١٩٩٧م.

١٢- الأعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث، للإمام الحافظ أبي بكر محمد بن موسیٰ الحازمي الهمداني، تحقيق: أحمدطنطاوي الجوهري، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولیٰ: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م.

١٣- الأعلام، لخير الدين الزركلي، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الثامنة: ١٩٨٩م.

١٤- الأنساب، للإمام أبي سعد عبدالكريم بن محمد ابن منصور التميمي السمعاني رحمه الله، المتوفیٰ سنة٥٦٢هـ: تعليق: عبد الله عمر البارودي، ٥٦٢هـ، دار الجنان، بيروت، الطبعة الأولیٰ: ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م/ دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت.

١٥- الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف، للإمام أبي بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري رحمه الله، المتوفیٰ سنة ٣١٩هـ، تحقيق: الدكتور أبو حماد صغير أحمد بن

محمد حنيف، دار طيبة، الرياض، ط: ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

١٦- إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، للإمام أحمد بن أبي بكر ابن إسماعيل البوصيري، المتوفىٰ: ٨٤٠هـ، تحقيق: عادل بن سعد السيد محمود بن إسماعيل، مكتبة الرشيد، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ - ١٩٩٨م.

١٧- إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، للعلامة السيد محمد بن محمد الحسيني، الشهير بمرتضىٰ الزبيدي المتوفىٰ: ١٢٠٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م.

١٨- إحياء علوم الدين، للإمام أبي حامد محمد بن محمد الغزالي، المتوفىٰ: ٥٠٥هـ، تحقيق: أحمد عناية وأحمد زهوة، دار الكتاب العربي، بيروت.

١٩- إختصار علوم الحديث مع الباعث الحثيث، للإمام الجليل الحافظ عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٧٤هـ،، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠- إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، للإمام شهاب الدين أبي العباس أحمد بن محمد الشافعي القسطلاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٩٢٣هـ، تحقيق: محمد عبد العزيز الخالدي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ-١٩٩٦م، /المطبعة الكبرىٰ الأميرية، ببولاق مصر، الطبعة السابعة: ١٣٢٣هـ.

٢١- إعلاء السنن، للمحدث الناقد ظفر أحمد العثماني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٩٤هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية / دار الفكر، بيروت.

٢٢- إكمال المعلم بفوائد مسلم، للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسىٰ بن عياض اليحصبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٤٤هـ، تحقيق: الدكتور يحيىٰ إسماعيل، دار الوفا للطباعة والنشر والتوزيع، ط: ١٤١٩هـ-١٩٩٨م، / دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٣- إكمال تهذيب الكمال، للعلامة علاء الدين مغلطائي ابن قليج بن عبدالله

الحنفي(٦٨٩هـ-٧٦٢هـ)، الفاروق الحديثية للطباعة والنشر، القاهرة، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م.

٢٤- إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، للإمام أبي عبدالله محمد بن خلفة الوشناني الأُبّي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ: ٨٢٧هـ، دار الكتب العلميه، بيروت.

٢٥- الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث، للإمام الجليل الحافظ عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٧٤هـ، ألّفه أحمد محمد شاكر، دا رالكتب العلمية، بيروت.

٢٦- البحر الرائق شرح كنز الدقائق، للإمام العلامة الشيخ زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري الحنفي، المتوفىٰ سنة ٩٧٠هـ، دار الكتب العلمية، ط: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م.

٢٧- البحر المحيط في أصول الفقه، للإمام بدر الدين محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي، المتوفىٰ: ٧٩٤هـ، حرّره: عمر سليمان الأشقر، منشورات وزارة الأوقاف، الكويت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٩هـ-١٩٨٨م.

٢٨- البداية والنهاية، للإمام الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٧٤هـ، توثيق: علي محمد معوض و عادل أحمد عبد المعبود، الحواشي: للدكتور أحمد أبي ملحم و الدكتور علي نجيب علوي و الأستاذ فؤاد السيد والأستاذ مهدي ناصر الدين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م / دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٩- البدر المنير في تخريج الأحاديث و الآثار الواقعة في الشرح الكبير لابن الملقن، تحقيق: مصطفىٰ أبو الغيط و عبد الله بن سليمان و ياسر بن كمال، دار الهجرة، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٣٠- البناية شرح الهداية، للإمام المحدث الفقيه العلامة محمود بن أحمد بن موسىٰ

بـن أحمد بن الحسين، المعروف ببدرالدين العيني الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٥، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م.

٣١- التـاج والإكـليـل (فـي فـقه الإمام مالك)، للإمام العلامة أبي عبدالله محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٨٩٧ هـ، دار الفكر، بيروت.

٣٢- التـعـليـق الـصبيـح عـلىٰ مشكاة المصابيح، للشيخ العلامة مولانا محمد إدريس الكاندهلوي رحمه الله، المكتبة العثمانية لاهور باكستان.

٣٣- التـعـليـق الـمـغـنـي عـلىٰ سنن الدار قطني، للمحدث العلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادي، دار نشر الكتب الإسلامية (لاهور).

٣٤- التـعـليـقـات عـلىٰ سير أعلام النبلاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحـمـد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، إشراف و تحقيق: الشيخ شعب الأرناؤط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الرابعة: ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م.

٣٥- التفسير الكبير / مفاتيح الغيب، للإمام المفسر الكبير أبي عبدالله محمد بن عمر بـن الـحسـن بن الحسين التميمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٦٠٤، دار الكتب العلمية، بيروت.

٣٦- التـقييـد لـمـعـرفة رواة السنن والمسانيد، للإمام الحافظ أبي بكر محمد بن عبد الـغـنـي البـغـدادي، الـمـعـروف بـابن النقطة الحنبلي، المتوفىٰ: ٦٢٩هـ، تحقيق: كمال يوسف الحوت، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٨هـ.

٣٧- التـقييـد و الإيـضـاح لـما أغلق من كتاب ابن الصلاح، للحافظ أبي الفضل زين الـديـن عبـد الـرحيـم بـن الـحسيـن الـعـراقـي، تـحـقيق: أسامه بن عبد الله خياط، دار البشائر الإسـلامية، بيـروت، الـطبـعة الأولىٰ: ١٤٢٥هـ/المكتبة السلفية، المدينة المنورة، تحقيق: عبد الرحمٰن محمد عثمان، الطبعة الأولىٰ: ١٤٨٩هـ-١٩٦٩م.

٣٨- التـمهيـد لـما في المؤطأ من المعاني والأسانيد، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف

بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر المالكي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٤٦٣هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

٣٩- التوشيح شرح الجامع الصحيح، للإمام الجليل أبي الفضل جلال الدين عبدالرحمن السيوطي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٩١١ هـ، تحقيق: علاء إبراهيم الأزهري، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م.

٤٠- التوضيح لشرح الجامع الصحيح، للإمام سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الأنصاري الشافعي المعروف بابن الملقن رحمه الله، (٧٦٢هـ-٨٠٤هـ، دار الفلاح للبحث العلمي و تحقيق التراث، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، إدارة الشؤون الإسلامية، دولة قطر، دار النوادر، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٩هـ-٢٠٠٨م.

٤١- الجامع لأحكام القرآن، للإمام العلامة أبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٦٧١ هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م.

٤٢- الجرح والتعديل، للإمام الحافظ شيخ الإسلام أبي محمد عبدالرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٢٧هـ، تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م/ مطبعة دائرة المعارف العثمانية، بحيدرآباد، دكن، الهند.

٤٣- الجمع بين الصحيحين، للإمام محمد بن فتوح الحميدي، تحقيق: علي حسين البواب، دار ابن حزم، بيروت.

٤٤- الجواهر المضية في طبقات الحنفية، للإمام العلامة المحدث أبي محمد عبد القادر ابن أبي الوفاء، محمد بن محمد الحنفي المصري، المتوفىٰ: ٦٩٦هـ، مير محمد كتب خانه كراتشي.

٤٥- الجوهر النقي علىٰ السنن الكبرىٰ (للإمام البيهقي)، للعلامة علاء الدين بن علي

بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٤٥ هـ، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد، الدكن، ط: ١٣٤٤ هـ.

٤٦- الحاوي الكبير (في الفقه الشافعي) للإمام الفقيه أبي الحسن علي بن محمد بن حبيب الماوردي البصري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٤٥٠هـ، و يليه بهجة الحاوي، لابن الوردي، تحقيق: الدكتور محمود مطرجي و جماعة، دار الفكر، بيروت، ط: ١٤١٤هـ-١٩٩٤م.

٤٧- الخائص الكبرىٰ المسمىٰ ب"كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب" للشيخ الإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين عبدالرحمٰن أبي بكر السيوطي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٩١١هـ، دار الكتب العلمية بيروت.

٤٨- الخيرات الحسان، للإمام ابن حجر المكي الهيتمي، المتوفىٰ: ٩٧٤هـ، تعليق: للشيخ المحدث مولانا عاشق إلٰهي البرني، دار أرقم، بيروت.

٤٩- الدر المختار شرح تنوير الأبصار و جامع البحار، للإمام العلامة الفقيه علاء الدين محمد بن علي بن محمد الحصكفي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٠٨٨ هـ، تحقيق: عبد المنعم خليل إبراهيم، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م/ دار عالم الكتب، الرياض.

٥٠- الدر المنضود علىٰ سنن أبي داؤد، للشيخ محمد عاقل، مكتبة الشيخ كراتشي، الطبعة الجديدة: ١٤٢٩هـ.

٥١- الدرر الفاخرة في الأمثال السائرة، لأبي عبد الله حمزه بن الحسن الأصفهاني، تحقيق: عبد المجيد قطامش، دار المعارف، الطبعة الثانية: ١٩٧٦م.

٥٢- الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٨٥٢ هـ، تحقيق: محمدعبدالقادر عطاء، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ.

٥٣- الذريعة إلىٰ تصانيف الشيعة، لآغا بزرگ الطهراني، دارالأضواء، بيروت، الطبعة

الثانية: ١٤٠٣هـ.

٥٤- السراج الوهاج علىٰ متن المنهاج، للشيخ محمد الزهري الغمراوي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الخامسة: ١٤٢٩هـ-٢٠٠٨م.

٥٥- السعاية في شرح ما في شرح الوقاية، للعلامة الفقيه المحدث محمد عبد الحيى اللكنوي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٣٠٤هـ، سهيل اكيڈمى لاهور، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٦هـ-١٩٧٦م.

٥٦- السنن الكبرىٰ، للإمام أبي بكر بن أحمد بن حسين بن علي البيهقي، و في ذيله الجوهر النقي للعلامة علاء الدين بن علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٤٥ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، تحقيق: محمد عبد القادر عطاء، الطبعة الثانية: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٣م/مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية، الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد، الدكن، الطبعة الأولىٰ، سنة: ١٣٤٤ هـ.

٥٧- السنن الكبرىٰ، للإمام أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٠٣ هـ، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان.

٥٨- السنة و مكانتها التشريعي، للشيخ الدكتور مصطفىٰ أحمد السباعي، دار السلام، الرياض، الطبعة الثانية: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

٥٩- السيرة الحلبية، المسمىٰ بإنسان العيون في سيرة الأمين المامون، لأبي الفرج نور الدين علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ: ١٠٤٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ٢٠٠٨م.

٦٠- السيرة النبوية، للإمام أبو محمد عبدالملك بن هشام المعافري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٢١٣هـ، المكتبة العلمية، بيروت، لبنان.

٦١- الشرح الصغير علىٰ أقرب المسالك إلىٰ مذهب الإمام مالك، دار المعارف، مصر، ١٣٩٢هـ.

٦٢- الشرح الكبير على أقرب المسالك إلىٰ مذهب الإمام مالك، للإمام العلامة أبي البركات أحمد بن محمد بن أحمد العدوي، الشهير بالدردير رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٢٠١هـ، دار المعارف، مصر، ط: ١٣٩٢هـ.

٦٣- الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي، للإمام أبي البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٢٠١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م.

٦٤- الشرح الميسر لصحيح الإمام البخاري، المسمىٰ ب"الدرر واللآلي " بشرح صحيح الإمام البخاري، للشيخ العلامة محمد علي الصابوني، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ الموافق ٢٠١١م، المكتبة العصرية، لبنان مع دار الأفق.

٦٥- الشمائل المحمدية و الخصائل المصطفوية للإمام المحدث أبي عيسىٰ بن سورة الترمذي، المتوفىٰ: ٢٧٩هـ، ضبطه و صححه: محمد عبد العزيز الخالدي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

٦٦- الضعفاء والمتروكون، للإمام الحافظ أبي الحسن علي بن عمر الدار قطني البغدادي، المتوفىٰ سنة: ٣٨٥هـ، تحقيق: موفق بن عبدالله بن عبدالقادر، مكتبة المعارف الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٤ الموافق ١٩٨٤م.

٦٧- الضعفاء والمتروكون، للإمام الحافظ جمال الدين أبي الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمد الجوزي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٩٧ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٦٨- الطبقات الكبرىٰ، للإمام محمد بن سعد بن منيع أبي عبدالله البصري الزهري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٣٠ هـ، دار صادر، بيروت.

٦٩- العبر في خبر من غبر، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٧٠- العرف الشذي شرح سنن الترمذي، الفقيه المحدث الشيخ محمد أنور شاه

الكشميري ثم الديوبندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة١٢٥٢هـ، تحقيق: عمرو شوكت، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م.

٧١- العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير، للإمام أبي القاسم عبدالكريم بن محمد بن عبدالكريم الرافعي القزويني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٦٢٣ هـ، تحقيق: علي محمد معوض و عادل أحمد عبدالموجود، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ-١٩٩٧م.

٧٢- العقد الفريد، للإمام أحمد بن محمد بن عبد ربه الأندلسي، المتوفىٰ: ٣٢٨هـ، تحقيق: الكتور مفيد محمد قميحة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٤هـ١٩٨٣م.

٧٣- العلل المتناهية، للإمام الحافظ جمال الدين أبي الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمد الجوزي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٩٧ هـ، ضبطه: الشيخ خليل الميس، دا ر الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٣هـ-١٩٨٣م..

٧٤- العلل الواردة في الأحاديث النبوية، للإمام الحافظ أبي الحسن علي بن عمر ابن أحمد بن مهدي الدار قطني رحمه الله، المتوفى، سنة: ٣٨٥ هـ، تحقيق: محمد بن صالح بن محمد الدباسىء دار طيبة، لرياض، الطبعة الثالثة: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، دار ابن الجوزية، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٤هـ-١٩٩٤م.

٧٥- العناية مع فتح القدير علىٰ الهداية، للإمام العلامة محمد بن محمد البابرتي الحنفي، المتوفىٰ: ٧٨٦هـ، تحقيق: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدي، المكتبة الرشيدية، كوئٹه.

٧٦- الفائق في غريب الحديث والأثر، لإمام اللغة العلامة جار الله محمود بن عمر الزمخشري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٥٣٨هـ، تحقيق: علي محمد البجاوي ومحمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعرفة، بيروت/ دارالفكر، بيروت.

٧٧- الفتاوى الهندية المعروفة بالفتاوى العالمكيرية، للعلامة الهمام الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند الأعلام، دار الكتب العلمية، بيروت.

٧٨- الفتاوىٰ التاتار خانية، للشيخ فريد الدين عالم بن العلاء الإندرپتي الدهلوي المتوفىٰ: ٧٨٦هـ، تحقيق: الشيخ شبير أحمد القاسمي، مكتبه فاروقيه، كوئٹه، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣١هـ-٢٠١٠م.

٧٩- الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني و معه كتاب بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني، كلاهما للشيخ أحمد عبد الرحمٰن البنا، الشهير بالساعاتي، دار الحديث، القاهرة، و دار إحيا التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية.

٨٠- الفروق اللغوية، للإمام الأريب اللغوي أبي هلال الحسن بن عبد الله بن سهل العسكري، المتوفىٰ: ٤٠٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الرابعة: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/ دار العلم والثقافة، القاهرة.

٨١- الفقه الإسلامي و أدلته، للدكتور وهبة مصطفىٰ الزهيلي، دار الفكر، بيروت، إعادة الطبعة التاسعة: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

٨٢- الفوائد البهية، للشيخ المحقق المحدث أبي الحسنات محمد عبدالحي بن محمد عبدالحليم الأنصاري اللكنوي الهندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٠٤هـ، قديمي كتب خانه، كراچی.

٨٣- الفهرست، لأبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي الشيعي، تحقيق: جواد القيومي، مؤسسة نشر الفقاهة و مؤسسة النشر الإسلامي، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ.

٨٤- القاموس الوحيد (كامل)، مولانا وحيد الزمان قاسمى كيرانوى، مراجعت: مولانا عميد الزمان قاسمى كيرانوى، اداره اسلاميات، لاهور، اشاعت اول: ربيع الأول: ١٤٢٢هـ.

٨٥- الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي

عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ هـ، توثيق ومقابلة: صدقي جميل العطار، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م/، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، تحقيق: الشيخ المحدث محمد عوامه، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م/ مؤسسة علوم القرآن، جدة.

٨٦- الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، بهامش تفسير الكشاف، المسمىٰ بالكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل، للعلامة جار الله أبي القاسم محمود بن عمر الزمخشري، المتوفىٰ سنة: ٥٣٨هـ، تحقيق: محمد عبد السلام شاهين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الرابعة: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/ قديمی کتب خانه کراچی، تحقيق: عبد الرزاق المهدي/ نشر البلاغة، سوق القدس، قم، إيران.

٨٧- الكافي (في فقه الإمام أحمد بن حنبل)، لموفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٢٠ هـ، دار هجر للطباعة والنشر.

٨٨- الكامل في التاريخ، للإمام العلامة عمدة المؤرخين أبي الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبدالكريم بن عبدالواحد الشيباني، المعروف بابن الأثير الجزري، الملقب بعز الدين رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٣٠ هـ، تحقيق: أبي الفداء عبد الله القاضي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الرابعة: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

٨٩- الكامل في ضعفاء الرجال للإمام أبي أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني، (٢٧٧هـ-٣٦٥هـ)، تحقيق: الدكتور سهيل زكار ويحيىٰ مختار غزاوي، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٠٩هـ-١٩٨٨م.

٩٠- الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل، للعلامة جار الله أبي القاسم محمود بن عمر الزمخشري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٣٨هـ، مكتبة

العبيكان.

٩١- الكفاية على هامش فتح القدير، قيل هي للعلامة محمود بن عبيدالله ابن تاج الشريعة مؤلف الوقاية رحمه الله، ٦٧٢ هـ، تحقيق: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدي، المكتبة الرشيدية كوئٹه.

٩٢- الكفاية في علم الرواية، للإمام أبي أحمد بن علي بن ثابت المعروف بالخطيب البغدادي، المتوفىٰ: ٤٦٣هـ، تحقيق: محمد الحافظ التيجاني، مطبعة السعادة، مصر.

٩٣- الكنز المتواري في معادن لامع الدراري وصحيح البخاري، للشيخ العلامة المحدث محمد زكريا بن محمد يحيىٰ الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٤٠٢، جمع و ترتيب: لجنة من تلاميذ الإمام الكاندهلوي، مؤسسة الخليل الإسلامي، فيصل آباد، ط: ١٤٢٠هـ.

٩٤- الكنىٰ والأسماء، للإمام الحافظ أبي بشر محمد بن أحمد بن حماد الدولابي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣١٠ هـ، بتحقيق أبي قتيبة نظر محمد الفاريابي، دار ابن حزم.

٩٥- الكنىٰ والألقاب، لعباس القمي الشيعي، مكتبة يعسوب الدين، الإلكترونية.

٩٦- الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري، للإمام الجليل أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٨٩٣هـ، تحقيق: أحمد عزو عناية، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ط: ١٤٢٩هـ-٢٠٠٨م.

٩٧- الكوكب الدري، للإمام المحدث الشيخ رشيد أحمد الجنجوهي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٢٣ هـ، مع تعليقات المحدث محمد زكريا بن محمد يحيىٰ الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٤٠٢، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية، كراتشي، ط: ١٤٠٧هـ-١٩٨٧م/ مطبعة ندوة العلماء، لكنؤ.

٩٨- المبسوط لشيخ الإسلام أبي بكر محمد بن أحمدبن أبي سهيل السرخسي الحنفي، المتوفى: ٤٩٠ هـ، تحقيق: أبي عبد الله محمد حسن محمد حسن الشافعي، دار

الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢١هـ-٢٠٠١م.

٩٩- المجموع شرح المهذب، للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيى الدين يحيىٰ بن شرف بن مري النووي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٧٦ هـ، و يليه فتح العزيز شرح الوجيز و هو الشرح الكبير للإما م أبي القاسم عبد الكريم بن محمد الرافعي، المتوفىٰ: ٦٢٣هـ، تحقيق: محمد نجيب المطيعي، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق/مكتبة الإرشاد، جده المملكة العربية السعودية.

١٠٠- المحكم والمحيط الأعظم، لإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠١- المحلىٰ بالآثار، للإمام المحدث أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٥٦هـ، تحقيق: الدكتور عبد الغفار سليمان البنداري، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ط: ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م.

١٠٢- المخصص، لإمام اللغة أبي الحسن علي بن إسماعيل بن سيده المرسي، المعروف بابن سيده رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٣- المدخل للإمام أبي عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي، المعروف بابن أمير الحاج المالكي، المتوفىٰ: ٧٣٧هـ، دار الفكر، بيروت.

١٠٤- المدونة الكبرىٰ، لإمام دار الهجر ة مالك بن أنس الأصبحي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٧٩هـ، مطبعة السعادة، بجوار محافظة مصر/ دار صادر، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٥- المراجعات، لشرف الدين، تحقيق: حسين الراضي، مكتبة يعسوب الدين، الإلكترونية.

١٠٦- المستدرك علىٰ الصحيحين، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن عبدالله

الحاكم النيسابوري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٠٥ھ، تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٢ھ-٢٠٠٢م.

١٠٧- المسند المستخرج علىٰ صحيح الإمام مسلم، للإمام الحافظ أبي نعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق الأصبهاني، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠ھ، تحقيق: محمد حسن إسماعيل الشافعي، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧ الموافق ١٩٩٦م.

١٠٨- المصنف لابن أبي شيبة، للإمام أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٣٥ھ، تحقيق: الشيخ المحقق المحدث محمد عوامه، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية كراتشي، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧ھ-٢٠٠٦م/ شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن.

١٠٩- المصنف لعبدالرزاق، للإمام المحدث أبي بكرعبدالرزاق بن همام الصنعاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢١١ھ، تحقيق: الشيخ المحدث حبيب الرحمٰن الأعظمي، دار الكتب العلمية، بيروت / المكتب الإسلامي، بيروت والمجلس العلمي، كراتشي، والهند، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٠ھ-١٩٧٠م.

١١٠- المعجم الأوسط، للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٦٠ ھ، دار الحرمين بالقاهرة.

١١١- المعجم الكبير، للإمام الحافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٦٠ ھ، تحقيق: حمدي عبد المجيد السلفي، دار إحياء التراث العربي، بيروت/ مكتبة ابن تيمية، قاهرة/ مكتبة العلوم والحكم.

١١٢- المغرب في ترتيب المعرب، للإمام اللغوي أبي الفتح ناصر الدين بن عبد السيد أبي المكارم بن علي بن المطرز برهان الدين الخوارزمي الحنفي الشهير بالمطرزي، (٥٣٨ھ-٦١٠ھ)، تحقيق: محمود فاخوري و عبد الحميد مختار، إدارة دعوة الإسلام المدرسة اليوسفية البنورية، كراتشي.

١١٣- المغني في الضعفاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمدبن عثمان بن قايماز الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ٧٤٨ هـ، تحقيق: أبي الزهراء حازم القاضي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م.

١١٤- المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني رحمه الله، للإمام موفق الدين أبي محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ٦٢٠ هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

١١٥- المقاصد النحوية في شرح شواهدشروح الألفية، لمحمود بن أحمد العيني، مطبوع مع خزانة الأدب، دار صادر.

١١٦- الملل والنحل، للشيخ محمد بن عبدالكريم الشهرستاني، تحقيق: أحمد فهمي محمد، الناشر: دار الكتب العملية بيروت، الطبعة السابعة: ٢٠٠٧م.

١١٧- المنتقىٰ شرح مؤطأ الإمام مالك، للإمام القاضي أبي الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ٤٩٤ هـ، تحقيق: محمد عبد القادر عطاء، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م.

١١٨- الموتلف والمختلف في أسماء نقلة الحديث و أسماء آباء هم و أجدادهم، للحافظ أبي محمد عبد الغني بن سعد الأزدي المصري، تحقيق: مثنىٰ محمد حميد الشمري و قيس التميمي، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٨-١٩٨٠م.

١١٩- الموسوعة الفقهية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت، الطبعة الرابعة: ١٤١٤هـ-١٩٩٣م.

١٢٠- المؤطأ للإمام مالك بن أنس الأصبحي رحمه الله، برواية يحيىٰ بن يحيىٰ الليثي رحمه الله، المتوفیٰ سنة ١٧٩هـ، دار الكتب العلمية / دار إحياء التراث العربي، بيروت، ط: ١٤٠٦هـ-١٩٨٥م.

١٢١- الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية، للشيخ عبد العزيز الفرهاروي، غراس،

للنشر والتوزيع، بيروت.

١٢٢- النكت على كتاب ابن الصلاح، للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفى سنة ٨٥٢ هـ، تحقيق: الدكتور بسيع بن هادي عمر، دار الراية، الرياض، الطبعة الثانية: ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م.

١٢٣- النكت على مقدمة ابن الصلاح، للإمام بدر الدين محمد بن عبد الله بن هادر الزركشي رحمه الله، المتوفى: ٧٩٤هـ، تحقيق: محمد علي سمك، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

١٢٤- النهاية في غريب الحديث والأثر، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بابن الأثير رحمه الله، المتوفى سنة: ٦٠٦هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٣٠هـ-٢٠٠٩م.

١٢٥- النهر الفائق شرح كنز الدقائق، للإمام سراج الدين عمر بن إبراهيم ابن نجيم الحنفي، المتوفى سنة ١٠٠٥هـ، تحقيق: أحمد عزو عناية، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: ١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م.

١٢٦- الولديه في آداب البحث والمناظرة مع الشرح السيد عبد الوهاب، للإمام محمد بن أبي بكر المرعشلي، المعروف بساجقلي زاده، المتوفى: ١١٥٠هـ، مصطفى البابي الحلبي، مصر، ط: ١٩٦١م.

١٢٧- الهداية شرح بداية المبتدي، للإمام أبي الحسن برهان الدين علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله، (٥١١هـ-٥٩٣هـ)، مكتبة البشرى، كراتشي، الطبعة الثانية: ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م.

١٢٨- الهداية للإمام أبي الحسن برهان الدين علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله، (٥١١هـ-٥٩٣هـ)، مع فتح القدير، للشيخ الإمام كمال الدين محمد بن عبدالواحد، المعروف بابن الهمام الحنفي رحمه الله، المتوفى سنة ٦٨١هـ، تحقيق: الشيخ عبد الرزاق غالب

المهدي، المكتبة الرشيدية، كوئٹه.

١٢٩- الإتقان في علوم القرآن، لشيخ الإسلام جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطي الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٩١١ﻫ سهيل اكيڈمی لاهور، الطبعة الثانية: ١٤٠٠ﻫ الموافق ١٩٨٠م.

١٣٠- الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، للأمير ابن بلبان الفارسي، تحقيق: الشيخ شعيب الأرناؤط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٩٨٨م.

١٣١- الإحكام في أصول الأحكام، للإمام علي بن أحمد بن حزم الأندلسي، دار الحديث، القاهرة، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٤ﻫ.

١٣٢- الإعجاز العلمي في لفظ الجنابة و حكمها الشرعي، للدكتور عبد البديع حمزة زللي، أستاذ علم التلوث و البيئي، المشارك بجامعة طيبة بالمدينة المطورة.

١٣٣- الإقتراح في بيان الاصطلاح وما أضيف إلىٰ ذلك من الأحاديث المعدودة من الصحاح، للإمام تقي الدين محمد بن علي، الشهير بابن دقيق العيد، تحقيق: قحطان عبد الرحمٰن الدوري، دارالعلوم، عمان، الأردن، الطبعة الأولىٰ: ٢٠٠٦م.

١٣٤- الإكمال في رفع الارتياب عن الموتلف والمختلف في الأسماء والكنىٰ و الأنساب، للإمام الحافظ أبو نصر سعد الملك علي بن هبة الله بن علي بن جعفر ابن علّكان بن محمد المعروف بابن ماكولا، المتوفىٰ: ٤٧٥ﻫ، الموافق ١٠٨٢م، الناشر: محمد أمين دمج، بيروت.

١٣٥- الإمام أبو حنيفة حياته و عصره، آراء ه وفقهه، للإمام أبي زهرة محمد بن أحمد(١٨٩٨م-١٩٧٤م)، دار الفكر العربي، بيروت، ط: ١٩٩١م.

١٣٦- الإنصاف في مسائل الخلاف بين النحويين البصريين و الكوفيين، لعبد الرحمٰن محمد الأنباري، و معه كتاب الانتصاف من الإنصاف، لمحمد محيى الدين عبد الحميد، دار الفكر.

١٣٧ – الإنـصاف في معرفة الراجح من الخلاف علىٰ مذهب الإمام المبجل أحمد بن حـنبل، للعلامة علاء الدين أبي الحسن علي بن سليمان المرداوي(٨١٧هـ–٨٨٥هـ،)، تحقيق: محمد حامد الفقي، دار إحياء الترث العربي، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠٠هـ–١٩٨٠م.

١٣٨ – آثار الحديث، تاليف علامه خالد محمود (پی، ایچ، ڈی، لندن)دار المعارف، لاهور، اشاعت اول: ١٩٨٨م.

١٣٩ – آداب البـحث و المناظرة، للشيخ محيى الدين عبد الحميد المصري، المتوفىٰ: ١٣٩٢هـ.

١٤٠ – أحـكـام الـقـرآن، للشيخ مولانا أشرف علي التهانوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٦٢هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

١٤١ – أحـكام القرآن، لأبي بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٤٣ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٤٢ – أحـكـام الـقـرآن، لـلإمـام حـجة الإسـلام أبـي بـكر أحمد بن علي الرازي الـجصاص رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٧٠، هـ، تحقيق: عبد السلام و محمد شاهين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ–٢٠٠٣م.

١٤٣ – أسـد الـغـابة في معرفة الصحابة، للإمام عز الدين أبي الحسين علي بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٣٠ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٤٤ – أسـرار الـعـربية، لـعبـد الـرحـمٰـن بن محمد الأنباري، تحقيق: محمد بهجت البيطار، مطبوعات المجمع العلمي العربي، دمشق، الطبعة الأولى: ١٩٧٥م.

١٤٥ – أشرف الوسائل إلىٰ فهم الشمائل، للإمام الشيخ شهاب الدين الشيخ أحمد بن حـجـر الهيتـمـي، المتوفىٰ: ٩٧٤هـ، تحقيق: أبي الفوارس أحمد بن فريد المزيدي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ–١٩٩٨م.

١٤٦ – أصـول الشـاشـي، لـلإمـام نـظام الدين الشاشي، المتوفىٰ سنة: ٣٢٥هـ، مكتبة

البشرىٰ كراتشي، الطبعة الرابعة: ١٤٣٣هـ الموافق ٢٠١٢م.

١٤٧ – أعلام الحديث في شرح صحيح البخاري، للإمام المحدث أبي سليمان حمد بن محمد الخطابي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٨٨هـ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرىٰ، مكة المكرمة.

١٤٨ – أعلام الموقعين عن رب العالمين، للإمام ابن قيم الجوزية رحمه الله، دار الجيل، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ.

١٤٩ – أماني الأحبار في شرح معاني الآثار، للفقيه المحدث الداعية الكبير مولانا محمد يوسف بن الشيخ مولانا محمد إلياس الكاندهلوي رحمهما الله، إدارة تاليفات أشرفيه، ملتان.

١٥٠ – أنوارُالباري(اردو شرح)صحيح البخاري، إفادات الشيخ الكشميري وغيره، للشيخ السيد أحمد رضا البجنوري رحمه الله، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان، اشاعت: ١٤٢٥هـ.

١٥١ – أوجز المسالك إلىٰ مؤطأ مالك، للإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي المدني رحمه اللّٰه، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢ هـ، دارالقلم، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م.

١٥٢ – أوضح المسالك إلىٰ ألفية ابن مالك، للإمام محمد جمال الدين عبد الله بن يوسف بن أحمد ابن هشام الأنصاري رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٦١هـ، ومعه عدة السالك إلىٰ تحقيق أوضح المسالك، لمحيى الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، بيروت، ط: ١٤٢٩هـ-٢٠٠٨م، دار الجيل، بيروت، الطبعة الخامسة: ١٩٧٩م.

١٥٣ – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، للإمام علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٨٧ هـ، تحقيق: علي محمد معوض و عادل أحمد عبدالموجود، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٥٤– بداية المجتهد ونهاية المقتصد، للإمام القاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد ابن رشد المالكي القرطبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٥٩٥ هـ، تحقيق: علي محمد معوض و عادل أحمد عبد الموجود، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ–٢٠٠٣م.

١٥٥– بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، للإمام المحدث الكبير الشيخ خليل أحمد السهارنبوري رحمه الله، (١٢٦٩هـ– ١٣٤٦ هـ)، تعليق: الدكتور تقي الدين الندوي، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، الهند، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧هـ–٢٠٠٦م.

١٥٦– بهجة النفوس وتحليها بمعرفة ما لها وما عليها، شرح مختصر لصحيح البخاري، للإمام المحدث الورع أبي محمد عبد الله بن أبي جمرة الأندلسي رحمه الله، المتوفىٰ: ٦٩٩هـ، مطبعة الصدق الخيرية بجوار الأزهر، مصر.

١٥٧– بيان القرآن، للشيخ مولانا أشرف علي التهانوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٦٢هـ، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان.

١٥٨– تاريخ ابن خلدون المسمىٰ ب كتاب العبر وديوان المبتدأ والخبر في أيام العرب والعجم والبربر ومن عاصرهم من ذوي السلطان الأكبر(مقدمة ابن خلدون)، للعلامة عبدالرحمٰن بن خلدون ٧٣٢هـ–٨٠٨هـ / ١٣٣٢م–١٤٠٦م، دار الكتب العلمية بيروت، سنة الطباعة: ٢٠٠٦م.

١٥٩– تاريخ الطبري (تاريخ الأمم والملوك)، لأبي جعفر بن جرير الطبري ٢٢٤–٣١٠هـ، منشورات محمد علي بيضوي، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثالثة: ٢٠٠٥هـ الموافق ١٤٦٢هـ.

١٦٠– تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمدبن عثمان بن قايماز الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ هـ،

تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م.

١٦١- تاريخ بغداد، أومدينة السلام، للإمام الحافظ أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت المعروف بالخطيب البغدادي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٦٣ هـ، تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

١٦٢- تاريخ مدينة دمشق، للإمام الحافظ أبي القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي، المعروف بابن عساكر (٤٩٩هـ-٥٧١هـ)، تحقيق: محب الدين أبو سعيد عمر بن عزامة العمراوي، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٨م.

١٦٣- تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، للإمام برهان الدين أبي الوفاء إبراهيم بن أبي عبد الله محمد فرحون اليعمري المالكي، تحقيق: جمال المرعشلي، دار الكتب العلمية، بيروت،

١٦٤- تبيين الحقائق، للإمام فخر الدين بن عثمان بن علي الزيلعي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٣ هـ، تحقيق: أحمد عزو عناية، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م.

١٦٥- تحرير تقريب التهذيب، للدكتور بشار عواد معروف و الشيخ شعيب الأرناؤط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ-١٩٩٧م.

١٦٦- تحفة الأحوذي بشرح الجامع للإمام الترمذي، للإمام الحافظ أبي العلي محمد بن عبدالرحمن ابن عبدالرحيم المباركفوري، المتوفىٰ سنة ١٣٥٣ هـ، دار الفكر، بيروت.

١٦٧- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٢هـ، مع النكت الظراف علىٰ الأطراف، لابن حجر العسقلاني، تحقيق: عبد الصمد شرف الدين، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية:

١٤٠٣ / ١٩٨٣ م.

١٦٨- تحفة الباري شرح صحيح البخاري المسمىٰ بمنحة الباري، للإمام شيخ الإسلام أبي يحيىٰ زكريا بن محمد الأنصاري الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٩٢٦ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، تصحيح: محمد أحمد عبد العزيز سالم، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٥-٢٠٠٤م. / دار ابن حزم، بيروت.

١٦٩- تحفة الفقهاء، لعلاء الدين محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبي منصور السمرقندي، المتوفىٰ سنة: ٥٣٩/ ٥٤٠هـ، المكتبة المعروفية كوئته، الطبعة الجديدة: ٢٠١١م الموافق ١٤٣٢هـ.

١٧٠- تحفة الملوك (في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان)، للشيخ زين الدين محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازي، دار البشائر الإسلامية، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ الموافق ١٩٩٧م، ومكتبة معهد عثمان بن عفان كراتشي، الطبعة الثانية: ١٤٣٣هـ الموافق ٢٠١١م.

١٧١- تخليص الشواهد وتلخيص الفوائد، للإمام محمد جمال الدين عبد الله بن يوسف بن أحمد ابن هشام الأنصاري رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٦١هـ، تحقيق: عباس مصطفىٰ الصالحي، المكتبة العربية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٩٨٦م.

١٧٢- تدريب الراوي في شرح تقريب النووي، للإمام عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، المتوفىٰ: ٩١١هـ، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠٩هـ.

١٧٣- تذكرة الحفاظ، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، دار إحيا التراث العربي، بيروت.

١٧٤- تراجم رجال الدار قطني في سننه الذين لم يترجم لهم في التقريب ولا في رجا ل الحاكم، لمقبل بن هادي بن مقبل بن قائدة الهمداني الوداعي، المتوفىٰ: ١٤٢٢هـ، دار

الآثار، صنعاء، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م.

١٧٥- ترجمة القرآن، لشيخ الهند محمود حسن الديوبندي رحمه الله مع التفسير العثماني، مكتبة دار القرآن اردو بازار لاهور.

١٧٦- تعليقات الدكتور بشار عواد معروف علىٰ تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الخامسة: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م.

١٧٧- تعليقات الدكتور تقي الدين الندوي علىٰ أوجز المسالك إلىٰ مؤطأ مالك، للإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي المدني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢هـ، دارالقلم، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م.

١٧٨- تعليقات الدكتور عبد المعطي أمين قلعجي علىٰ الضعفاء الكبير، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٧٩- تعليقات الشيخ العلامة نور البشر حفظه الله علىٰ خير الأصول في حديث الرسول، مكتبة معهد عثمان بن عفان، كراتشي، ط: ١٤٣٤هـ-٢٠١٣م.

١٨٠- تعليقات الشيخ المحدث: محمد عوامه علىٰ الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م.

١٨١- تعليقات الشيخ المحدث محمد عوامه علىٰ تقريب التهذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجرشهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، (٧٧٣هـ-٨٥٢هـ)، دار الرشيد ودار البشائر الإسلامية، سوريا، حلب، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م/دار الكتب العلمية، بيروت، تحقيق: مصطفىٰ عبدالقادر عطاء، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ-١٩٩٣م.

١٨٢- تعليقات الشيخ المحقق المحدث محمد عوامه علىٰ المصنف لابن أبي شيبة، للإمام أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٣٥هـ إدارة القرآن و

العلوم الإسلامية كراتشي، الطبعة الأولى: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/ شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن.

١٨٣- تعليقات الشيخ أحمد محمد شاكر والشيخ محمد فؤاد عبد الباقي على جامع الترمذي، الجامع المختصر من السنن عن رسول الله صلى الله سليه وسلم ومعرفة الصحيح والمعلول و ما عليه العمل، للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة ابن موسىٰ الترمذي رحمه الله، (٢٠٠هـ- ٢٧٩هـ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٨٤- تعليقات الشيخ سعيد عبد الرحمٰن القزفي على تغليق التعليق على صحيح البخاري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ هـ، المكتبة الإسلامي دار عمار، المكتبة الأثرية باكستان.

١٨٥- تعليقات الإمام المحدث محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله، (المتوفىٰ: ١٤٠٢هـ)، على بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، للإمام المحدث الكبير الشيخ خليل أحمد السهارنبوري رحمه الله، (١٢٦٩هـ- ١٣٤٦ هـ)، تعليق: الدكتور تقي الدين الندوي، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي للبحوث والدراسات الإسلامية، الهند، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

١٨٦- تعليقات الإمام المحدث محمد يحيىٰ الكاندهلوي المتوفىٰ: ١٣٣٤هـ، لامع الدراري على جامع البخاري، للإمام لفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة، ط: ١٣٩٦هـ-١٩٧٦م.

١٨٧- تعليقات علي محمد معوض و عادل أحمد عبد الموجود على بداية المجتهد ونهاية المقتصد، للإمام القاضي أبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد ابن رشد المالكي القرطبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٥٩٥ هـ، علي محمد معوض و عادل أحمد عبد الموجود، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م.

١٨٨- تغليق التعليق على صحيح البخاري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن

حـجر شهـاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢ هـ، تحقيق: سعيد عبد الرحمٰن القزفي، المكتبة الإسلامي دار عمار، المكتبة الأثرية باكستان.

١٨٩- تـفسير ابـن كثير، الـمسـمىٰ بتفسير القرآن العظيم، للإمام الحافظ أبي الفداء إسماعيل ابن كثير القرشي الدمشقي (٧٠١هـ-٧٧٤هـ)، تحقيق: عبد الرزاق المهدي، وحيدي كتب خانه، پشاور.

١٩٠- تـفسير الـكشـاف، الـمسـمىٰ بـالكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقـاويـل فـي وجوه التأويل، للعلامة جار الله أبي القاسم محمود بن عمر الزمخشري، المتوفىٰ سـنة: ٥٣٨هـ، تـحـقيـق: مـحمد عبد السلام شاهين، دار الكت العلمية، بيروتم الطبعة الرابعة: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/قديمی كتب خانه كراچی، تحقيق: عبد الرزاق المهدي.

١٩١- تـفسير الـمظهـري، لـلعلامة القاضي محمد ثناء الله رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٢٢٥هـ، بلوجستان بك ڈپو، باكستان.

١٩٢- تفسير ما في الصحيحين البخاري و مسلم، للإمام محمد بن أبي نصر فتوح بن عبـد الـلّـه الأزدي الـحـميـدي، تـحقيق: زبيدة محمد سعيد عبد العزيز، مكتبة السنة، القاهرة، مصر، ط: ١٤١٥هـ-١٩٩٥م.

١٩٣- تـقـريـب التهـذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين الـعسـقـلانـي الشـافعي رحمه الله، (٧٧٣هـ-٨٥٢ هـ)، تقديم ودراسة: الشيخ المحدث محمد عـوامـــه، دار الـــرشيــد ودار البشـــائـــر الإسـلامية، سـوريـــا، حـلـــب، الـطـبـعة الأولـــىٰ: ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م/دار الـكـتـب الـعـلـمية، بيروت، تحقيق: مصطفىٰ عبدا لقادر عطاء الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ-١٩٩٣م.

١٩٤- تـقـريـر بـخـاري، إفادات العلامة المحدث الكبير، ريحانة الهند الشيخ مولانا مـحـمـد زكـريـا بـن مولانا محمد يحييٰ الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢، مكتبة الشيخ، كراچی.

١٩٥- تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود و علي محمد معوض، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م.

١٩٦- تنزيه الشريعه المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، للإمام أبي الحسن علي بن محمد بن عراق الكناني(٩٠٧هـ-٩٦٣هـ)، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف و عبد الله محمد الصديق، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠١هـ-١٩٨١م.

١٩٧- توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأفكار، للإمام أبي إبراهيم محمد بن إسماعيل بن صلاح، المعروف بالأمير الصنعاني، المتوفىٰ: ١١٨٢هـ تحقيق: صلاح محمد عويضه، دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولىٰ: ١٤١٧هـ-١٩٩٧م.

١٩٨- تهذيب الأسماء واللغات، للإمام العلامة الحافظ الفقيه أبي زكريا محيي الدين بن شرف النووي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٧٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٩٩- تهذيب التهذيب، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٨٥٢ هـ، دار صادر، بيروت / دائرة المعارف النظامية الكائنة في حيدرآباد، الهند، الطبعة الأولىٰ: ١٣٢٥هـ / مؤسسة الرسالة.

٢٠٠- تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المتقن جمال الدين أبي الحجاج يوسف المزّي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٢هـ، تحقيق: الدكتور بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة، بيروت، ط: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م.

٢٠١- تهذيب اللغة للأزهري، لإمام اللغة العلامة أبي منصور بن أحمد الأزهري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٧٠هـ، المؤسسة المصرية العامة للتأليف والنشر.

٢٠٢- جامع الأصول في أحاديث الرسول، للإمام مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد الجزري، المعروف بابن الأثير رحمه الله، (٥٤٤هـ- ٦٠٦هـ)، تحقيق: عبد القادر الأرناؤط، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠٣هـ-١٩٨٣م.

٢٠٣– جامع البيان عن تأويل القرآن المعروف بتفسير للطبري، للإمام المفسر أبي جعفر محمد بن جرير الطبري رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣١٠ هـ، مكتبة ابن تيمية، القاهرة.

٢٠٤– جامع الترمذي، الجامع المختصر من السنن عن رسول الله صلى الله سليه وسلم ومعرفة الصحيح والمعلول و ما عليه العمل، للإمام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة ابن موسىٰ الترمذي رحمه الله، (٢٠٠هـ– ٢٧٩هـ) بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم ١٤٢١هـ–أبريل ٢٠٠٠م/دار إحياء التراث العربي، بيروت، تحقيق: الشيخ أحمد محمد شاكر والشيخ محمد فؤاد عبد الباقي.

٢٠٥– جامع الدروس العربية، للشيخ مصطفىٰ الغلاييني ١٣٠٣–١٣٦٤هـ / ١٨٨٦–١٩٤٤م، تحقيق: الدكتور عبد المنعم خليل إبراهيم، قديمى كتب خانه كراتشي.

٢٠٦– جامع بيان العلم و فضله وما ينبغي في روايته وحمله، للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبد البر القرطبي، المتوفىٰ: ٤٦٣هـ، دار الفكر، بيروت.

٢٠٧– جمع الجوامع، الجامع الكبير في الحديث و الجامع الصغير وزوائده، للإمام جلال الدين عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، المتوفىٰ: ٩١١هـ، تحقيق: خالد عبد الفتاح شبل، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ–٢٠٠٠م.

٢٠٨– جمع الوسائل في شرح الشمائل، للعلامة الفقيه المحدث الشيخ علي بن سلطان محمد القاري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٠١٤هـ، إدارة تاليفات أشرفيه، ملتان.

٢٠٩– جنة المرتاب بنقد المغني عن الحفظ والكتاب للشيخ أبي حفص عمر بن بدر الموصلي، تصنيف: أبو إسحاق الحويني، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤١٤هـ–١٩٩٤م.

٢١٠– جواهر الرشيد، للشيخ المفتي رشيد أحمد اللدهيانوي، كتاب گهر كراچي.

٢١١– جواهر الإكليل شرح مختصر العلامة الشيخ خليل في مذهب الإمام مالك

إمام دار التنزيل، للعلامة صالح عبد السميع الآبي الأزهري، دار الفكر، بيروت.

٢١٢- حاشيه أنوارُالباري(اردو شرح)صحيح البخاري، إفادات الشيخ الكشميري وغيره، للشيخ السيد أحمد رضا البجنوري رحمه الله، إدارة التاليفات الأشرفية، ملتان، اشاعت: ١٤٢٥هـ.

٢١٣- حاشيه تقريرِ بخاري، إفادات العلامة المحدث الكبير، ريحانة الهند الشيخ مولانا محمد زكريا بن مولانا محمد يحيىٰ الكاندهلوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٤٠٢، مكتبة الشيخ، كراچى.

٢١٤- حاشية الدسوقي، للإمام العلام الشيخ محمد بن أحمد بن عرفة الدسوقي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٢٣٠ هـ، علىٰ الشرح الكبير، للشيخ أبي البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير المالكي، المتوفىٰ: ١٢٠١هـ، تخريج: محمد عبد الله شاهين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م.

٢١٥- حاشية السندي على سننِ النسائي، للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١١٣٨هـ، دار المعرفة، بيروت/ قديمي كتب خانه، كراچى.

٢١٦- حاشية السندي علىٰ صحيح البخاري،، للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١١٣٨هـ، دار المعرفة، بيروت/ قديمي كتب خانه، كراچى.

٢١٧- حاشية الصاوي علىٰ الشرح الكبير، للعلامة أحمد بن محمد الصاوي المالكي، دار المعارف، مصر، ١٣٩٢هـ.

٢١٨- حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، للإمام العلامة أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٢٣١هـ، قديمى كتب خانه كراچى/ دار الكتب العلمية، بيروت.

٢١٩- حاشية الإمام السندي على سنن ابن ماجه، للإمام أبي الحسن نور الدين محمد بن عبدالهادي السندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١١٣٨ هـ، دار المعرفة، بيروت.

٢٢٠- حاشية سعدي چلپي مع فتح القدير علىٰ الهداية، تحقيق: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدي، المكتبة الرشيدية، كوئٹه.

٢٢١- حاشية كتاب التاريخ الكبير، للحافظ النقاد شيخ الإسلام أبي عبدالله إسماعيل بن إبراهيم البخاري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٥٦ هـ، الموافق: ٨٦٩ م، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٧هـ-١٩٨٦م.

٢٢٢- حلية الأبرار، لهاشم البحراني، مكتبة يعسوب الدين، الإلكترونية.

٢٢٣- حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، للحافظ أبي نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠هـ، دار الفكر، بيروت، ط: ١٤١٢هـ-١٩٩٢م/ دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٢٤- خزانة الأدب و لبّ لباب لسان العرب، لعبدالقادر بن عمر البغدادي، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، مكتبة الخانجي، القاهرة، الطبعة الثالثة: ١٩٨٩م.

٢٢٥- خصائل نبوى مع اردو ترجمه وشرح حضرت شيخ الحديث مولانا محمد زكريا مهاجر مدنى، ١٤٠٢هـ، مكتبة البشرىٰ، الطبعة الاولىٰ: ١٤٣٠هـ الموافق ٢٠٠٩م.

٢٢٦- خلاصه الأقوال في معرفة الرجال، لأبي منصور الحسن بن يوسف المطهر الأسدي الشيعي، المتوفىٰ سنة: ٧٢٦هـ، تحقيق: جواد القيومي، مؤسسة النشر الإسلامي، مؤسسة نشر الفقاهة، ط: ١٤١٧هـ.

٢٢٧- خلاصة الخزرجي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، للعلامة صفي الدين الخزرجي رحمه الله، المتوفىٰ بعد سنة ٩٢٣هـ، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب، الطبعة الثانية: ١٣٩١هـ/١٩٧١م، دار إحياء التراث العربي / دائرة المعارف النظامية بهند.

٢٢٨- دلائل النبوة، لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة

٤٥٨ هـ، تحقيق: الدكتور عبد المعطي قلعجي، دار الكتب العلمية، بيروت، / المكتبةالأثرية، لاهور / دار الريان للتراث.

٢٢٩- ديوان رؤبة بن العجاج، تحقيق: وليم بن الورد، دارالآفاق الجديده، بيروت، الطبعة الثانية: ١٩٨٠م.

٢٣٠- ذيل الكاشف، للإمام الحفظ أبي زرعة أحمد بن عبد الرحيم العراقي، المتوفىٰ: ٨٢٦هـ، بهامش الكاشف في معرفة من له الرواية في الكتب الستة، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ هـ، توثيق ومقابلة: صدقي جميل العطار، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م/، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، تحقيق: الشيخ المحدث محمد عوامه، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م.

٢٣١- رجال الخاقاني، لعلي الخاقاني، تحقيق: محمد صادق بحر العلوم، مكتبة الإعلام الإسلامي، الطبعة الثانية: ١٤٠٤هـ.

٢٣٢- رجال السيد بحر العلوم، المعروف بالفوائد الرجالية، لمحمد المهدي الطباطبائي الشيعي، تحقيق: محمد صادق، مكتبة العلمين: الطوسي و بحر العلوم، النجف، مكتبة الصادق، طهران، الطبعة الأولىٰ: ١٣٦٣هـ.

٢٣٣- رحماء بينهم، محقق العصر مولانا محمد نافع صاحب دامت بركاتهم، دار الكتاب، لاهور، اشاعت ستمبر: ٢٠٠٦م.

٢٣٤- رد المحتار علىٰ الدر المختار، للفقيه العلامة خاتمة المحققين محمد أمين بن عمر، الشهير بابن عابدين رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٢٥٢ هـ تحقيق: الدكتور حسام الدين بن محمد صالح فرفور، دار الثقافة والتراث، دمشق سورية، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م، /مكتبة رشيدية، كوئٹه، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٢هـ.

٢٣٥- رسالة شرح تراجم أبواب صحيح البخاري (المطبوع مع صحيح البخاري)،

للإمام المحدث العارف الرباني الشيخ أحمد بن عبد الرحيم المعروف بالشاه ولي الله رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١١٧٦ هـ، قديمي كتب خانه، كراچی، الطبعة الثانية: ١٣٨١هـ-١٩٦١م.

٢٣٦- رصف المباني في شرح حروف المعاني، لأحمد بن عبد النور المالقي، تحقيق: أحمد محمد الخرّاط، مطبوعات مجمع اللغة العربية، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٩٧٥م.

٢٣٧- روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، الإمام العلامة أبي الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسي البغدادي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٢٧٠هـ، ضبطه و صححه علي عبد الباري عطية، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م.

٢٣٨- زاد المعاد في هدي خير العباد، للإمام العلامة المحدث شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أبي بكر الدمشقي، المعروف بابن القيم الجوزية رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة / مكتبة المنار الإسلامية.

٢٣٩- سبل السلام شرح بلوغ المرام من جمع أدلة الأحكام، للسيد الإمام محمد بن إسماعيل الكحلاني ثم الصنعاني المعروف بالأمير، المتوفىٰ سنة: ١١٨٢هـ، ويليه نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، مكتبة إحياء التراث العربي بيروت لبنان، الطبعة الخامسة: ١٣٩١هـ الموافق ١٩٧٩م.

٢٤٠- سر صناعة الإعراب، لأبي الفتح عثمان بن جنّي، تحقيق: حسن الهنداوي، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٩٨٥م

٢٤١- سراج القاري، للشيخ مولانا عبدالرحيم مد ظله، تحقيق: مولانا محمد سالم قاسمی هردوئی، الجامعة القاسمية دار العلوم زكريا بهند، طبع اول: ١٤٣٢هـ-٢٠١١م.

٢٤٢- سنن ابن ماجه، للإمام الحافظ أبي عبدالله محمد بن يزيد الربعي ابن ماجه القزويني رحمه الله، (٢٠٩هـ- ٢٧٣هـ)، بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم

١٤٢١هـ-أبريل ٢٠٠٠م.

٢٤٣- سنن الدار قطني، للإمام المحدث الحافظ الكبير علي بن عمر الدار قطني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور / مؤسسة الرسالة / دار المعرفة، بيروت.

٢٤٤- سنن الدارمي، للإمام الحافظ عبدالله بن عبدالرحمن الدارمي السمرقندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٢٥٥ هـ، تحقيق: فؤاد أحمد زمرلي و خالد السبع العلمي، قديمي كتب خانه، كراچی.

٢٤٥- سنن النسائي الصغرىٰ، المجتبىٰ من السنن للإمام الحافظ أبي عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي ابن سنان النسائي رحمه الله، (٢١٥هـ- ٣٠٣هـ)، بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم ١٤٢١هـ-أبريل ٢٠٠٠م.

٢٤٦- سنن أبي داؤد، السنن للإمام الحافظ أبي داؤد سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأذدي السجستاني رحمه الله، (٢٠٢هـ-٢٧٥هـ، بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم ١٤٢١هـ-أبريل ٢٠٠٠م.

٢٤٧- سير أعلام النبلاء، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، إشراف و تحقيق: الشيخ شعب الأرناؤط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الرابعة: ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م.

٢٤٨- سیرت حضرت امیر معاویه رضي الله عنه، مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتهم العالية، دار الكتاب، لاهور، اشاعت: جنوری ٢٠٠٧م.

٢٤٩- شذرات الذهب في أخبار من ذهب، للإمام شهاب الدين أبي الفلاح عبدا الحيي بن أحمد بن محمد العكري الحنبلي الدمشقي رحمه الله، التوفىٰ سنة ١٠٨٩هـ، دار ابن

كثير.

٢٥٠- شرح ابن بطال على صحيح البخاري، لأبي الحسن علي بن خلف بن عبدالملك ابن بطال البكري القرطبي رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ٤٤٩هـ، تحقيق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، / مكتبة الرشد، رياض.

٢٥١- شرح ابن عقيل علیٰ ألفية (الإمام جمال الدين) ابن مالك، للعلامة النحوي بهاء الدين عبدالله بن عقيل العقيلي المصري الهمذاني رحمه الله، المتوفیٰ سنة ٧٦٩هـ، ومعه كتاب منحة الجليل بتحقيق شرح ابن عقيل، لمحمد محي الدين عبد الحميد، قديمي كتب خانه كراچی/دار جروس، طرابلس(لبنان)، تحقيق: أحمد سليم الحمصي ومحمد أحمد القاسم، الطبعة الأولیٰ: ١٩٩٠م.

٢٥٢- شرح الأشموني علیٰ ألفية ابن مالك، لأبي الحسن نور الدين علي بن محمد بن عيسیٰ المتوفیٰ: ٩٠٠هـ، تحقيق: حسن حمد، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ١٤١٩هـ-١٩٩٨م، ومكتبة النهضة المصرية، القاهرة، الطبعة الأولیٰ: ١٩٥٥م.

٢٥٣- شرح التصريح علیٰ التوضيح، لخالد بن عبد الله الأزهري، مع تعليقات يٰسين بن زين الدين، دار إحيا الكتب العربية(عيسیٰ البابي الحلبي و شركاه)القهرة.

٢٥٤- شرح الرضي علیٰ الكافية، لرضي الدين محمد بن الحسن الأستر آبادي المتوفیٰ: ٦٨٦هـ، تحقيق: الدكتور إميل بديع يعقوب، مكتبة المنار، كوئٹه.

٢٥٥- شرح الزرقاني علیٰ مؤطأ الإمام مالك، للإمام العلامة محمد بن عبدالباقي بن يوسف الزرقاني رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ١١٢٢ هـ، تحقيق: لجنة من العلماء، دار الفكر، بيروت.

٢٥٦- شرح الشمائل للعلامة الشيخ عبد الرؤف المناوي المصري، المتوفیٰ: ١٠٠٣هـ، بهامش جمع الوسائل في شرح الشمائل، للعلامة الفقيه المحدث الشيخ علي بن سلطان محمد القاري رحمه الله، المتوفیٰ سنة: ١٠١٤هـ، إدارة تاليفات أشرفيه، ملتان.

٢٥٧- شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، المسمّىٰ ب الكاشف عن حقائق السنن للإمام الكبير شرف الدين حسين بن محمد بن عبدالله الطيبي رحمه الله، المتوفى سنة: ٧٤٣هـ، تحقيق: المفتي عبد الغفار و جماعة من العلماء، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٣هـ.

٢٥٨- شرح الكرماني علىٰ صحيح البخاري، المسمىٰ بالكواكب الدراري، للإمام العلامة المحدث شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٨٦، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠١هـ-١٩٨١م.

٢٥٩- شرح المفصل، لابن يعيش بن علي، عام الكتب، بيروت، ومكتبة المتنبي، القاهرة.

٢٦٠- شرح النووي علىٰ صحيح الإمام مسلم، المسمىٰ بالمنهاج للإمام العلامة الفقيه الحافظ أبي زكريا محيي الدين بن شرف النووي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٦٧٦ هـ، دار المعرفة، بيروت، تحقيق: الشيخ خليل مأمون شيخا، الطبعة الثانية عشر: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/قديمى كتب خانه، كراچى، / المطبعة المصرية بالأزهر.

٢٦١- شرح آداب البحث للسمرقندي، قطب الدين محمد الكيلاني، المتوفىٰ: ١٩١٤م، عكس مخطوط جامعة الملك سعود.

٢٦٢- شرح سنن أبي داؤد، للإمام بدرالدين أبي محمد محمود بن أحمد بن موسىٰ العيني، المتوفي: ٨٥٥هـ، تحقيق: أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري، مكتب الرشد، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م.

٢٦٣- شرح شذور الذهب، للإمام محمد جمال الدين عبد الله بن يوسف بن أحمد ابن هشام الأنصاري رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٦١هـ، تحقيق: عبد الغني الدقر، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ١٩٨٢م.

٢٦٤- شرح شواهد المغني، للإمام عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، منشورات،

دار مكتبة الحياة، بيروت.

٢٦٥- شرح قطر الندىٰ، للإمام محمد جمال الدين عبد الله بن يوسف بن أحمد ابن هشام الأنصاري رحمه الله، المتوفى: ٧٦١هـ، تحقيق: عبد الحميد، قديمي كتب خانه كراچى مكتبة طيبة، دار الخير.

٢٦٦- شرح مشكل الآثار، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٢١هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

٢٦٧- شرح معاني الآثار، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٢١هـ، تحقيق: محمد زهري النجار، عالم الكتاب، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٤هـ-١٩٩٤م/ المكتبة الحقانية، ملتان.

٢٦٨- شعب الإيمان، للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي ٣٨٤هـ-٤٥٨هـ، تحقيق: أبو هاجر محمد السعيدبن بسيوني زغلول، دار الكتب العلمية بيروت لبنان.

٢٦٩- صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان، للأمير علاء الدين علي بن بلبان الفارسي، المتوفىٰ: ٧٣٩هـ، تحقيق: الشيخ شعيب الأرناؤط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤١٤هـ-١٩٩٣م.

٢٧٠- صحيح البخاري الجامع المسند الصحيح من أمور رسول الله صلى الله سليه وسلم و سننه و أيامه، للإمام أبي عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن بردزبه البخاري رحمه الله، (١٩٤هـ- ٢٥٦هـ)، بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم ١٤٢١هـ-أبريل ٢٠٠٠م/دار الفكر، بيروت، تخريج وضبط و تنسيق الحواشي صدقي جميل العطار، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٥هـ، ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م/دار أرقم، بيروت، تحقيق: محمد نزار تميم و هيثم نزار تميم.

٢٧١- صحيح الإمام مسلم، المسند الصحيح المختصر من السنن بنقل العدل عن

العدل عن رسول الله صلى الله سليه وسلم، للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشري النيسابوري رحمه الله، (٢٠٦هـ- ٢٦١هـ)، بإشراف و مراجعة: فضيلة الشيخ صالح بن عبد العزيز بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ، دار السلام للنشر والتوزيع، الطبعة الثالثة: محرم ١٤٢١هـ-أبريل ٢٠٠٠م.

٢٧٢- صفة الصفوة، للإمام العالم جمال الدين أبي الفرج إبن الجوزي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٩٧هـ، دار المعرفة، بيروت.

٢٧٣- طرح التثريب في شرح التقريب، للشيخ زين الدين أبي الفضل عبدالرحيم بن الحسين العراقي: ٧٤٥-٨٠٦ هـ، تحقيق: حمدي الدمرداش محمد، الناشر: مكتبة نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٤ هـ الموافق ٢٠٠٣م.

٢٧٤- عارضة الأحوذي بشرح صحيح الترمذي، المعروف بشرح ابن العربي علىٰ صحيح الترمذي، للإمام أبي بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي المالكي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٥٤٣، بحواشي الشيخ جمال المرعشلي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م.

٢٧٥- علل الحديث لابن أبي حاتم، للحافظ أبي محمد عبدالرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس الحنظلي الرازي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٣٢٧ هـ، مكتبة الملك فهد.

٢٧٦- علوم الحديث، للإمام أبي عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشهرزوري، تحقيق: الدكتور نور الدين عتر، دار الفكر، دمشق، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٢٧٧- عمدة القاري شرح صحيح البخاري، للإمام العلامة الفقيه المحدث بدرالدين أبومحمد محمود بن أحمد العيني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٥هـ، ضبطه: عبد الله محمود محمد عمر دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠١م، /إدارة الطباعة المنيرية.

٢٧٨- عوالي الإمام مالك رواية أبي أحمد الحاكم، تحقيق: محمد الحاج الناصر،

دار الغرب الإسلامي، الطبعة الثانية: ١٩٩٨م.

٢٧٩- عهد اموي ميں سياسى و مذهبى احزاب، از: ڈاکٹر پروفیسر علی محسن صدیقی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، ط: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٧م.

٢٨٠- غنية المستملي في شرح منية المصلي المشتهر بشرح الكبير، للشيخ إبراهيم الحلبي الحنفي، المتوفىٰ سنة ٩٥٦هـ، الناشر: سهيل اكيدمى لاهور باكستان، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٩هـ الموافق ١٩٧٩م.

٢٨١- فتاوىٰ قاضي خان في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، للإمام فخر الدين أبي المحاسن الحسن بن منصور المعروف بقاضي خان الأورجندي الفرغاني، المتوفىٰ: ٥٩٢هـ، قديمی کتب خانه، کراچی.

٢٨٢- فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الرابعة: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م/دار السلام، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م.

٢٨٣- فتح الباري شرح صحيح البخاري، للإمام العلام زين الدين عبدالرحمن بن أحمد ابن رجب الحنبلي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٩٥هـ، تحقيق: أحمد فتحي عبدالرحمٰن، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٦م/ مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة.

٢٨٤- فتح القدير علىٰ الهداية، للشيخ الإمام كمال الدين محمد بن عبدالواحد، المعروف بابن الهمام الحنفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٦٨١هـ، تحقيق: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدي، المكتبة الرشيدية، کوئٹه.

٢٨٥- فتح المغيث شرح ألفية الحديث، للإمام الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمٰن السخاوي، المتوفىٰ: ٩٠٢هـ، تحقيق: مجدي فتحي السيد و مصطفىٰ شتات، المكتبة التوفيقية، القاهرة.

٢٨٦– فتح الملهم شرح صحيح مسلم، للعلامة المحدث مولانا شبير أحمد العثماني رحمه الله(١٣٦٩هـ)، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٧هـ–٢٠٠٦م.

٢٨٧– فضل الباري (شرح اردو)صحيح البخاري، لشيخ الإسلام العلامة شبير أحمد العثماني رحمه الله، المتوفىٰ سنة ١٣٦٩هـ، ترتيب و مراجعت: قاضي عبد الرحمٰن، إدارة العلوم الشرعية، كراتشي، ط: ١٣٩٥هـ–١٩٧٥م.

٢٨٨– فقه السنة، للسيد سابق، دار الفاتح للإعلام العربي، ط: ١٤١٦هـ–١٩٩٥م.

٢٨٩– فقه اللغة و أسرار العربية، للإمام أبي منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبي، المتوفىٰ: ٤٣٠هـ، تحقيق: ياسين الأيوبي، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٠هـ–٢٠٠٠م/ مكتبة الخانجي القاهرة، الطبعة الثانية: ١٤١٨هـ–١٩٩٨م.

٢٩٠– فوات الوفيات والذيل عليها، للإمام محمد شاكر الكبتي ٧٦٤هـ، تحقيق: الدكتور إحسان عباس، دار صادر بيروت.

٢٩١– فهرست أسماء مصنفي الشيعة، المعروف برجال النجاشي، لأبي العباس أحمد بن علي بن العباس النجاشي، تحقيق: موسىٰ الشبيري، و مؤسسة النشر الإسلامي، قم.

٢٩٢– فيروز اللغات، مصنف الحاج مولوى فيروزالدين، فيروز سنز، لاهور، كراچى، دوسرا ايڈيشن، فيروز اللغات اردو جديد، اٹھائيسويں اشاعت: ٢٠١٢م.

٢٩٣– فيض الباري علىٰ صحيح البخاري، للفقيه المحدث الشيخ محمد أنور شاه الكشميري ثم الديوبندي رحمه الله، المتوفىٰ سنة١٢٥٢هـ، مع حاشية البدر الساري إلىٰ فيض الباري، للعلامة بدر عالم الميرٹهي، دار الكتب العلمية /المكتبةالرشيدية، كوئٹه.

٢٩٤– قواعد في علوم الحديث (مقدمة إعلاء السنن)، للعلامة المحقق الفقيه ظفر أحمد العثماني التهانوي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٣٩٤هـ، تحقيق: الشيخ العلامة عبدالفتاح أبوغدة، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي.

٢٩٥– كتاب الأم، للإمام الفقيه المحدث محمد بن إدريس الشافعي رحمه الله،

(١٥٠هـ- ٢٠٤هـ)، بتحقيق الدكتور أحمد بدر الدين حسون، دار قتيبة، دمشق وبيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م، دار الوفاء/ بتحقيق الدكتور رفعت فوزي عبدالمطلب.

٢٩٦- كتاب التاريخ الكبير، للحافظ النقاد شيخ الإسلام أبي عبدالله إسماعيل بن إبراهيم البخاري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٥٦ هـ، الموافق: ٨٦٩ م، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٧هـ-١٩٨٦م.

٢٩٧- كتاب التعريفات، للإمام أبي الحسن السيد الشريف علي بن محمد بن علي الحسيني الجرجاني، الحنفي، (٧٤٠هـ-٨١٦هـ)، قديمی کتب خانه کراچی.

٢٩٨- كتاب الثقات، للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التميمي البستي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٥٤هـ الموافق سنة: ٩٦٥ م، تحت مراقبة: الدكتور محمد عبد المعيد خان، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٣هـ-١٩٧٣م/مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الهند، ط ١٤٠٠هـ/دار الكتب العلميه، بيروت، مع حواشي إبراهيم شمس الدين و تركي فرحان المصطفىٰ، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٩هـ-١٩٩٨م.

٢٩٩- كتاب الذيل علىٰ طباقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي، للإمام الحافظ زين الدين أبي الفرج عبد الرحمٰن بن شهاب الدين أحمد البغدادي الحنبلي(٧٣٦هـ-٧٩٥هـ)، تصحيح: محمد حامد الفقي(١٣٧٢هـ-١٩٥٣م)، مكتبة السنة المحمدية، القاهرة، مصر.

٣٠٠- كتاب الزهد ويليه كتاب الرقائق للإمام شيخ الإسلام عبد الله بن المبارك المروزي المتوفىٰ سنة: ١٨١هـ، حققه و علق عليه: الأستاذ المحدث المحقق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٣٠١- كتاب الضعفاء الكبير، للحافظ أبي جعفر محمد بن عمرو بن موسىٰ بن حماد العقيلي المكي، تحقيق: الدكتور عبد المعطي أمين قلعجي، دار الكتب العلمية بيروت.

٣٠٢- كتاب العلل ومعرفة الرجال، للإمام أبي عبدالرحمٰن عبدالله بن أحمد بن حنبل رحمه الله، تحقيق: أبو عبدالهادي محمد مجفان الجزائري، مكتبة دار ابن حزم، الطبعة

الأولىٰ: ١٤٢٥هـ الموافق ٢٠٠٤م.

٣٠٣- كتاب الفقيه و المتفقه، للإمام أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، المتوفىٰ: ٤٦٢هـ، تحقيق: أبو عبد الرحمٰن عادل بن يوسف الغرازي، دار ابن الجوزية، السعودية، ط: ١٤٢١هـ.

٣٠٤- كتاب الفهرست لابن النديم، لأبي الفرج محمد بن أبي يعقوب إسحاق الوراق الشيعي، المعروف ابن النديم، المتوفىٰ: ٣٨٠هـ، تحقيق: رضا - تجدد الحائري، نور محمد كتب خانه، كراچى.

٣٠٥- كتاب المجروحين من المحدثين، للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد أبي حاتم التميمي البستي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٥٤ هـ، تحقيق: حمدي عبد المجيد السلفي، دار الصميعي، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م/ دار المعرفة، بيروت.

٣٠٦- كتاب الموضوعات، للإمام أبي الفرج عبد الرحمٰن بن علي بن الجوزي، المتوفىٰ: ٥٩٧هـ، تحقيق؛توفيق حمدان، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٧هـ-٢٠٠٣م، /محمد سعيد اينڈ سنز، كراچى، تحقيق: عبد الرحمٰن محمد عثمان، الطبعة الأولىٰ: ١٣٨٨هـ-١٩٦٨م.

٣٠٧- كتاب الإصابة في معرفة الصحابة، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله، (٧٧٣هـ- ٨٥٢هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٣٩٨هـ-١٩٧٨م.

٣٠٨- كشف الاستار عن زوائد البزار علىٰ الكتب الستة، للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي(٢٠٦هـ-٢٨٧هـ)، تحقيق: الشيخ البحاثة حبيب الرحمٰن الأعظمي، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٠٤هـ-١٩٨٤م.

٣٠٩- كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، للإمام علاء الدين عبد

العزيز أحمد البخاري، المتوفىٰ: ٧٣٠هـ، مع حاشية عبد الله محمود محمد عمر، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ١٣٩٤هـ-١٩٦٩م.

٣١٠- كشف الباري عما في صحيح البخاري، لشيخ الحديث مولانا سليم الله خان دامت بركاتهم، المكتبة الفاروقية، كراتشي، ط: ١٤٢٩هـ-٢٠٠٨م.

٣١١- كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، للمؤرخ الشهير مصطفىٰ بن عبد الله، المعروف بحاجي خليفة و بكاتب چلپي، تقديم: شهاب الدين النجفي، مكتبة المثنىٰ، بغداد.

٣١٢- كشف القناع عن متن الإقناع، للشيخ العلامة فقيه الحنابلة منصور بن يونس بن إدريس البهوتي رحمه الله، المتوفىٰ سنة، ١٠٥١ هـ، عالم الكتب، الطبعة الأولىٰ سنة ١٤١٧هـ.

٣١٣- كشف المشكل من حديث الصحيحين، للإمام الحافظ جمال الدين أبي الفرج عبدالرحمن بن علي بن محمد الجوزي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٥٩٧ هـ، تحقيق: الدكتور علي حسين البواب، دارالنشر و دار الوطن، الرياض، ط: ١٤١٨هـ-١٩٩٧م.

٣١٤- كشف المغطا عن وجه المؤطأ (حاشية مؤطأ الإمام مالك)، للشيخ محمد إشفاق الرحمن الكاندهلوي رحمه الله، قديمي كتب خانه.

٣١٥- كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار، تقي الدين أبي بكر بن محمد الحسيني الدمشقي، تحقيق: كامل محمد محمد عويضه، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م.

٣١٦- كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال، للعلامة علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهندي، المتوفىٰ: ٩٧٥هـ، تحقيق: محمود عمر الدمياطي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٤م.

٣١٧- لامع الدراري علىٰ جامع البخاري، للإمام الفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد

الكنكوهي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٣٢٣، ضبطه: الإمام المحدث محمد يحيىٰ الكاندهلوي المتوفىٰ: ١٣٣٤هـ، المكتبة الإمدادية، مكة المكرمة، ط: ١٣٩٦هـ-١٩٧٦م.

٣١٨- لسان العرب، للإمام العلام أبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظورالأفريقي المصري، المتوفىٰ سنة: ٧١١هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثالثة/ مؤسسة التاريخ الإسلامي، بيروت، لبنان.

٣١٩- لسان الميزان، للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجرالعسقلاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٨٥٢هـ، اعتنىٰ به: الشيخ عبد الفتاح أبوغده، مكتبالمطبوعات الإسلامي، دار البشائر الإسلامية، بيرونت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م/دارإحيا التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م/مجلس دائرة المعارف النظامية، بحيدرآباد، الدكن، الهند/دارإحياء الترث العربي، بيروت، تحقيق: مكتبة التحقيق، بإشراف محمد عبد الرحمٰن المرعشلي، البطعة الظانية: ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م.

٣٢٠- لغات كشورى(بڑاسائز)مؤلف سيد تضدق حسين رضوى، مير محمد كتب خانه كراچى.

٣٢١- لغات القرآن مع فهرست الفاظ، مولانا عبد الرشيد النعمانى، دار الإشاعت، كراچى، طباعت: ١٩٩٤م.

٣٢٢- مبادى علم الحديث و أصوله للإمام العلامة الشيخ شبير أحمد العثماني، المتوفىٰ: ١٣٦٩هـ، المعتنىٰ به: الشيخ عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الرابعة في لبنان بيروت: ١٤٣٢هـ/٢٠١١م.

٣٢٣- مجمع الزوائد و منبع الفوائد للحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيتمي، المتوفىٰ: ٨٠٧هـ، بتحرير الحافظين الجليلين العراقي و ابن حجر، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٨هـ-١٩٨٨م.

٣٢٤- مجمع بحار الأنوارفي غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، للشيخ العلام اللغوي

محمد طاهر الصديقي الهندي الججراتي، المتوفىٰ سنة: ٩٨٦هـ الموافق سنة: ١٥٧٨ء، طبع بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، بحيدر آباد، الدكن، الهند، ط: ١٣٩٣هـ-١٩٧٣م.

٣٢٥- مجمل اللغة، أبي الحسين أحمد بن فارس بن زكريا القزويني الرازي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٩٥هـ، دار الفكر، بيروت.

٣٢٦- مختار الصحاح، للإمام محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر الرازي رحمه الله، المتوفىٰ بعد سنة: ٦٦٦هـ، دار إحيا التراث العربي، بيروت، ط: ١٤١٩هـ-١٩٩٩م/ دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٥هـ-١٩٩٤م.

٣٢٧- مختصر اختلاف العلماء، للإمام المحدث الفقيه أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي رحمه الله، المتوفىٰ: ٣٢١هـ)، للإمام أبي بكر أحمد بن علي الجصاص الرازي المتوفىٰ: ٣٧٠هـ، تحقيق: الدكتور نذير أحمد، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ-١٩٩٥م.

٣٢٨- مدرسة الكذابين في رواية التاريخ الإسلامي و تدوينه، للدكتور خالد كبير علال، دار البلاغ، الجزائر، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ-١٩٩٦م.

٣٢٩- مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، للعلامة الفقيه المحدث الشيخ علي بن سلطان محمد القاري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٠١٤هـ، تحقيق: الشيخ جمال عيتأني، دار الكتب العملية، بيروت، الطبعة الثانية: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٧م.

٣٣٠- مسند البزار، للإمام الحافظ أبي عمرو أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البصري البزار، المتوفىٰ: ٢٩٢هـ، مكتبة العلوم والحكم، السعودية، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٤هـ.

٣٣١- مسند الحميدي، للإمام المحدث أبي بكر عبدالله بن الزبير القرشي المعروف بالحميدي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٠٩ هـ، تحقيق: الشيخ المحدث حبيب الرحمٰن الأعظمي دار الفكر، بيروت، ط: ١٣٨٠هـ/ دار السقا، دمشق.

٣٣٢- مسند الشاميين، للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب اللخمي

الطبراني (٢٦٠هـ-٣٦٠هـ)، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٦هـ-١٩٩٦م.

٣٣٣- مسند الإمام الشافعي علىٰ ترتيب السندي، دار الكتب العلمية، بيروت.

٣٣٤- مسند الإمام أحمد بن حنبل، للإمام أحمد بن حنبل رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٢٤١هـ، تحقيق: الشيخ شعيب الأرنؤط وجماعة، مؤسسة الرسالة، بيروت الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠١م/ مؤسسة قرطبة، القاهرة/عالم الكتب، دار الكتب العلمية، بيروت، مع تحقيق: محمد عبد الشافي، ط: ١٤١٣هـ-١٩٩٣م.

٣٣٥- مسند أبي عوانة، للإمام الجليل أبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣١٦هـ، تحقيق: أيمن بن عارف الدمشقي، دار المعرفة، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى: ١٤١٩هـ-١٩٩٨م.

٣٣٦- مسند أبي يعلىٰ الموصلي، للإمام أبي يعلىٰ أحمد بن علي بن المثنىٰ الموصلي، المتوفي: ٣٠٧هـ، تحقيق: حسين سليم أسد، مكتبة الرشد، الرياض، دار المامون للتراث، دمشق، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٠هـ-٢٠٠٩م/دار الكتب العلمية، بيروت، تحقيق: مصطفىٰ عبد القادر عطا، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ-١٩٩٨م.

٣٣٧- مسند أطراف الإمام أحمد بن حنبل، المسمىٰ بإطراف المسند المعتلي بأطراف المسند الحنبلي، للإمام الحافظ ابن حجر العسقلاني، المتوفىٰ: ٨٥٢هـ، تحقيق: الدكتور زهير بن ناصر الناصر، دار ابن كثير، دمشق، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٤هـ-١٩٩٣م.

٣٣٨- مسندأبي داؤد الطيالسي، للإمام المحدث أبي داؤد سليمان بن داؤد بن الجارود رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٠٤ هـ، تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٣٣٩- مشارق الأنوار علىٰ صحاح الآثار، للإمام الشهير الكبير القاضي أبي الفضل

عياض بن موسى بن عياض اليحصبي البتي المالكي، المتوفي: ٥٤٤هـ، دار التراث، القاهرة.

٣٤٠- معارف السنن شرح سنن الترمذي، للإمام المحدث الشيخ السيد محمد يوسف بن سيد محمد زكريا الحسيني البنوري رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ١٣٩٧، المكتبة البنورية كراچی /ایچ، ایم، سعید، کمپنی.

٣٤١- معالم السنن شرح سنن الإمام أبي داؤد رحمه الله، للإما، أبي سليمان حمد بن محمد الخطابي البستي رحمه الله، المتوفى سنة ٣٨٨هـ، طبعه و صححه محمد راغب الطباخ في مطبعته العلمية بحلب.

٣٤٢- معجم الأدباء، للإمام العلامة الأديب المؤرخ شهاب الدين أبي عبدالله ياقوت بن عبدالله الرومي الحموي ٥٧٧-٦٢٦هـ / ١١٧٨-١٢٢٨م، تحقيق: الدكتور عمر الفاروق، مؤسسة المعارف بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٠هـ الموافق ١٩٩٠م.

٣٤٣- معجم الصحاح، للإمام العلامة إسماعيل بن حماد الجوهري، المتوفىٰ سنة: ٣٩٣هـ، دار المعرفة، بيروت، لبنان: الطبعة الثالثة: ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م.

٣٤٤- معجم المؤلفين تراجم مصنفي الكتب العربية، لعمر رضا كحاله، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٣٤٥- معجم رجال الحديث و تفصيل طبقات الرواة، لأبي القاسم الموسوي الخوئي، الطبعة الخامسة: ١٤١٣هـ-١٩٩٢م، إيران.

٣٤٦- معجم مفردات القرآن، للعلامة أبي القاسم الحسين بن محمد بن المفضل، المعروف بالراغب الأصفهاني، المتوفىٰ: ٥٠٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ط: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٣٤٧- معجم مقاييس اللغة، لأبي الحسين أحمد بن فارس بن زكريا القزويني الرازي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٣٩٥هـ، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى: ١٣٩٩هـ-١٩٧٩م.

٣٤٨- معرفة الثقات، للإمام أحمد بن عبدالله بن صالح أبي الحسن العجلي الكوفي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٢٦١ هـ، تحقيق: عبد العليم عبد العظيم البستوي، مكتبة الدار، المدينة المنورة، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

٣٤٩- معرفة الصحابة لأبي نعيم، للإمام المحدث العلامة أحمد بن عبدالله بن أحمد بن إسحاق بن مهران، المعروف بأبي نعيم الأصبهاني رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٤٣٠هـ، تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل و مسعر عبد الحميد السعدني، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٢هـ-٢٠٠٢م/ دار الوطن للنشر.

٣٥٠- معرفة أنواع علم الحديث، للإمام أبي عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشهرزوري، تحقيق: الدكتور عبد اللطيف، ماهر ياسين القمل، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢٣هـ.

٣٥١- مغني اللبيب عن كتب الأعاريب، للإمام محمد جمال الدين عبد الله بن يوسف بن أحمد ابن هشام الأنصاري رحمه الله، المتوفىٰ: ٧٦١هـ، تحقيق: حسن حمد، قديمي كتب خانه كراچى/المكتبة العصرية، بيروت، لبنان، ط: ١٩٨٧م.

٣٥٢- مغني المحتاج إلىٰ ألفاظ المنهاج، للشيخ محمد الخطيب الشربيني، دار الفكر، بيروت/مطبعة مصطفىٰ البابي و أولاده، مصر.

٣٥٣- مفتاح السعادة و مصباح السيادة في موضوعات العلوم، للعلامة أحمد بن مصطفىٰ الشهير بطاش كبرى زاده، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولىٰ: ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

٣٥٤- مكمل إكمال الإكمال، للإمام أبي عبدالله محمد بن محمد بن يوسف السنوسي رحمه الله، المتوفى: ٨٩٥هـ، دار الكتب العلميه، بيروت.

٣٥٥- مناقب الإمام أبي حنيفة و صاحبيه، للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد الذهبي الدمشقي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨ هـ، مكتبة المطبوعات الإسلامية،

حلب.

٣٥٦- مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل، لأبي عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن المغربي المتوفىٰ: ٩٥٤هـ، دار عالم الكتب.

٣٥٧- موسوعة الحديث الشريف للكتب الستة، دار السلام، المملكة العربية السعودية، الطبعة الثالثة: ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م.

٣٥٨- موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، للباحث العلامة محمد علي التهانوي، تحقيق: الدكتور علي دحروج، مكتبة لبنان ناشرون، الطبعة الأولىٰ: ١٩٩٦م.

٣٥٩- ميزان الاعتدال في نقد الرجال للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي رحمه الله، المتوفىٰ سنة: ٧٤٨هـ، تحقيق: علي محمد البجاوي، دارإحيا الكتب العربية، عيسىٰ البابي الحلبي و شركاه، الطبعة الأولىٰ: ١٣٨٢هـ-١٩٦٣م.

٣٦٠- نزهة النظر في توضيح نخبة الفكرلابن حجر العسقلاني، تحقيق: الدكتور نور الدين العتر، الرحيم اكيڈمی، كراتشي، مكتبة البشرىٰ، كراتشي.

٣٦١- نقد الرجال، لمصطفىٰ بن الحسين الحسيني التفرشي الشيعي، مؤسسة آل البيت لإحيا التراث، قم إيران، الطبعة الأولىٰ: ١٤١٨هـ.

٣٦٢- نوادر الأصول في أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم، للإمام أبي عبد الله محمد بن علي الحسن الحكيم الترمذي، المتوفىٰ: ٣٦٠هـ، تحقيق: عبد الرحمٰن عميرة، دار الجيل، بيروت، ط: ١٩٩٢م.

٣٦٣- نيل الأوطار من أحاديث سيد الأبرار شرح منتقىٰ الأخبار، للشيخ الإمام محمد بن علي الشوكاني رحمه الله، المتوفى سنة: ١٢٥٥ هـ، تحقيق: محمد سالم هاشم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٣٦٤- وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، لأبي العباس شمس الدين أحمد بن محمد

بن أبي بكر بن خلكان ٦٠٨هـ- ٦٨١هـ، تحقيق: الدكتور إحسان عباس، دار صادر، بيروت.

٣٦٥- هدي الساري مقدمة فتح الباري، للحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر شهاب الدين العسقلاني الشافعي رحمه الله، المتوفىٰ سنة ٨٥٢ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، البعة الرابعة: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولىٰ: ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م.

٣٦٦- همع الهوامع شرح جمع الجوامع في علم العربية، للإمام عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي، المتوفى: ٩١١هـ، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة، الطبعة الأولىٰ: ١٣٢٧هـ.